



فتاویٰ محسوسہ

فقیہ الاہل سنت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

تبویب، تخریج اور تعلق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجتہد

زیر نگرانی

دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
	باب البدعات والرسوم (بدعات اور رسومات کا بیان)	
۲۳	بدعت کی تعریف.....	۱
۲۵	فرض، سنت، بدعت وغیرہ کی تعریف.....	۲
۲۷	سنت و بدعت کی تعریف و تقسیم.....	۳
۳۱	بدعت کی تقسیم.....	۴
۳۲	ایضاً.....	۵
۳۲	بدعت کی اقسام.....	۶
۳۶	ایضاً.....	۷
۳۶	کیا غیر ثابت چیزیں بھی خیر ہیں؟.....	۸
۳۷	جمع قرآن اور تراویح وغیرہ کیا بدعت ہیں؟.....	۹

۳۹	سنی، حنفی، وہابی کی تعریف	۱۰
۴۳	وہابی کی تعریف	۱۱
۴۶	وہابی کون ہے؟	۱۲
۴۸	کیا تارکِ فرائض سنی کھلانے کا حقدار ہے؟	۱۳
۴۹	کسی کام کو کسی کی سنت کہنا	۱۴
۵۰	مستحب پر اصرار	۱۵
۵۰	ایضاً	۱۶
۵۳	اصلاح کی نیت سے بدعات میں شرکت	۱۷
۵۴	اصلاح کی نیت سے بدعتیوں کے ساتھ امام صاحب کی کھانے میں شرکت	۱۸
۵۶	بدعتی سے میل جول	۱۹
۵۷	رضا خانیوں کے ساتھ معاملہ	۲۰
۵۸	بدعتی اور تبع سنت عالم کے پرکھنے کا طریقہ	۲۱
(مروجہ فاتحہ خوانی اور ختم کا بیان)		
۶۰	فاتحہ مروجہ	۲۲
۶۱	ایضاً	۲۳
۶۲	کتاب ”آزر جندی“ کی حقیقت اور فاتحہ	۲۴
۶۸	کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ کا ثبوت نہیں	۲۵
۶۹	شہدائے کربلا کے لئے فاتحہ	۲۶
۷۰	دفن کے بعد مکان پر مخصوص فاتحہ	۲۷
۷۱	قل پنجایت اور فاتحہ	۲۸
۷۲	ختم کے بعد کھانا	۲۹
۷۲	یسین شریف کا ختم	۳۰

۷۳ وظیفہ سورہ یسین کے ختم پر شیرینی	۳۱
۷۴ ختم قرآن پر دعوت	۳۲
۷۵ ایمان کے شکر میں ختم	۳۳
۷۶ ختم خواجہ گان پر دوام برائے حصول مقصد	۳۴
۷۶ ختم قرآن پر مٹھائی	۳۵
۷۸ ختم قرآن کے دن جھنڈیاں لگانا	۳۶
۷۸ ختم قرآن میں چراغاں	۳۷
۷۹ مخصوص طور پر ختم اور مسجد میں کھانا کھلانا اور چھینا جھپٹی	۳۸
۸۰ روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور مزارات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر قرآن خوانی	۳۹
۸۱ میت کے لئے ایک لاکھ کلمہ طیبہ	۴۰
۸۳ ختم میں سوالا کھ کی تعداد	۴۱
۸۵ ایصالِ ثواب وغیرہ کے ختم قرآن پر شیرینی	۴۲
۸۶ ایصالِ ثواب کے لئے مجلس	۴۳
۸۷ ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ و دن کی تعیین	۴۴
۸۹ غیر مسلم کو ثواب پہنچانا	۴۵
۸۹ ایصالِ ثواب پر چائے پیش کرنا	۴۶
۸۹ ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ مقرر کرنا	۴۷
۹۱ ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ متعین کرنا، اوقاتِ مدرسہ میں مدرسین اور طلبہ کا ایصالِ ثواب کرنا	۴۸
۹۱ ایصالِ ثواب کو اخبار میں شائع کرنا	۴۹
۹۳ ایصالِ ثواب کرنے والوں کو کچھ ہدیہ دینا	۵۰
۹۴ مروجہ طریقہ پر ایصالِ ثواب	۵۱
۹۶ ایصالِ ثواب پر کھانا	۵۲
۹۶ کسی دوسرے مقام پر جا کر ایصالِ ثواب کرنا اور کھانا	۵۳

۵۴	ایصالِ ثواب کے لئے دن کی تعیین	۹۷
۵۵	ایصالِ ثواب کے کھانے کا مستحق کون ہے؟	۹۷
(مروّجہ صلاۃ و سلام کا بیان)		
۵۶	”صلی اللہ علیک یا رسول اللہ“ کا ثبوت	۱۰۱
۵۷	اذان کے بعد کچھ کلمات نصیحت	۱۰۲
۵۸	اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا	۱۰۳
۵۹	ایضاً	۱۰۴
۶۰	ختم تراویح کے بعد ”الصلوۃ والسلام یا آدم صغی اللہ“ پڑھنا	۱۰۴
۶۱	تراویح کے بعد مخصوص انبیاء پر مخصوص درود پڑھنا	۱۰۵
۶۲	بعد نماز جمعہ مروّجہ صلوۃ و سلام	۱۰۷
۶۳	فجر کی سنت سے قبل صلاۃ و سلام	۱۰۹
۶۴	کسی نماز کے بعد حمد و صلوۃ حلقہ بنا کر پڑھنا	۱۰۹
۶۵	صلوۃ و سلام پڑھنے کا طریقہ	۱۱۱
۶۶	بعد نماز فجر و عصر درود شریف جہراً پڑھنا	۱۱۵
۶۷	درود شریف وعظ میں زور سے پڑھنا	۱۱۵
۶۸	وعظ میں بلند آواز سے سامعین کا درود شریف پڑھنا	۱۱۶
۶۹	مجلس وعظ میں درود شریف جہراً پڑھنا	۱۱۷
۷۰	اجتماعی درود شریف جہراً پڑھنا	۱۱۸
۷۱	آواز سے صلوۃ و سلام	۱۱۸
۷۲	ہر نماز کے بعد درود شریف پڑھنا	۱۱۹
۷۳	نماز کے بعد سلام پڑھنا	۱۱۹

۱۲۰	باتھ باندھ کر صلوٰۃ و سلام پڑھنا.....	۷۴
۱۲۱	ہر جمعرات کو محفل درود شریف اور شیرینی.....	۷۵
۱۲۲	درود تاج.....	۷۶
۱۲۲	ایک مخصوص من گھڑت درود.....	۷۷
۱۲۳	درود لکھی وغیرہ کی تعریف.....	۷۸
۱۲۳	ایک درود شریف.....	۷۹
۱۲۴	ایک خاص درود شریف کے فضائل.....	۸۰
۱۲۵	روضہ اقدس کے فوٹو پر درود و سلام.....	۸۱
۱۲۶	نماز کے بعد نقشہ مسجد نبوی کی طرف رخ کر کے درود شریف پڑھنا.....	۸۲
۱۲۷	درود و ذکر کے لئے دن، عدد متعین کرنا.....	۸۳
۱۲۸	جمعہ کے دن بعد عصر درود شریف کی تعیین و ترغیب.....	۸۴
۱۳۱	اسم مبارک سن کر، یا پڑھ کر، درود شریف پڑھنا اور اس کی قضاء.....	۸۵
۱۳۲	اسم مبارک سن کر درود شریف.....	۸۶
۱۳۲	لفظ ”نبی کریم“ اور اس پر درود شریف.....	۸۷
۱۳۲	درود میں لفظ ”سیدنا“.....	۸۸
۱۳۵	درود میں ”آل“ کا مصداق.....	۸۹
۱۳۶	صلوٰۃ و سلام کسی بھی نبی پر.....	۹۰
۱۳۶	درود شریف دوبارہ پڑھنا مکروہ نہیں.....	۹۱
۱۳۷	گنبد خضرا کو دیکھتے ہی صلوٰۃ و سلام.....	۹۲
۱۳۸	عشاء کے بعد روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام.....	۹۳
۱۳۸	محراب مسجد پر ایک مخصوص طغریٰ.....	۹۴
۱۳۹	درود کی عبارت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غوث پاک کا نام لکھنا.....	۹۵

(فرائض اور عیدین کے بعد مصافحہ کا بیان)

۱۴۱	مصافحہ دونوں ہاتھوں سے یا ایک سے؟	۹۶
۱۴۲	مصافحہ بعد نماز	۹۷
۱۴۳	مصافحہ بعد العیدین	۹۸
۱۴۶	نماز عید کے بعد مصافحہ	۹۹
۱۴۷	ایضاً	۱۰۰
۱۴۷	عید ملنا	۱۰۱
۱۴۸	ایضاً	۱۰۲
۱۴۹	مصافحہ بعد الفجر والعصر	۱۰۳
۱۵۳	نماز جمعہ سے پہلے بعض رسوم اور بعد میں مصافحہ	۱۰۴

(اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کا بیان)

۱۵۶	اذان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا	۱۰۵
۱۵۷	اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا	۱۰۶
۱۵۸	اذان کے بعد انگوٹھا چومنا	۱۰۷
۱۵۸	انگوٹھے چومنا اور حیلۂ استقاط	۱۰۸
۱۵۹	اذان میں انگوٹھے چومنا	۱۰۹
۱۶۲	بوقت اذان تقبیل ابہامین	۱۱۰

(میلا دوسیرت کی محافل اور عرس کا بیان)

۱۶۵	محفل میلا د	۱۱۱
۱۶۹	مجلس میلا د مروجہ	۱۱۲
۱۷۲	میلا د کا خاص طریقہ	۱۱۳
۱۷۶	مولود شریف	۱۱۴

۱۷۹ سالگرہ اور میلاد شریف	۱۱۵
۱۸۰ بطرز موسیقی میلاد شریف پڑھنا	۱۱۶
۱۸۱ مجلس میلاد کے منکرات تفصیلاً اور وعظ پر اجرت	۱۱۷
۱۸۶ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۱۸
۱۸۸ کیا مجلس میلاد شریف تمام ارکان کا بدل ہے؟	۱۱۹
۱۸۹ گیارہویں اور میلاد کی ابتداء	۱۲۰
۱۹۱ قیام میلاد کو روکنا	۱۲۱
۱۹۱ قیام میلاد کا تفصیلی حکم	۱۲۲
۲۰۳ قیام میلاد کی شرعی حیثیت	۱۲۳
۲۱۲ قیام میلاد کا حکم	۱۲۴
۲۱۸ محرم، ربیع الاول، ربیع الثانی وغیرہ میں وعظ کا خصوصی اہتمام	۱۲۵
۲۱۸ سیرت کا نفرنس کے جلے	۱۲۶
۲۱۹ ربیع الاول کا جلوس	۱۲۷
۲۲۱ بارہ ربیع الاول کو مدح صحابہ کا جلوس	۱۲۸
۲۲۲ ۱۰/محرم، ۱۲/ربیع الاول کو کاروبار بند کرنا	۱۲۹
۲۲۲ وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہڑتال	۱۳۰
۲۲۳ حضرت غوث الاعظم کی مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری	۱۳۱
۲۲۴ دس محرم کو مسجد میں مجلس	۱۳۲
۲۲۴ عرس	۱۳۳
۲۲۷ عرس وغیرہ	۱۳۴
۲۳۰ بدعات متعلقہ قبور عرس وغیرہ	۱۳۵
۲۳۴ عرس کرنا اور زیارت قبور کے لئے سفر	۱۳۶
۲۳۶ ولادت، وفات پر خوشی اور غم، عرس، قوالی وغیرہ	۱۳۷

۲۴۰	اذان گا چھی صاحب کا عرس	۱۳۸
۲۴۳	عرس، قوالی، طبلہ، سارنگی بجانا	۱۳۹
۲۴۴	اصلاح کی نیت سے عرس میں شرکت	۱۴۰
۲۴۵	مدرسہ چلانے کے لئے مجلس میلاد میں شرکت	۱۴۱
۲۴۵	مجذوب کی قبر پر عرس	۱۴۲
۲۴۶	قوالی اور عرس کی نسبت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کی طرف	۱۴۳
۲۴۷	قوالی اور پختہ قبر وغیرہ	۱۴۴
۲۴۸	مجلس شہادت	۱۴۵
۲۵۰	جلسہ میں غزل و نعت پڑھنا	۱۴۶
۲۵۱	جس جلسہ کی وجہ سے نماز فجر فوت ہو جائے، اس میں شرکت	۱۴۷
۲۵۱	خلفائے اربعہ کے ایام ولادت کی تعطیل	۱۴۸
(مخصوص ایام کی مروج بدعات کا بیان)		
۲۵۳	اعمال شب برأت	۱۴۹
۲۵۴	شب برأت کی بعض نمازیں	۱۵۰
۲۵۵	شب برأت میں غروب آفتاب کے بعد چالیس دفعہ ”لا حول اھ“ کا ورد	۱۵۱
۲۵۵	مخصوص طرز پر آٹھ رکعات	۱۵۲
۲۵۵	مخصوص طرز پر چار رکعت	۱۵۳
۲۵۶	بچہ کا دودھ بخشوانا اور شب برأت میں کھانا تقسیم کرنا	۱۵۴
۲۵۶	شب برأت کو عرفہ بنانا	۱۵۵
۲۵۸	شب برأت میں قبروں پر روشنی اور اگر بتی	۱۵۶
۲۵۸	متبرک راتوں میں چراغاں کرنا	۱۵۷
۲۶۳	شب برأت اور شب قدر میں مسجدوں کو سجانا	۱۵۸
۲۶۴	دس محرم کو مٹھائی لا کر گھر میں تقسیم کرنا	۱۵۹

۲۶۴	شب برآءت اور اس کے اعمال.....	۱۶۰
۲۶۷	شب برآءت میں تہجد کی نماز باجماعت.....	۱۶۱
۲۶۷	شب برآءت کی رسمیں.....	۱۶۲
۲۶۸	شب برآءت کا حلوہ.....	۱۶۳
۲۶۹	لیلۃ القدر اور لیلۃ البرآءت میں چراغاں کرنا.....	۱۶۴
۲۷۰	متبرک راتوں میں بیداری کے لئے اجتماع.....	۱۶۵
۲۷۱	متبرک راتوں میں عبادت کے لئے جمع ہونا.....	۱۶۶
۲۷۲	عاشورہ محرم کے خصوصی اعمال.....	۱۶۷
۲۷۳	صلوۃ العاشورہ.....	۱۶۸
۲۷۴	یوم عاشورہ کی خصوصیات.....	۱۶۹
۲۷۵	صلوۃ الرغائب.....	۱۷۰
۲۷۶	محرم کی بدعت شنیعہ.....	۱۷۱
۲۷۶	محرم کی رسوم.....	۱۷۲
۲۷۷	محرم کا شربت.....	۱۷۳
۲۷۸	صفر کے آخری چار شنبہ کو مٹھائی تقسیم کرنا.....	۱۷۴
۲۸۰	رجب کا روزہ، کوئڈہ.....	۱۷۵
۲۸۱	۲۲/ رجب کے کوئڈوں کی حقیقت.....	۱۷۶
۲۸۲	رجب کی روٹی.....	۱۷۷
۲۸۳	شب معراج کے اعمال مروجہ.....	۱۷۸
۲۸۵	ایک مخصوص مشرکانہ رسم.....	۱۷۹
۲۸۶	رسم پر عمل.....	۱۸۰
۲۸۷	بچہ کو چالیسویں دن مسجد میں لانے کی رسم.....	۱۸۱

۲۸۷	چالیس روز بچہ کو مسجد میں بھیج کر سجدہ کرانا.....	۱۸۲
۲۸۸	حج کو جانے والے کو نعروں کے ساتھ رخصت کرنا.....	۱۸۳
۲۸۹	کیا کسی مسجد میں چار سال مغرب کی نماز پڑھنے سے حج کا ثواب ملتا ہے؟.....	۱۸۴
۲۹۰	بسم اللہ خوانی کی تقریب.....	۱۸۵
۲۹۰	بسم اللہ خوانی کے لئے عمر کی تعیین.....	۱۸۶
۲۹۰	بچوں کی روزہ کشائی.....	۱۸۷
۲۹۱	بچہ کا دودھ بخشوانا.....	۱۸۸
۲۹۱	دودھ بخشوانا.....	۱۸۹
۲۹۲	محراب مسجد میں ایک مخصوص طغریٰ اور اس کا استلام.....	۱۹۰
۲۹۲	طغریٰ کے سامنے امام کا کھڑا ہونا.....	۱۹۱
۲۹۲	محراب سے طغریٰ کو ہٹانا.....	۱۹۲
(دفع مصائب کے لئے بعض اعمال کا بیان)		
۲۹۵	دفع مصائب کے لئے ختم بخاری شریف اور سوالا کھ کا ختم.....	۱۹۳
۲۹۶	مصیبت کو دفع کرنے کے لئے صدقہ کرنا.....	۱۹۴
۲۹۷	رفع وبا کے لئے اذان.....	۱۹۵
۲۹۸	دفع وبا و بلا کے لئے اذان دینا.....	۱۹۶
۲۹۸	جنات کے دفعیہ کے لئے خنزیر کی بھیینٹ چڑھانا.....	۱۹۷
۳۰۰	دفع بلا کے لئے بھیینٹ.....	۱۹۸
۳۰۱	دفع مشکلات کے لئے پرندوں کو دانہ ڈالنا.....	۱۹۹
۳۰۱	دفع بلا کے لئے چیلوں کو گوشت ڈالنا.....	۲۰۰
۳۰۱	دفع وبا کے لئے تعزیہ کی نذر.....	۲۰۱

کتاب العلم

مايتعلق بطلب العلم

(طلب علم کا بیان)

۲۰۲	علم ضروری کیا ہے؟	۳۰۳
۲۰۳	کیا علم دین سیکھنے کے لئے عربی سیکھنا ضروری ہے؟	۳۰۳
۲۰۴	علم باطن کیا ہے؟	۳۰۵
۲۰۵	کثرت عبادت بہتر ہے، یا تحصیل علم شریعت؟	۳۰۵
۲۰۶	والدین کا علم دین حاصل کرنے سے روکنا	۳۰۶
۲۰۷	والدین کی مرضی کے خلاف علم دین کے لئے سفر کرنا	۳۰۷
۲۰۸	علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین کی تشریح	۳۰۸
۲۰۹	کیا عقل کو شرعی دلائل میں دخل ہے؟	۳۱۰
۲۱۰	تعلیم کا مقصد	۳۱۰
۲۱۱	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوڑا ہاتھ میں لے کر بازار میں مسائل کی تعلیم دینا	۳۱۱
۲۱۲	اجماع کی حجیت	۳۱۲
۲۱۳	فقہی جزئیات کا مقام بحیثیت اولہ	۳۱۳
۲۱۴	نصوص شرعیہ سے متعلق چند معلومات	۳۱۴
۲۱۵	مسائل فقہیہ میں تعارض کے وقت ترجیح کا طریقہ	۳۱۴
۲۱۶	مخلوق کی پیدائش کس ترتیب سے ہے؟	۳۱۵
۲۱۷	مسائل کے لئے استخارہ	۳۱۶
۲۱۸	نہ جاننے والے کو لا علم کہنا	۳۱۷
۲۱۹	ایضاً	۳۱۷

۳۱۸	عالم دین کو کوتاہی پر ٹوکنا.....	۲۲۰
۳۱۹	جس چیز کے کئی رکن ہوں تو کیا ہر رکن کو ادا کرنا ضروری ہے؟.....	۲۲۱
۳۱۹	انسان میں عناصر رابعہ.....	۲۲۲
۳۲۰	قبلہ و کعبہ وغیرہ بعض خطابات کا حکم.....	۲۲۳
(علمی اصطلاحات اور عبارات کا حل)		
۳۲۰	فرض واجب وغیرہ کی تعریف.....	۲۲۴
۳۲۲	فقہاء کے یہاں ”درست نہیں“ اور ”مکروہ تحریمی“ کا مطلب.....	۳۲۵
۳۲۳	صاحب ہدایہ نے ”قال العبد الضعیف“ کیوں کہا؟.....	۲۲۶
۳۲۴	الفاظ ”ثویبہ، عرب العرباء، ضرار“ کی تحقیق.....	۲۲۷
۳۲۵	”حفظ الایمان“ اور کلمہ سے متعلق حضرت تھانوی پر اعتراض.....	۲۲۸
۳۲۶	مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ کی کتاب ”صراط مستقیم“ کی عبارت پر اعتراض.....	۲۲۹
۳۳۰	”صراط مستقیم“ کی عبارت پر اعتراض کا جواب.....	۲۳۰
۳۳۲	”حفظ الایمان“ کی عبارت پر غلط فہمی کا ازالہ.....	۲۳۱
۳۳۵	”تقویۃ الایمان“ کی عبارت پر اعتراض.....	۲۳۲
۳۳۸	”تقویۃ الایمان“ کی ایک عبارت پر اشکال کا جواب.....	۲۳۳
۳۳۹	”نور الانوار“ کی عبارت پر خلجان.....	۲۳۴
۳۴۰	۷۸۶ کا عدد تسمیہ کا قائم مقام نہیں ہے.....	۲۳۵
۳۴۰	حاشیہ پر ”۱۲“ کا مطلب.....	۲۳۶
۳۴۱	اللہ تعالیٰ کے لئے تعظیمی لفظ بولنے سے جمع کا شبہ.....	۲۳۷
۳۴۱	اختتام مجلس کی دعا میں واحد کے صیغہ کو جمع سے پڑھنا.....	۲۳۸
۳۴۲	لفظ ”حضور“ کا استعمال.....	۲۳۹
۳۴۳	لازم کو متعدی بنانے کا طریقہ.....	۲۴۰
۳۴۳	”غزیر العلم“ کے معنی.....	۲۴۱

۲۴۲	روشن ضمیر کا مطلب کیا ہے؟	۳۴۴
۲۴۳	”اعلیٰ حضرت“ لقب کا حکم	۳۴۵
۲۴۴	”سید، مولیٰ، عبد“ کے معانی	۳۴۵
۲۴۵	معذور اور مجبور میں فرق	۳۴۸
۲۴۶	روزِ شرعی اور لغوی کی تعریف	۳۴۸
۲۴۷	عبادت و اطاعت میں فرق	۳۴۹
(فتویٰ کا بیان)		
۲۴۸	قاضی اور مفتی میں فرق	۳۵۱
۲۴۹	”ظاہر الروایۃ“ کے خلاف فتویٰ	۳۵۲
۲۵۰	شامی دیکھ کر فتویٰ دینا	۳۵۳
۲۵۱	جابل مفتی	۳۵۴
۲۵۲	غیر مستند عالم کا فتویٰ دینا	۳۵۵
۲۵۳	غیر مجتہد اور غیر مفتی کا فتویٰ دینا	۳۵۶
۲۵۴	بغیر علم کے مسئلہ بتانا اور حدیث کی طرف منسوب کرنا	۳۵۷
۲۵۵	غیر عالم کا مسئلہ بتانا	۳۵۸
۲۵۶	غیر عالم کو مسائل بتانے سے روکنا	۳۵۹
۲۵۷	غلط فتویٰ دینا اور فتویٰ کو نہ ماننا	۳۶۰
۲۵۸	غلط واقعہ بیان کر کے فتویٰ لینا	۳۶۲
۲۵۹	کیا عالم کے ذمہ ہر سوال کا جواب ضروری ہے؟	۳۶۳
۲۶۰	لامذہب کے سول کا جواب	۳۶۴
۲۶۱	اگر امام عالم نہ ہو، تو مسئلہ کس سے پوچھیں؟	۳۶۵
۲۶۲	جہاں سے سہولت متوقع ہو، وہاں سے فتویٰ پوچھنا	۳۶۵
۲۶۳	مباحلہ	۳۶۶

۲۶۴	اختلاف کے وقت کس قول پر عمل ہو؟	۳۶۸
۲۶۵	غیر مفتی بہ قول کو اختیار کرنا	۳۶۹
۲۶۶	شیعہ کے سوال کا جواب کس طرز پر ہونا چاہیے؟	۳۷۱
۲۶۷	فتویٰ کی تائید میں کسی مولوی کا جھوٹ موٹ نام	۳۷۲
۲۶۸	اپنی ذات سے متعلق سوال سے مفتی کا جواب سے معذرت کرنا	۳۷۳
(تعلیم نسواں کا بیان)		
۲۶۹	تعلیم نسواں	۳۷۵
۲۷۰	کیا تعلیم لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے ہے	۳۷۶
۲۷۱	بے پردگی کی حالت میں عورتوں کو تعلیم دینا	۳۷۶
۲۷۲	لڑکیوں کی تعلیم	۳۷۷
۲۷۳	لڑکیوں کے لئے تعلیم	۳۷۸
۲۷۴	مدرسہ میں لڑکیوں کی تعلیم	۳۷۹
۲۷۵	کتنی عمر کی بچی مدرسہ میں پڑھ سکتی ہے؟	۳۸۰
۲۷۶	لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دلانا	۳۸۱
۲۷۷	لڑکے اور لڑکیوں کا ہندی، انگریزی تعلیم کا ممبر بننا	۳۸۲
۲۷۸	کتابۃ النساء	۳۸۳
۲۷۹	نیم عریاں لباس اسکول میں لڑکیوں کو تعلیم دینا	۳۸۵
۲۸۰	پردہ نشین لڑکی کے لئے طبیہ کالج میں داخلہ	۳۸۶
۲۸۱	عورتوں کو حیض پردہ میں رکھ کر ونفاس کے مسائل بتانا	۳۸۷
۲۸۲	دنیوی تعلیم کے نتائج	۳۸۸
۲۸۳	معلمین کے ساتھ معلمات کا تقرر اور سیانے بچے، بچیوں کی مخلوط تعلیم	۳۸۹
۲۸۴	نرسری اسکول اور عیسائی معلمات	۳۸۹
۲۸۵	اسکول میں ترانہ	۳۹۶

۲۸۶	دوسرے سے سرٹیفکیٹ حاصل کرنا	۳۹۷
	باب مایتعلق بالقرآن الکریم	
	(تفسیر کا بیان)	
۲۸۷	شرائط تفسیر	۳۹۸
۲۸۸	تفسیر و تاویل میں فرق	۳۹۸
۲۸۹	کیا قرآن میں نسخ و منسوخ ہیں؟	۳۹۹
۲۹۰	کیا حکم قرآنی حدیث سے منسوخ ہو سکتا ہے؟	۴۰۶
۲۹۱	آیت منسوخہ کی تلاوت کا حکم	۴۰۹
۲۹۲	نسخ کی تفصیل اور حکمت	۴۱۰
۲۹۳	آیت قطب	۴۱۳
۲۹۴	سبع آیات	۴۱۳
۲۹۵	آیت الکرسی کہاں تک ہے؟	۴۱۴
۲۹۶	پانچ وقت کی نماز کا حکم کس پارے میں ہیں؟	۴۱۵
۲۹۷	حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق دو آیتوں میں تعارض	۴۱۶
۲۹۸	حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی نافرمانی میں فرق	۴۱۷
۲۹۹	حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی حالت	۴۱۸
۳۰۰	استخلاف فی الارض کا وعدہ	۴۲۰
۳۰۱	وعید کی آیتیں زیادہ ہیں، یا وعدہ کی بشارتیں؟	۴۲۲
۳۰۲	”أطیعوا الله وأطیعوا الرسول“ کا مطلب	۴۲۲
۳۰۳	”اسجدوا لآدم“ کا خطاب کیا شیطان کو بھی ہے؟	۴۲۳
۳۰۴	”یسبح لله ما فی السموات والأرض“ کی تشریح	۴۲۴
۳۰۵	”من لم یحکم بما أنزل الله“ کی تفسیر	۴۲۵

۲۲۶	غیر اللہ کو حاکم بنانے سے متعلق تفصیلات، چند آیات کی تفسیر	۳۰۶
۲۲۹	تفسیر ”استوی“	۳۰۷
۲۳۰	تشریح ”اقراء“	۳۰۸
۲۳۲	تفسیر ”لا یمسہ إلا المطہرون“	۳۰۹
۲۳۴	”لیس للإنسان إلا ماسعی“	۳۱۰
۲۳۷	”ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ“ کا مطلب	۳۱۱
۲۴۱	”إن الذین آمنوا والذین ہادوا والنصارى“ پر اشکال اور اس کا جواب	۳۱۲
۲۴۲	”جاعل الذین اتبعوک“ کی تفسیر	۳۱۳
۲۴۵	”إن الصلوۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر“ کا مطلب	۳۱۴
۲۴۵	”وما تشاء وحی إلا أن یشاء اللہ“ کا مطلب	۳۱۵
۲۴۶	”لأن شکرتم لأزیدنکم“ کا مطلب	۳۱۶
۲۴۷	حضرت مسیح علیہ السلام کی فضیلت ”کلمتہ“ اور ”روح منہ“ سے	۳۱۷
۲۵۱	”قال: ہی عصای“ کی عجیب تفسیر و تشریح	۳۱۸
۲۵۲	”ارض“ کی جمع قرآن کریم میں کیوں نہیں؟	۳۱۹
۲۵۶	”یوم ندعوا کل أناس بامامہم“ کی تفسیر	۳۲۰
۲۵۷	اللہ تعالیٰ کو وکیل کیسے بنایا جائے؟	۳۲۱
۲۵۸	کیا مغفرت، فتح سے مربوط ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ کس چیز میں ہے؟	۳۲۲
۲۵۹	حیات طیبہ کون سی زندگی ہے؟	۳۲۳
۲۵۹	”وقت شام“ سے کیا مراد ہے؟	۳۲۴
۲۶۰	قرآن پاک میں نبیوں کے لئے جو الفاظ آئے ہیں ان کا مفہوم	۳۲۵
۲۶۰	دعا کے الفاظ والی صفات کیا نبی میں تھیں؟ (نعوذ باللہ)	۳۲۶
۲۶۴	کیا ”تبت یدا ابی لہب“ کو سنا ہے؟	۳۲۷
۲۶۵	قرآن کریم میں تحریف کی علامات اور دلائل	۳۲۸

۴۷۴	تفسیر قرآن ذاتی مطالعہ سے	۳۲۹
۴۷۵	شرح جامی پڑھنے والے کا تفسیر بیان کرنا	۳۳۰
۴۷۷	بجر جمیل کیا ہے؟	۳۳۱
۴۷۷	رحمۃ للعالمین کا مؤمنین کے ساتھ قرب معیت، ایک آیت کی تفسیر بالرائے	۳۳۲
۴۷۸	کفار پر غصہ زیادہ ہے یا مسلمان پر؟	۳۳۳
۴۷۹	تفسیر مودودی اور تفسیر حقانی اور قرآن فہمی کے لئے مفید تفسیر	۳۳۴
۴۸۰	”اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے گندی چیز منگانا“ اسرائیلیات میں سے ہے	۳۳۵
(تجوید اور ترتیب قرآنی کا بیان)		
۴۸۱	قرآءات سبعہ بھی منقول ہیں، محدث نہیں	۳۳۶
۴۸۱	حسن قرآءات کی محفلوں کا حکم	۳۳۷
۴۸۳	کیا لہجہ سیکھنا حرام ہے؟	۳۳۸
۴۸۵	”وقف زعفران“ کا مطلب	۳۳۹
۴۸۶	کیا ہر آیت پر وقف کیا جائے؟	۳۴۰
۴۸۶	سورہ قدر میں ”امر“ یا ”سلام“ پر وقف	۳۴۱
۴۸۷	تحقیق ”ضاد“	۳۴۲
۴۹۱	”نون قطنی“ کے ساتھ نماز	۳۴۳
۴۹۲	معروف و مجہول کا تلفظ	۳۴۴
۴۹۳	بعض آیات میں وارد ہمزات پڑھنے کا طریقہ	۳۴۵
۴۹۴	زیر، زبر، پیش	۳۴۶
۴۹۵	غیر قرآن کو قرآءات کے ساتھ پڑھنا	۳۴۷
۴۹۵	قرآن پاک میں اعراب اور کتب حدیث و فقہ کی تدوین	۳۴۸
۴۹۵	حرکات و نقاط قرآن میں کب سے ہیں؟	۳۴۹

۴۹۶	تدبر اور بلا تدریس تلاوت میں فرق	۳۵۰
۴۹۷	جواب امر بھی مجزوم ہوتا ہے	۳۵۱
۴۹۷	قرآن کریم کی سند	۳۵۲
۴۹۸	قرآن کریم کی ترتیب عثمانی	۳۵۳
۴۹۹	پارہ عم کی طباعت خلاف ترتیب	۳۵۴
۵۰۳	سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے	۳۵۵
۵۰۴	کیا قرآن کریم کے چالیس پارے ہیں؟	۳۵۶
۵۰۴	قرآن کریم کے چالیس پارے ماننے والے کا حکم	۳۵۷
۵۰۵	سورہ فاتحہ کس پارہ کا جز ہے؟	۳۵۸
۵۰۶	کتب سماویہ کی زبان	۳۵۹
۵۰۷	غیر عربی میں قرآن کریم لکھنا	۳۶۰
۵۰۹	اردو میں قرآن پاک پڑھنا	۳۶۱
۵۱۰	ترجمہ قرآن بغیر عربی عبارت کے	۳۶۲
۵۱۰	قرآن کریم ہندی میں لکھنا	۳۶۳
۵۱۱	اُردو زبان میں قرآن وحدیث کا لکھنا	۳۶۴
(حفظ قرآن کا بیان)		
۵۱۳	حفظ قرآن اور ختم فرض ہے، یا سنت؟	۳۶۵
۵۱۳	کیا قرآن کریم حفظ کرنا مفید نہیں، مضر ہے؟	۳۶۶
۵۱۴	جس کو کلام پاک کچا یاد ہو، کیا وہ بھی بخشش کرائے گا؟	۳۶۷
۵۱۵	کیا حافظ کو غیر حافظ پر فوقیت ہے؟	۳۶۸
۵۱۶	بستی میں کوئی حافظ نہیں	۳۶۹
۵۱۶	قرآن شریف بھول جانے پر وعید	۳۷۰
۵۱۷	قرآن پاک حفظ کر کے بھول جانا	۳۷۱

۵۱۷	درجہ حفظ سے انگریزی تعلیم میں جانا.....	۳۷۲
	(آداب قرآن کا بیان)	
۵۲۰	قرآن پاک کو بے وضوء چھونا کیسا ہے؟.....	۳۷۳
۵۲۰	معلم معذور کا قرآن کریم کو بلا وضوء ہاتھ لگانا.....	۳۷۴
۵۲۱	طلبہ کا بے وضوء قرآن پڑھنا.....	۳۷۵
۵۲۲	بے وضوء بچوں کو قرآن کریم دینا.....	۳۷۶
۵۲۲	ریاحی مریض کے لئے قرآن کا چھونا.....	۳۷۷
۵۲۳	بلا وضوء قرآن کریم لکھنا.....	۳۷۸
۵۲۳	بلا وضوء کتب تفسیر کو ہاتھ لگانا.....	۳۷۹
۵۲۴	ایضاً.....	۳۸۰
۵۲۵	بے وضوء غسل کتابیں پڑھنا.....	۳۸۱
۵۲۵	بے وضوء قرآن پاک چھونے اور بے غسل مسجد میں جانے کی توبہ سے معافی.....	۳۸۲
۵۲۶	حماک شریف لئے ہوئے بیت الخلاء جانا.....	۳۸۳
۵۲۷	قرآن کریم کی طرف پشت کرنا.....	۳۸۴
۵۲۷	قرآن شریف کی طرف پاؤں پھیلانا.....	۳۸۵
۵۲۸	جس کمرہ میں قرآن پاک ہو، اس کمرہ میں بیوی سے ہمبستری کرنا.....	۳۸۶
۵۲۸	ایک شخص چار پائی پر بیٹھے اور دوسرا شخص نیچے قرآن پاک کی تلاوت کرے.....	۳۸۷
۵۲۹	زینہ کے قریب بیٹھ کر قرآن کریم پڑھنا.....	۳۸۸
۵۲۹	کرسی پر بیٹھنا، جب کہ قرآن کریم نیچے رکھا ہو.....	۳۸۹
۵۳۰	کرسی پر بیٹھ کر تعلیم قرآن کریم.....	۳۹۰
۵۳۰	استاد کرسی پر بیٹھے اور بچے ٹاٹ پر، اس کا کیا حکم ہے؟.....	۳۹۱
۵۳۱	میچران کا کرسی پر بیٹھنا جب کہ دینی کتب نیچے ہوں.....	۳۹۲

۳۹۳	قرآن پاک کو چومنا.....	۵۳۲
۳۹۴	تقبیل قرآن کریم.....	۵۳۲
۳۹۵	تقبیل مصحف.....	۵۳۳
۳۹۶	قرآن کریم کو بغیر تلاوت کے چومنا.....	۵۳۳
۳۹۷	قبرستان میں قرآن کریم لے جانا.....	۵۳۴
۳۹۸	ریشم کا جزدان قرآن پاک کے لئے.....	۵۳۵
۳۹۹	اخبارات میں قرآن پاک کی آیات اور ترجمہ شائع کرنا.....	۵۳۵
۴۰۰	خط میں ”بسم اللہ“ لکھنا.....	۵۳۶
۴۰۱	قرآن کریم کلینڈر اور اخبار میں چھپوانا.....	۵۳۷
۴۰۲	خط میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہو، اس کا ادب.....	۵۳۸
۴۰۳	جن خطوط پر قرآنی آیات کے مطالب لکھے ہوں، ان کو کیا کیا جائے؟.....	۵۳۹
۴۰۴	دینی تحریر کی بے ادبی کے خیال سے اس خدمت کو چھوڑ دینا.....	۵۳۹
۴۰۵	خط لکھنے کے بعد اس کو مٹی سے خشک کرنا.....	۵۴۰
۴۰۶	دست خوان، یا مصلیٰ پر آیات یا اسمائے الہیہ لکھنا.....	۵۴۱
۴۰۷	اگر غلطی سے قرآن کریم گر جائے، تو کیا کرے؟.....	۵۴۲
۴۰۸	بوسیدہ قرآن کریم کو کیا کیا جائے؟.....	۵۴۲
۴۰۹	بوسیدہ قرآن کریم کو جلانا.....	۵۴۳
۴۱۰	قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانا.....	۵۴۴
۴۱۱	دفن کے لئے بوسیدہ قرآن کریم کو پیٹ کر رکھ دینا بے ادبی نہیں.....	۵۴۵
۴۱۲	قرآن کریم کو گراموفون میں بھرنا اور سننا کیسا ہے؟.....	۵۴۶
۴۱۳	قرآن کریم کو گراموفون میں بھرنا اور اس کی تجارت کرنا.....	۵۴۷
۴۱۴	قرآن کریم کی آلات لہو اور ریڈیو میں تلاوت کرنا.....	۵۴۸
۴۱۵	ریڈیو میں قرآن پاک کا پڑھنا.....	۵۴۹

۵۵۰	کیسٹ کے ذریعے قرآن پاک پڑھنا.....	۴۱۶
	(آدابِ تلاوت و بیان)	
۵۵۱	منبر کے پہلے درجہ پر قرآن پاک رکھ کر پڑھنا.....	۴۱۷
۵۵۱	مجبوراً لیٹے ہوئے تلاوت قرآن کریم.....	۴۱۸
۵۵۲	برہنہ سر تلاوت.....	۴۱۹
۵۵۲	تلاوت قرآن کریم بازار میں جہراً اور مسجد میں سرّاً.....	۴۲۰
۵۵۳	متعدد لوگوں کا بیک وقت جہراً قرآن پاک پڑھنا.....	۴۲۱
۵۵۴	چند آدمیوں کا قرآن کریم کو جہراً پڑھنا.....	۴۲۲
۵۵۵	قرآن خوانی میں قرآن کریم زور سے پڑھنا چاہیے، یا آہستہ سے؟.....	۴۲۳
۵۵۶	لوگوں کی رعایت میں قرآن سُنا کر پڑھنا.....	۴۲۴
۵۵۷	بوقتِ مطالعہ تلاوت کرنا.....	۴۲۵
۵۵۷	کیا تلاوت کی وجہ سے کسی کے وظیفہ کو روکا جائے؟.....	۴۲۶
۵۵۸	جلسہ کی ابتداء کلام پاک سے.....	۴۲۷
۵۶۰	سیاسی غیر مسلم ہندوؤں کی آمد پر قرآن کریم کی تلاوت کے ذریعہ مجلس کا افتتاح.....	۴۲۸
۵۶۱	تلاوت کے وقت سر ہلانا.....	۴۲۹
۵۶۱	اٹک اٹک کر قرآن شریف پڑھنے والے کا اجر.....	۴۳۰
۵۶۲	تلاوت کا ثواب زیادہ ہے یا تحیۃ المسجد کا؟.....	۴۳۱
۵۶۳	دس دفعہ ”قل هو اللہ أحد اھ“ پڑھنے سے جو مکان جنت میں ملے گا، کیا اس میں بیوی بچے بھی ساتھ ہوں گے؟.....	۴۳۲
۵۶۳	تمباکو والا پان منہ میں رکھ کر تلاوت کرنا.....	۴۳۳
۵۶۴	دنیاوی غرض کے لئے ذکر و قرآن پر بھی اجر ہے.....	۴۳۴
۵۶۷	مصیبت کا علاج قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی رکھنا.....	۴۳۵
۵۶۷	قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی پھیرنا اور ”بسم اللہ“ پڑھنا.....	۴۳۶

۵۶۸	ایک شب میں قرآن کریم ختم کرنا	۴۳۷
۵۷۰	ختم قرآن پر دعوت	۴۳۸
۵۷۱	مکان کی تعمیر پر قرآن کریم ختم کرنا	۴۳۹
۵۷۲	نابالغ سے ختم کرانا	۴۴۰
۵۷۳	تلاوت کا ثواب پڑھنے والے کو بھی ملتا ہے	۴۴۱
۵۷۳	قبرستان میں قرآن کریم لے جانا اور پڑھ کر ثواب پہنچانا	۴۴۲
۵۷۵	غیر مسلم کو قرآن پاک کی تعلیم دینا	۴۴۳
۵۷۵	انگریز کو قرآن شریف کی تعلیم دینا	۴۴۴
۵۷۶	غیر مسلم کو قرآن وفقہ کی تعلیم دینا	۴۴۵
(المتفرقات)		
۵۷۷	قرآن افضل ہے یا سید؟	۴۴۶
۵۷۸	غلاف قرآن اور غلاف کعبہ میں کون افضل ہے؟	۴۴۷
۵۷۹	شیطان قراءت قرآن پر قادر نہیں	۴۴۸
۵۸۰	کیا ملائکہ تلاوت قرآن کرتے ہیں؟	۴۴۹
۵۸۲	کیا مسلمان قرآن کریم کو نہیں سمجھتا	۴۵۰
۵۸۳	قرآن کریم میں سائنس کی بحث	۴۵۱
۵۸۴	فالنامہ قرآن پاک میں کیوں ہے؟	۴۵۲
☆.....☆.....☆		

باب البدعات والرسوم

(بدعات اور رسومات کا بیان)

بدعت کی تعریف

سوال [۷۷۳]: بدعت کے کیا معنی ہیں، بدعتِ حسنہ اور بدعتِ ضلالتہ کی تعریف بحوالہ حدیث و دلائل چند مثالیں دے کر جوابات مرحمت فرمائیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس چیز پر شریعت نے ثواب نہ بتایا ہو اس کو ثواب سمجھ کر کرنا بدعت ہے (۱) چاہے وہ چیز کوئی فعل ہو (۲) یا کسی فعل کی ہیئت ہو یا زمان مکان یا عدد وغیرہ کی کوئی قید ہو (۳) مثلاً میت کو قبر میں رکھ کر اس پر عرق گلاب وغیرہ چھڑکنا (۴) نماز جنازہ کے بعد مستقلاً اجتماعی حیثیت سے سب کو روک کر دعاء کرنا (۵)، نماز کے

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/ ۵۶۰، ایچ ایم سعید)

(و البحر الرائق، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۱، رشیدیہ)

(و کذا فی التفسیر فی المذهب الحنفی، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة، ص ۲۷۶ دار الکلم الطیب بیروت)

(۲) ”و كذلك كل محدث قولاً أو فعلاً لم يتقدم فيه متقدم، فإن العرب تسميه مبتدعاً“ (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۲۲، مکتبہ دار السلام ریاض)

(۳) ”وما ذاك (أي، كون الفعل بدعة) إلا لكونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع“ (رد المحتار، باب صلوٰۃ الجنائز، مطلب فی دفن الميت: ۲/ ۲۳۵، سعید)

(۴) قال العلامة العینی: ”و كذا ما يفعله أكثر الناس من وضع ما فيه رطوبة من الرياحين والبقول و ونحوها على القبور ليس بشيء، وإنما السنة الغرز“ (عمدة القاری: ۳/ ۱۸۰، کتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله، دار الکتب العلمیہ)

(۵) ”لا يقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنائز“ (خلاصۃ الفتاوی، کتاب الصلوٰۃ، الجنس الآخر فی صلوٰۃ الجنائز: ۱/ ۲۲۵، أمجد اکیڈمی لاہور)

بعد مصافحہ یا معافقہ کرنا (۱)، کھانا سامنے رکھ کر ثواب پہونچانے کے لئے مخصوص سورۃ یا آیتوں کی تعیین کرنا (۲) میلاد شریف کے نام پر مخصوص تاریخ میں مجلس منعقد کرنا (۳) اس میں صلوٰۃ وسلام کے لئے قیام کرنا وغیرہ وغیرہ (۴)۔ حدیث شریف میں ہے: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد الخ“ (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۹۰ھ۔

(۱) ”وقد صرح بعض علمائنا وغيرهم بکراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوات مع أن المصافحة سنة، وما ذاك إلا لكونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع، فالمواظبة عليها فيه توهم العوام بأنها سنة فيه“۔ (رد المحتار، کتاب الجنائز، مطلب فی دفن المیت : ۲/۲۳۵، و کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره : ۶/۳۸۱، سعید)

(۲) ”این طور مخصوص نہ در زمان آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، و نہ در زمان خلفاء، بلکه وجود آن در قرون ثلاثہ مشہود لها بالخیر اند، منقول نہ شد، و این راضروری دانستن مذموم است“۔ (مجموعۃ الفتاویٰ علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ، أبواب الجنائز : ۱/۱۹۵، امجد اکیڈمی)

(۳) ”إن عمل المولد بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم والخلفاء والأئمة“۔ (کذا فی الشرعة الإلهیة، بحوالہ راہ سنت، ص : ۱۶۴، مکتبہ صفدریہ)

”قد اتفق علماء المذاهب الأربعة بدم هذا العمل“۔ (القول المعتمد، بحوالہ راہ سنت، ص : ۱۶۵، مکتبہ صفدریہ)

(۴) ”وإن العاديات من حيث هي عادية لا بدعة فيها، ومن حيث يتعبد بها أو توضع وضع التعبد، تدخلها البدعة“۔ (الإعتصام : ۲/۹۸، دار الفکر، ص : ۳۸۵، دارالمعرفة)

وفی الاعتصام أيضاً: ”منها وضع الحدود والتزام کیفیات والهیئات المعینة، والتزام العبادات المعینة فی أوقات معینة لم یوجد لها ذلك التعین فی الشریعة“ (فصل فی تعریف البدع الخ : ۱/۳۹، دار الفکر، و ص : ۲۵، ۲۶، دارالمعرفة بیروت لبنان)

(۵) (رواہ البخاری فی کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود : ۱/۳۷۱ قدیمی) (وابن ماجہ فی مقدمته، باب اتباع سنة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ص : ۳، میر محمد کتب خانہ)

فرض، سنت، بدعت وغیرہ کی تعریف

سوال [۷۷۴]: فرض، واجب، سنت مؤکدہ، مستحب، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، بدعت کی تعریف کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

- فرض: جس کے کرنے کا حکم دلیل قطعی سے ثابت ہو (۱)۔
 واجب: جس کے کرنے کا حکم دلیل ظنی سے ثابت ہو (۲)۔
 سنت مؤکدہ: جس پر مواظبت ثابت ہو (إلا أحياناً) (۳)۔

(۱) ”والشیء الفرض ما ثبت لزومه بدلیل قطعی، و یکفر جاحده“۔ (حاشیہ سعد اللہ علی الہدایۃ علی هامش فتح القدیر، کتاب الطہارۃ: ۱۴/۱ مصطفیٰ البابی مصر)

”الفرض ما ثبت بدلیل قطعی“۔ (العنایۃ علی الہدایۃ علی هامش فتح القدیر، کتاب الطہارۃ: ۱۸/۱ مصطفیٰ البابی)

”الفرض القطع والتقدير لغة، وفي الشرع ما ثبت بدلیل لا شبهة فيه“۔ (المغنی فی أصول الفقہ، فصل فی العزیمۃ والرخصۃ، ص: ۸۳، جامعہ أم القرى مکہ المکرمۃ)

(۲) ”الواجب من الوجوب، وهو السقوط وفي الشرع: إسم لما لزم بدلیل فيه شبهة“۔ (المغنی فی أصول الفقہ، ص: ۸۳، جامعہ أم القرى مکہ المکرمۃ)

(۳) ”والذی ظهر للعبد الضعیف أن السنة ما واطب علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، لكن إن كانت لامع الترك، فهي دلیل السنة المؤکدة، وإن كانت مع الترك أحياناً، فهي دلیل غیر المؤکدہ“۔ (رد المحتار، کتاب الطہارۃ، أركان الوضوء: ۱۰۵/۱، سعید)

”وقال: سنة الهدى هي التي واطب عليها النبي صلى الله عليه وسلم تعبداً وابتغاء مرضات الله تعالى مع الترك مرة أو مرتين بلا عذر، أو لم يترك أصلاً ولكنه لم ينكر على التارك“۔ (قمر الأقيمار حاشیہ نور الأنوار، ص: ۱۲۷، سعید)

(وکذا فی حاشیہ الکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ علی الہدایۃ، کتاب الطہارۃ: ۱۷/۱، مکتبہ شرکت علمیہ)
 (وکذا فی فتح القدیر، کتاب الطہارۃ: ۲۱/۱، مصطفیٰ البابی الحلبي، مصر)

سنت غیر مؤکدہ: جس کو گاہے گاہے کیا گیا ہو (۱) یہی مستحب بھی ہے (۲)۔
 حرام: جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہو (۳)۔
 مکروہ تحریمی: جس کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہو (۴)۔
 مکروہ تنزیہی: جو مستحب کے مقابلہ میں ہو (۵) یعنی جس کا نہ کرنا شرعاً پسندیدہ ہو (۶)۔
 بدعت: جو چیز دین نہ ہو اس کو دین سمجھنا (۷) تفصیل کتب اصول میں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
 حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”والذی ظہر للعبد الضعیف أن السنة ما واطب علیہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وإن كانت مع ترک أحياناً فهي دلیل غیر المؤکدة“۔ (رد المحتار، کتاب الطہارۃ: ۱۰۵/۱ ایچ ایم سعید)

(۲) ”وقد یطلق علیہ (أی علی المستحب) اسم السنة“۔ (رد المحتار، کتاب الطہارۃ: ۱۰۵/۱، سعید کراچی)

(۳) قال ابن عابدین: ”قال فی الہدایۃ: إلا أنه لما لم یجد فیہ نصاً قاطعاً، لم یطلق علیہ لفظ الحرام، فإذا وجد نصاً، یقطع القول بالتحريم“۔ (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحۃ: ۳۳۷/۶، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الکراہیۃ: ۳۳۰/۸، رشیدیہ)

(و کذا فی الہدایۃ، کتاب الکراہیۃ: ۳۵۰/۲، امدادیہ ملتان)

(۴) ”فالمکروه تحریماً فیثبت بما یثبت بہ الواجب یعنی بظنی الثبوت“۔ (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحۃ: ۳۳۷/۶، سعید)

(۵) ”فالمکروه خلاف المندوب“۔ (البحر الرائق، کتاب الکراہیۃ: ۳۳۰/۸، رشیدیہ)

(۶) ”وأما المکروه کراہۃ تنزیہ، فإلی الحل أقرب اتفاقاً“۔ (الدر المختار). وقال ابن عابدین تحته: ”بمعنی أنه لا یعاقب فاعله أصلاً، لكن یتاب تارکہ أدنی ثواب لأن المکروه تنزیهاً کما فی

المنح: مرجعه إلی ترک الأولى“۔ (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحۃ: ۳۳۷/۶، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الکراہیۃ: ۳۳۰/۸، رشیدیہ)

(۷) (راجع، ص: ۳۲، رقم الحاشیۃ: ۳، ۲، سیأتی تخریجه من رد المحتار، باب الإمامۃ: ۵۶۰/۱)

سعید، تحت عنوان: ”بدعت کی تقسیم“

سنت و بدعت کی تعریف و تقسیم

سوال [۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ سنت کے صحیح معنی کیا ہیں اور سنت کس کو کہتے ہیں؟ شرعی حیثیت سے سنت کی تعریف کیا ہے؟ سنت کے اقسام اور اس کی تفصیل کتب فقہ کے حوالہ سے بیان کریں؟

۲..... ”بدعت“ کے صحیح معنی کیا ہیں اور بدعت کس کو کہتے ہیں؟ شرعی حیثیت سے بدعت کی تعریف کیا ہے؟ بدعت کے اقسام اور اس کی تفصیل کتب فقہ کے حوالہ سے بیان کریں؟
السائل: یم، ین، جاوید چام راج نگر، ۱۵/ اگست/ ۵۰ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ”سنت“ کے معنی لغت میں طریقے کے ہیں، خواہ اچھا ہو، خواہ خراب ہو (۱) چنانچہ حدیث شریف میں سنت حسنہ اور سنت سیئہ دونوں وارد ہیں (۲)۔
اصطلاحی تعریف یہ ہے:

”طريقة مسلوكة في الدين بقول أو فعل من غير لزوم ولا إنكار على تاركها، وليست خصوصية، اهـ“.

(۱) ”والسنة لغة الطريقة ولو سيئة“۔ (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۶۴، قديمی)
وقال ابن عابدين: ”أما هي لغة، فالطريقة مطلقاً ولو قبيحة“۔ (رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب في السنة و تعريفها: ۱/ ۱۰۴، سعيد)

(۲) ”وهو ما رواه مسلم في حديث طويل، فيه: ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من سنّ في الإسلام سنةً حسنةً، فله أجرها وأجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيء، ومن سنّ في الإسلام سنةً سيئةً، كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيء“۔ (كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة الخ: ۱/ ۳۲۷، قديمی)

(والنسائي في الزكاة، باب التحريض على الصدقة: ۱/ ۳۵۶، قديمی)

(و جامع الأصول: ۶/ ۴۵۷، رقم: ۴۴۶۳، دار إحياء التراث العربی)

(و ذكره ابن عابدين في مقدمة رد المحتار: ۱/ ۵۸، سعيد)

فوائد قیود یہ ہیں:

”فقولنا: ”طريقة الخ“ كالجنس يشمل السنة وغيرها، وقولنا: ”من غير لزوم“ فصل خرج به الفرض، و”بلا إنكار“ أخرج الواجب، وقولنا: ”ولست خصوصية“ خرج به ما هو من خصائصه صلى الله تعالى عليه وسلم كصوم الوصال اهـ.“ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص: ۳۵) (۱)۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

”إعلم أن المشروعات أربعة أقسام: فرض، و واجب، و سنة، و نفل، فما كان فعله أولى من تركه مع منع الترك إن ثبت دليل قطعي ففرض، أو بظني فواجب، و بلا منع الترك إن كان مما واطب عليه الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم أو الخلفاء الراشدون من بعده فسنة، وإلا فمندوب و نفل.“ ۷۰/۱ (۲)۔

سنت کی دو قسمیں ہیں:

”والسنة نوعان: سنة الهدى: و تركها يوجب إساءة و كراهة كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها، و سنة الزوائد: و تركها لا يوجب ذلك كسير النبي عليه الصلوة والسلام في لباسه و قيامه و قعوده اهـ.“ شامی (۳)۔

سنت کا حکم یہ ہے:

”قال القهستاني: حكمها كالواجب في المطالبة في الدنيا إلا أن تاركه يعاقب وتاركها

(۱) حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطهارة، فصل فی سنن الوضوء، ص: ۶۴، قديمی

(۲) (رد المحتار، کتاب الطهارة، أركان الوضوء: ۱۰۲/۱، سعيد)

وفی المغنی فی أصول الفقه: ”وهی نوعان: سنة أخذها هدى و تركها ضلال والثانية: أخذها هدى و تركها لا بأس به الخ.“ (فصل فی العزيمة والرخصة، ص: ۸۵-۸۶، جامعہ أم القرى مكة المكرمة)

(۳) (رد المحتار، کتاب الطهارة، أركان الوضوء: ۱۰۳/۱، سعيد)

يعاتب اهد. وفي الجوهره عن القنية: تاركها فاسق وجاحدها مبتدع. وفي التلويح: ترك السنة المؤكدة قريب من الحرام، يستحق به حرمان الشفاعة؛ لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من ترك سنتي، لم ينل شفاعتي اهد" (۱)۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں سنن وضو کی بحث میں لکھا ہے:

"السنة: لغة الطريقة ولو سيئة، واصطلاحاً: الطريقة المسلوكة في الدين من غير لزوم على سبيل المواظبة. وهي المؤكدة، إن كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم تركها أحياناً، وأما التي لم يواظب عليها فهي المندوبة اهد" (۲)۔

مؤکدہ کی مثال میں طحطاوی فرماتے ہیں:

"كالأذان والإقامة والجماعة والسنن الرواتب والمضمضة والاستنشاق ويلقبونها بسنة الهدى: أي أخذها هدى وتركها ضلالة: أي أخذها من تكميل الهدى: أي الدين، ويتعلق بتركها كراهة وإساءة"۔

پھر غیر مؤکدہ کی مثال میں لکھا ہے:

"كالأذان المنفرد، وتطويل القراءة في الصلوة فوق الواجب، ومسح الرقبة في الوضوء، والقيام، وصلوة، وصوم، وصدقة تطوع، ويلقبونها بالسنة الزوائد، وهي المستحب والمندوب

(۱) حاشية الطحطاوى على المراقى، كتاب الطهارة، فصل فى سنن الوضوء، ص: ۶۴، قديمى)

(و كذا فى رد المحتار كتاب الطهارة، أركان الوضوء، مطلب فى السنة و تعريفها: ۱/ ۱۰۴، سعيد)

(۲) (مراقى الفلاح، كتاب الطهارة، فصل فى سنن الوضوء، ص: ۶۴، قديمى)

تنبیہ: عبارت طحطاوی کی نہیں بلکہ مراقی الفلاح کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(و كذا فى رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب فى السنة و تعريفها: ۱/ ۱۰۳، سعيد)

(والعناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۱/ ۲۰، مصطفى البابى مصر)

(والمغنى فى أصول الفقه، باب النهى، فصل فى العزيمة والرخصة، ص: ۸۵، جامعة أم القرى مكة

المكرمة)

والأدب من غير فرق بينها عند الأصوليين اهـ“ (۱)۔

اس کے بعد اصطلاح فقہاء کے اعتبار سے مندوب و مستحب کا کچھ فرق بیان کر کے لکھا ہے: ”والأولى ما عليه الأصوليون“ (۲)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مستقل رسالہ سنت کی تحقیق میں ہے جس کا نام ہے ”تحفة الأخیار فی إحياء سنة سيد الأبرار“ (۳) اس میں بہت سی تعریفات سنت کی نقل کی ہیں۔

۲..... ”بدعت“ کے معنی نئی چیز جو پہلے سے نہیں تھی، لغت ہرنی چیز کو بدعت کہتے ہیں، اصطلاح میں بدعت کی تعریف یہ ہے:

”ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قوياً و صراطاً مستقيماً اهـ“ شامی: ۳۷۷/۱ (۴)۔

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی سنن الوضوء، ص: ۶۴ قدیمی)

و فی المصنفی فی أصول الفقه: ”كصلوة العيد والأذان والجماعة“، (فصل فی العزيمة والرخصة، ص: ۸۵، جامعة أم القرى مكة المكرمة)

(۲) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، کتاب الطهارة، فصل فی سنن الوضوء، ص: ۶۵، قدیمی)

(۳) علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”تحفة الأخیار بإحياء سنة سيد الأبرار“ میں سنت کی بائیس تعریفات نقل کی ہیں لیکن ہر ایک پر کسی نہ کسی حد میں رد کیا ہے، اس کے بعد ان بائیس تعریفات کے علاوہ ایک اور تعریف علامہ ابن عابدین شامی سے نقل کی ہے اور اس پر کوئی رد نہیں کیا ہے:

فقال: ”وقال ابن عابدین الشيخ محمد أمين في ”رد المحتار“: ما كان فعله أولى من تركه مع منع الترك، إن ثبت بدليل قطعي ففرض، أو بظني فواجب، و بلا منع إن كان مما واطب عليه الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم أو الخلفاء الراشدون من بعد، فسنة، وإلا فمندوب انتهى“ (ص: ۸۴، مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب)

(۴) (رد المحتار، کتاب الطهارة، باب الإمامة: ۵۶۰/۱، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۶۱۱/۱، رشیدیہ)

اس تعریف کے اعتبار سے بدعت ہمیشہ سیئہ اور ضالہ ہی ہوتی ہے، البتہ معنی لغوی کے اعتبار سے کبھی حسنہ بھی ہوتی ہے:

”فقد تكون (أى البدعة) واجبة كنصب الأدلة للرد على أهل الفرق الضالة وتعلم النحو المفهم للكتاب والسنة، و مندوبة كإحداث نحو رباط و مدرسة و كل إحسان لم يكن فى الصدر الأول، ومكروهة كزخرفة المساجد، ومباحة كالتوسع بلذيد المآكل و المشارب والثياب كما فى شرح الجامع الصغير للمناوى (۱) عن تہذیب النووی، ومثله فى الطريقة المحمدية للبرکلی اھـ“ شامی (۲)۔

اس باب میں ”طریقہ محمدیہ“ اور اس کی شروح ”الحدیقۃ الندیہ“ و ”الدرر البریقۃ“ اور ”المدخل“ اور ”الاعتصام“ مبسوط کتابیں ہیں، جن میں بدعات پر تفصیلی بحث کی ہے اور بدعات پر کافی رد کیا ہے اور محققانہ دلائل پیش کئے ہیں۔ نیز اردو میں ”برائین قاطعہ“ لا جواب ہے جس میں بدعات کا قلع قمع کیا ہے اور ایسے زرین اصول و ضوابط بیان کئے ہیں کہ جن پر امور محدثہ کو بسہولت منطبق کیا جاسکتا ہے کہ یہ بدعات محرمہ ضالہ کی حدود میں داخل ہیں یا نہیں اور اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے کو بدعت حسنہ و سیئہ کے امتیاز میں بڑی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ذی قعدہ/ ۱۴۷۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

بدعت کی تقسیم

سوال [۷۷۶]: بدعت کی کتنی قسمیں ہیں؟

(۱) (فیض القدير شرح الجامع الصغير لعبد الرؤوف المناوى: ۱۱/ ۵۵۹۲، مکتبہ نزار مصطفى

الباز رياض)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، سعید)

الجواب حامداً ومصلياً :

شرعاً بدعت کی صرف ایک قسم ہے یعنی سیئہ، وہ کسی طرح جائز نہیں (۱)، جن لوگوں نے کوئی تقسیم کی ہے وہ لغت کے اعتبار سے ہے، وہ تقسیم شامی (۲) اور فتاویٰ حدیثیہ (۳) وغیرہ میں ہے۔ فقط۔

ایضاً

سوال [۷۷۷]: بدعت کی تقسیم جو بعض کتابوں میں نظر آتی ہے اس تقسیم کا موجد کون ہے؟ اگر بالفرض بدعت حسنہ و سیئہ وغیرہ سے تقسیم ثابت ہو تو: ”کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار“ (۴) قول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسلیماً کا کیا جواب ہوگا؟

(۱) ”ما أحدث علی خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، و جعل ديناً قوياً و صراطاً مستقيماً“۔ (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، سعید)

(۲) ”فقد تكون (أى البدعة) واجبة كنصب الأدلة على أهل الفرق الضالة، و تعلم النحو المفهم للكتاب والسنة، و مندوبة كإحداث نحو رباط و مدرسة و كل إحسان لم يكن فى الصدر الأول، و مكروهة كزخرفة المساجد، و مباحة كالتوسع بلذیذ الماکل و المشارب و الثياب كما فى شرح الجامع الصغير للمناوى عن تهذيب النووى، و مثله فى الطريقة المحمدية للبرکلى“۔ (رد المحتار، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، سعید)

(و کذا فى روح المعانى: ۲۷/ ۱۹۲، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

(۳) ”قال العز بن عبد السلام: البدعة..... وتنقسم إلى خمسة أحكام: يعنى الوجوب والندب الخ..... فمن البدع الواجبة: تعلم النحو الذى يفهم به القرآن والسنة، و من البدع المحرمة: مذهب نحو القدريّة، و من البدع المندوبة: إحداث نحو المدارس والاجتماع لصلوة التراویح، و من البدع المباحة: المصافحة بعد الصلوة، و من البدع المكروهة: زخرفة المساجد والمصاحف..... الخ“۔

(الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيثمى، ص: ۲۰۳، مطلب فى تفريق البدعة الخ، قديمى)

(۴) (رواه النسائى بهذا اللفظ مرفوعاً فى العيدين، باب كيف الخطبة: ۱/ ۲۳۳، قديمى)

(و فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳/ ۱۲۴۷، رقم: ۱۶۰۴، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

الجواب حامداً ومصلحاً:

شامی باب الامامة میں بدعت کی قسمیں بیان کی ہیں (۱) علامہ عز بن عبد السلام سے منقول ہے (۲)، تراویح کی یکجائی جماعت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے ”نعمت البدعة“ (۳)، اس وجہ سے سیئہ و حسنہ کی تقسیم کی گئی ہے ورنہ بدعت حسنہ درحقیقت معنی لغوی کے اعتبار سے بدعت ہے، نہ معنی شرعی کے اعتبار سے، اس لئے ”کل بدعة ضلالة“ (۴) میں بدعت شرعیہ و سیئہ مراد ہے اور جس چیز کو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے وہ ضلالہ نہیں بلکہ مسلوکہ فی الدین ہے اور معین فی الدین ہے یعنی وہ احداث فی الدین نہیں ہے بلکہ احداث للدين ہے۔ تفصیل دیکھنا چاہیں تو براہین قاطعہ (۵) الاعتصام (۶) المدخل (۷) ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ: العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۹۰ھ۔

(۱) (تقدم تخريجه من رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۶۰/۱، سعيد)

(و البحر الرائق كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۶۱۱/۱، رشيدية)

(۲) ”قال الشيخ عز الدين بن عبد السلام في آخر كتاب القواعد: البدعة إما واجبة كتعلم النحو لفهم كلام الله ورسوله، (إلى أن قال): و ما أحدث من الخير مما لا يخالف شيئاً من ذلك (أى الكتاب والسنة) فليس بمذموم، و قال عمر رضى الله تعالى عنه في قيام رمضان: ”نعمت البدعة“ الخ“ (مراقبة المفاتيح، كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۳۶۸/۱، رشيدية)

(۳) (رواه البخارى في حديث طويل فى الصوم، باب فضل من قام رمضان: ۲۶۹/۱، قديمى)

(۴) (رواه مسلم، فى الجمعة، فصل فى خطبة الجمعة: ۲۸۴/۱، ۲۸۵، قديمى)

(و ابن ماجه فى المقدمة، باب اجتناب البدع والجدل، ص: ۶، قديمى)

(۵) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ”براہین قاطعہ“ میں بدعت حسنہ و سیئہ کی تحقیق مکمل تفصیل سے کی ہے: (ص: ۳۵، ۴۵، دارالاشاعت کراچی)

(۶) علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”و مما یورد فی هذا الموضع أن العلماء قسموا البدع بأقسام أحكام الشريعة الخمسة، و لم يعدوها قسماً واحداً مذموماً، فجعلوا منها ما هو واجب و مندوب و =

بدعت کی اقسام

سوال [۷۷۸]: بدعت کی کل کتنی قسمیں ہیں تحریر فرمائیں؟

فجر کی نماز میں جو: ”الصلوة خیر من النوم“ پڑھتے ہیں اور جو تراویح پڑھتے ہیں، یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے اور یہ بھی بدعت ہے اور کلام اللہ شریف حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک جگہ جمع کیا گیا یہ بھی بدعت ہے، زید کا ایسا کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

جس بدعت کی حدیث شریف میں مذمت آئی ہے وہ صرف ایک ہی قسم ہے: ”کل بدعة ضلالة، وکل ضلالة فی النار“ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

”الصلوة خیر من النوم“ اذان فجر میں کہنا حدیث سے ثابت ہے یہ بدعت نہیں ہے (۲) تراویح

= مباح و مکروہ و محرم قسم: واجب، و هو ما تناولته قواعد الوجود و أدلتہ من الشرع
..... القسم الثاني: المحرم، و هو کل بدعة تناولها قواعد التحريم و أدلتہ من الشريعة القسم الثالث: أن من البدع ما هو مندوب إليه، وهو ما تناولته قواعد الندب و أدلتہ كصلوة التراويح
القسم الرابع: بدعة مكروهة، وهي ما تناولته أدلة الكراهة القسم الخامس: البدع المباحة، وهي ما تناولته أدلة الإباحة و قواعدھا من الشريعة“. (الإعتصام للإمام الشاطبي، باب فی أن ذم البدع والمحدثات عام لا تخص محدثة دون غيرها، ص: ۱۵۱، ۱۵۲، دار المعرفة بیروت)

(۷) (المدخل لابن أمير الحاج المكي، فصل الكلام على البدع التي نسبوها إلى الشرع و ليست منه: ۲۸۴/۳، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۱) (رواه النسائي مرفوعاً في العيدين، كيف الخطبة ۱۰/۲۳۴، قديمي)

(والمناوی فی فیض القدير شرح الجامع الصغير: ۱۲۴۷/۳، رقم: ۱۶۰۴، مكتبة نزار رياض)

و قال علی القاری: ”قال فی الأزهار: أي كل بدعة سيئة ضلالة، لقوله عليه الصلوة والسلام:

”من سنّ في الإسلام سنة سيئة الخ“ (المراقبة، باب الاعتصام الخ: ۱/۳۶۸، رشيدية)

(۲) ”عن أبي محذورة عن أبيه عن جده قال: قلت: يا رسول الله! علّمني سنة الأذان (إلى أن قال:)“ فإن

كان صلوة الصبح، قلت: الصلوة خیر من النوم، الصلوة خیر من النوم“. الحديث“ (سنن أبي داود =

بھی حدیث سے ثابت ہے یہ بھی بدعت نہیں (۱)۔ حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کا نام لے کر صاف صاف ان کے اتباع و اقتداء کا حکم فرمایا ہے (۲) پس جو جو دین کے کام ان حضرات سے ثابت ہوں وہ بدعت نہیں، قرآن پاک کو ایک جگہ جمع کرنا بدعت نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، کیم/شعبان/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۸۷ھ۔

= کتاب الصلوۃ، باب کیف الأذان : ۹/۱، امدادیہ

ورواه الإمام مالک فی مؤطاہ عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ . (کتاب الصلوۃ، باب ما جاء فی النداء للصلوة، ص: ۵۱، میر محمد کتب خانہ)

(۱) رواہ البخاری فی الصوم، باب فضل من قام رمضان، فقال: "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من قام رمضان إيماناً واحتساباً..... الحديث. وفيه: "عن عبد الرحمن بن عبد القاري قال: خرجت مع عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه ليلة في رمضان إلى المسجد، فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه ويصلي الرجل، فيصلّي بصلوته الرهط، فقال عمر: إني أرى لو جمعت هؤلاء على قاري واحد، لكان أمثل، فجمعهم على أبي بن كعب رضي الله تعالى عنه، ثم خرجت معه ليلة أخرى، والناس يصلون بصلوة قارئهم، قال عمر: نعمت البدعة هذه". (۱/۲۶۹، قديمی)

وفی مراقی الفلاح: "وروی أسد بن عمرو عن أبي يوسف رحمه الله تعالى قال: سألت أبا حنيفة عن التراويح وما فعله عمر رضي الله تعالى عنه، فقال: "التراويح سنة مؤكدة، ولم يخترصه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعاً، ولم يأمر به إلا عن أصل لديه". (کتاب الصلوۃ، فصل فی صلوۃ التراويح، ص: ۴۱۱، قديمی)

(۲) "عن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "اقتدوا بالذين بعدى أبي بكر وعمر". (جامع الترمذی، أبواب المناقب، مناقب أبي بكر الصديق: ۲/۲۰۷ فاروقی کتب خانہ)

(۳) "قال فی الأزهار: أي كل بدعة ضلالة، لقوله عليه الصلوۃ والسلام: "من سن في الإسلام سنة حسنة، فله أجرها، وأجر من عمل بها، وجمع أبو بكر وعمر رضي الله تعالى عنهما القرآن، وكتبه زيد رضي الله تعالى عنه فی المصحف، وجدّد فی عهد عثمان رضي الله تعالى عنه. قال النووي رحمه الله تعالى: البدعة كل شيء عمل على غير مثال سبق، وفي الشرع إحداث ما لم يكن في عهد رسول الله صلى الله =

ایضاً

سوال [۷۷۹]: بدعت کی کل کتنی قسمیں ہیں؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بدعت کی حدیث میں مذمت آئی ہے وہ صرف ایک ہی قسم ہے: ”کل بدعة ضلالة، و کل

ضلالة فی النار“ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۸۷ھ۔

کیا غیر ثابت چیزیں بھی خیر ہیں؟

سوال [۷۸۰]: کوئی ایسا امر جو بظاہر بہت اچھا ہے مگر وہ سنت نبوی یا صحابہ تابعین سے ثابت نہیں،

مگر عوام میں برسہا برس سے چل رہا ہے اور اس کے ذریعہ لوگوں میں ایک طرح کی اجتماعیت پائی جاتی ہے یعنی وہ

چیز ان میں جوڑ پیدا کرتی ہے، کیا اس کو بدعت ہونے کے باوجود مٹانا چاہئے یا نہیں، جیسے میلاد، دعاء ثانیہ، فاتحہ

بعد صلوٰۃ وغیرہ۔

نوٹ: عوام عام طور پر جاہل ہیں، وہ حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتے، وہ سنت و بدعت کا فرق بھی نہیں

جانتے بلکہ ان بدعات کو حصول خیر کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ان کو بدعت اور خلاف شرع یا گناہ کہنے پر تعجب کرتے

ہیں، بلکہ برا فروختہ ہوتے ہیں اور عام طور پر ان کے خلاف جدوجہد سے اور پھوٹ اور دو پارٹیاں بنتی ہیں،

نمازیں ترک کر دیتے ہیں، علماء کے خلاف تبلیغ کرتے ہیں، اس صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض اجتماع عند اللہ مطلوب و مقصود نہیں بلکہ خیر و سنت پر اجتماع مطلوب و مقصود ہے، اس لئے حسن تدبیر،

شفقت و دلسوزی سے ان کو راہ راست پر لانے کی ضرورت ہے، ان کو سمجھایا جائے کہ جس کام سے اللہ پاک اور اس

= تعالیٰ علیہ وسلم“ (مرقاۃ المفاتیح، شرح المشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنة: ۱/۳۶۸

، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۱) (رواہ النسائی فی العیدین، باب کیف الخطبة: ۱/۲۳۴، قدیمی)

کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں وہ کام مسلمان کو کرنا چاہئے، وہی دین ہے، ذریعہ نجات ہے (۱)، وہی وفاداری کا ثبوت ہے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کو دین نہ فرمایا ہو اور اس پر ثواب نہ بتایا ہو اور اپنی خوشنودی کا تحفہ اس پر نہ دیا ہو، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو اختیار کیا ہو، نہ ائمہ مجتہدین نے اس کو استنباط کیا ہو تو ایسا کام دین نہیں، اور وفاداری کا ثبوت نہیں، ذریعہ نجات نہیں، اس سے نہ اللہ تعالیٰ خوش اور نہ اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش، ایسا کام ترک کر دینے کے قابل ہے۔ اور دعا بھی کی جائے کہ حق تعالیٰ نفسانی جذبات سے محفوظ رکھے اور قلوب میں قبول حق کی صلاحیت پیدا فرمائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ: ”تم میں کوئی شخص مومن نہیں جب تک اس کی خواہش میرے بتائے ہوئے احکام کے تابع نہ ہو جائے“ (۲)۔

پھر بھی اگر پھوٹ پڑ جائے اور علماء کی مخالفت پیدا ہو جائے تو اس کو صبر و تحمل سے برداشت کیا جائے، ورنہ عوام کی خواہش کے مطابق علماء بھی چلنے لگیں تو دین اور غیر دین میں فرق نہ رہے گا، دین آہستہ آہستہ ختم ہو کر اس کی جگہ غیر دین آ جائے گا جو کہ دنیا میں بھی تباہی و ہلاکت کا موجب ہے اور آخرت میں بھی۔ اَعَاذُ اللہَ مِنْهُ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

جمع قرآن، تراویح وغیرہ کیا بدعت ہیں؟

سوال [۷۸۱]: فجر کی اذان میں جو ”الصلوة خیر من النوم“ پڑھتے ہیں اور جو تراویح پڑھتے ہیں، یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے اور یہ بھی بدعت ہے اور کلام اللہ شریف حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک جگہ جمع کیا گیا یہ بھی بدعت ہے، زید کا ایسا کہنا درست ہے یا نہیں؟

(۱) قال اللہ عزوجل: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ، فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ، وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ، وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (آل عمران: ۳۱)

(۲) ”عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هُوَ وَتَبَعُهُ لِمَا جَاءَتْ بِهِ“۔ رواہ فی شرح السنة“۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ص: ۳۰، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلحاً :

”الصلوة خير من النوم“ اذان فجر میں کہنا حدیث سے ثابت ہے، یہ بدعت نہیں ہے (۱)۔ تراویح بھی حدیث سے ثابت ہے یہ بھی بدعت نہیں، حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کا نام لے کر صاف صاف ان کے اتباع و اقتداء کا حکم فرمایا ہے (۲)۔ پس جو جو دین کے کام ان حضرات سے ثابت ہوں وہ بدعت نہیں، قرآن

(۱) ”عن محمد بن عبد الملك أبي محذورة عن أبيه عن جده قال : قلت : يا رسول الله ! علمني سنة الأذان (إلى أن قال :) ”فإن كان صلوة الصبح ، قلت : الصلوة خير من النوم ، الصلوة خير من النوم ، الله أكبر الله أكبر ، لا إله إلا الله“ . الحديث (سنن أبي داود ، كتاب الصلوة ، باب كيف الأذان : ۷۹/۱ ، مكتبة امدایہ ملتان)

(۲) ”عن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم : ”اقتدوا بالذين من بعدي : أبي بكر و عمر“ . (جامع الترمذی ، أبواب المناقب ، مناقب أبي بكر الصديق : ۲۰۷/۲ ، سعيد) قال القاری رحمه الله تعالى : ”قال ابن حجر : واستمروا كذلك زمنه عليه الصلوة والسلام ثم جمع عمر رضي الله تعالى عنه الرجال على أبي رضي الله تعالى عنه و كان عمر يقول في جمعه الناس على جماعة واحدة : ”نعمت البدعة هي“ ، و إنما سماها بدعة باعتبار صورتها ، فإن الاجتماع محدث بعده عليه الصلوة والسلام ، و أما باعتبار الحقيقة فليست بدعة ؛ لأنه عليه الصلوة والسلام إنما أمرهم بصلاتها في بيوتهم لعله : هي خشية الافتراض ، و قد زالت بموته عليه الصلوة والسلام ، و لم يأمر بها أبو بكر رضي الله تعالى عنه ؛ لأنه كان مشغولاً بما هو أهم منها ، و كذلك عمر أوائل خلافته“ . (مرقاة المفاتيح ، كتاب الصلوة ، باب قیام شهر رمضان ، الفصل الأول : ۳۶۹/۳ ، رقم الحديث : ۱۲۹۵ ، رشیدیہ)

و قال ابن حجر رحمه الله تعالى : ”و قال ابن بطلال : قیام رمضان سنة ؛ لأن عمر رضي الله تعالى عنه إنما أخذه من فعل النبي صلى الله عليه وسلم ، و إنما تركه النبي صلى الله عليه وسلم خشية الافتراض“ . (فتح الباری ، كتاب صلاة التراویح ، باب فضل من قام رمضان : ۳۱۷/۴ ، رقم الحديث : ۲۰۱۰ ، قدیمی)

پاک کو ایک جگہ جمع کرنا بدعت نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ: العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۸۷ھ۔

سنی، حنفی، وہابی کی تعریف

سوال [۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سنی، حنفی کسے کہتے ہیں؟ مستند کتب سے وضاحت فرمائیں۔

۲..... وہابی مذہب کیا ہے، لفظ وہابی کے معنی کیا ہیں؟ بریلوی علماء اور ان پڑھ لوگ اپنی اصطلاح میں وہابی کے معنی کافر ومشرک سے زیادہ بدترین سمجھتے ہیں، جس کی بنا پر وہ جسے بھی اپنے اصول کے خلاف سمجھتے ہیں، وہابی کا فتویٰ لگا کر اسلام سے خارج کر دیتے ہیں اور اس کا بایکاٹ کر کے اس سے سلام وکلام بند کر دیتے ہیں، بقول ان کے کسی وہابی سے جو مسلمان سلام وکلام کرے وہ وہابیوں کی طرح خارج از اسلام ہے، ان حالات کے پیش نظر شریعت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آئین وقوانین سے مطلع فرماتے ہوئے احکام صادر فرمائیں۔ فقط۔

والسلام نور محمد۔ ۲۱/جون/۱۹۷۰ء۔

(۱) "عن عبید بن السباق أن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال: أرسل إلى أبو بكر الصديق قال أبو بكر رضی اللہ عنہ: إن عمر رضی اللہ عنہ أتاني، فقال: إن القتل قد استحرَّ يوم اليمامة بقرآء القرآن و إني أرى أن تأمر بجمع القرآن، قلت لعمر رضی اللہ عنہ: كيف تفعل شيئاً لم يفعله رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم؟ قال عمر: هذا والله خير، فلم يزل عمر رضی اللہ عنہ يراجعني حتى شرح الله صدرى لذلك". (صحيح البخارى، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن: ۲/۷۴۵، قديمي)
قال الحافظ ابن حجر رحمه الله: "قال الخطابي وغيره: يحتمل أن يكون النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إنما لم يجمع القرآن في المصحف لما كان يترقبه من ورود ناسخ لبعض أحكامه أو تلاوته، فلما انقضى نزوله بوفاة صلى الله تعالى عليه وسلم، ألهم الله الخلفاء الراشدين ذلك وفاءً لوعده الصادق بضمن حفظه على هذه الأمة المحمدية - زادها الله شرفاً -، فكان ابتداء ذلك على يد الصديق رضی اللہ عنہ بمشورة عمر رضی اللہ عنہ". (فتح الباری، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن: ۱۲/۹، رقم الحديث: ۴۹۸۶، دار الفكر بيروت)

الجوب حامداً و مصلیاً :

۱..... حقیقت کے اعتبار سے سنی وہ ہے جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریق کا متبع ہو، عقائد میں بھی، اخلاق میں بھی، اعمال میں بھی: ”ہم ما انا علیہ و اصحابی“ الحدیث (۱)۔

حنفی وہ ہے جو مسائل فقہیہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقلد ہو (۲)۔

۲..... گزشتہ صدی میں عرب میں ایک شخص محمد بن عبد الوہاب نامی نے ایک جماعت بنائی تھی اور دعویٰ یہ کیا تھا کہ ہم سنت کو زندہ کرنا چاہتے ہیں، اس کے ساتھ بہت لوگ ہو گئے تھے مگر اس کے مسائل بہت سے خلاف سنت تھے، آہستہ آہستہ لوگوں کو ان مسائل کا علم ہوا، مثلاً وہ توسل کے قائل نہیں تھے، زیارت قبور کے لئے سفر کرنے کو ناجائز کہتے تھے حتیٰ کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی زیارت کے لئے سفر کو ناجائز کہتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

جب لوگوں کو معلوم ہوتا گیا، لوگ اس جماعت سے ہٹے گئے، پھر معلوم ہوا کہ اس جماعت کا مقصود حکومت پر قبضہ کرنا ہے اور یہ سیاسی جماعت ہے اور احنیائے سنت کا نام محض لوگوں کو اپنے ساتھ جمع کرنے کے لئے ہے تو حکومت نے مقابلہ کر کے اس جماعت کو شکست دی، چنانچہ ”رد المحتار“ کی تیسری جلد میں اس کا تذکرہ موجود ہے (۳)۔ اور یہ جماعت وہابی کہلاتی ہے جو کہ سب عرب میں بدنام ہوئی اور ذلت کی نظروں سے دیکھی جاتی تھی، جب اس کو شکست ہوئی تو اسی وقت کی بات ہے کہ ہندوستان میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ

(۱) (رواہ الترمذی فی الإیمان ، باب افتراق هذه الأمة : ۸۸/۲ - ۸۹ ، فاروقی کتب خانہ)

(۲) ”لفظ ”الحنفی“ نسبة إلى أبي حنيفة كنية إمام المذهب النعمان بن ثابت رحمهما الله تعالى“.

(المذهب الحنفی : ۱/۳۷ ، مکتبہ الرشید ریاض)

(۳) ”کما وقع فی زماننا فی اتباع عبد الوهاب الذین خرجوا من نجد ، و تغلبوا علی الحرمین ، و كانوا

ينتحلون مذهب الحنابلة ، لكنهم اعتقدوا أنهم هم المسلمون وأن من خالف اعتقادهم مشرکون ، و

استباحوا بذلك قتل أهل السنة وقتل علمائهم حتى كسر الله شوكتهم ، و خرب بلادهم ، و ظفر بهم

عساكر المسلمين عام ثلاث و ثلاثين و مائتين و ألف“ . (رد المحتار ، کتاب الجہاد ، باب البغاة :

اللہ تعالیٰ محدث دہلوی کی تجویز کے ماتحت جہاد شروع کیا گیا، حضرت سید احمد صاحب، حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ اسی جہاد میں شہید ہوئے اور ان کی جماعت نے بہت بلند کام کیا، انگریز ان کا مقابلہ کرتے کرتے تھک گئے، بہت سخت سزائیں دیں، مگر اس جماعت کو جو کچھ مقبولیت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اس میں کمی نہیں ہوئی، تو اس وقت ہندوستان ہی کے بعض لوگوں سے انگریز نے فتویٰ حاصل کیا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو عرب میں پٹ چکے ہیں اور یہ لوگ وہابی ہیں اور ان حضرات کی کتابوں میں سے چھانٹ چھانٹ کر ایسے غلط عنوان سے مسلمانوں میں باتیں پھیلائیں جس کی وجہ سے ان سے نفرت پیدا ہو جائے، اس لئے لفظ ”وہابی“ کا لقب ابتداءً اس جماعت کے لئے انگریز نے تجویز کیا اور بدعتی علماء نے اس کا پروپیگنڈہ کیا ہے اور آج تک کر رہے ہیں۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے اس کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ بدعتی علماء کے فتوؤں نے جو کام دیا ہے وہ سخت سے سخت سزاؤں نے نہیں دیا، اس کتاب کا اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے، اس کا نام ہے ”ہمارے ہندوستانی مسلمان“ (۱)۔ اب جو شخص بھی پابند شریعت اور متبع سنت دیندار ہے، بدعت سے پرہیز کرتا ہے اس کو وہابی کہتے ہیں، اس سے مسلمانوں کو نفرت دلاتے ہیں، خوف یہ ہے کہ اگر لوگ ان کے وعظ کو سنیں گے، ان کی کتابوں کو پڑھیں گے، ان کی مجلس میں بیٹھیں گے تو بدعت سے متنفر ہو جائیں گے اور ان بدعتی علماء سے کٹ جائیں گے، تاہم اب لوگ اتنے بے خبر نہیں رہے کہ ان کو اندھیرے میں رکھا جائے بلکہ اب ان پر حقیقت روشن ہو رہی ہے جس کی وجہ سے بدعتی علماء پریشان ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۹۰ھ۔

(۱) اس کتاب کے چند اقتباسات مختصر طور پر ذکر کر کے جاتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام کی بنیاد دو چیزوں پر ہے: پہلی شئی یہ ہے کہ خدا کے ساتھ کسی کو معبود نہ ٹھہرایا جائے اور دوسرے کوئی دستور یا طریقہ ایسا اختیار نہ کیا جائے، جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے خلفاء کے وقت میں نہ تھا۔“ ۱۸۲۲، ۲۳ء میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکہ تشریف لے جانے پر اس عام فہم اصلاحی عقیدہ کو وسعت دی گئی اور باقاعدہ طور پر ترتیب دیدیا گیا، انہوں نے اس مقدس شہر میں ایک اصلاحی تحریک کا آغاز کیا جس کا بانی صحرا کا ایک بدو تھا اور جو ان کے عقائد کے مطابق تھا، اس کے بانی نے مغربی ایشیا میں ایک دینی سلطنت قائم کر لی تھی، بعینہ جیسے کہ سید احمد صاحب ہندوستان میں قائم کرنے کی امید رکھتے تھے، اس لئے ہمارے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ اس مذہب کی آئندہ ترقی کے واقعات کو یہاں تھوڑے عرصہ کے لئے ختم کر دیں، اور عرب میں وہابیوں کی ترقی و

۱۰۱۔ ال کی مختصر داستان بیان کریں“ ص ۵۱۔

= ”ایک سو پچاس برس ہوئے ایک نوجوان عرب حاجی جس کا نام عبدالوہاب تھا۔ اپنے ہمراہی حاجیوں کی بد معاشی اور ریا کاری سے جس سے اماکن مقدسہ کی بے حرمتی کی جارہی تھی سخت دلگیر ہوا، اور آخر کار ان بدعات کے انسداد کے لئے میدان عمل میں نکل پڑا، لیکن قسطنطنیہ کے کارپردازوں نے اس کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھا۔ لہذا عبدالوہاب کو شہر بشہر خارج ہونا پڑا، آخر الامر اس نے درایہ کے سردار محمد بن مسعود کے ہاں پناہ لی۔ اپنے نئے مرید سے مل کر۔۔۔ اس نے ایک مختصر سی عرب لیگ کی بنیاد رکھی اور قسطنطنیہ کی حکومت کی غلط کاریوں کے خلاف احتجاج اور بغاوت کا جھنڈا بلند کیا، اب انہیں فتح پر فتح ہو رہی تھی۔ نجد کا بہت سا حصہ فتح ہو گیا۔ عبدالوہاب اس کا روحانی پیشوا تھا۔ انہوں نے مطیع شدہ صوبہ جات میں اپنے نائب مقرر کئے، اور ان کو سختی کے ساتھ اپنا اطاعت گزار بنائے رکھا“ ص: ۵۲۔

”چنانچہ مصلحین کی یہ جماعت قدرتا ایک جنگجو فرقہ تھا اور نہایت دلیری کے ساتھ اپنے عقائد کو تلوار کے ساتھ منواتا تھا۔ ترکوں نے اپنی ذلیل شہوت پرستی کو مقدس شہروں میں پھیلا دیا تھا۔ ایسی عادتیں جن کو قرآن نے قطعاً ناجائز قرار دیا ہے، وہ مقدس شہر میں شراب کا نہایت ہی نفرت انگیز منظر پیش کرتے تھے، یہی وہ عملی اور ظاہری بے حرمتی تھیں جن کے خلاف عبدالوہاب نے سب سے پہلے آواز اٹھائی، مگر آہستہ آہستہ یہ ایک دینی فرقہ بن گیا، جو وہابیت کے نام سے مشہور ہے، ہندوستانی فرقہ کا بھی بڑی حد تک یہی عقیدہ ہے۔۔۔ اس کے سات بڑے بڑے اصول ہیں“ الخ۔ ص: ۵۳۔

”عبدالوہاب کا انتقال ۱۷۸۷ء میں ہوا، اور وہ اپنی تمام فتوحات کو ایک قابل جانشین کے سپرد کر گیا، ۱۷۹۱ء میں وہابیوں نے شریف مکہ سے ایک کامیاب جنگ کی، ۱۷۹۷ء میں انہوں نے بغداد کے پاشا کو بہت خونریزی کے ساتھ پسپا کر دیا۔۔۔۔۔۔ ۱۸۰۱ء میں انہوں نے ایک لاکھ سپاہیوں کے ساتھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کی، اور ۱۸۰۳ء میں اس مقدس شہر کو فتح کر لیا، اسلام کے ان دو مستحکم مراکز میں مصلحین نے ہر اس باشندے کو موت کے گھاٹ اتار دیا جس نے ان کے طریقے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ مسلمان بزرگوں کے خانقاہوں کو لوٹا اور بے حرمت کیا، حتیٰ کہ مسجد نبوی تک کو بھی نہ چھوڑا“۔ ص: ۵۴۔

”آخر کار محمد علی پاشا والی مصر مصلحین کو تباہ و برباد کرنے میں کامیاب ہو گیا، ۱۸۱۲ء میں تھومس کیٹھ جو (سکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا) پاشا کے لڑکے کے ماتحت مدینہ شریف پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ ۱۸۱۳ء میں مکہ معظمہ پر بھی قبضہ ہو گیا اور اس کے پانچ سال بعد یہ عظیم الشان سلطنت جس معجزانہ طور پر منصفہ شہود پر آئی تھی، اسی معجزانہ طور پر ریت کے صحرائی ٹیلوں کی طرح غائب ہو گئی“۔ ص: ۵۵۔

”بہر حال ہندوستان کے وہابی مسلمانوں میں ایسے اصول کی اشاعت کرتے ہیں جس کی سختی ان تمام تکالیف کو نرم کر دیتی ہے، سید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جب مکہ ہی میں تھے، تو حکومت کے علم میں یہ بات لائی گئی تھی کہ سید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے عقائد بھی ان صحرائی بدوؤں کی جماعت کے مطابق ہیں جن کی وجہ سے مقدس مقامات کو ایسے نقصانات اٹھانے =

وہابی کی تعریف

أيها العلماء الكرام والفضلاء العظام والمفتيون لشرع المتين والمحققون في أمور الدين! أنتم لنا ساداتنا ومركز علوم ديننا، أفتونا في هذه المسائل المندرجة الذيل، توجروا بالأجر الجزيل، واستخلصونا من أفواه المخالفين والمعاندين، ستخلصكم الله تعالى في الدارين، آمين يا رب العالمين۔

۱..... من الوهابي وما اعتقادهم وأعمالهم؟ ويقولون أصحاب الهوى، الذين عبید الدنيا ولا یجتنبون عن البدعات والشبهات و یطلبون الجواز، ولا یتميزون بین الحلال والحرام والصدق والكذب، ولا یبالون علی افتراء المشایخ الذین یعملون بالسنة والكتاب والمذهب واختتموا أعمارهم لصفوة الدين والمذهب: أن الوهابی من اعتقد اعتقاد عبد الوهاب النجدی وعلی ائى اعتقاد مضی و بأى صفة یُذم، بل نرى أن من یعمل بالقرآن والحديث والمذهب و یجتنب عن البدعات والشبهات ویأمر بالمعروف وینهى عن المنکرات والإختراعات، و یخالف المبتدعین بالرد والقدح، أو سکت من الكل ولا یوافقهم بالعمل والقول۔ یقولون: إن هذا هو الوهابی، وهو خارج من أهل السنة والجماعة، ولا تجوز خلفه الصلوة، وهكذا یضلون العوام بالوساوس والخداع، و یفتنون علی الفور بالوهابیات، وما الحکم لمثل هذا المفتی هل هو من أهل السنة والجماعة أم کیف؟ بینوا بالتصقیق، هذا مرض لا علاج له یزداد يوماً فیوماً۔

= پڑے، پہلے جو چیز ان کی نظر میں محض خواب و خیال تھی، اب وہ ان کو حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی جس میں انہوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اسلامی جھنڈا گاڑتے اور صلیب کو انگریز کافروں کی لاشوں کے نیچے دفن کرتے ہوئے دیکھا، پہلے جو کچھ ان کی تعلیم میں ابہام تھا، اب اس نے خوفناک اور باقاعدہ مذہب کی شکل اختیار کر لی، جس سے عبد الوہاب نے عرب میں ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی تھی، اور جس سے سید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو امید تھی کہ وہ ہندوستان میں اس سے بھی زیادہ عظیم الشان اور پائیدار سلطنت قائم کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

(ہمارے ہندوستانی مسلمان، ترجمہ Our Induan Muslims مصنف: W-W Hunter،

۲..... ما الحكم للمفسد الذى ذكرت أحواله فى الواقعة؟ وهل تجوز الفتنة المذكورة و سوء الأدب الذى ذكر بمثل هذين الأمرين، وحركته و عداوته من توهين العلماء أم كيف؟ وهل هو من أهل السنة والجماعة، ويقع على زوجته الطلاق و يلزم عليه التوبة أم كيف؟ بينوا بالنظر والغور العميق-

۳..... ما تقولون فى حق الذى يجتنب عن الإختراعات والمنهيات والشبهات ولا يضع القدم خلاف المذهب، ولا يتبع أهل الهوى بالقول والفعل، و يخالفهم بالرد والقدح، ويجتنب عن المسائل الجديدة المروجة بالرد والقدح أو السكوت عنها وعدم العمل على المسائل التى لم تذكر فى الكتب المشهورة، وهل يكون الرجل وهابياً ولا تجوز الصلوة خلفه أم كيف؟ وما تقولون فى حق الإمام الذى ذكرت أحواله فى الواقعة هل أقواله و أفعاله موافقة بالسنة والكتاب والمذهب أم لا؟ وأفعاله خلاف التقوى أم عين التقوى، وما الفرق بين الفتوى والتقوى، وأى للعلماء الكرام أقوى؟

المستفتى: فدوى محمد بدر الدجى عفى عنه، ضلع چائگام۔

الجواب حامداً ومصلحاً :

۱..... محمد بن عبد الوهاب النجدى كان متبعاً للسنة، ولكنه كان متشدداً فى الاعتقاد والقول والعمل، وكان قليل البضاعة من العلم والفهم والعقل، فصدر منه بعض الأفعال والأقوال وصار سبباً لهيجان الفتن (۱)، وأما اليوم فى ديارنا فالإصطلاح ما قلتم من يستن بسنن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم، ويمنع عن البدع، فهو يسمى فى أفواه أهل الهوى وهابياً، فإلى الله المشتكى:

(۱) تقدم تخريجه من رد المحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۲۶۲/۴: (س. ۲) (و راجع للتفصيل كتاب: "ہمارے ہندوستانی مسلمان" ترجمہ Our Indian Muslims (مصنف) W-W Hunten و قد تقدمت نبذة منه)

۲-۳..... قد علم مما ذكرنا حكمها، صاحب التقوى أورع و صاحب الفتوى أوسع، و

هو داخل تحت حدود الشرع، وإذا جاوزها فقد تعدى: ﴿و من يتعد حدود الله فقد ظلم

نفسه﴾ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم وأحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین المفتی بمدرستہ مظاہر علوم سہارنپور الہند۔

الجواب صحیح: سعید أحمد غفر له المبتلى بأمانة الإفتاء بالمدرسة العلية المشتهر بمظاہر

علوم الواقعة ببلدة سہارنپور، یومی، ۷/ جمادی الأولى / ۶۷ ھ۔

(۱) (سورة الطلاق: ۱)

ترجمہ:

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب مطلوب ہیں:

۱..... وہابی کون ہیں ان کے عقائد و اعمال کیا ہیں؟ اہل ہوادنیا پرست بدعات و شبہات سے اجتناب نہ کرنے والے

ہر چیز میں جواز کو تلاش کرنے والے، حلال و حرام، صدق و کذب میں تمیز نہ کرنے والے اور ان مشائخ پر جو کتاب و سنت پر عامل

ہیں جن کی عمریں خالص دین و مذہب کی اشاعت میں صرف ہو گئیں افتراء کرنے والے یوں کہتے ہیں کہ وہابی وہ شخص ہے جو عبد

الوہاب نجدی جیسے عقائد رکھتا ہے۔

اس کے اعتقادات کیا تھے اور کس بنا پر اس کی مذمت کی جاتی ہے؟ بلکہ ہمارا خیال یہ ہے کہ جو شخص قرآن و حدیث اور

مذہب پر عامل ہو، بدعات و شبہات سے اجتناب کرتا ہو، امر بالمعروف کرتا ہو، منکرات و مخترعات سے روکتا ہو، مبتدعین کی رد و

قدح کے ساتھ مخالفت کرتا ہو، یا پھر تمام امور کے متعلق خاموش رہتا ہو، قول و عمل میں ان کی موافقت نہ کرتا ہو اس کے بارے

میں یہ مبتدعین کہتے ہیں کہ یہ وہابی ہیں، اہلسنت والجماعت سے خارج ہیں، اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اسی طرح عوام کو

وساوس اور دھوکے سے گمراہ کرتے ہیں اور فوراً وہابی ہونے کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔

ایسے مفتی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ اہلسنت والجماعت سے ہے؟ تحقیق کے ساتھ بیان فرمائیں، یہ ایسا

لا علاج مرض ہے جو دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔

۲..... جس مفسد کے احوال ذکر کئے گئے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ کیا فتنہ مذکورہ اور سوء ادب جو ذکر کیا گیا ان دو امر کے

ساتھ، اس کی حرکت و عداوت اور علماء کی توہین جائز ہے؟ اور کیا وہ اہلسنت والجماعت سے ہے اس کی بیوی پر طلاق واقع =

وہابی کون ہے؟

سوال [۷۸۴]: فرض، واجب، سنت مؤکدہ کو چھوڑنے والوں پر درجہ بدرجہ الگ کیا شرعی سزائیں اور وعیدیں آئی ہیں؟ نیز فرض، واجب، سنت مؤکدہ کو چھوڑ کر مستحبات پر عمل کرایا جانا کیسا ہے؟ اور کیا یہ اعمال قابل قبول ہوں گے؟ نیز مستحبات نہ کرنے والوں کو وہابی کہنا کیسا ہے؟ وہابی کی تعریف بھی بتا دیجئے؟

ہو جائے گی؟ اور کیا اس پر توبہ لازم ہے؟

۳۔ ان لوگوں کے حق میں کیا رائے ہے جو محدثات، منہیات اور شبہات سے اجتناب کرتے ہیں، مذہب کے خلاف ایک قدم نہیں چلتے، اہل ہوا کا قولاً وفعلاً کسی طرح اتباع نہیں کرتے بلکہ رد و قدح کے ساتھ ان کی مخالفت کرتے ہیں اور جدید رائج شدہ مسائل سے رد و قدح کے ساتھ یا ان سے سکوت کرتے ہوئے اجتناب کرتے ہیں، جو مسائل کتب مشہورہ میں مذکور نہیں ان پر عمل نہیں کرتے، کیا وہ آدمی وہابی ہو جاتا ہے؟

اس کے پیچھے نماز جائز نہیں رہتی یا کیا حکم ہے؟ اور اس امام کے بارے میں کیا رائے ہے جس کے احوال ذکر کئے گئے کیا اس کے اقوال و افعال، سنت، کتاب و مذہب کے موافق ہیں یا نہیں؟ اسکے افعال تقویٰ کے خلاف ہیں یا عین تقویٰ ہیں؟ تقویٰ اور فتویٰ میں کیا فرق ہے اور کونسا علماء کرام کے لئے اقویٰ ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱۔۔۔۔۔ محمد بن عبد الوہاب نجدی تبع سنت تھے لیکن اعتقاد، قول اور عمل میں تشدد تھے، علم و فہم اور عقل کم تھی اس لئے ان سے بعض افعال و اقوال ایسے صادر ہو گئے جو فتنوں کے رونما ہونے کا سبب بن گئے۔ لیکن آج ہمارے علاقہ میں وہابی وہی ہے جس کو مسائل نے بیان کیا ہے یعنی جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کا تبع ہو، بدعات سے روکتا ہو وہی شخص اہل ہوا کی اصطلاح میں وہابی ہے۔ پس شکوہ اللہ ہی سے ہے۔

۲، ۳۔۔۔۔۔ ان دونوں کا حکم ماسبق سے معلوم ہو گیا، صاحب تقویٰ اور ع ہے اور صاحب فتویٰ اوسع ہے حدود شرع کے تحت داخل ہیں اور جب وہ حدود شرع سے نکلے گا تو تجاوز کر جائے گا اور ”جو شخص حدود شرع سے تجاوز کرتا ہے وہ اپنے اوپر ہی ظلم کرتا ہے“۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین المصطفیٰ بمرستہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفر لہ المبتلیٰ بأمانة الافتاء بالمدرسة العلية المشتهر بمظاہر علوم

الواقعة ببلدة سہارنپور، یوپی، ۷ / جمادی الاولیٰ / ۱۳۷۷ھ

الجواب حامداً ومصلحاً:

فرض کا درجہ سب سے زیادہ ہے، اس کا منکر کا فرہوتا ہے، اس کے بعد واجب کا درجہ ہے (۱)، سنتیں اور مستحبات یہ دونوں (فرض و واجب) کی تکمیل کے لئے ہیں (۲)، فرائض کو ترک کر کے مستحبات پر عمل کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص رمضان المبارک میں فرض روزے کو ترک کرے اور سحری اہتمام سے کھائے حالانکہ سحری تو روزہ پر قوت حاصل کرنے کے لئے ہے (۳)، فرض و واجب کے ترک پر عقاب ہے اور سنت کے ترک پر عقاب اور مستحب کے ترک پر کوئی وعید نہیں (۴)۔

(۱) ”وأما الفرض فحكمه لزوم علماً بالعقل و تصديقاً بالقلب ، وهو الإسلام ، و عملاً بالبدن وهو من أركان الشرائع ، و يكفر جاحده ، و يفسق تاركه بلا عذر ، و أما حكم الوجوب فلزومه عملاً بمنزلة الفرض لا علماً على اليقين ؛ لما في دليله من الشبهة حتى لا يكفر جاحده ، و يفسق تاركه“ . (منحة الخالق على البحر الرائق ، كتاب الطهارة : ۲۵/۱ ، رشیدیہ)

(و كذا في حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، كتاب الطهارة ، فصل فى أحكام الوضوء ، ص : ۵۶ ، قديمی)
(والمغنى لأبى محمد عمر الخبازى ، باب النهى ، فصل فى العزيمة والرخصة ، ص : ۸۳ ، جامعة أم القرى مكة المكرمة)

(و نور الأنوار ، بحث الفريضة والواجب والسنة ، ص : ۱۶۶ ، سعيد)

(۲) ”ولأنها لإكمال الفرض : أى السنة ، و ذكر باعتبار أنها مأمور به ، و عبارته فى الشرح أولى حيث قال : و تكون السنة لإكمال الفرض فى محله“ . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، كتاب الطهارة ، فصل فى سنن الوضوء : ۷۱ ، قديمی)

(و كذا فى الهداية ، كتاب الطهارة : ۱۹/۱ ، مكتبه شركة علميه)

(و كذا فى حاشية اللكنوى رحمه الله تعالى على الهداية : ۱۹/۱ ، مكتبه شركة علميه)

(۳) ”قلت : فى زماننا لا يطلقون السحور إلا على ما يؤكل ليلاً لأجل الصوم“ . (رد المحتار ، كتاب الأيمان ، باب اليمين فى الأكل والشرب : ۸۱/۳ ، سعيد)

(۴) ”قال القهستاني : حكمها (أى حكم السنة) كالأوجب فى المطالبة فى الدنيا إلا أن تاركه (أى الواجب) يعاقب و تاركها (أى السنة) يعاتب الله . و فى الجوهره عن القنية : تاركها فاسق و جاحدها مبتدع الخ“ . (حاشية الطحطاوى على المراقى ، كتاب الطهارة ، فصل فى سنن الوضوء ، ص : ۶۲ ، قديمی) =

ڈیڑھ سو پونے دو سو سال پہلے عرب میں ایک شخص محمد بن عبدالوہاب کی طرف ایک جماعت منسوب تھی اس کے بعض نظریات ائمہ اربعہ سے الگ تھے، اس جماعت نے اس وقت کی حکومت پر قبضہ کرنا چاہا تھا حکومت نے مقابلہ کر کے ۱۲۳۳ھ میں اس کو شکست دے کر جماعت کو ختم کر دیا تھا وہ جماعت بہت بدنام ہو چکی۔ اس کے قریب ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سلسلے کے حضرات نے جہاد کا نظم قائم کیا اور جگہ جگہ دشمن اسلام سے مقابلہ کیا، انگریز نے ان کو بدنام کرنے کے لئے یہ لفظ ”وہابی“ ان کے واسطے ایجاد کیا اور کہا ان کا تعلق محمد بن عبدالوہاب نجدی کی جماعت سے ہے اور بدعتی علماء سے ان کے خلاف فتوے حاصل کئے، اب کیفیت یہ ہے کہ جو شخص حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر اس کے حدود کی رعایت رکھتے ہوئے عمل کرتا ہے اور سنت کا اتباع کرتا ہے اور بدعات سے پرہیز کرتا ہے اس کو وہابی کہا جاتا ہے اور بدنام کیا جاتا ہے کہ یہ آقائے نامدار سید الانبیاء والمرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت نہیں کرتا بلکہ شان اقدس میں گستاخیاں اور بے ادبی کرتا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واكمل۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کیا تارکِ فرائض سنی کہلانے کا حقدار ہے؟

سوال [۷۸۵]: زید اپنے آپ کو پکا سنی مسلمان کہتا ہے، زید نہ تو پنجگانہ نماز ادا کرتا ہے، نہ استنجاء پاک کرتا ہے اور نہ رمضان المبارک کے فرض روزے رکھتا ہے، زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتا، اس کے باوجود زید اپنے آپ کو قوم کا سردار بھی کہتا ہے اور قوم کے آدمی بھی اس کے حکم کو مانتے ہیں، اس حالت میں زید اور ایسی قوم کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟

= ”و فیہا : ”وقیل : ما (أی المستحب) یمدح بہ المکلف ولا یذم علی ترکہ“۔ فصل من آداب

الوضوء الخ، ص: ۷۵، قدیمی

(۱) (تقدم تخريجه من رد المحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۲/۲۶۲، سعيد، و ”ہمارے ہندوستانی

مسلمان، باب دوم، ص: ۵۱-۵۶“)

الجواب حامداً ومصلياً :

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو زید تارک فرائض ہے اور سخت گناہگار ہے (۱) جس کی ساری زندگی خلاف سنت ہو وہ سنی کیسے کہلائے گا، وہ سردار بننے کا بھی حقدار نہیں (۲)، ایسے آدمی کو سردار بنانا بڑی بد قسمتی اور محرومی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کسی کام کو کسی کی سنت کہنا

سوال [۷۸۶]: کیا یہ کہنا کہ یہ کام فلاں صاحب کی سنت ہے غلط ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً :

یہ کہنا کہ یہ کام فلاں صاحب، مثلاً ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت ہے غلط نہیں جب کہ وہ کام واقعہً ان کی سنت ہو (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

(۱) "أوصاني خليلي صلى الله تعالى عليه وسلم: "أن لا تشرك بالله شيئاً وإن قطعت و حرقت ، و لا تترك صلوة مكتوبة متعمداً، فمن تركها متعمداً، فقد برئت منه الذمة، و لا تشرب الخمر ؛ فإنها مفتاح كل شر". (ابن ماجه ، كتاب الفتن ، باب الصبر على البلاء ، ص : ۲۹۲ ، قديمي)

(۲) کیونکہ تارک سنت فاسق ہے، اور فاسق کو امیر یا سردار بنانا مکروہ ہے: "و يكره تقليد الفاسق ، و يعزل به إلا لفتنة، و يجب أن يدعى له بالصلاح". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۴۸/۱، ۵۴۹، سعيد)

(۳) "عن العرباض بن سارية قال: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ذات يوم ، ثم أقبل علينا بوجهه فوعظنا الحديث، و فيه : "فإنه من يعيش منكم ، فبصري اختلافاً كثيراً ، فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ..... اهـ" (رواه أبو داود في الديات، باب لزوم السنة : ۲۸۷/۲، مكتبة امداديه ملتان)

(و أحمد في مسنده : ۱۰۹/۵ ، رقم الحديث : ۱۶۶۹۵ ، دار إحياء التراث العربی)

(و ابن ماجه في باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين ، ص : ۵ قديمي)

و قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ : "قال التوربشتی : و أما ذكر سنتهم في مقابلة سنته ؛ لأنه علم =

مستحب پراصرار

سوال [۷۸۷]: اگر کوئی شخص پھول، مالا اور دعائِ ثانیہ وغیرہ کرنے والا نہ کرنے والے کو ملامت نہ کرے تو کیا ایسی صورتوں میں ان امورِ مستحبہ کو کر سکتا ہے اور بدعت میں داخل نہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس چیز کا استحباب شرعی دلائل سے ثابت ہو اس پر اصرار کرنے اور تارک پر ملامت کرنے سے اس کا استحباب ختم ہو کر اس میں کراہت آ جاتی ہے: ”الإصرار علی المندوب یبلغه إلی حد الکراهیة“ (سباحة الفکر) (۱)، اگر یہ شان نہ ہو تو استحباب باقی رہتا ہے اور جس چیز کے استحباب کا ثبوت شرعی دلائل سے نہ ہو اس کے متعلق یہ بحث نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

ایضاً

سوال [۷۸۸]: التزام کی کراہت کے متعلق جو علامہ طیبی کی عبارت: ”من أصر علی مندوب، وجعل عزمًا ولم يعمل بالرخصة“ (۲) کا حوالہ دیا گیا ہے تو اس عبارت میں جو ”عزمًا“ کا لفظ ہے اس کی تشریح ”منتہی الارب“ میں یہ مرقوم ہے: ”عزيمة بالفتح واجب وثابت، وعزيمة من عزمات الله تعالى: أي حق من حقوقه أو واجب مما أوجبه“۔ یعنی مستحب کو واجب جان کر جب اصرار ہوگا تو مذموم

= أنهم لا یخطئون فیما یتخرجون من سنته“۔ (المرفقة شرح المشکوة، کتاب الإیمان، باب الإعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی: ۱/۴۰۹، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۱) (مجموعہ رسائل الکھنوی، سباحة الفکر، الباب الأول: ۳/۴۹۰، إدارة القرآن)

(و کذا السعاية علی شرح الوقایة للکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ، باب صفة الصلوة، قبیل فصل فی القراءة: ۲/۲۶۵، سہیل اکیڈمی لاہور)

(و کذا فی المرفقة شرح المشکوة، کتاب الصلوة، باب الدعاء فی التشہد، الفصل الأول: ۳/۳۱، رشیدیہ)

(۲) (مرفقة المفاتیح، باب الدعاء فی التشہد، کتاب الصلوة، الفصل الأول: ۳/۳۱، رقم الحدیث:

۹۴۶، رشیدیہ)

ہوگا اور مستحب کو مستحب جان کر جب اصرار ہوگا تو یہ محمود ہوگا، چنانچہ اس کا فیصلہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: ”إنما الأعمال بالنیات“۔ مداومت کا ہونا یہ التزام میں داخل نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے: ”أحب الأمور إلى الله أدومها“۔ لہذا التزام کے متعلق اگر کوئی حدیث صریح ہو تو نقل فرمائیے ورنہ یہ تحریر فرمائیے کہ اس کے متعلق کوئی حدیث صریح نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مستحب پر (یعنی مباح ترک اعتقاد کرتے ہوئے) مداومت موجب کراہت نہیں بلکہ اصرار موجب کراہت ہے (والفرق بین المداومة والإصرار لا يخفى على من له أدنى ممارسة بالفقه)۔ جن سورتوں کا مخصوص نمازوں میں پڑھنا مأثور و منقول ہے ان پر بھی مداومت اس طرح کہ ان کے علاوہ اور سورتیں نہ پڑھیں اگرچہ اعتقاداً جائز سمجھتا ہو مکروہ ہے:

”ويكره أن يوقت بشيء من القرآن لشيء من الصلوة (۱) كالسجدة والإنسان لفجر الجمعة، والجمعة والمنافقين للجمعة، قال الطحاوي والإسبيحاني: هذا إذا رآه حتماً يكره غيره، أما لو قرأ للتيسير عليه أو تبركاً بقرآته صلى الله تعالى عليه وسلم فلا كراهة، لكن بشرط أن يقرأ غيرهما أحياناً؛ لئلا يظن الجاهل أن غيرهما لا يجوز، ولا تحرير في هذه العبارة بعد العلم بأن الكلام في المداومة، والحق أن المداومة مطلقاً مكروهة سواء رآه حتماً يكره غيره أولاً“ فتح القدير: ۱/ ۲۳۸ (۲)۔ والمسئلة مذكورة في شرح النقاية: ۱/ ۸۳ (۳)، وتبين

(۱) (الهداية، قبيل باب الإمامة، كتاب الصلوة: ۱/ ۱۲۰، مكتبه شرکت علمیه ملتان)

(۲) (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، فصل في القراءة: ۱/ ۳۳۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و بمعناه في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، فصل في القراءة: ۱/ ۳۳۷، مصطفى البابي الحلبي)

(۳) ”وكره عندنا وعند مالک تعيين سورة: أى غير الفاتحة لصلوة من الصلاة، واستحب الشافعي قراءة سورة السجدة وهل أتى في الفجر كل جمعة وقيد الطحاوي والإسبيحاني الكراهة فيما إذا اعتقد أن الصلوة لا تجوز بغيرها، وأما إذا لم يعتقد ذلك ولازمها وقراءة السجدة وهل أتى في بعض =

الحقائق: ۱/۱۳۱، (۱) وغیرہما۔

اس کراہت کا ماخذ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے جس کو مسند احمد میں روایت کیا ہے اور اس کی اسناد حسن ہے: ”من لم يقبل رخصة الله (أى لم يعمل بها) كان عليه من الإثم مثل جبال عرفة“ (فی عظمہا)۔ السراج المنیر: ۳/۳۴۹ (۲) جب کسی شی کی ایک جانب مستحب ہے تو دوسری جانب کے ترک کی یقیناً رخصت ہوگی، اب اگر جانب مستحب پر اس طرح عمل کیا جائے کہ جانب رخصت بالکلیہ متروک ہو جائے تو اس مستحب کو درجہ وجوب حاصل ہو جائے گا اعتقاداً ہو یا عملاً، خود عامل کے حق میں ہو یا دوسرے دیکھنے والوں کے حق میں، یہ ایک مفسدہ ہے جس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ جانب رخصت پر بھی کبھی کبھی عمل کیا جائے: ”لأن الله يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه“۔ الحدیث (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/شعبان/۶۶ھ۔

تنبیہ: طرز سوال مناظرانہ ہے مستفتیانہ نہیں اس کے متعلق پہلے بھی عرض کیا تھا۔ فی الجواب کفایۃ لمن أراد الهدایۃ وأما المجادل فلا یقنع إلا بالمجادلة۔ سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/شعبان/۶۶ھ۔

= الأحياء فی فجر الجمعة فلا یکره بل یكون حسناً“۔ (شرح النقایۃ، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، سنة القراءة فی الصلاۃ: ۱/۸۳، اعززیہ)

(۱) (تبیین الحقائق، کتاب الصلوۃ، أو آخر باب صفة الصلوۃ: ۱/۳۳۷، دار الکتب العلمیۃ)

(و کذا فی حاشیۃ الشلبی علی التبیین، المصدر السابق لتبیین الحقائق)

(۲) (مسند الإمام أحمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۲/۱۸۴، رقم الحدیث: ۵۳۶۹، دار إحياء التراث العربی)

و کذا ذکر الإمام أحمد رحمہ اللہ تعالیٰ أيضاً: ”عن عقبۃ بن عامرۃ الجهنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من لم يقبل رخصة الله عز وجل، كان عليه من الذنوب مثل جبال عرفة“۔ (مسند أحمد بن حنبل: ۵/۱۶۰، رقم الحدیث: ۱۶۹۹۷، دار إحياء التراث العربی)

(۳) ذکرہ الملا علی القاری فی المرقاة باللفظ المذكور، (کتاب الصلوۃ باب الدعاء فی التشهد،

الفصل الأول: ۳/۳۱، رقم الحدیث: ۹۴۶، رشیدیہ)

اصلاح کی نیت سے بدعات میں شرکت

[۷۸۹] الاستفتاء: بعض مقامات پر دیوبندی، بریلوی سے قطع نظر ہو کر صرف آبائی تقلید کی وجہ سے بعض بدعات اس طرح گھٹی میں پڑی ہیں کہ اگر منع کریں تو مانع کو خارج از محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں تو ان کی اصلاح کی خاطر بہ نیت اصلاح داخل ہو جائیں اور بدعات کو اختیار کریں اور شدہ شدہ سنت کے طریق پر لانے کی کوشش کریں تو یہ مستحسن ہو گا یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدعات میں کسی کی خاطر شرکت کرنے کے بعد شدہ شدہ اصلاح کرنا دشوار ہو جاتا ہے بلکہ بدعات کا بدعات ہونا بھی ذہن سے نکل جاتا ہے، پھر اصلاح کا خیال بھی نہیں رہتا، اگر رہا بھی تو جس چیز کو اپنے عمل سے پختہ کر دیا گیا ہے اس سے عوام کو منع کرنے کی ہمت باقی نہیں رہتی، اگر منع کیا جائے تو لوگ ہرگز تسلیم نہیں کرتے، بلکہ ایسے مقتدا کو غیظ کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کی سخت مخالفت کرتے ہیں، اس کی نظائر بھی موجود ہیں۔ غور سے سنئے دو چیزیں ہیں: پہلی حفاظتِ دین، دوسری اشاعتِ دین، اول مقدم ہے ثانی مؤخر، ثانی کی خاطر اول کو ضائع کرنا تو دین و دانشمندی نہیں (۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غنی عنہ، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غنی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

= وقد ذكره الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله تعالى في مسنده مرفوعاً في موضعين بلفظ: "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله يحب أن تؤتى رخصه، كما يكره أن تؤتى معصيته". (۲/۲۲۹، ۲۵۰، رقم الحديث: ۵۸۳۲، ۵۸۳۹، دار إحياء التراث العربي)

(۱) "وعن أبي قلابة: لا تجالسوا أهل الأهواء ولا تجادلوهم، فإني لا آمن أن يغمسوكم في ضلالتهم ويلبسوا عليكم ما كنتم تعرفون، قال أيوب: وكان - والله - من الفقهاء ذوي الألباب".

= "وعن العوام بن حوشب أنه كان يقول لابنه: "يا عيسى! أصلح قلبك وأقلل مالك، وكان =

اصلاح کی نیت سے بدعتیوں کے ساتھ امام صاحب کی کھانے میں شرکت

سوال [۷۹۰]: ایک شخص جو کہ عالم بھی ہے اور جائز ناجائز سے بھی اچھی طرح واقف ہے وہ ایک جگہ پر امامت کرتے ہیں، مقتدی ان کے اکثر بدعتی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور مروجہ تیجہ، چالیسواں وغیرہ سب کچھ کرتے ہیں، یہ عالم صاحب بجائے ان کو منع کرنے اور سمجھانے کے خود بھی خندہ پیشانی کے ساتھ ان کی جملہ مبتدعہ رسومات میں شریک ہوتے ہیں اور دعوت وغیرہ کا کھانا وغیرہ بھی کھاتے ہیں۔ جب ان سے دوسرے لوگوں نے سمجھانے کے طور سے کہا تو جواب فرمایا کہ آپ بھی تو بے نمازی داڑھی، منڈوں کے ساتھ کھاتے ہیں، پس جس طریقہ سے وہ ناجائز یا حرام ہے اسی طریقہ سے تیجہ، چالیسواں بھی سمجھ لیجئے اور پھر فرمایا کہ اگر ہم آپ کی بات کو تسلیم کر لیں اور ان کی رسومات میں شریک نہ ہوں اور نہ ہی ان کے رکھی کھانے کو کھایا جائے تو ہمیں اپنی امامت کے چلے جانے کا خطرہ ہے۔ ایک موقع پر جب ایک دوسرے عالم صاحب سے اس سلسلہ میں گفتگو کرنے کا موقع ملا تو عالم صاحب نے فرمایا کہ ”اگر تم ان کی اصلاح کی غرض سے جاتے ہو تو اس میں گنجائش ہے ورنہ نہیں“، اس کے بعد انھوں نے عالم صاحب کے سامنے عذر رکھا کہ میں تو صرف ان کی اصلاح کی غرض سے شرکت کرتا ہوں، اور پھر اپنے ہم نوا لوگوں سے یہی فرمایا کہ میں تو فلاں عالم سے بھی کہہ آیا ہوں کہ میں تو برابر اسی طریقہ سے شرکت کرتا رہوں گا۔

۱..... عالم صاحب کا ان کے ساتھ شریک ہو کر دعوت کھانا، تیجہ اور چالیسواں وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

۲..... عالم صاحب کی یہ مثال پیش کرنا کہ بے نمازی اور ڈاڑھی منڈوں کے ساتھ کھانا پینا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ تیجہ، چالیسواں کا کھانا، آیا عالم صاحب کی یہ تمثیل صحیح ہے یا دونوں کھانوں میں کوئی فرق ہے؟ تفصیل سے مطلع فرمائیں۔

۳..... محض امامت کے چلے جانے کے خطرہ سے ایسی رسومات میں شرکت کرنے کی گنجائش ہے؟ واضح طور پر مدلل بیان فرمائیں۔

= یقول: واللہ لأن أرى عيسى في مجالس أهل البرابط والأشربة والباطل أحب إلى من أن أراه يجالس أصحاب الخصومات، قال اب، وضاح: یعنی أهل البدع“ (الإعتصام، باب فی ذم البدع وسوء منقلب أصحابها، ص: ۶۵، ۶۶، دار المعرفة بیروت)

۴..... امام مذکور کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۵..... ایسے امام سے میل جول رکھنا از روئے شرع روا ہے یا ممنوع؟

۶..... عالم ثانی کا قول کہ اصلاح کی غرض سے جانے کی گنجائش ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ۱) جائز رسوم و بدعات میں شرکت کرنا مذہبت اور ممنوع ہے: ﴿وَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ الذِّكْرِ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ الآية (۱)۔ اس سے ان بدعات کو فروغ ہوتا ہے حالانکہ ان کی اصلاح لازم ہے۔

۲..... ڈاڑھی منڈانا حرام ہے (۲)، لیکن جو شخص ڈاڑھی منڈے کے ساتھ کھانا کھاتا ہے وہ کھانا کسی رسم قبیح اور بدعت کا کھانا نہیں بلکہ اگر اصلاح کی نیت ہو اور نرمی سے سمجھایا جائے تو اخلاق سے متاثر ہو کر اصلاح کی توقع ہے (۳) اس لئے یہ مثال صحیح نہیں، یہ مثال اس وقت صحیح ہوتی کہ اس کی خاطر ڈاڑھی منڈا دی جاتی۔
نعوذ باللہ منہ۔

۳..... امامت تو دین کو قائم کرنے کے لئے ہے، محض روپیہ کی خاطر بدعات کو فروغ دینا اور مقتدیوں کی ہاں میں ہاں ملانا منصب امامت کے خلاف ہے اور اس منصب جلیل کو ذلیل کرنا ہے (۴)۔

(۱) (الأنعام: ۶۸)

(۲) "یحرم علی الرجل قطع لحيته"۔ (الدر المختار، کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع: ۶/۴۰۷، ایچ ایم سعید)

(۳) "عن تميم الداري رضى الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "الدين النصيحة"۔ (الصحيح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أن الدين النصيحة: ۵۴/۱، قدیمی)

قال النووي رحمه الله تعالى تحته: "أما نصيحة عامة المسلمين وهم من عداؤة الأئمة، فإن شأدهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم وتخولهم بالموعظة الحسنة وحثهم على التخلق بجميع ما ذكرناه من أنواع النصيحة وتنشيط هممهم إلى الطاعات قال ابن بطال رحمه الله تعالى: والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ويطاع أمره الخ"۔ (شرح النووي على مسلم، ص: ۵۴/۱، قدیمی)

(۴) "فإن كان ممن يقتدى به فلم يقدر على منعهم، خرج ولم يقعد؛ لأن في ذلك شين الدين، وفتح =

۴..... جو مقتدی ان بدعات میں مبتلا ہیں وہ تو ان ہی سے بہت خوش ہوں گے، اور جو مقتدی متبع سنت اور بدعات سے متنفر ہیں ان کو پریشانی ہوگی، بہتر یہ ہے کہ امام صاحب کی خدمت میں عرض کیا جائے کہ وہ بدعات سے پرہیز کریں، اگر امام صاحب نہ مانیں بلکہ بدعات پر مصر رہیں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے: ”ویکرہ إمامة عبد وفاسق ومبتدع الخ“. کذا فی الدر المختار: ۱/۳۷۶ (۱)۔

۵..... ان کے ساتھ بدعات میں شریک ہونا تو جائز نہیں، معاملات کی اجازت ہے۔

۶..... اصلاح کرنا لازم ہے مگر ان کے ساتھ بدعات میں شرکت کرنے سے امام صاحب دوسروں کی تو کیا اصلاح کرتے خود مبتلا ہو جاتے ہیں (۲)۔ ہاں اگر ان کی بات میں اثر ہے اور وہاں جا کر بدعات کو روک دیں اور لوگ توبہ کر لیں تو یقیناً اعلیٰ مقام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

بدعتی سے میل جول

سوال [۷۹۱]: اگر کوئی شخص عبادت گزار پابند صوم و صلوٰۃ ہو لیکن بدعات میں مبتلا ہو اس کے یہاں کھانا کھانا میل جول رکھنا کیسا ہے؟
عبداللہ صاحب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کے ساتھ میل جول رکھنے اور اسکے یہاں کھانا کھانے سے اس کی اصلاح کی توقع ہو تو میل جول رکھنا بہتر ہے، اگر اس سے خود بدعات میں مبتلا ہونے یا بدعات کی تائید کا اندیشہ ہو تو میل جول نہیں

= باب المعصية على المسلمين“. (البحر الرائق، کتاب الکراهية، قبیل فصل فی اللبس: ۳۴۶/۸، رشیدیہ)

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة: ۵۶۰/۱، سعید)

(۲) ”وعن الحسن: “ولا تجالس صاحب هوى، فيقذف في قلبك ما تتبعه عليه فتهلك، أو تخالفه فيمرض قلبك“. (الإعتصام، باب فی ذم البدع الخ، ص: ۶۵، دار المعرفہ بیروت)

رکھنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

رضا خانیوں کے ساتھ معاملہ

سوال [۷۹۲]: یہاں پر جو اپنے کو سنی کہتے ہیں وہ لوگ پیروں کے مزار پر جا کر پوجا پاٹ کرتے ہیں اور علماء حق کو گالی دیتے ہیں، مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو گالیاں دیتے ہیں، اور ”بہشتی زیور“ کو غلط بتلاتے ہیں (۲) ایسے موقع پر اگر کسی کو غیر معمولی جوش آجائے اس قسم کی بدتہذیبی اور توہین کرنے والے کو قتل کر دے اور خود بھی اس کے ہاتھ سے مرجائے یا پھانسی آجائے تو شہادت ہوگی کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قتل کرنا اور سزا میں پھانسی چڑھ جانا اصل علاج نہیں ہے (۳) ان کو صحیح راہ دکھلانا حسن تدبیر سے،

(۱) ”وعن الحسن: لا تجالس صاحب هوى، فيقذف في قلبك ما تتبعه عليه فتهلك، أو تخالفه، فيمرض قلبك“، وعن إبراهيم: ولا تكلموهم إنى أخاف أن ترتد قلوبكم“.

”وعن يحيى بن أبي كثير رحمه الله تعالى قال: إذا لقيت صاحب بدعة في طريق، فخذ في طريق آخر“۔ (الإعتصام للعلامة الشاطبي رحمه الله تعالى، باب في ذم البدع وسوء منقلب أصحابها، فصل: الوجه الثالث من النقل، ص: ۶۶، دار المعرفة بيروت لبنان)

(۲) ”وعن معاذ بن معاذ قال: قلت لعمر بن عبيد: قال الراوى: قلت: ليس هكذا يقول أصحابنا، قال: ومن أصحابك لا أبالك؟ قلت: أيوب، ويونس، وابن عون، والتميمي، قال: أولئك أنجاس، أرجاس، أموات غير أحياء. فهكذا أهل الضلال يسبون السلف الصالح، لعل بضاعتهم تنفق وأصل هذا الفساد من قبل الخوارج، فهم أول من لعن السلف الصالح“۔ (الإعتصام، باب في ذم البدع وسوء منقلب أصحابها، ص: ۹۵، دار المعرفة بيروت).

(۳) قال العلامة الشاطبي رحمه الله تعالى باحثاً عن الحكم في القيام على أهل البدع: ”فنقول: إن القيام عليهم بالتشريب أو التنكيل أو الطرد أو الإبعاد أو الإنكار هو بحسب حال البدعة في نفسها من كونها عظيمة المفسدة في الدين أم لا، وكون صاحبها مشتهراً بها أولاً، وداعياً إليها أولاً؟ فخرج من =

بزرگوں سے ان کی ملاقات کرائی جائے، ان کے صحیح حالات بتائے جائیں، ان کی دینی خدمات دکھلائی جائیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی جائے کہ وہی مقلب القلوب ہے، کوئی ایسا اقدام کہ جس سے آدمی خود بھی فتنہ میں مبتلا ہو اور اس سے دوسری جگہ بھی فتنہ پیدا ہو ہرگز نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۸۷ھ۔

بدعتی اور متبع سنت عالم کے پرکھنے کا طریقہ

سوال [۷۹۳]: زید کہتا ہے کہ علمائے دیوبند و علماء بریلوی دونوں نے قرآن و حدیث کی روشنی ہی میں کتابیں لکھی ہیں اور دونوں کا دعویٰ ہے کہ ہم حق پر ہیں، تقریریں بھی دونوں طرف سے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سامنے آتی ہیں۔ اب عوام کیا کریں، کس کی بات پر عمل کریں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سب تفصیل کے معلوم کرنے کے بعد آپ خود ہی غور کریں، جواب خود بخود سامنے آجائے گا، وہ یہ ہے کہ جب آپ علمائے دیوبند کو حق پر سمجھتے ہیں تو وہ یہی جواب دیں گے کہ اس طریقے کو اختیار کیجئے، یہ جواب کیسے دے سکتے ہیں کہ غیر حق کو اختیار کریں۔ اصل یہ ہے کہ طالب حق کے پاس اگر دلائل کو پرکھنے کی کسوٹی نہیں ہے تو وہ کچھ وقت ہفتہ دو ہفتہ فارغ کر کے ایک جماعت کے مقتدی کے پاس رہے اور بہت غور سے اس کی عادات، معاملات، معاشرت، اپنوں سے تعلق، غیروں سے تعلق، تنہائی کے اوقات، لوگوں کے ساتھ معاملات کو دیکھے، پھر اسی طرح دوسری جماعت کے مقتدی کے پاس رہے اور حق تعالیٰ سے دعا کرتا رہے، اللہ پاک اس کو ہدایت دیں گے، اور دل میں بات آجائے گی کہ فلاں شخص میں اخلاص ہے، دوسروں کی ہمدردی ہے، اتباع سنت ہے، خدا کا خوف ہے، خدمت دین کا جذبہ ہے، صبر و تحمل ہے، تواضع ہے، سخاوت ہے، غرض حضرت رسول مقبول

= مجموع ما تکلم فیہ العلماء أنواع: أحدها: الإرشاد والتعليم وإقامة الحجة، كمسألة ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما حین ذهب إلى الخوارج، فكلّمهم حتى رجع منهم ألفان أو ثلاثة

آلاف. (الإعتصام، باب فی أن ذم البدع والمحدثات عام الخ، فصل ویعلق بهذا الفصل أمر آخر، ص:

صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ ہیں۔ اور فلاں شخص میں ریاکاری ہے، نفس پروری ہے، خواہش نفسانی کا اتباع ہے، بجائے خوفِ خدا کے دنیا والوں کا خوف ہے، بجائے خدمتِ دین کے جاہ و مال مطلوب ہے، بے صبری ہے، بے قراری ہے، تکبر ہے، بخل ہے وغیرہ وغیرہ۔ جس میں پہلی قسم کی صفاتِ عالیہ ہوں وہ اس قابل ہے کہ اس کی صحبت اختیار کی جائے، رراس کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کیا جائے، جس میں دوسری قسم کی صفات ہوں اس سے دوری اختیار کی جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔



مروجہ فاتحہ خوانی اور ختم کا بیان

فاتحہ مروجہ

سوال [۷۹۴]: کھانے کو سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا فرض، واجب، سنت، مستحب میں سے کیا ہے؟ کیا بغیر سامنے رکھے ثواب نہ پہونچے گا؟ کھانے کا ثواب غریبوں کو کھلانے سے پہلے میت کو پہنچانے سے پہونچے گا یا نہیں؟ بغیر فاتحہ پڑھے کھانا غریبوں کو کھلا کر میت کو ثواب بخشنے سے میت کو پہونچتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو ثواب ہر نیکی کا پہونچایا جاسکتا ہے، کھانا، کپڑا، غلہ، نقد جو بھی غریب محتاج کو دیدی جائے اور میت کو ثواب پہونچانے کی نیت کر لی جائے اس سے ثواب پہونچ جاتا ہے، اسی طرح قرآن کریم، نوافل، تسبیح پڑھ کر بھی ثواب پہونچ جاتا ہے، زبان سے بھی کہہ دے کہ یا اللہ اس کا ثواب فلاں کو پہونچا دے۔ روزہ اور حج کا ثواب بھی پہونچایا جاسکتا ہے اس کے لئے دلائل شرعیہ موجود ہیں۔ ہدایہ میں (۱) اور دیگر کتب فقہیہ میں اس کی تصریح موجودہ۔

”الأصل أن كل من أتى بعبادة ماء، له جعل ثوابها لغيره الخ“ الدر المختار - ”سواء كانت صلوة أو صوماً أو صدقة أو قرأة أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك“ رد المحتار ۲/۲۳۶ (۲)۔

(۱) ”الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة والجماعة“ (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، مكتبه شرکت علمیه)

(و كذا في البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

(والعناية على الهداية على هامش فتح القدير، باب الحج عن الغير: ۱۴۲/۳، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) (رد المحتار، باب الحج عن الغير: ۵۹۵/۲، سعید)

لیکن کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور یہ سمجھنا کہ بغیر اس کے ثواب نہیں پہونچتا یہ غلط ہے، کسی دلیل سے ثابت نہیں اس سے پرہیز لازم ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال [۷۹۵]: فاتحہ مروّجہ حال یعنی کھانا، مٹھائی سامنے رکھ کر قرآن کی کچھ آیتیں یا سورتیں پڑھ کر اس کھانے اور قرآن کا ثواب میت کو پہونچاتے ہیں اور اس طریقہ سے نہ کرائیں تو ان کی سمجھ میں ثواب نہیں پہنچتا اور تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں وغیرہ کرتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں، اگر کوئی اس مروّجہ طریقہ کو منع کرے تو اس کو وہابی کہتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور خاص کر امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت سے ثابت ہے، اگر ہے تو ان کی کس کتاب میں ہے؟ مع جلد صفحہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا التزام تاریخ ومہینہ وغیرہ کے نفس ثواب پہنچانا قرآن کریم پڑھ کر، نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر، غرباء و مساکین کو کھانا کھلا کر، کپڑا وغیرہ دے کر، بلاشبہ بہتر و مستحسن ہے، شریعت کے نزدیک پسندیدہ ہے، حدیث وفقہ سے ثابت ہے (۲) لیکن فاتحہ مروّجہ (۳) تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں (۴) یہ سب چیزیں شرعاً بے اصل ہیں

(۱) "قال العلامة اللکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الفاتحة المروّجة: "این طور مخصوص نہ در زمان آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بود، و نہ در زمان خلفاء، بلکہ وجود آں در قرون ثلاثہ کہ مشہود لہا بالخیر اند منقول نہ شدہ، و حالاً در حریم شریفین - زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً - عادات خواص نیست..... و این را ضروری دانستن مذموم است الخ"۔ (مجموعۃ الفتاویٰ علی

ہامش خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلوٰۃ، أبواب الجنائز: ۱/ ۱۹۵، امجد اکیدمی، لاہور)

(۲) (تقدم تخريجہ من رد المحتار، باب الحج عن الغير: ۲/ ۲۹۵، سعید، تحت عنوان: "فاتحہ مروّجہ")

(والہدایۃ، باب الحج عن الغير: ۱/ ۲۹۶، مکتبہ شرکت علمیہ، رقم الحاشیہ: ۱)

(والبحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/ ۱۰۵، رشیدیہ)

(والعناية على الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/ ۱۲۲، مصطفى البابی

الحلبی، مصر)

اور بدعت و ممنوع ہیں، نہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا، نہ تابعین عظام کا، نہ تبع تابعین کا، نہ امام اعظم کا، نہ ان کی کسی کتاب میں منقول ہیں (۱)۔ جو شخص اس کا مدعی ہے اس سے پوچھنا چاہئے کہ کس کتاب میں لکھا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب آزر جندی کی حقیقت اور فاتحہ مروجہ

سوال [۷۹۶]: استفتاء: ما قولکم فی هذه المسئلة رحمکم اللہ تعالیٰ أيہا العلماء؟

ایک شخص فاتحہ مروجہ کے جواز میں دلیل میں دو روایتیں پیش کرتا ہے:

۱..... ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتویٰ ”آزر جندی“ میں روایت نقل کرتے ہیں کہ: ”آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے تیسرے دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دودھ اور چھوڑے لا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے اس پر ایک مروجہ طریقہ کے مطابق ہاتھ اٹھا کر چاروں قل اور سورہ فاتحہ پڑھ کر ثواب روح اپنے صاحبزادے کو بخشا۔“ انتہی ملخصاً۔

(۳) = (تقدم تخريجه من مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلوة، أبواب الجنائز: ۱/ ۱۹۵، امجد اكيدي، تحت عنوان: ”فاتحہ مروجہ“)

(۴) ”وفى البزازية: ”ويكره اتخاذ الطعام فى اليوم الاول والثالث و بعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى المقابر..... الخ“ (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فى كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/ ۲۴۰، سعيد)

(و كذا فى البزازية، كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون فى الجنائز، نوع آخر: ۲/ ۸۱، رشيدية)
(و كذا فى مراقى الفلاح. باب أحكام الجنائز، قبيل فصل فى زيارة القبور: ۶۱۷، ۶۱۸، قديمي)
و المراقى فى هذا الموضع: ”وهى بدعة مستقبحة“ (ص: ۶۱۸)

(۱) ”البدعة: وهى كما فى المغرب إسم من ابتدع الأمر إذا ابتدأه وأحدثه..... ثم غلبت على ما هو زيادة فى الدين، أو نقصان منه، وعرفها الشئنى بأنها ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بتويع شبهة واستحسان، و جعل ديناً قويمياً و صراطاً مستقيماً“ (البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۱، رشيدية)

۲.....ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال پر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ایک کنواں کھدوایا تھا، تیار ہو جانے پر ہاتھ اٹھا کر فرمایا: ”اللہم ہذہ لأم سعد“ (۱)۔ اس سے بھی فاتحہ مروجہ کا سنت ہونا معلوم ہوتا ہے اس کا کیا جواب ہے؟

۳.....فاتحہ علی الطعام اور رفع یدین علی الطعام کے بارے میں فقہاء کے کچھ اقوال ہیں مجوزین فاتحہ کے دلائل کے جوابات کس کتاب میں ملیں گے؟

۴.....جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو قبروں پر تر شاخ کوشق کر کے گاڑ دیا اور فرمایا کہ ”جب تک تر رہیں گی، عذاب میں تخفیف رہے گی“، اس سے قبروں پر پھول وغیرہ چڑھانے کی دلیل پکڑتے ہیں (۲)۔ کہتے ہیں: ﴿وإن من شيء إلا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم﴾۔ الآية (۳) قول اللہ تعالیٰ ہے اور یہ ذی حیات کے ساتھ مخصوص ہے اور تر لکڑی ذی حیات ہے۔ تو یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ خصوصیت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے، وہ دونوں قبریں مسلمانوں کی تھیں یا کفار کی؟ اور اس کی دلیل۔

(۱) ”عن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: یا رسول اللہ! إن أم سعد ماتت، فأتي الصدقة أفضل؟ قال: ”الماء“، فحفر بئراً، وقال: هذه لأم سعد“۔ رواه أبو داود والنسائي“۔ (مشکوٰۃ المصابيح، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقة، ص: ۱۶۹، قدیمی)

اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں ایک تورفع یدین کا ذکر نہیں، دوسرا یہ کہ ”ہذہ لأم سعد“ کس کا مقولہ ہے، ظاہر یہ ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے، پھر بھی استدلال تام نہیں بلکہ ایصال ثواب زبان سے کرنا اس سے مراد ہے۔

(۲) ”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: مر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی قبرین، فقال: ”إنهما یعذبان“..... ثم دعا بعسیب رطب، فشقه باثنین، ثم غرس علی هذا واحداً وعلی هذا واحداً، وقال: ”لعله یخفف عنهما ما لم یبسا“۔ (سنن أبی داود، کتاب الطہارۃ، باب الإستبراء من البول: ۴/۱، دار الحدیث ملتان)

(و رواه البخاری فی الجنائز، باب الجرید علی القبر: ۱/۱۸۱، ۱۸۲ قدیمی)

(۳) (الإسراء: ۴۴)

۵..... براہین قاطعہ میں ”لا صلوة بحضرة الطعام“ (۱) سے عدم جواز دعاء علی الطعام لایصال الثواب پر استدلال کیا گیا ہے۔ زید کہتا ہے کہ یہ اس کھانے کے واسطے ہے جو اپنے کھانے کے واسطے ہو، دوسرے کھانے پر دعاء کرنا اس حدیث سے ناجائز نہیں۔

المستفتی: محمد فاروق، مقام اتر اوں، ضلع الہ آباد، ۲۸/ شوال ۱۴۰۰ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲،۱..... یہ کتاب ملا علی قاری کی تصنیف نہیں اور یہ روایت بھی صحیح نہیں، کتب حدیث میں اس روایت کا کوئی نشان نہیں (۲)۔ مولانا عبدالحی نے اس کو موضوع لکھا ہے، فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص: ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، پر اس روایت کے متعلق تفصیلی رد موجود ہے (۳) اور دہلی، لکھنؤ، مراد آباد، پانی پت وغیرہ کے بہت سے علماء کے

(۱) (براہین قاطعہ، ص: ۹۰، ۹۱، دار الاشاعت کراچی)

(والحدیث أخرجه البخاری فی الأذان، باب إذا حضر الطعام الخ: ۹۲/۱، قدیمی)

(و مسلم فی: باب کراهة الصلوة بحضرة الطعام الذي يريد أكله الخ: ۲۰۸/۱، قدیمی)

(۲) روایت کو فتاویٰ رشیدیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: ”قال: كان اليوم الثالث عن وفات إبراهيم بن محمد صلى الله تعالى عليه وسلم، جاء أبو ذر رضى الله تعالى عنه عند النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، معه ثمرة يابسة ولبن الناقة وخبز الشعير، فوضعها عند النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فقرأ النبي صلى الله تعالى عليه وسلم الفاتحة مرة وسورة الإخلاص ثلاث مرات، وقرأ: ”اللهم صل على محمد أنت لها أهل“، فرفع يديه ومسح وجهه، فأمر بأبي ذر أن يقسمهما، وقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ثواب هذه الأطعمة لإبراهيم“۔ (باب البدعات، ص: ۴۴۶، سعید)

(۳) ”نہ کتاب آ زر جندی از تصانیف ملا علی قاری است، ونہ روایت مذکورہ صحیح و معتبر است، بلکہ موضوع است و باطل، بر آں اعتماد نشاید، در کتب حدیث نشانے از پچور روایت یافتہ نمی شود“ حرره أبو الحسنات. مهر: (أبو الحسنات محمد عبدالحی)

”یہ حدیث وضعی ہے اور بنانے والا اس کا کاذب اور مغتری ہے اور آ زر جندی کوئی کتاب ملا علی قاری کی تصنیف سے

نہیں ہے“۔ انتہی بلفظہ محمد صدر الدین صدر صدور دہلی۔ (فتاویٰ رشیدیہ، باب البدعات، ص: ۴۴۶، سعید)

دستخط اس پر متفقہ ہیں (۱) اس روایت سے فاتحہ مروجہ پر استدلال کس طرح ہوا، کیا فاتحہ پڑھی ہے یا کچھ پڑھ کر پانی پر دم کیا ہے (۲)۔

۳..... فتح العزیز، شرح سفر السعادت (۳) فتاویٰ رشیدیہ (۴) براہین قاطعہ (۵) فتاویٰ دار العلوم (۶) امداد الفتاویٰ (۷) مائتہ مسائل (۸) وغیرہ میں اس طریقہ مروجہ کی ممانعت مذکور ہے اور بغیر رفع یدین

(۱) جن حضرات کے دستخط اور مہر میں موجود ہیں ان کے لئے فتاویٰ رشیدیہ باب البدعات، ص: ۴۴۶، ملاحظہ فرمائیں:

(۲) قاعدہ مسلمہ ہے کہ کسی دلیل میں کئی احتمالات ہوں تو اس سے استدلال درست نہیں ہوتا ہے۔

(۳) ”وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند، نہ بر سر گور و نہ غیر آں، و این مجموع بدعت است و مکروه، نعم تعزیت اہل میت و تسلیہ و صبر فرمودن سنت و مستحب است، اما این اجتماع مخصوص روز سوم و ارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بوصیت از حق یتامی بدعت است و حرام“۔ (شرح سفر السعادت للعلامة اللکنوی، ص: ۲۷۳، طبع منشی نول کشور)

(۴) ”سامنے کھانا یا کچھ شیرینی رکھ کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ اور قل ہو اللہ پڑھنا درست ہے یا نہیں الخ“۔

”جواب: فاتحہ مروجہ شرعاً درست نہیں ہے بلکہ بدعت سیئہ ہے، کذا فی اربعین و فتاویٰ سمرقندی، فقط“۔ (فتاویٰ

رشیدیہ، باب البدعات، ص: ۴۴۹، سعید)

(۵) (براہین قاطعہ، ص: ۹۰-۹۳، دارالاشاعت کراچی)

(۶) ”مگر فاتحہ کی جو رسم ہندوستانی مسلمانوں میں رائج ہے وہ نہ سنت ہے، نہ مستحب، نہ مباح، بلکہ سراسر سنت سنّیہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ہے..... پس اس بارے میں سنت سے صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ کھانے سے پہلے ”بسم اللہ“ اور ختم طعام پر ”الحمد للہ“ پڑھی جائے اور یہی طریقہ زمانہ صحابہ کرام و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور فقہاء مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ اور حرمین شریفین کے رہنے والوں میں رائج ہوا، بلکہ تمام ملک حجاز میں آج تک اسی طرح جاری ہے۔ اس صورت میں فاتحہ مروجہ مسلمانان ہند بلاشبہ ناروا اور ناجائز ہے“۔ (فتاویٰ دار العلوم المسمیٰ بعزیز الفتاویٰ کتاب، السنة والبدعة، ص: ۱۱۰، ۱۱۱)

(۷) ”سوم و دہم و چہلم وغیرہ..... و آنکہ طعام رو برو نہادہ چیزے خوانند، این ہم طریقہ ہنود است، ترک چنین رسوم واجب است کہ ”من تشبه بقوم فهو منهم“ و ہر گاہ طعام چکنیں بدعات متلبس شد، بہتر آنکہ اس چنین طعام خوردہ شود الخ“۔

(امداد الفتاویٰ، کتاب البدعات: ۵/۲۶۰-۲۶۱، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۸) ”مقرر کردن روز برائے فاتحہ چہلم از شرع ثابت نہ شدہ، و معین نمودن روز برائے فاتحہ =

وغیرہ کے نفس سوئم وغیرہ کی ممانعت ”فتح القدیر“ (۱) ”فتاویٰ بزازیہ“ (۲) ”شامی“ (۳) وغیرہ کتب فقہ میں موجود ہے۔

۴..... اس روایت سے استدلال کرنے میں اشکال ہے، وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے علم ہو گیا تھا کہ قبر میں عذاب ہو رہا ہے (۴) کیا آج بھی کسی پر وحی آتی ہے کہ فلاں قبر میں عذاب ہو رہا ہے؟ نیز جن مزارات پر یہ لوگ پھول چڑھاتے ہیں کیا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان اولیاء اللہ پر عذاب ہو رہا ہے، مثلاً: اجمیر شریف، کلیر شریف، دہلی شریف میں عامۃ حاضر ہو کر مقابر اہل اللہ کی قبروں پر چڑھاتے ہیں، کیا یہی عقیدہ ہوتا ہے (۵) کسی فاسق فاجر کی قبر پر نوبت کم آتی ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں علماء نے تخصیص کا احتمال بھی لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

= چہلم باعتقاد آنکہ قبل از چہل روز و بعد از چہل روز ثواب طعام بمردہ نخواهد رسید، یا در روز چہلم زیادہ تر ثواب خواهد رسید غیر جائز است، و غیر جائز نمودن گناہ است. و اصرار بر آن کبیرہ است، و طریق فاتحہ کہ در مردمان رواج دارد کہ ایصال ثواب طعام بدون قرأت سورۃ فاتحہ وغیرہ بمردہ نمی رسد، ایس ہم از کتابی نیست، بلکہ در چہلم وغیرہ طعام ساختن اعتباری ندارد الخ“۔
(مانۃ مسائل، سوال شانزدہم، ص: ۳۴، کتب خانہ گلزار استاد مردان)

(۱) ”و یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اهل الميت؛ لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور، وہی بدعة مستقبحة“۔ (فتح القدیر، قبیل باب الشہید: ۱۴۲/۲، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(۲) وفی البزازیۃ: ”و یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الأسبوع والأعیاد“۔ (کتاب الصلوۃ، الخامس والعشرون فی الجنائز الخ، نوع آخر: ۸۱/۴، رشیدیہ)

(۳) (رد المحتار، باب صلوۃ الجنائز، مطلب فی کراہۃ الضیافۃ من اهل الميت: ۲۴۰/۲، سعید)

(۴) ”قال المارزی: یحتمل أن یكون أوحی إلیہ أن العذاب یخفف عنہا هذه المدة“۔ (فتح الباری،

کتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا یستتر من بولہ: ۴۲۵/۱، قدیمی)

(۵) ”قلت..... إن كانوا یدعون اتباع الحدیث، فعلیہم أن یضعوا الجرائد دون الریاحین، وعلی

المعذبین دون المقربین؛ لأن الحدیث إنما ورد فی المعذبین..... الخ“۔ (البدار الساری علی حاشیۃ

فیض الباری، باب من الكبائر أن..... الخ: ۳۱۱/۱، حضر راہ بکڈپو دیوبند)

خصوصیت تھی (۱) اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یقین کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ ”لعل“ فرمایا ہے (۲)۔ اس حدیث کی شرح میں حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”إن إلقاء الرياحين ليس بشيء اه“ (۳)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری: ۱/۲۷۷ میں لکھا ہے (۴):

”وأما حديث الباب فظاهر من مجموع طرقه أنهما كانا مسلمين، ففي رواية ابن ماجة: ”مر بقبرين جديدين“ (۵)، فانتفى كونهما في الجاهلية، وفي حديث أبي أمامة عند أحمد (۶): أنه صلى الله تعالى عليه وسلم مر بالبقيع فقال: ”من دفنتم اليوم ههنا؟“ فهذا يدل على أنهما كانا مسلمين۔ وفي رواية أبي بكرة عند أحمد (۷) والطبراني (۸) بإسناد صحيح: ”يعذبان، وما يعذبان في كبير، وما يعذبان إلا في الغيبة والبول“۔ فهذا الحصر ينفي كونهما

(۱) ”بعض العلماء قال: إنها واقعة عين يحتمل أن تكون مخصوصة بمن أطلع الله تعالى على حال الميت“۔ (فتح الباری، کتاب الجنائز، باب الجريدة على القبر: ۳/۲۲۳، دار المعرفة)

”وقد استنكر الخطابي و من تبعه وضع الناس الجريدة و نحوه في القبر عملاً بهذا الحديث، قال الطرطوسي: لأن ذلك خاص ببركة يده الخ“۔ (فتح الباری، کتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۱/۴۲۵، قديمی)

(و كذا في فيض الباری، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن الخ: ۱/۳۱۱، خضر راه بكدپو ديوبند)

(۲) ”و ”لعل“ للترجي.

(۳) (عمدة القاری، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۳/۱۸۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) (فتح الباری، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۱/۴۲۶، قديمی)

(۵) (سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب التشديد في البول، ص: ۲۹، قديمی)

(۶) (مسند الإمام أحمد، حديث أبي أمامة، رقم الحديث: ۲۱۷۸۹، ۵/۳۵۷، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(۷) (مسند الإمام أحمد، حديث أبي بكرة نفيع بن حارث، رقم الحديث: ۱۹۸۶۰، ۵/۱۴، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(۸) ”عن عائشة رضي الله عنها: قالت: مر النبي ﷺ بقبرين يعذبان، فقال: ”إنهما يعذبان، وما =

کنا کافرین؛ لأن الکافر وإن عذب على ترك أحكام الإسلام، فإنه يعذب مع ذلك على الکفر
بلا خلاف“ (۱)۔

۵..... تخصیص کی دلیل کیا ہے جب کہ الفاظ عام ہیں (۲) اور جواز کی دلیل کوئی حدیث ہے۔ فقط واللہ
سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ نگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذیقعدہ/ ۱۴۰۰ھ۔

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ کا ثبوت نہیں

سوال [۷۹۷]: کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابہ کرام، امام حسن، حسین، حضرات تابعین،
حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت غوث پاک، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کھانے کو سامنے رکھ کر
فاتحہ پڑھ کر بخشا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اکابر تو متبع شریعت اور پابند سنت تھے یہ بے دلیل اور غلط طریقہ کو کیسے اختیار کر سکتے ہیں (۳)۔ فقط
واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= یعذبان فی کبیر، کان أحدهما لا یتنزه من البول“۔ الحدیث . رواہ الطبرانی فی الأوسط“۔ (مجمع
الزوائد : ۱/ ۲۰۷، دار الفکر)

(۱) (فتح الباری، کتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا یشتتر من بوله : ۱/ ۲۲۶، قدیمی)

(۲) ایصالِ ثواب عبادت ہے اور عبادت میں جو دلیل عام ہو، اسکی تخصیص رائے سے کرنا جائز نہیں ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری
رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”قلت : ثم رأيت أنهم كلهم لا يكثر ثون بتخصيص الأحاديث الواردة في الأخلاق
والمعاملات ، و يخصوصونها بالرأى ابتداءً بلا تكبير ، بخلاف العبادات الخ“۔ (مقدمة فيض الباری ،
تخصیص العام بالرأى : ۱/ ۶۳ ، خضر راہ بکدپو دیوبند)

(۳) (تقدم تخريجہ من مجموعة الفتاوى للكنوى رحمہ اللہ تعالیٰ علی هامش خلاصة الفتاوى، أبواب
الجنائز : ۱/ ۱۹۵ : امجد اکیڈمی، تحت عنوان: ”فاتحہ مروجہ“)

شہدائے کربلا کے لئے فاتحہ

سوال [۷۹۸]: مولوی رحمت اللہ صاحب نقشبندی ہمارے گاؤں میں ایک صاحب ہر سال تعزیہ نکالتے تھے اب انہوں نے یہ سلسلہ بند کر دیا ہے، اب وہ شہدائے کربلا کے لئے فاتحہ کرتے ہیں اور مساکین کو کھانا اور کپڑا تقسیم کرتے ہیں۔ کیا اس میں کوئی حرج ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعزیہ کا بند کر دینا تو بہت ضروری تھا (۱)، سو بند کر دیا، فالحمد لله على ذلك، شہدائے کربلا یا دیگر اکابر و اقرباء کے لئے ایصالِ ثواب کرنا بغیر کسی ثابت شدہ پابندی و تقیید کے درست اور باعثِ اجر ہے (۲)۔ مگر اس قسم کے امور جہاں تک ہو سکے مخفی طور پر کئے جائیں جن میں شہرت اور نمود نہ ہو، اگر ناموری کے لئے کئے جائیں گے تو اجر ضائع ہو جائے گا، ریاکاری کا وبال مستقل ہوگا جو کہ سخت ترین معصیت ہے (۳)۔

(۱) "فقال أبو سعيد: أما هذا فقد قضی ما علیه، سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "من رأى منكم منكراً، فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، وإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان: ۵۱/۱، قديمی)
اس حدیث شریف کا تقاضا یہ ہے کہ اس جیسے منکرات کو ختم کیا جائے۔

(۲) (تقدم تخريجہ من الهداية باب الحج عن الغير: ۲۹۶/۱، مكتبة شرکت علميہ، ملتان)
(والبحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳)

(والعناية على الهداية على هامش فتح القدير، باب الحج عن الغير: ۱۲۲/۳، مصطفى البابي مصر، و رد المحتار، باب الحج عن الغير: ۵۹۵/۲ سعيد)

(۳) "عن أبي سعيد الخدي رضي الله تعالى عنه قال: خرج علينا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ونحن نتذاكر المسيح الدجال، فقال: "ألا أخبركم بما هو أخوف عليكم عندي من المسيح الدجال؟" قال: فقلنا: بلى، فقال: "الشرك الخفي أن يقوم الرجل يصلي، فيزين صلوته لما يرى من نظر رجل".

"و عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من يسمع، يسمع الله به، و من يراء، يراء الله به". (رواهما ابن ماجه في الزهد، باب الرياء والسمعة، ص: ۳۱۰، قديمی)

جوفاتحہ کا طریقہ آج کل رائج ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر مخصوص آیات اور سورتیں پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ بغیر اس کے ثواب نہیں پہونچتا (خواہ عملاً ہی سہی) بالکل غلط ہے (۱)، تاریخ یادن کی تعین و تقیید بھی اس کام کے لئے شرعاً ثابت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دفن کے بعد مکان پر مخصوص فاتحہ

سوال [۷۹۹]: میت کے دفن کے بعد اعزہ وغیرہ کا میت کے گھر پہونچ کر کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر کھانے پر فاتحہ پڑھنا اور دوسروں کو بھی ہاتھ باندھنے پر مجبور کرنا اور جو نہ شریک ہو اس کو برا بھلا کہنا کیسا ہے؟
الجواب حامداً و مصلیاً:

بالکل بے اصل (۳) اور خلاف سنت ہے (۴)، اس کو ترک کرنا لازم ہے (۵)، اس میں شریک نہ

= قال العلامة المناوی رحمہ اللہ تعالیٰ: "وقد سئل الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ عن الریاء، فقال علی البدیہۃ: ہو فتنة عقدھا الهوی حیال أبصار قلوب العلماء، فنظروا بسوء إختیار النفوس، فأحبطت أعمالهم". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۱/۵۸۰۹، مکتبہ نزار ریاض)

(۱) (تقدم تخريجه من مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلوة، أبواب الجنائز: ۱/۱۹۵، امجد اكيڈمی، تحت عنوان: "فاتحہ مروجہ")

(۲) (تقدم تخريجه من رد المحتار: ۲/۲۴۰، والبزازیة: ۳/۸۱، و مراقی الفلاح، ص: ۶۱۷، ۶۱۸، تحت عنوان: "أليضاً"، بعد عنوان: "فاتحہ مروجہ")

(۳) "این طور مخصوص نہ در زمان آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بود و نہ در زمان خلفاء، بلکہ وجود آن در قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر اند منقول شدہ، و حالاً در حریم شریفین زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً عادات خواص نیست..... و این را ضروری دانستن مذموم است۔" (مجموعۃ الفتاوی علی هامش خلاصۃ الفتاوی، کتاب الصلوة، أبواب الجنائز: ۱/۱۹۵، امجد اکیڈمی)

(۴) تعزیت میں مستحب یہ ہے کہ دفن کے متصل بعد اہل میت کے پاس آ کر ان کو تسلی دی جائے اور ان کے لئے اور میت کے لئے دعائے مغفرت کی جائے، اس کے بعد تمام اپنے اپنے کام میں مصروف ہوں۔ (کما فی رد المحتار: کتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز: ۲/۲۴۱، سعید)

(۵) قال المناوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت حدیث: "من أحدث فی أمرنا هذا: أي أنشأ و اخترع و أتى بأمر =

ہونے والے کو برا کہنا معصیت ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قل پنچایت اور فاتحہ

سوال [۸۰۰]: فاتحہ دینی درست ہے تو کس طرح؟ اور اس طریقہ پر فاتحہ دینی کیسی ہے کہ ایک شخص کے سامنے کھانا ایک رکابی میں اور پانی گلاس وغیرہ میں رکھنا اور ہاتھ اٹھا کر درود شریف و سورہ فاتحہ و سورہ اخلاص پڑھ کر اس کھانے کو بچوں کو کھلاتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب معتبرہ بیان کیجئے اور قل پنچایت اور ختم وغیرہ پڑھنا کیسا ہے؟

شریف احمد انبھوی، معلم مدرسہ ہذا، ۱۶/۱۰/۶۰ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ شرعاً بے اصل، بدعت، ناجائز اور قابل ترک ہے۔ ثواب پہونچانے کا شریعت کے موافق طریقہ یہ ہے کہ نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر کسی غریب کو کھانا، کپڑا وغیرہ کوئی چیز دے کر دعا کرے کہ اے اللہ! اس کا ثواب فلاں شخص کو پہونچا دے، اگر تمام مسلمانوں کی نیت کرے تو اور زیادہ اچھا ہے:

”و لهذا اختاروا): أى الشافعية فى الدعاء: اللهم أوصل مثل ثواب ما قرأته إلى فلان، أما عندنا (أى الحنفية) فالواصل إليه نفس الثواب۔ وفى البحر: من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة۔ كذا فى البدائع“۔ شامی: ۱/۹۴۳ (۲)۔

”و عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛

= حديث من قبل نفسه..... (ما ليس منه) أى رأياً ليس له فى الكتاب أو السنة عاصداً ظاهر أو خفياً، ملفوظ

أو مستنبط (فہورد): أى مردود علی فاعله لبطالانہ۔ (فیض القدير: ۱۱/۵۵۹۴، مکتبہ نزار ریاض)

(۱) ”عن المرجئة، فقال: حدثني عبد الله رضى الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال:

”سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر“۔ (صحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحبط

عمله: ۱/۱۲، قديمی)

(۲) (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فى القراءة للميت و إهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

لأنها تصل إليهم، لا ينقص من أجره شيء، اهـ۔ رد المحتار: ۱۰۸/۲ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبداللطیف، ۱۱/۱۱/۶۰ھ۔

ختم کے بعد کھانا

سوال [۸۰۱]: اکثر لوگ عورتوں اور مردوں کو جمع کر کے ایک ایک پارہ قرآن مجید کا ہر شخص کو دیکر پڑھواتے ہیں یا یتیم خانہ کے بچوں کو بلا کر قرآن شریف پڑھوا کر اپنے مرحوم رشتہ داروں کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ ایسا کرنا گناہ تو نہیں ہے؟ یہ بدعت ہے یا نہیں؟ واضح رہے پڑھوانے کے بعد بچوں کو کھانا کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟

یسین شریف کا ختم

سوال [۸۰۲]: بہت سی عورتیں اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اور پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے یسین شریف ۴۱/۱ یا ۷۱/۱ بار پڑھ کر اس کا ثواب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور سب کو پہنچا کر اپنے واسطے دعا کر لیتی ہیں۔ یہ طریقہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... قرآن کریم پڑھ کر ثواب پہنچانا مفید ہے ہرگز گناہ نہیں (۲) لیکن اس کے لئے یہ صورت اختیار کرنا کہ مجمع اکٹھا کیا جائے (۳) اور پڑھنے والوں کو کھانا کھلایا جائے یہ ثابت نہیں، یہ کھانا پڑھنے اور ختم کرنے کی

(۱) (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فی القراءة لل میت و إهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشیدیہ)

(۲) (تقدم تخريجه من الهداية، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، شرکت علمیہ) (ورد المحتار، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، سعید)

(و البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشیدیہ)

(و العناية على الهداية على هامش فتح القدير، باب الحج عن الغير: ۳/۱۴۲، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

(۳) ”مقرر کردن روز سوم و غیرہ بالتخصیص، و او را ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت =

اُجرت کے درجہ میں آتا ہے جو کہ شرعاً منع ہے۔ فتاویٰ بزازیہ، رد المحتار وغیرہ میں اس کو بدعت اور مکروہ لکھا ہے اس کو اُجرت کے تحت پڑھنے سے ثواب نہیں ہوتا بلکہ گناہ ہوتا ہے (۱)۔

۲..... سورہ یسین شریف کو ۴۱/ یا ۷۱/ دفعہ پڑھ کر دعا کرنے کا عمل اگر تجربہ سے مفید ثابت ہو اور اس سے مصائب دور ہو جاتے ہوں تو درست ہے (۲)۔ مصائب دور کرنے کے لئے اصل عمل حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ادا کرنا اور گناہوں سے پرہیز، نیز سنت کی اشاعت کرنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۰ھ۔

وظیفہ سورہ یسین کے ختم پر شیرینی

سوال: یسین شریف تین دن وظیفہ کے طور پر ۴۱، ۴۱/ بار پڑھنے پر تینوں دن کوئی میٹھی چیز تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

= نیست، صاحب نصاب الاحتساب آن را مکروہ نوشتہ رسم..... الخ "از لکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ".
(فتاویٰ رشیدیہ، باب البدعات، ص: ۴۴۸، سعید)

(۱) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى بعد بحث طويل في تنقيح المسئلة: "قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارى، وقال العيني رحمه الله تعالى في شرح الهداية: ويمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان،..... فإذا لم يكن للقارى ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر، ولولا الأجرة لما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان..... الخ". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۶/۶، سعید)

(و كذا في البزازية، كتاب الإجارة، نوع في تعليم القرآن والحرف: ۳۹/۵، رشیدیہ)

(۲) یعنی بطور رقیہ جائزہ ایسا کرنا جائز ہے کما قالہ ابن عابدين: "أختلف في الاستشفاء بالقرآن بأن يقرأ على المريض أو المملدوغ الفاتحة..... قال رضى الله تعالى عنه: وعلى الجواز عمل الناس اليوم". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۶۳/۶، سعید)

الجواب حامداً ومصلحاً :

فی نفسہ اس میں کوئی خرابی نہیں، نہ شریعت میں اس کا کوئی حکم ہے، ممکن ہے کہ یہ تجربہ کی چیز ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاء العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۱۴۰۶ھ۔

ختم قرآن پر دعوت

سوال [۸۰۲]: میرے بچے نے قرآن شریف حفظ کر لیا ہے، میرا ارادہ ہے کہ ایک ترغیبی جلسہ کر کے شیرینی تقسیم کر دوں، کیا ایسا کرنے سے کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلحاً :

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی دولت ہے، اس کا حفظ کر لینا بہت بڑی دولت ہے، اگر شکرانہ کے طور پر احباب و متعارفین کو مدعو کیا جائے اور غرباء و احباب کو کھانا کھلایا جائے تو یہ اس نعمت کی قدر دانی ہے ممنوع نہیں، ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک دوسروں کو بھی حفظ کا شوق عطا فرمائے اور یہ اجتماع ترغیب و تبلیغ میں معین ہو جائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورہ بقرہ یاد کی تھی تو ایک اونٹ ذبح کر کے احباب و غرباء کو کھلادیا تھا (۱) اس لئے سلف صالحین میں اس کی اصل اور نظیر موجود ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ اللہ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے (۲) ریا اور فخر کے لئے جو کام کیا جائے وہ مقبول

(۱) "مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: تعلم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ البقرة في اثنتي عشرة سنة، فلما ختمها نحر جزوراً". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱/۳۰، رقم: ۴۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ﴿وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ﴾. (البينة: ۵)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "إن الله لا ينظر إلى صوركم وأموالكم، ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم". (مشکوٰۃ المصابيح، کتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، الفصل الأول، ص: ۴۵۴، رقم الحديث: ۵۳۱۴، قديمی)

نہیں (۱) اور نیت کا حال خدا ہی کو معلوم ہے (۲) مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی غور طلب ہے کہ اگر اس نے رسم کی صورت اختیار کر لی تو اور پریشانی ہوگی، اس لئے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخفی طور پر غرباء کو ان کی ضرورت کی اشیاء دیدی جائیں (۳) اور بچہ نے جہاں ختم کیا ہے، وہاں پڑھنے والے بچوں اور ان کے اساتذہ کو شیرینی وغیرہ دیدی جائے اور مدرسہ کی امداد کر دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۸۹ھ۔

ایمان کے شکر میں ختم

سوال [۸۰۵]: اپنے ایمان کو تازہ اور مسلمان ہونے کے شکر پر اگر کچھ عورتیں ایک جگہ جمع ہو کر یسین شریف یا قرآن شریف پڑھیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

ایمان کے شکر یہ میں جمع ہو کر یسین شریف یا قرآن شریف کا ختم کرنا ثابت نہیں، ایمان کا شکر تو یہ ہے کہ ایمان کے تقاضوں پر پختگی سے عمل کیا جائے اور جو چیزیں ناجائز ہیں ان سے پورا پرہیز کیا جائے (۴) فی

(۱) ”عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”من یسمع یسمع اللہ بہ، و من یرآی یرآی اللہ بہ“ (ابن ماجہ فی الزہد، باب الریاء والسمعة، ص: ۳۱۰، قدیمی)

(وایضاً راجع ماتقدم من فیض القدیر قول الإمام الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الریاء، تحت عنوان: ”شہدائے کربلا کے لئے فاتحہ“)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یعلم ما تسرون و ما تعلنون﴾، واللہ علیم بذات الصدور ﴿﴾. (التغابن: ۴)

وقال تعالیٰ: ﴿قل إن تخفوا ما فی صدورکم أو تبدوه، یعلمہ اللہ﴾. (آل عمران: ۲۹)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن تبدوا الصدقات فنعما ہی، وإن تخفوها و تؤتوها الفقراء، فهو خیر لکم﴾. (البقرة: ۲۷۱)

(۴) أخرج الإمام البخاری فی الإیمان: ”عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: ”الحلال بین والحرام بین، و بینہما مشبہات لا یعلمہا کثیر من الناس، فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينہ و عرضہ، و من وقع فی الشبهات کراع یرعى حول الحمی یوشک أن یواقعه، ألا! وإن لكل ملک حمی، ألا! وإن حمی اللہ فی الأرض =

نفسہ قرآن پاک کی تلاوت یا سورہ یسین کی تلاوت میں دینی و دنیاوی منافع بہت ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۰ھ۔

ختم خواجگاں پر دوام برائے حصول مقصد

سوال [۸۰۶]: ایک جامع مسجد کے متعلق چند کوٹھڑیاں ہیں اور اس کے متعلق ایک مدرسہ بھی ہے، اس مدرسہ اور کوٹھڑیوں میں عرصہ سے ایک غیر مسلم سے مقدمہ چل رہا تھا، مسلمان مناسب پیروی نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ہار گئے اور مدرسہ اور کوٹھڑیاں منہدم کر دی گئیں، اب پھر اپیل کی گئی ہے۔ اس مقدمہ میں کامیابی کے لئے ایک مسجد میں روزانہ دعائے ختم خواجگاں بلا ناغہ پڑھی جا رہی ہے، کچھ لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ اس اہتمام کے ساتھ بلا ناغہ کوئی دعاء پڑھنا درست نہیں، کبھی کبھی ناغہ بھی کر دینا چاہئے۔ لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر واقعی اس میں کوئی قباحت ہے تو آگاہ فرمائیے اور کوئی مناسب طریقہ بتلائیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ختم خواجگاں اور اس کے بعد دعاء ایسا ہے جیسے کہ بیمار کے لئے دوا، جب تک بیماری ہے اس کے دفعیہ کے لئے استعمال کی جاتی ہے، لیکن بیماری طویل ہونے کی وجہ سے دوا بھی بہت دیر تک چلتی ہے، پس جس مقصد کے لئے یہ ختم کیا جاتا ہے اس مقصد کے حاصل ہونے پر یا اس مقصد کو ترک کر دینے یا اس سے مایوس ہو جانے پر اس کو ترک کر دیا جائے، نیز اس پر جبر نہ کیا جائے کہ لوگ اس کو تعبدی اور دائمی امر سمجھنے لگیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۷/۸۹ھ۔

ختم قرآن پر مٹھائی

سوال [۸۰۷]: عام طور سے قرآن پاک کا ختم کیا جاتا ہے اور بعد میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے اس

= محارمہ، ألا! وإن فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله، وإذا فسدت فسد الجسد كله، ألا! وھی القلب“۔ (باب فضل من استبرأ لدينه : ۱/۱۳، قدیمی)

(۱) (کما مر من الهدایة ورد المحتار والعناية علی الهدایة والبحر الرائق تحت عنوان: ”فاتحہ مروجہ“، وراجع لمزید التفصیل کتاب ”فضائل القرآن“ لشیخ الحدیث محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ)

میں بعض حفاظ ایسے بھی شریک ہوتے ہیں جنہیں اگر مٹھائی نہ ملے تو افسوس کرتے ہیں اور آئندہ آنے میں عذر کر دیتے ہیں۔ اس قسم کی قرآن خوانی کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حفاظ شیرینی کو اپنا حق الخدمت یعنی اجرت قرأت تصور کرتے ہیں اگرچہ اس کا نام اجرت نہ رکھیں، اس لئے یہ صورت ناجائز ہے (۱)۔

اگر چندہ کر کے تقسیم کی جائے تو اس میں عموماً رعایت حدود نہیں کی جاتی بلکہ کہیں جبر کی صورت ہوتی ہے (۲) کہیں ریا اور تفاخر کی (۳)، بعض دفعہ بچوں (۴) اور بڑوں کا مجمع ہوتا ہے اور وہ شور و غل چھینا چھٹی

(۱) (تقدم تخريجه من رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة : ۵۶/۶، سعيد، تحت عنوان: ”يسين شريف کا ختم“)

(والبزازية على هامش الهندية، ن. ع في تعليم القرآن والحرف : ۳۹/۴، رشيدية)

(و كذا في شفاء العليل و بل الغليل الخ من مجموعة الرسائل لابن عابدين : ۱۶۹/۱، مكتبة سهيل اكيڈمی لاہور)

(۲) جبراً کسی کا مال وصول کر کے کھانا جائز نہیں، ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے: ”عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضى الله تعالى عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم : ” لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“۔ (مشکوۃ المصابيح، کتاب البيوع باب الغصب والعارية ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۳) کسی بھی عمل میں ریا اور نمود کو مذموم قرار دیا گیا ہے: ”عن أبي سعيد رضى الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال : ”من يسمع يسمع الله به، و من يراى، يراى الله به“۔ (ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الرياء والسمعة، ص: ۳۱۰، قدیمی)

(۴) ”و يحرم إدخال صبيان و مجانين حيث غلب تنجيسهم و إلا فيكره“۔ (الدر المختار) و قال ابن عابدين رحمه الله تعالى : ”و يحرم الخ“ لما أخرجه المنذرى مرفوعاً : ”جنبوا مساجدكم صبيانكم و مجانينكم و رفع أصواتكم“ الحديث. والمراد بالحرمة كراهة التحريم و عليه فقوله: و إلا فيكره: أى تنزيهاً تأمل“۔ (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد : ۶۵۶/۱،

۶۵۷، سعيد)

کرتا ہے (۱)۔ بعض لوگ مٹھائی کے لالچ میں پیروں کی پاکی کا اہتمام کئے بغیر مسجد میں آ جاتے ہیں جس سے مسجد کا احترام باقی نہیں رہتا (۲) ان صورتوں میں ناجائز ہونا شدید تر ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ختم قرآن کے دن جھنڈیاں وغیرہ لگانا

سوال [۸۰۸]: کسی مسجد میں حافظ قرآن تراویح پڑھاتا ہے اور اس مسجد میں ختم قرآن کے دن خلاف شرع باتیں دیکھے، درمیان میں معلوم ہو جائے کہ اس مسجد میں چندہ وغیرہ چندہ کی رقم سے ختم قرآن کے دن کاغذ کی جھنڈیاں چراغاں کرنا اور تقسیم شیرینی کرنا باوجودیکہ حافظ قرآن نے متعدد بار اس رسم کو منع کرنے کو بھی کہا کہ بدعت ہے مگر پھر بھی یہ مقتدی اپنی ضد پر قائم ہیں، تو ایسی مسجد میں حافظ کو ختم قرآن تک تراویح پڑھانا کیسا ہے، یا برابر کی مسجد میں پڑھتا رہے، بعد منع کرنے کے اس مسجد میں تراویح پڑھانے کو ترک کر دے اور بقیہ قرآن کہیں اور سنا کر ختم کر دے؟

ختم قرآن میں چراغاں

سوال [۸۰۹]: ۲..... بعض لوگ ختم قرآن کے سلسلہ میں تراویح میں مثال دیتے ہیں کہ مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں تو جھاڑ، فانوس، شمع کا فوری اور کثرت سے چراغاں ہوتا ہے، اگر ناجائز ہے تو کیوں نہیں منع کیا جاتا ہے حالانکہ مکہ شریفہ و مدینہ منورہ میں بڑے بڑے جید عالم موجود ہیں، یہ بجلی کی روشنی مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں ختم قرآن کے دن ہوتی ہے یا ہمیشہ اور کثرت سے چراغاں ہونے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ایسی حالت میں امام کسی ایسی مسجد میں پڑھے جہاں یہ خرافات نہ ہوں۔

(۱) "والکلام المباح (أی یکرہ فی المسجد) و قیدہ فی الظہیریۃ بأن یجلس لأجلہ، لکن فی النہر الإطلاق". (الدر المختار) و فی رد المحتار: قوله: بأن یجلس لأجلہ، فإنه حیث لا یباح بالإتفاق؛ لأن المسجد ما بنی لأمر الدنیا. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، قبیل مطلب فیمن سبقت یدہ إلی مباح: ۶۶۲/۱، سعید)

(۲) "و کرہ تحریماً..... إدخال نجاسة فيه" (الدر المختار) "فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: لا یدخل المسجد من علی بدنه نجاسة". (رد المحتار، مطلب فی أحكام المساجد: ۶۵۶/۱، سعید)

۲..... یہ کہنا کہ منع نہیں کیا گیا غلط ہے۔ کتاب المدخل: ۲/۳۰۲ (۱)، میں دیکھئے کس شدت سے منع کیا

گیا مگر اہل ثروت و بدعت، اہل علم و اہل حق کی کم مانتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ذیقعدہ/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۳/ذیقعدہ/۶۱ھ۔

مخصوص طور پر ختم اور مسجد میں کھانا کھلانا اور چھینا جھپٹی

سوال [۸۱۰]: یہاں پر آستان بنڈار کے نام سے رسماً صدقہ کا اہتمام کیا جاتا ہے اور بصورتِ آٹا،

چاول یا نقد جمع کر کے کھانا پکایا جاتا ہے، پھر ختم شیخ جیلانی، ختم خواجگاں، ختم سلطان العارفین وغیرہ ہوتا ہے،

صرف خانہ پری کے لئے آیت قرآنی کی تلاوت بھی ہوتی ہے، پھر حضرت فلاں فلاں المدد وغیرہ کے نعرے

لگاتے ہیں۔ علاوہ اس کے بہ لحن و صوت درود شریف و مناقب اولیاء کی یاد دہانی کی جاتی ہے، صاحب و جاہت

لوگ کھانا تقسیم کرتے ہیں، پہلے مجلس پڑھنے والوں کو کھلاتے ہیں، پھر عوام الناس کو مسجد ہی میں تقسیم کرتے ہیں،

دورانِ تقسیم خاصی گالی گلوچ، چھینا جھپٹی ہوتی ہے۔

عرض یہ ہے کہ یہ بنڈار کرنا کیسا ہے؟ از روئے شرع اس قسم کے صدقات کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ ائمہ

مساجد کا اس میں شرکت کرنا اور پھر امامت کے فرائض ادا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

(۱) ”و لا یزاد فی لیلة الختم شیء زائد علی ما فعل فی أول الشهر؛ لأنه لم یکن من فعل من مضی،

بخلاف ما أحدثه بعض الناس اليوم من زیادة وقود القنادیل الكثيرة الخارجة عن الحد المشروع، لما

فیها من إضاعة المال والسرف والخیلاء، سیماً إذا انضاف إلى ذلك ما یفعله بعضهم من وقود الشمع و

ما یرکرفیه..... و انضاف إلى ذلك بسبب كثرة الوقود اجتماع اللصوص و تشویشهم علی بعض

الحاضرين..... و كثير من الناس يتحدثون و یخوضون فی الأشياء التي ینزه المسجد عن بعضها فی

غیر رمضان، فكیف بها فی شهر رمضان العظیم؟ فكیف بها فی لیلة الختم منه، فلیتحفظ من هذا كله و

ما شاکله جهده الخ“ (المدخل لابن امیر الحاج: ۲/۳۱۱، ۳۱۲، فصل فی وقود القنادیل لیلة الختم،

مصطفی البابی الحلبي)

الجواب حامداً ومصلحاً:

یہ صورت اور تقریب قرآن کریم وحديث شریف، آثارِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، فقہ، ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں (۱)، حسن تدبیر، نرمی و شفقت سے اس کو روکا جائے (۲)، احترام قبرستان کے بھی یہ خلاف ہے (۳) احترام مسجد کے بھی خلاف ہے (۴)، احترام ائمہ کے بھی خلاف ہے۔ جبراً چند لینا بھی ظلم ہے اس کا کھانا بھی حلال نہیں: ”لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه“۔ (الحديث) (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۵ھ۔

روضہ اقدس اور مزارات صحابہ پر قرآن خوانی

سوال [۸۱۱]: کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزاروں پر بھی قرآن خوانی ہوتی ہے یا نہیں؟ جیسا کہ ہندوستان میں اجرت پر مکانوں اور قبروں پر قرآن خوانی کراتے ہیں، ایسی صورت میں پڑھنے والے کو اور میت کی روح کو کچھ ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

(۱) جو کام ان اصول سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے: کما صرح بہ اهل العلم کابن عابدین وابن نجیم والطحاوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ فی فتاویٰ ہم وقد مضی تخریجہ من کتبہم تحت عنوان: ”ایضاً“ بعد عنوان: ”فاتحہ مریجہ“۔

(۲) نیز اس میں گالی گلوچ کا تبادلہ ایک قبیح، مذموم اور ممنوع فعل ہے جس سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے، فرمایا: ”سباب المسلم فسوق، و قتاله کفر“۔ (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن أن یحبط عمله: ۱۳/۱، قدیمی)
(والطبرانی فی الکبیر: ۱۰/۱۰۳۱۶)

(۳) ”قال فی الفتح: و یکرہ الجلوس علی القبر و وطنه، فحینئذ فما یفعله من دفنت حول أقاربه خلق من و طيء تلک القبور إلی أن یصل إلی قبر قریبه مکروه“۔ (رد المحتار، آخر باب صلوٰۃ الجنائز: ۲/۲۲۵، سعید)
(۴) (تقدم تخریجہ من رد المحتار، آخر باب ما یفسد الصلوٰۃ و ما یکرہ فیہا: ۱/۶۶۲، سعید، تحت عنوان: ”ختم قرآن پر مٹھائی“)

(۵) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ، ص: ۲۵۵، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً :

یہ طریقہ ممنوع اور ناجائز ہے، ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی پر اجرت لینا بھی گناہ ہے اور دینا بھی اور اس سے ثواب بھی نہیں ملتا، رد المحتار، ج: ۵ (۱)۔ قرونِ اولیٰ میں یہ معمول نہیں تھا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

میّت کے لئے ایک لاکھ کلمہ طیبہ کا ثواب

سوال [۸۱۲]: ہمارے یہاں جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو میّت کے رشتہ دار ایک لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ کا ختم کراتے ہیں مسجد کے مصلیوں سے، اخیر میں تمام مصلیوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے چاہے غریب ہو یا غنی تو یہ کھانا کیسا ہے؟ اور غریب و مالدار میں کوئی فرق ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

کلمہ طیبہ کا ثواب پہنچانا اور غریبوں کو صدقہ دیکر ثواب پہنچانا بہت مفید اور باعثِ خیر ہے (۳) لیکن کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو ختم کے بعد کھانا کھلانا یہ اجرت کے مشابہ ہے، اگر پڑھنے والوں کے ذہن میں ہو کہ کھانا ملے گا اور اس نیت سے پڑھیں تو اس پڑھنے سے ثواب نہیں ہوگا، نہ پڑھنے والوں کو نہ میّت کو، نیز جب کہ

(۱) (تقدم تخريجه من رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة : ۵۶/۶-۵۷، تحت عنوان: ”يسين شريف کا ختم“)

(۲) اور جو چیز قرنِ اولیٰ سے ماثور نہ ہو، وہ بدعت ہے کما مروت فیہ تصریحات الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ تحت عنوان: ”ایضاً“ بعد عنوان: ”فاتحہ مروجہ“۔

(۳) ”فلإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلاةً كان أو صوماً أو حجاً أو صدقةً أو قراءةً للقرآن أو الأذکار أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت وينفعه“۔

(مراقی الفلاح، کتاب الجنائز، فضل فی زیارة القبور، ص: ۲۲۱، ۲۲۲، قدیمی)

اس کا دستور ہے اور یہ طریقہ مشہور ہے ”المعروف كالمشروط“ کے تحت اس پڑھنے کی اجرت گویا کہ لازم ہوگئی (۱)۔

علاوہ ازیں میت کے ورثاء میں بعض دفعہ چھوٹے نابالغ بھی ہوتے ہیں ان کے مال میں تصرف کرنا اور ان کے حصہ سے صدقہ دینا جائز نہیں (۲)۔ پھر یہ کہ کھانا کھانا شرعاً واجب نہیں اس کا التزام کرنا ایک غیر واجب کو واجب قرار دینا ہے جس کی شریعت میں اجازت نہیں (۳)۔

علاوہ ازیں ایصالِ ثواب کے لئے جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کے مستحق غرباء ہیں، مالدار نہیں (۴) یہاں غریب و غنی سب کو دیا جاتا ہے یہ طریقہ غلط ہے اور اس میں عامۃ شہرت ناموری کا جذبہ ہوتا ہے (۵)، جیسا کہ دیگر تقریبات کا حال ہے اس لئے اس طریقہ کو بند کرنا چاہئے کہ عوارض کی وجہ سے اصل کیفیت باقی نہیں

(۱) ”و لا معنى أيضاً لصلوة القارى ؛ لأن ذلك يشبه استيجاره على قراءة القرآن، وذلك باطل، و لم يفعل ذلك أحد من الخلفاء“۔ (رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة: ۵۷/۶، سعید)

(۲) قال الله تعالى: ﴿و آتوا اليتامى أموالهم، و لا تبدلوا الخبيث بالطيب﴾۔ (النساء: ۲)

وقال تعالى: ﴿الذين يأكلون أموال اليتامى ظلماً، إنما يأكلون في بطونهم نارا﴾۔ (النساء: ۱۰)
(۳) کیونکہ غیر لازم کو لازم سمجھنا بدعت ہے: ”ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، و جعل ديناً قويمياً و صراطاً مستقيماً“۔ (رد المحتار، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۵۶۰/۱، سعید)

(۴) ”الوصية المطلقة لا تحل لغنى ؛ لأنها صدقة و هى على الغنى حرام“۔ (الدر المختار، قبيل باب الوصى الخ: ۶۹۸/۶، سعید)

(۵) ”عن أبى هريرة -رضى الله تعالى عنه- قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”المتباريان لا يجابان، و لا يؤكل طعامهما“، قال الإمام أحمد: يعنى المتعارضين بالضيافة فخرأ و رياء“۔ رواه البيهقى فى شعب الإيمان“۔ (مشکوٰۃ المصابيح، کتاب النکاح، باب الولیمة، ص:

رہتی۔ فتاویٰ بزازیہ (۱) کبیری (۲) شامی (۳) وغیرہ کتب فقہ میں ایصالِ ثواب کے لئے اس قسم کے طریقہ کو اختیار کرنے کی ممانعت موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۹ھ۔

ختم میں سوالا کھ کی تعداد

سوال [۸۱۳]: دارالعلوم دیوبند میں جو ختم شریف ہوتا ہے خواہ کسی کی وفات پر ہو یا دفعِ مصائب کے لئے ہو اور خواہ کلمہ طیبہ پڑھا جائے یا آیۃ الکرسی، مگر پڑھنے کی تعداد سوالا کھ کی متعین ہے، اس پر کیا دلیل شرعی ہے؟ ایک عالم اس کو بدعت کہتے ہیں جو شریک دورہ دارالعلوم دیوبند رہ چکے ہیں، وہ کہتے ہیں نفس ایصالِ ثواب میں تو کوئی اشکال نہیں مگر تعداد متعین کرنا بدعت ہے، اس کے بارے میں تفصیل سے تحریر فرمائیں حالانکہ اپنے مشائخ کی شرکت کو شہادت میں پیش کیا گیا مگر وہ قرآن و حدیث سے ثبوت مانگتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

دفعِ مصائب کے لئے جو ختم پڑھا جاتا ہے وہ بطور علاج ہے اس کے لئے قرآن و حدیث سے ثبوت ضروری نہیں، صرف اتنا کافی ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے منافی و معارض یعنی شرعاً ممنوع و مذموم نہ ہو جیسا کہ

(۱) ”و یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث و بعد الأسبوع والأعیاد واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن و جمع الصلحاء، والقراءة للختم، أو لقراءة سورة الأنعام أو الأخلاص، فالحاصل: أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل یکرہ“۔ (البزازیہ علی هامش الہندیہ، باب صلوة الجنائز، ذہب إلی المصلی الخ: ۸۱/۲، رشیدیہ)

(۲) ”و یکرہ اتخاذ الضیافۃ من أهل المیت؛ لأنه شرع فی السرور لا فی الحزن، قالوا: وہی بدعة مستقبحة، لما روى الإمام أحمد وابن ماجہ بإسناد صحیح عن جریر بن عبد اللہ قال: ”کنا نعد الاجتماع إلی أهل المیت و صنعهم الطعام من النیاحۃ“۔ (الحلبی الکبیر (کبیری)، فصل فی الجنائز، الثامن فی مسائل متفرقة من الجنائز، ص: ۶۰۹، مکتبہ سہیل اکیڈمی لاہور)

(۳) (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی کراہۃ الضیافۃ من أهل المیت: ۲/۲۴۰، سعید)

غیر شرعی رقیہ ہے (۱)، ایسے ہی ختم میں جو تعداد متعین ہے وہ ایسی نہیں جیسی رکعات نماز کی تعداد یا اشواط طواف کی تعداد ہے کہ اس کے لئے صراحۃً ثبوت ضروری ہے، بلکہ وہ ایسی تعداد ہے جیسے حکیم نسخہ میں لکھتے ہیں عناب ۵/ دانہ، بادام ۷/ دانہ وغیرہ کہ یہ تجربات سے ثابت ہے، اس کے لئے قرآن و حدیث سے ثبوت طلب کرنا بے محل ہے۔ جب اس ختم کی شان معالجہ کی ہے تو بدعت کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے (۲) تعداد کا تجربہ سے متعین کر دینا خلاف شرع نہیں، علاج کے لئے سات کنویں کا پانی سات مشکوں میں منگنا حدیث شریف سے ثابت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۸۷ھ۔

(۱) "یقال: رقاہ الرافی..... واما ما کان من القرآن أو شیء من الدعوات، فلا بأس بہ"۔ (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، قبیل فصل فی النظر واللمس: ۶/۳۶۳، سعید)

و قال العلامة الزیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ: "و لا بأس بالرقی؛ لأنه علیہ الصلاة والسلام کان یفعل ذلك..... ألا ترى إلی ما یروی عن عروۃ بن مالک أنه قال: کنا فی الجاهلیۃ نرقی، فقلنا: یا رسول اللہ! کیف تری فی ذلك؟ فقال: "إعرضوا علی رقاکم، لا بأس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک"۔ (تبیین الحقائق، کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع: ۸/۷۳، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

والحدیث الذی ذکرہ الزیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ أخرجه مسلم فی السلام، باب استحباب الرقیۃ من العین والنملۃ..... الخ: ۲/۲۲۴، قدیمی)

(و أبو داود فی الطب، باب فی الرقی: ۲/۵۴۲، دار الحدیث ملتان)

(۲) کیونکہ بدعت تو وہ ہوتی ہے جو اصول شرع سے منقول نہ ہونے کے باوجود دین سمجھی جائے اور یہ ختم بطور علاج و رقیہ ہونے کی بنا پر خالص دین نہیں سمجھا جاتا لہذا بدعت نہیں ہے، بلکہ بدعت کی تعریف علامہ شامی نے اس طرح نقل کی ہے: "ما أحدث علی خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً"۔ (رد المحتار، باب الإمامۃ: ۱/۵۶۰، سعید)

(۳) "قالت عائشة: فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد ما دخل بیتها، واشتد وجعه: "أهريقوا علی من سبع قرب لم تحلل أو کیتھن"..... ثم طفقنا نضبُ علیہ من تلك القرب حتی جعل یشیر إلینا أن قد فعلت"..... الحدیث (صحیح البخاری، باب قبل، باب العذرة: ۲/۸۵۱، قدیمی)

ایصال ثواب وغیرہ کے ختم قرآن پر شیرینی

الاستفتاء [۸۱۴]: یہاں کا رواج ہے لوگ علماء حفاظ اور کچھ علوم دین جاننے والے لوگوں سے ختم قرآن، ختم خواجگان یا اس کے علاوہ اور کسی قسم کا ختم کراتے ہیں اور ایصال ثواب یا اپنے مقاصد کی دعائیں کراتے ہیں، پڑھنے والوں کو کھانا بھی کھلاتے ہیں اور کچھ روپے پیسے بھی دیتے ہیں، یہ رواج شرعاً کیسا ہے؟ روپے پیسے لینا دینا کیسا ہے؟ اہل استطاعت اس قسم کے پیسے لے سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایصال ثواب کے لئے قرآن پاک ختم کرا کے بطور معاوضہ کھانا کھلانا درست نہیں، اس سے ثواب نہیں ہوتا بلکہ گناہ ہوتا ہے، علامہ شامی نے اس کی تصریح کی ہے۔ اہل استطاعت اور فقراء کسی کو بھی ایسا کھانا کھلانا اور پیسے لینا درست نہیں (۱) مگر دیگر مقاصد مثلاً مقدمات کی کامیابی کے لئے اگر ختم کرایا جائے اور کھانا کھلایا جائے یا پیسے دیئے جائیں تو یہ درست ہے، یہاں ختم سے مقصود تحصیل ثواب نہیں بلکہ دوسرا کام مقصود ہے (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عثیٰ عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۵ھ۔

(۱) "قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارى. وقال العيني في شرح الهداية: ومنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان. فالحاصل: فإذا لم يكن للقارى ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستاجر؟ ولو لا الأجرة، لما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان اهـ." (رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة: ۵۶/۶، سعيد)

(۲) "وما استدلل به بعض المحشين بحديث البخارى في اللديغ لأن المتقدمين المانعين الإستيجار مطلقاً جوزوا الرقية ولو بالقرآن، كما ذكره الطحاوى رحمه الله تعالى: لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوى." (رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة: ۵۷/۶، سعيد)

(والمراد بالحديث هو الذى رواه البخارى رحمه الله تعالى فى الطب، باب الرقى بفاتحة الكتاب:

ایصال ثواب کے لئے مجلس

سوال [۸۱۵]: ہمارے علاقہ گجرات میں ختم قرآن کر کے ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ کہ مسجدوں میں بورڈ پر یہ اعلان لکھ دیا جاتا ہے کہ مثلاً آج نمازِ جمعہ یا نمازِ عشاء کے بعد فلاں صاحب کے ایصالِ ثواب کے لئے ختم قرآن کی مجلس رکھی گئی ہے۔ بعد ختم قرآن کے نہ کوئی شیرینی ہوتی ہے اور نہ کوئی رسم و رواج ہے تو مجموعی طریقہ سے ختم قرآن کر کے ایصالِ ثواب کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ بعض حضرات اہل علم اس پر نکیر کرتے ہیں لیکن جب کوئی اہم شخصیت انتقال کر جاتی ہے تو خود ہی اہتمام کر کے قرآن کی مجلس کا انعقاد کرتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

جو حضرات اس پر نکیر کرتے ہیں اور کسی اہم شخصیت کے لئے اس کا اہتمام بھی کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ نکیر کس درجہ حقیر ہے۔ صورتِ مسئلہ میں قرآن خوانی کے لئے بلایا نہیں جاتا بلکہ جو لوگ نمازِ عشاء یا نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے آتے ہیں ان سے درخواست کی جاتی ہے کہ ہماری میت کیلئے ایصالِ ثواب بھی کرتے جائیں۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، میت کو نفع ہوتا ہے پڑھنے والوں کو ثواب بھی ملتا ہے۔ حدیث شریف میں موجود ہے کہ جو شخص قبرستان میں گزرے اور گیارہ بارہ مرتبہ ”قل هو اللہ“ پڑھ کر اموات کو ثواب بخش دے تو بعد الاموات اس کو بھی ثواب ملتا ہے (۱)، چنانچہ فتح القدر میں مذکور ہے کہ انسان کو حق ہے کہ اپنی حسنات کا ثواب دوسروں کو دیدے چاہے نماز ہو، ذکر ہو، تلاوت ہو، حج ہو، عمرہ ہو، صدقہ ہو یہی اہل سنت کا مسلک ہے۔ معتزلہ مطلقاً

(۱) ”اسئلت عن الحکمة فی قراءۃ سورۃ الإخلاص أحد عشر مرة لمن دخل المقابر، فقلت: أما الحدیث الوارد بذلك فهو عن علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”من مر علی المقابر، وقرأ: قل هو اللہ أحد إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجرها للأموات، أعطی من الأجر بعد الاموات“ أخرجه الديلمی فی مسند الفردوس من طریق عبد اللہ بن أحمد وهذا الحدیث من نسخة، قال الذهبی: إنها موضوعة باطلة، ماتنفاک عن وضع عبد اللہ أو وضع أبيه أحمد، وقال ابن الجوزی فی الموضوعات فی أحمد: هو محل التهمة وقد رواه أبو بکر النجاد فی سننه والقاضی أبو یعلی والدارقطنی فیما عزاہ إلیہم الشمس محمد بن ابراہیم بن عبد الواحد المقدسی الحنبلی فی ”وصول القراءۃ إلى المیت“ له، وأظنہم أخرجوه من هذا الوجه، فاللہ أعلم۔“ (الأجوبة المرضیة للحافظ السخاوی: ۵۴۹/۲، ۵۵۰، رقم المسئلة: ۱۳۶، دار الراية، ریاض)

ایصالِ ثواب کے منکر ہیں (۱)۔ عامۃً ایصالِ ثواب کے ساتھ کچھ غیر ثابت رسوم اور بدعات کا شمول ہوتا ہے ان سے پوری احتیاط لازم ہے۔ شامی وغیرہ میں بھی اس کو قوت سے روکا گیا ہے (۲)، مستقل ایک رسالہ بھی، شامی کا اس مسئلہ پر موجود ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

ایصالِ ثواب کے لئے تارتخ و دن کی تعیین

سوال [۸۱۶]: ایصالِ ثواب کے لئے تارتخ و دن و وقت و مہینہ کی تعیین و تحقیق کو مکروہ و ممنوع بتایا گیا ہے مگر ثبوت میں کوئی حدیث صریح کی نقل نہیں فرمائی گئی، تفسیر کبیر و تفسیر درمنثور وغیرہ میں یہ حدیث نقل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبور شہداء پر ہر سال پہلے دن کو تشریف لے جاتے تھے اور ان کے لئے دعاء فرماتے تھے (۴)۔

(۱) ”و لما كان الأصل كون عمل الإنسان لنفسه لا لغيره قدم ما تقدم (قوله : أن يجعل ثواب عمله لغيره) صلوة أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة والجماعة..... و خالف في كل العبادات المعتزلة“۔ (فتح القدير، باب الحج عن الغير : ۱۴۲/۳، مصطفى البابي مصر)

و فی البحر الرائق : ”والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا، للكتاب والسنة“۔ (باب الحج عن الغير : ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار باب الحج عن الغير : ۵۹۵/۲، سعید)

(۲) (راجع للتفصيل الحاوی علی ثلاثة صفحات من رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة : ۵۵/۶-۵۷، سعید)

(۳) (رسالة ابن عابدين من مجموعة رسائله المسماة ”شفاء العليل و بل الغلیل فی حکم الوصیة بالختمات و التهالیل“۔ مطبوعه سهیل اکیڈمی)

(۴) ”روی ابن أبی شیبۃ : ”أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یأتی قبور الشہداء بأحد علی رأس کل حول، فیقول : ”السلام علیکم بما صبرتم، فنعم عقبی الدار“۔ (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی زیارة القبور : ۲۴۲/۲، سعید)

مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ والدین کی قبر کی زیارت جمعہ کے روز کرنی چاہئے (۱)۔ چنانچہ زیارت کے سلسلہ میں فاتحہ بھی پڑھی جاتی ہے اور ایصالِ ثواب بھی کیا جاتا ہے، اس بارہ میں کوئی حدیث نہیں پائی جاتی ہے کہ بلا تعین و تحقیق کے ثواب پہنچتا ہے جب ثواب دونوں طرح سے پہنچتا ہے تو پھر ایک صورت کو سنت اور دوسری کو بدعت کیوں کہا جاتا ہے؟

لہذا اس کے متعلق اگر کوئی حدیث صریح ہو تو نقل فرمائیے ورنہ یہ تحریر فرمائیے کہ اس کے متعلق کوئی حدیث صریح نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شئی کی تعین تخصیص شارع سے جس درجہ میں منقول ہے اس کا انکار نہیں (۲) اور جس شئی کی منقول نہیں، جیسے تیجہ، چالیسواں (۳) وغیرہ اس کی تعین و تخصیص اپنی طرف سے کرنا بدعت ممنوعہ اور مداخلت

(۱) ”وعن محمد بن النعمان يرفع الحديث إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”من زار قبر أبويه أو أحدهما في كل جمعة، غفر له، وكتب براً“. رواه البيهقي في شعب الإيمان مرسلاً“ (مشکوٰۃ المصابيح، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، ص: ۱۵۴، قدیمی)

(۲) یعنی اس حد تک تو تعین منقول ہے کہ ابتداء سال میں زیارة قبور کی جائے یا ہر جمعہ کو والدین کی قبروں کی زیارت کی جائے، لیکن بات اگر اس حد تک محدود نہ رہے بلکہ ان دنوں میں قبروں اور مزاروں پر میلے اور عرس منعقد کئے جائیں تو اس کا شرع شریف میں کوئی ثبوت نہیں ہے، بلکہ ایسے عمل کو حدیث میں نصاریٰ اور یہود کا عمل بتا کر مستحق لعنت قرار دیا گیا ہے، فرمایا: ”لعن الله اليهود والنصارى، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد“۔ الحدیث۔ (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور: ۱/۱۷۷، قدیمی)

(۳) قال ابن الهمام: ”ویکرہ اتخاذ الضیافة من أهل الميت؛ لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور، وہی بدعة مستقبحة اھ“۔ (فتح القدیر، قبیل باب الشہید: ۲/۱۴۲، مصطفى البابی الحلبي، مصر)
(و کذا فی البرازیة، کتاب الصلوة، الخامس والعشرون فی الجائز، نوع آخر: ۸۱/۴، رشیدیہ)

”سوم و دہم و چہلم وغیرہ بدعات و ماخوز از کفار ہنود است۔۔۔۔۔ ترک چنیں رسوم واجب است کہ: ”من تشبه بقوم، فهو منهم“۔ و ہر گاہ طعام چنیں بدعات متلبس شد، بہتر آنکہ ایں چنیں طعام نخوردہ شو کہ: ”دع ما یریک إلی ما لا یریک“۔ (امداد الفتاویٰ، کتاب البدعات، عنوان: ”فاتحہ رمی“: ۵/۲۶۰، ۲۶۱، مکتبہ دارالعلوم، کراچی)

فی الدین اور تقیید مطلق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ شعبان/ ۱۴۲۶ھ۔

غیر مسلم کو ثواب پہنچانا

سوال [۸۱۷]: غیر مسلم کو قرآن پاک وغیرہ کا ثواب بخشنا جائز ہے یا نہیں؟

ایصال ثواب پر چائے پیش کرنا

سوال [۸۱۸]: کچھ مسلمان ماہانہ یا ہفتہ وار ایک مقام پر یا مختلف مکانات پر قرآن شریف پڑھ کر اپنے احباب اور اعزاء اور تمام اہل اسلام کی روح کو ثواب بخشتے ہیں اور صاحب خانہ اخلاقاً چائے وغیرہ پیش کرتے ہیں تو اس صورت سے سب کو مل کر قرآن پڑھنا اور چائے وغیرہ کا استعمال کرنا کیسا ہے جب کہ یہ پروگرام گاہ بگاہ ترک کر دیا جاتا ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

۱..... ناجائز ہے (۱)۔

۲..... اس طرح اہتمام کے ساتھ قرآن خوانی کے ذریعہ ایصال ثواب کرنا ثابت نہیں، اس سے بچنا چاہئے، انفرادی طور پر مضائقہ نہیں اور اختتام پر چائے وغیرہ پیش کرنا صورت معاوضہ ہے اس سے بچنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/ ۱۰/ ۱۴۲۰ھ۔

ایصال ثواب کے لئے تاریخ مقرر کرنا

سوال [۸۱۹]: فاتحہ کا شرعی ثبوت، کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینا، تیجہ، دسواں، چالیسواں کرنا کیسا ہے؟ صرف تیجہ کے دن چنوں پر کلمہ پڑھوانا، عوام و خواص کو اس کا کھانا اور کھلانا کیسا ہے؟ نیز شبِ برات میں حلوا پکا کر نیزان کی فاتحہ کرنا، محرم میں کھچڑا پکوانا، شربت اور پانی کی سبیلیں لگوانا، مجلس کرنا اور گیارہویں کرنا کیسا ہے؟

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ (سورة التوبة: ۱۱۳)

(۲) (تقدم تخريجہ من رد المحتار وغیرہ تحت عنوان "ختم کے بعد کھانا")

الجواب حامداً ومصلحاً:

ایصالِ ثواب غریبوں کو کھانا، کپڑا وغیرہ ضرورت کی چیزیں دے کر، نماز، قرآن شریف، تسبیح پڑھ کر، روزہ رکھ کر، حج کر کے، غرض ہر نیک کام کر کے جب بھی توفیق ہو درست اور نفع بخش ہے (۱)۔ نہ اس میں تاریخ کی قید ہے کہ شبِ برات کی ۱۴ / محرم کی ۱۰ / ربیع الثانی کی ۱۱ / تاریخ ہو، نہ دنوں کا حساب ہے کہ تیسرا، دسواں، چالیسواں دن ہو، نہ اس میں کسی چیز کی قید ہو کہ حلویہ، کھجڑا، شربت، پانی ہو، نہ بیست کی قید ہے کہ چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھا جائے یا کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دی جائے، نہ سورتوں اور آیتوں کی تخصیص ہے کہ قل پنج آیت ہو، نہ اور کسی قسم کی قید ہے، ان سب قیدوں کو ختم کر دیا جائے کہ یہ شرعاً بے اصل ہیں (۲)، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بغیر ان قیدوں کے ثواب پہنچایا ہے۔

اگر یہ عقیدہ ہو کہ بغیر ان قیدوں کے ثواب نہیں پہنچتا تو یہ عقیدہ غلط ہے اس سے توبہ لازم ہے۔ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ روزی تقسیم کرنا بڑے پیر صاحب کے سپرد ہے، اگر ہم گیارہویں شریف نہ کریں گے تو بڑے پیر صاحب ناراض ہو کر ہماری روزی بند کر دیں گے، یہ عقیدہ مشرکانہ عقیدہ ہے (۳)۔ (اللہ محفوظ رکھے)۔ بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ مخصوص تاریخوں میں روحیں آتی ہیں، اگر ایصالِ ثواب نہ کیا تو وہ لعنت کرتی ہیں

(۱) (تقدم تخريجہ من الهدایة و فتح القدير والعناية على الهداية على هامش فتح القدير والبحر الرائق کلہم فی باب الحج عن الغير، تحت عنوان: "ایصالِ ثواب کے لئے مجلس")

وأيضاً فی مراقی الفلاح: "فلإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلاة كان أو صوماً أو حجاً صدقة أو قرآناً أو الأذکار أو غیر ذلك من أنواع البر، ویصل ذلك إلى الميت وینفعه" (کتاب الجنائز، فضل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قدیمی)

(۲) قال العلامة عبدالحی اللکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ: "این طور مخصوص نہ در زمان آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بود، و نہ در زمان خلفاء، بلکہ وجود آن در قرون مشہود لها بالخیرائند، منقول نہ شدہ، و حالاً در حریم شریفین - زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً - عادات خواص نیست..... و این را ضروری دانستن مذموم است"۔ (مجموعۃ الفتاویٰ علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلوۃ باب الجنائز: ۱/ ۱۹۵، امجد اکیدمی)

(۳) لأن الله تعالیٰ قال: ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾. (الذاریات: ۵۸)

وقال تعالیٰ: ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾. (الفاطر: ۳)

یہ بھی غلط ہے۔ ایصالِ ثواب کر کے غریبوں کو کھلایا جائے، مالداروں کو نہیں: ”و یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث و بعد الأسبوع الخ“۔ شامی ۱/۶۰۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ متعین کرنا اور اوقات مدرسہ میں مدرسین و طلبہ کا ایصالِ ثواب کرنا

سوال [۸۲۰]: خاص وعام میں سے جب کسی کا انتقال ہو جائے اکثر مساجد اور مدارس میں بالغ و نابالغ سب کو جمع کر کے قرآن شریف ختم کراتے ہیں، احادیث شریفہ میں ایصالِ ثواب مطلق آیا ہے، اس میں چند شبہات پیش آتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:
۱- اس ہیئت کے ساتھ قرآن شریف ختم کرنا اور اس کا ثواب پہنچانے کا ثبوت زمانہ خیر القرون سے ثابت ہے یا نہیں؟

۲- اگر زمانہ خیر القرون سے ثابت نہ ہو تو بدعت ہے یا نہیں؟

۳- جب سب ایک جگہ جمع ہو کر پڑھیں گے تو: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ کے خلاف ہوگا یا نہیں؟

ایصالِ ثواب کو اخبار میں شائع کرنا

سوال [۸۲۱]: ۴..... یہ سب ایک جگہ جمع ہو کر پڑھنا اور اس کا ثواب پہنچانا اور اس کو اخبار میں شائع کرنا یا ہوگا یا نہیں؟

۵..... قرآن شریف ختم کر کے اس کے ثواب پہنچانے کا شرعاً کیا قاعدہ ہے؟

۶..... ختم قرآن شریف کے لئے نیچر مدرسہ اور مہتمم مدرسہ سے اجازت لینے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲،۱- ایصالِ ثواب کا جو طریقہ مروج ہے یعنی میت کے انتقال سے تیسرے روز جمع ہو کر تلاوت قرآن

(۱) (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فی کراهیۃ الضیافۃ من اهل المیت: ۲/۲۴۰، سعید)

کی جاتی ہے اور چنوں پر تسبیح پڑھی جاتی ہے، خیر القرون سے اس کا ثبوت نہیں (۱) لہذا اس ہیئت کے ساتھ ایصال ثواب کرنا بدعت ہوگا۔ ”کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة“ (۲)۔

۳۔ ایک جگہ جمع ہو کر قرآن شریف پڑھنا ناجائز نہیں بلکہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ گنجائش اور اجازت بھی تحریر فرماتے ہیں:

”وفی الدر المنیفة عن القنیة: یکرہ للقوم أن یقرأوا القرآن جملةً لتضمنہا ترک الاستماع والإنصات. وقیل: لا بأس به“۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۱۸۸ (۳)۔

۴۔ اگر نیت یہ ہے کہ دوسروں کو ترغیب ہو اور وہ بھی ایصال ثواب میں شریک ہوں یا کوئی اور اچھی موافق شرع نیت ہے تب تو ریاء میں داخل نہیں (۴) اور اگر اپنی شہرت اور بڑائی مقصود ہے تو البتہ ریاء میں داخل ہے اور ریاء ناجائز ہے (۵)۔

۵۔ قرآن شریف پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانے کی نیت کر لینے سے ثواب پہنچ جاتا ہے، زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے (۶)۔

(۱) قال العلامة المناوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت حدیث: ”من أحدث فی أمرنا هذا... الخ“: ”أی أنشأ و اخترع وأتی بأمر حدیث من قبل نفسه...“ (ما لیس منه): ”أی رأياً لیس له فی الکتاب والسنة عاصد ظاہر أو خفی، ملفوظ أو مستنبط (فہو رد): ”أی مردود علی فاعله لبطلانه“۔ (فیض القدير شرح الجامع الصغير: ۱۱/۵۵۹۴، مکتبہ نزار مصطفى الباز ریاض)

(۲) (أخرجه ابن ماجه فی مقدمته، باب اجتناب البدع والجدل، ص: ۶، قدیمی)

(۳) (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصلوة، قبیل باب ما یفسد الصلوة، ص: ۳۱۸، قدیمی)

(۴) ”علقمة بن وقاص اللیثی یقول: سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی المنبر یقول:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: ”إنما الأعمال بالنیات“... الحدیث. (صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی الخ: ۲/۱، قدیمی)

(۵) ”قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من سمع سمع اللہ به، و من یرآ یرآ اللہ به“۔ (صحیح

البخاری، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة: ۲/۹۶۲، قدیمی)

(و ابن ماجه فی الزهد، باب الریاء والسمعة ص: ۳۱۰، قدیمی)

(۶) ”و یقرأ من القرآن ما تیسر له... ثم یقول: اللہم أوصل ثواب ما قرأناہ إلى فلان أو إلیہم“۔ =

۶۔ اگر مدرسہ کے وقت میں ملازمین مدرسہ کا کام نہ کریں بلکہ ختم قرآن میں مشغول رہیں تو مہتمم مدرسہ سے اجازت کی ضرورت ہے اور خارج وقت میں اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ مدرسین اجیر خاص ہیں (۱)۔ اگر طلبہ ختم قرآن شریف میں شریک ہونا چاہیں مدرسہ کے وقت میں تو جیسا کہ اپنی دوسری ضروریات کے لئے مدرسہ سے رخصت لیتے ہیں اسی طرح ایسے مواقع پر بھی رخصت لے کر شریک ہونا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم، ۱۷/۳/۵۲ھ۔
جوابات درست ہیں: عبد اللطیف، سعید احمد غفرلہ۔ صحیح بندہ عبد الرحمن غفرلہ۔

ایصال ثواب کرنے والوں کو کچھ ہدیہ دینا

سوال [۸۲۲]: کسی شخص نے ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھا پھر اس پڑھنے والے کو لکھ پیسہ دیدیا بلانگے تو یہ پیسہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟ بینو تو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خالصاً لوجه اللہ قرآن شریف پڑھا اور اس کا ثواب پہنچایا، پڑھنے والے کے ذہن میں اس کا خیال نہیں تھا کہ یہاں سے کچھ ملے گا، نہ پڑھانے والے کے ذہن میں یہ تصور تھا کہ اس پڑھنے والے کو کچھ دینا ہوگا، نہ اس کا رواج ہے کہ پڑھنے والے کو کچھ دیا جاتا ہو بلکہ بعد میں کچھ احسان پڑھنے والے کے ساتھ کر دیا، اگر یہ پیسہ نہ دیا جاتا تو پڑھنے والے کو کسی قسم کی گرائی نہ ہوتی تو یہ پیسہ لینا جائز ہے، ورنہ ناجائز ہے۔

کیونکہ بقاعدہ المعروف کالمشروط یہ استیجار کے حکم میں ہے اور استیجار علی تلاوة القرآن ناجائز ہے ایسی صورت میں پیسہ لینے والے اور دینے والے کو گناہ ہوگا پیسہ کی واپسی ضروری ہے۔

”والمذهب عندنا أن كل طاعة يختص بها المسلم فلا يستبحار عليها“ (مجمع

= (رد المحتار، باب صلوۃ الجنائز، مطلب فی زیارة القبور: ۲/۲۲۳، سعید)

(۱) ”والثانی: وهو الأجیر الخاص..... وهو من يعمل لواحد عملاً مؤقتاً بالتخصیص ویستحق الأجر بتسليم نفسه فی المدة الخ“ (الدر المختار، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجیر: ۶/۱۹،

سعید)

الألهر، شرح ملتقى الأبحر، ص: ۳۸۴/۲ (۱) ”ثم قراءة القرآن وإهدائها له تطوعاً بغير أجره يصل إليه، وأما لو أوصى بأن يعطى شيء من ماله لمن يقرأ القرآن على قبره، فالوصية باطلة؛ لأنه في معنى الأجرة - كذا في الاختيار“، شرح فقه أكبر، ص: ۱۶۰ (۲) والبسط في رد المحتار (۳) - فقط واللہ اعلم۔
حرره العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۸/۵۷ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/شعبان/۵۷ھ۔

مروجہ طریقہ پر ایصالِ ثواب

سوال [۸۲۳]: مروجہ فاتحہ جس کا طریقہ یہ ہے کہ کھانا یا مٹھائی رکھ کر کچھ سورتیں اور آیتیں پڑھ کر موتی کو ثواب پہنچاتے ہیں اور بعض طریق میں خاص تاریخیں اور مہینے اور جگہ، طعام وغیرہ بھی مخصوص ہے، مثلاً: امام جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ کا کونڈا رجب کی ۲۷/تاریخ کو کیا جاتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کورا کونڈا لے کر اس میں کچھ حلوا، کچوری اور دیگر مٹھائیاں بھر کر اور اتنی ہی جگہ لیپ کر جس میں کونڈا آ سکے، کونڈے کو اس میں رکھ کر چند احباب کو بلا کر اس کونڈے میں اسی جگہ بٹھا کر کھلانے کو ضروری سمجھتے ہیں، یا رجب ہی میں بیوی کو صحنک کرتے ہیں جس کو مرد نہیں کھا سکتے بلکہ سہاگن عورتوں کے سوا بیوہ یا نکاح ثانی شدہ عورت کو بھی کھانا منع بتایا جاتا ہے۔

دسواں، بیسواں، چالیسواں یا ششماہی یا برسی وغیرہ رسومات کو دین کی باتیں سمجھ کر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو ان افعال مذکورہ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا یا نہیں؟ تو آپ نے ایصالِ ثواب کا کیا طریقہ اختیار فرمایا اور شریعت میں اس طریقہ مذکورہ بہ حیثیت خاصہ کے ساتھ صاف لفظوں میں مکمل طریقے کے مذکور ہے تو دلائل سے ثابت کر کے مشکور فرمادیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایصال کا کیا طریقہ اختیار فرمایا؟ مدلل

(۱) (کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۸۴/۲، دار إحياء التراث بیروت)

(۲) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۳۱، أو آخر مطلب: الدعاء للميت ينفع خلافاً للمعتزلة، قدیمی)

(۳) ”تنبيه: قال في البحر: ”و لم أر حکم من أخذ شيئاً من الدنيا ليجعل شيئاً من عبادته للمعطي، و ينبغي أن لا يصح ذلك اهد: أي لأنه إن كان أخذه على عبادة سابقة يكون ذلك بيعاً لها، وذلك باطل قطعاً، وإن كان أخذه ليعمل، يكون إجارة على الطاعة، و هي باطلة أيضاً كما نص عليه في المتن والشروح الخ“ (رد المحتار، باب الحج عن الغير: ۵۹۵/۲، سعید)

مع حوالہ جات ارشاد فرمادیں اور افعال مذکورہ ائمہ اربعہ یا خاندان اربعہ کے کسی بزرگ سے منقول ہیں؟ حضرت عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے لے کر حضرت چراغ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ثابت فرما کر مشکور فرمادیں۔ فقط۔

نواب الدین، ہندوراؤ، پکی گلی دہلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفس ایصالِ ثواب بلا التزام تاریخ، دن، بیعت وغیرہ کے قرآن کریم، تسبیح، نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر، غرباء کو کھانا، کپڑا، نقد وغیرہ کچھ دے کر جب توفیق ہو شرعاً درست اور نافع ہے (۱) اور جو صورتیں سوال میں درج ہیں وہ بدعت اور ناجائز ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ نے کبھی ایسا نہیں کیا، بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنواں، باغ وقف کر کے ثواب پہونچایا ہے۔ بعض نے نماز پڑھ کر، بعض نے صدقہ دے کر، بعض نے حج کر کے۔ ایک دو حدیث نقل کرتا ہوں:

فی صحیح البخاری (۲): "عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن: سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ توفیت أمہ وهو غائب عنها فأتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! إن أمی توفیت و أنا غائب عنها فهل ينفعها إن تصدقت عنها؟ قال: "نعم" قال: فإنی أشهدك أن حائطی المخراف صدقة عنها"۔ وفي السنن: أسند أحمد عن سعد بن عبادۃ أنه قال: یا رسول اللہ! إن أم سعد ماتت فأئی الصدقة أفضل؟ قال: "الماء" فحفر بئراً، وقال: هذا امہ۔ کتاب الروح (۳)۔

(۱) (تقدم تخريجه من الهداية للمرغيناني و فتح القدير لابن الهمام والعناية للشيخ أكمل الدين محمد والبحر الرائق لابن نجيم وغيرهم رحمهم الله تعالى كلهم في باب الحج عن الغير، فراجع، تحت عنوان: "إيصال ثواب کے لئے مجلس")

(۲) (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب الإشهاد فی الوقف والصدقة والوصية: ۳۸۷/۱) (و الترمذی فی الزکوة، باب ما جاء فی الصدقة عن الميت: ۱۳۵/۱، سعید)

(۳) (رواه أبو داؤد فی الزکوة، باب فی فضل سقی الماء: ۲۴۳/۱، مکتبه امدادیہ ملتان)

(و النسائی فی الوصایا، باب فضل الصدقة عن الميت: ۱۳۲/۲، قدیمی)

”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من دخل المقابر، ثم قرأ فاتحة الكتاب وقل هو اللہ أحد وألہا کم التکاثر، ثم قال: اللہم إني قد جعلت ثواب ما قرأت من کلامک لأهل المقابر من المؤمنین والمؤمنات، كانوا شفعاء له إلى اللہ تعالیٰ“.

عن الشعبي قال: كانت الأنصار إذا مات لهم الميت اختلفوا إلى قبره يقرؤن له القرآن“۔ شرح الصدور (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳/ شعبان/ ۶۶ھ۔
الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، ۵/ شعبان/ ۶۶ھ۔

ایصال ثواب پر کھانا

سوال [۸۲۴]: مردہ کے لئے ثواب رسائی کرنا اور پھر اس جگہ کھانا یا روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جائز نہیں، شامی نے اس پر مفصل استدلال کیا ہے (۲) اور مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کسی دوسرے مقام پر جا کر ایصال ثواب کرنا اور کھانا

سوال [۸۲۵]: ایک جگہ بہت دور ختم قرآن میں ایک شخص گیا اور اگر وہاں نہ کھائے تو بھوکا آنا

= (و مشکوٰۃ المصابیح کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقة، ص: ۱۶۹، قدیمی)

(۱) (شرح الصدور لجلال الدین السيوطی، ص: ۱۳۵، مطابع الرشید بالمدينة المنورة)

(۲) من جملة مبحثه الحاوی علی ثلاث صفحات ما قال: ”قال تاج الشريعة فی شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا للقارى. وقال العيني فی شرح الهداية: ويمنع القارى للدنيا، والأخذ والمعطى آثمان“۔ (رد المحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الإستیجار علی التلاوة الخ: ۵۶/۶، ۵۷، سعید)

(۳) (شفاء العليل و بل الغلیل فی الوصية بالختمات التهايل، من مجموعة رسائل ابن عابدين، مطبوعه سهيل اكيڊمي لاہور)

پڑے گا کیونکہ دور ہے تو اس جگہ بعد ختم قرآن کھانا کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

وہاں نہ کھائے (۱) اور وہاں جانے کی ضرورت نہیں، ایصال ثواب اپنے مکان سے بھی کر سکتا ہے۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایصال ثواب کے لئے دن کی تعیین

سوال [۸۲۶]: مردہ کے لئے دن متعین کرنا کہ فلاں دن ثواب رسانی کی جائے گی یہ جائز ہے یا

نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

اس قسم کی تعیین کو علامہ شامی نے رد المحتار، کتاب الجنائز میں مکروہ لکھا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

ایصال ثواب کے کھانے کا مستحق کون ہے؟

سوال [۸۲۷]: زید کا کہنا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ و حضرت حاجی امداد اللہ

صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ و حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ رشیدیہ، اشرفیہ میں اس قسم کا فتویٰ دیا ہے

کہ اگر چہارم، تیجہ، چالیسواں نہ کرے بلکہ چالیس دن کے اندر ہی کسی دن کھانا وغیرہ پکا کر کھلانا جائز ہے اور اس

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان : ”ایصال ثواب پر کھانا“)

(۲) ”و فی البزازیة : و یکرہ اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، و جمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة

سورة الأنعام أو الإخلاص و أطال فی ذلک فی المعراج، و قال : و هذه الأفعال کلها للسمعة

والریاء، فیحترز عنها ؛ لأنهم لا یریدون بها وجه الله تعالى“۔ (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فی

کراهیة الضیافة من أهل المیت : ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعید)

(و کذا فی البزازیة علی هامش الهندیة، کتاب الصلوة، قبیل الفصل السادس و العشرون فی حکم

المسجد : ۸۱/۳، رشیدیہ)

کھانے کو غریب و امیر ہر کوئی کھا سکتا ہے اور ایسا کرنا اور کھانا دونوں جائز ہے۔ ہاں اگر امیر اس کھانے کو کھائے تو ثواب نہیں ملے گا، البتہ جو غریب کھانے میں شامل ہیں اس کا ثواب مل جائے گا، یہاں ایک عالم دین جو کہ مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ شدہ ہیں، ان کا کہنا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں تین سال گزارے ہیں اور وہ ہم خیال بھی ہیں، کہتے ہیں کہ وہ میت کو ثواب پہنچانے کی نیت سے اگر کوئی شخص چالیس دن کے اندر ہی کسی دن کھانا پکا کر کھلا دے تو جائز ہے اور اس کھانے کو امیر و غریب سب کھا سکتے ہیں، ہاں امیر کے کھانے کا ثواب نہیں ملے گا لیکن امیر کھا سکتا ہے، اس کو ہمارے علماء نے جائز کہا ہے اور یہی ٹھیک ہے۔ ہمارے علماء میں مولانا گنگوہی و مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ فتاویٰ امدادیہ وغیرہ میں موجود ہے، یہی حق ہے بلکہ میلاد وغیرہ بھی لوجہ اللہ کیا جائے تو یہ جائز ہے۔ شیرینی کی تقسیم وغیرہ سب جائز ہے۔ اب جب ایک عالم یہ کہے گا تو لوگوں کو بہکنے میں دیر نہ لگے گی جنہوں نے ان بدعات کو ترک کر دیا تھا وہ بھی اس طرف مائل ہو گئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

زید کا جو استدلال آپ نے نقل کیا ہے اس میں کسی ایک بھی حدیث کا حوالہ نہیں، وہ حدیث کہاں ہے جس سے زید نے ثبوت دیا ہے اس سے لکھو ایسے، پہلے بھی ہم نے یہی پوچھا اور حوالہ طلب کیا تھا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی و حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہما کی کتابیں بدعات کی تردید میں چھپی ہوئی ہیں وہ کسی بھی بدعت کو جائز نہیں فرماتے۔ امداد الفتاویٰ آٹھ جلدوں میں ہے، فتاویٰ رشیدیہ تین حصوں میں، برائین قاطعہ اسی قسم کے مسئلوں پر لکھی گئی ہے جس پر حضرت مولانا رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید و تقریط ہے، ایک ایک بدعت کی جڑ اکھاڑ کر پھینک دی گئی ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک میت کو ثواب پہنچانا شرعاً درست اور مفید ہے (۱) مگر اس میں کسی غیر ثابت چیز کا اختلاط نہیں ہونا چاہئے، انتقال میت کے وقت اور اس کے بعد جب بھی دل چاہے ثواب پہنچایا جاسکتا ہے، کسی دن یا کسی تاریخ کی اپنی طرف سے ایسی تعیین کرنا کہ اس کا التزام ہو غلط

(۱) (تقدم تخریجہ من باب الحج عن الغير من الهدایة، فتح القدیر و رد المحتار وغیرہا من کتب

الفقہ۔ فراجعہ۔ تحت عنوان: "ایصال ثواب کے لئے مجلس")

ہے اور میت کو کھانے کا ثواب پہونچانا ہو اس کے مستحق غرباء و مساکین ہیں، مالدار نہیں۔ جہاں تک ہو سکے اس میں اخفاء چاہئے (۱) نام نمود نہ ہو (۲) اس کو تقریب نہ بنایا جائے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رد المحتار شرح در مختار (۳) اور تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ (۴) میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ اور تبلیغ الحق (۵) المدخل (۶) میں بھی بحث مذکور ہے۔ مولانا احمد علی صاحب سہارن پوری رحمہ اللہ

(۱) فی صحیح البخاری: ”باب صدقة السر، وقال أبو هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”و رجل تصدق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه“۔ و قوله تعالى: ﴿إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنَعَّمَا هِيَ، وَإِنْ تُخْفَوْهَا وَ تُؤْتَوْهَا الْفُقَرَاءَ، فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ، وَ يَكْفِرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ، وَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾. (البقرة: ۲۷۱) (كتاب الزكاة: ۱/ ۱۹۱، قديمي)

و فی الصحیح لمسلم: ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”سبعة يُظْلَمُ الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله“..... الحديث..... وفيه: ”و رجل تصدق بصدقة، فأخفاها حتى لا تعلم يمينه ما تنفق شماله“۔ (كتاب الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة: ۱/ ۲۳۱، قديمي)

(۲) فی صحیح البخاری: ”باب الرياء في الصدقة، لقوله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ، وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ الآية. (البقرة: ۲۶۴) (كتاب الزكاة: ۱/ ۱۸۹، قديمي)

”قال النبي صلى الله عليه وسلم: من سمع سمع الله به، ومن يراء يراء الله به“۔ (صحیح البخاری، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۲/ ۹۶۲) (ابن ماجه، باب الرياء والسمعة، كتاب الزهد، ص: ۳۱۰، قديمي)

(۳) (تقدم تخريجه من رد المحتار، باب صلوة الجنائز: ۲/ ۲۴۰، و ۶/ ۲۶۵ سعيد، تحت عنوان: ”ايصال ثواب کے لئے دن کا تعین“)

(۴) (تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الإجارة: ۱/ ۱۳۹، مطبعة ميمنية، مصر)

(۵) (لم أطلع على هذا الكتاب)

(۶) ”و أما إصلاح أهل الميت طعاماً، و جمع الناس عليه، فلم ينقل فيه شيء، و هو بدعة غير مستحب، و ينبغي أن يكون التلبينة من أهم ذلك، لما ورد أنها تذهب الحزن“۔ (المدخل لابن امير حاج: ۲۸۸/۳، مصطفى البابي مصر)

تعالیٰ کا فتویٰ میلاد شریف کے متعلق مستقل چھپا ہوا ہے جس پر بہت سے اکابر کے دستخط ہیں۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ ”طریقہ مولد شریف“ (۱) میں پوری تفصیل ہے۔ غرض اکابر کا مسلک مدت سے شائع شدہ ہے، نہ کسی جائز چیز کو منع کرنے کا حق ہے نہ کسی بدعت کو جائز کہنے کا حق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔



(۱) ”دوسری صورت وہ محفل جس میں قیود غیر مشروعہ موجود ہوں، جو کہ اپنی ذات میں بھی فتنہ و معصیت ہیں، مثلاً: روایات موضوعہ خلاف واقعہ بیان کی جاویں، یا خرد و شرود و خوش الحان لڑکے اس میں غزل خوانی کریں، یا رشوت و سود کا حرام مال اس میں خرچ کیا جاوے، یا حد ضرورت سے زیادہ اس میں روشنی و فرش و آرائش مکان وغیرہ کا تکلف کیا جاوے، یا حاضرین کا لباس و وضع غیر مشروع ہو اور ان کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کیا جاوے، یا لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام بہت مبالغہ سے کیا جاوے کہ اس قدر اہتمام نماز و جماعت و وعظ کے لئے نہ ہوتا ہو، یا نثر و نظم میں حضرت حق تعالیٰ جل شانہ یا حضرات انبیاء علیہم السلام یا حضرات ملائکہ علیہم السلام کی توہین و گستاخی صراحۃً یا اشارۃً کی جاوے، یا اس مجمع میں جانے سے نماز یا جماعت فوت ہو جاوے یا وقت تنگ ہو جاوے یا اس کا قوی احتمال ہو، یا بانی مجلس کی نیت شہرت و تفاخر کی ہو، یا رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جانا جاوے، یا اور کوئی امر اسی قسم کا خلاف شرع اس میں پایا جاوے، یہ وہ صورت ہے جو اکثر عوام و جہلاء میں شائع ہے اور شرعاً بالکل ناجائز اور گناہ ہے۔“ (طریقہ مولد شریف حکیم الامت، ص: ۳۲)

مروجہ صلاۃ و سلام کا بیان

”صلی اللہ علیک یا رسول اللہ“ کا ثبوت

سوال [۸۲۸]: بعض علماء صلوٰۃ یعنی (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ، وسلم علیک یا حبیب اللہ، الخ) کو پڑھنا ناجائز و بدعت کہتے ہیں، بجائے اس کے درود ابراہیمی کے پڑھنے کو ثواب اور زیادہ فضیلت سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہ بتائیں کہ صلوٰۃ مذکورہ اور درود پڑھنا کیسا ہے؟ اگر صلوٰۃ کا کسی حدیث کی کتاب میں ذکر ہے تو مہربانی کر کے اس کتاب کا حوالہ دیا جائے تاکہ ہم بھی اس گمراہی سے دور رہیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درود ابراہیمی کا پڑھنا ہر جگہ سے درست اور موجب ثواب ہے (۱) اور ”الصلوٰۃ والسلام علیک یا

(۱) ”عن کعب بن عجرة قال رضي الله تعالى عنه : قلنا : يا رسول الله ! السلام عليك قد عرفناه، فكيف الصلوٰۃ عليك؟ قال: ”قولوا: ”اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على إبراهيم و على آل إبراهيم إنك حميد مجيد، و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على إبراهيم و على آل إبراهيم إنك حميد مجيد“۔ (سنن النسائي، كتاب السهو، باب كيف الصلوٰۃ على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۱۹۰، قديمی)

(و صحيح البخاری، كتاب الدعوات، باب الصلوٰۃ على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲/۹۴۰، قديمی کتب خانہ)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بعد التشهد: ۱/۱۷۵، قديمی کتب خانہ)

(وسنن أبي داود، كتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بعد التشهد: ۱/۱۴۷، مكتبة امداديه، ملتان)

(وسنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۶۴، قديمی)

(وسنن الترمذی، أبواب الوتر، باب ما جاء في صفة الصلوٰۃ على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۱۱۰، سعيد)

رسول اللہؐ کو مدینہ پاک حاضر ہو کر روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے (۱) دور سے اس طرح پڑھنے سے لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھ کر اس طرح پڑھا جا رہا ہے، دل کا حال کسی کو معلوم نہیں (۲)، اس لئے اس سے احتیاط چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ آتم واحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۹۰ھ۔

اذان کے بعد کچھ کلمات نصیحت

سوال [۸۲۹]: ہمارے یہاں کئی سال سے جمعہ کے روز مسجد میں اذان کے بعد صلوٰۃ پکارتی جاتی ہے، پھر سب لوگ سنت نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، بعد میں مؤذن عصا لے کر ”ان اللہ“ یا ”لقد جاءکم“ یا اردو میں کچھ نصیحت کر کے وہ عصا امام صاحب کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اگر ہے تو کسی معتبر کتاب حدیث سے معلوم کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث شریف میں، نہ خلفاء راشدین کے حالات میں، نہ دیگر صحابہ

(۱) ”روی أبو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فی مسندہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: ”من السنۃ أن تأتي قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من قبل القبلة، وتجعل ظہرک إلى القبلة، وتستقبل القبر بوجهک، ثم تقول: السلام علیک أيہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ..... و علی ما ذکرنا یكون الواقف مستقبلاً وجهہ علیہ الصلوٰۃ والسلام و بصرہ، فیکون أولی، ثم یقول فی موقفہ: السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا خیر خلق اللہ..... السلام علیک یا حبیب اللہ، السلام علیک یا سید ولد آدم الخ.“ (فتح القدیر علی الہدایۃ، کتاب الحج، مسائل منثورۃ، المقصد الثالث: ۱۸۰، ۱۸۱، مصطفیٰ البابی الحلبي، مصر)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، إِنَّهُ عَلِيمُ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (آل

کرام کی واقعات میں، نہ ائمہ مجتہدین کے فقہ میں، لہذا ایسی چیز اگرچہ صورتاً اچھی معلوم ہوتی ہو مگر درحقیقت وہ نہ خدا کا حکم ہے اور نہ رسول کا حکم ہے، نہ مسئلہ فقہ ہے، بلکہ وہ دین کے نام پر نئی چیز ہے جس کو دین سمجھا جا رہا ہے (۱) اس لئے اس کا ترک کرنا لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۰/۹۰ھ۔

اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا

سوال [۸۳۰]: ہمارے یہاں ہر اذان سے پہلے ”یا رسول اللہ“ کا درود شریف پڑھتے ہیں۔ یہ

حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا ثابت نہیں، خلاف سنت ہے، البتہ اذان کے بعد درود شریف پڑھ کر دعا مانگنا حدیث شریف سے ثابت ہے (۳)۔ ہر کام حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے

(۱) ”وہی (البدعة) اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة، بل بنوع شبهة“۔ (الدر المختار)

و فی رد المحتار: ”(قوله: وہی اعتقاد) و حینئذ فیساوی تعریف الشمنی لها بأنها ما

أحدث علی خلاف الحق الملتقى عن رسول الله ﷺ من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً اھ، فافہم“۔ (۱/۵۶۰، کتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب البدعة خمسة أقسام، کراچی)

”البدعة: ہی الأمر المحدث الذی لم یکن علیہ الصحابة والتابعون ولم یکن مما اقتضاه

الدلیل الشرعی“۔ (قواعد الفقہ، ص: ۲۰۴، الرسالة الرابعة، التعریفات الفقہیة، الصدف پبلشرز)

(۲) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من أحدث فی

أمرنا هذا ما لیس منه فہو رد“۔ (مشکوۃ المصابیح: ۱/۲۷، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل

الأول، قدیمی کتب خانہ)

(وفیض القدیر: ۱/۵۵۹۴، رقم الحدیث: ۸۳۳۳، نزار مصطفى الباز ریاض)

(۳) اور یہی سنت طریقہ ہے: ”عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه سمع النبی صلی اللہ =

مطابق کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۱۹/۴/۹۰ھ

ایضاً

سوال [۸۳۱]: اذان دینے کے وقت اذان سے پہلے درود شریف یا کوئی تسبیحات آواز سے کہہ کر اذان شروع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو درود شریف پڑھ کر اذان دینا بہتر ہے یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

درود شریف اور تسبیح بہت فضیلت اور ثواب کی چیز ہے، مگر اذان سے پہلے ثابت نہیں، لہذا اذان سے قبل اس کا اضافہ نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ختم تراویح کے بعد ”الصلوة والسلام یا آدم صلی اللہ“ پڑھنا

سوال [۸۳۲]: بعد ختم تراویح ”الصلوة والسلام یا آدم صلی اللہ“ سب مصلی بلند آواز سے کہتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریفہ حدیث وفقہ سے ثابت نہیں، غلط طریقہ ہے اس کو ترک کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۴ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= تعالیٰ علیہ وسلم يقول: ”إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا عليّ، فإنه من صلى عليّ صلوة، صلى الله عليه بها عشراً، ثم سلوا الله لي الوسيلة، فإنها منزلة في الجنة، لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل لي الوسيلة، حلت عليه الشفاعة“۔ (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن اهـ: ۱/۲۶۱، قديمي)

(۱) درود شریف اذان کے بعد مشروع و مسنون ہے، نہ کہ اذان سے قبل، راجع عنوان ”اذان سے پہلے درود شریف“
(۲) یعنی جو امور ان اصول سے ثابت نہ ہوں اور دین سمجھ کر کیا جائے، وہ بدعت ہیں، علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث: ”من =

تراویح کے بعد مخصوص انبیاء پر مخصوص درود پڑھنا

سوال [۸۳۳]: ہمارے یہاں یہ عادت چلی آ رہی ہے کہ بعد نماز تراویح چند لوگ جس میں بچے بڑے شامل ہیں صلوٰۃ گاہ یعنی اذان دینے کے ممبر پر یا مسجد کے صحن میں قبلہ رو ہو کر چند مخصوص انبیائے کرام پر بآواز بلند اپنی شہادت کی انگلیوں کو دونوں کانوں میں رکھ کر صلوٰۃ وسلام اس ترتیب سے یکے بعد دیگرے پڑھتے ہیں:

(۱) الصلوٰۃ والسلام علیک یا حضرت آدم صفی اللہ

(۲) // یا حضرت نوح نجی اللہ

(۳) // یا حضرت ابراہیم خلیل اللہ

(۴) // یا حضرت اسماعیل ذبیح اللہ

(۵) // یا حضرت موسیٰ کلیم اللہ

(۶) // یا حضرت داؤد خلیفۃ اللہ

(۷) // یا حضرت عیسیٰ روح اللہ

(۸) // یا حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کیا اس کی سند کسی معتبر کتب حنفیہ یا ائمہ اربعہ میں آتی ہے؟ یا کوئی فقہی جزئیہ مباح یا جائز یا موجب خیر ہونے پر دلالت کرتا ہے تو بحوالہ کتب مع عبارت درج فرمائیں۔

۲..... اس امر پر اصرار کرنے والوں نے اس کی سند میں کنز العمال: ۱۱۹/۶، کا حوالہ دیکر یہ تختہ لکھ کر مساجد میں آویزاں کیا ہے۔ ازراہ مہربانی اس مضمون کو ملاحظہ فرما کر لفظ بہ لفظ اس کی تحقیق سے آگاہ فرمائیں کہ کیا واقعی کنز العمال میں ایسی عبارت مندرج ہے؟ مضمون یہ ہے کہ ”ختم تراویح و وتر کے بعد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا موجب خیر ہے“ اور کنز العمال کی ۱۱۹/۶ میں ہے کہ ”انبیاء کرام کا ذکر عبادت ہے

= أحدث فی أمرنا هذا الخ“ کے تحت فرماتے ہیں:

”أی أنشأ واخترع وأتی بأمر حدیث من قبل نفسه..... (ما لیس منه): أی رأياً لیس له فی

الکتاب أو السنة عاصد ظاهر أو خفی، ملفوظ أو مستنبط (فہر رد): أی مردود علی فاعله لبطلانہ“.

(فیض القدیر: ۱۱/۵۵۹۴، رقم الحدیث: ۸۳۳۳، مکتبہ نزار ریاض)

بلکہ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام پر ان ناموں کی صراحت کے ساتھ سلام کیا گیا ہے۔ اگر اس طرح تراویح اور وتر کے بعد ان پر سلام پڑھا جائے تو منع کرنا درست نہیں ہے۔ انبیائے کرام کے نام اوپر درج کئے گئے ہیں، لہذا از روئے شرع شریف اس کے مباح ہونے پر دلیل یا غلط ہونے پر دلیل مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔ نیز کنز العمال کی ۱۱۹/۶، والی عبارت کی تحقیق فرمائیں کہ کیا ایسی عبارت کنز العمال میں موجود ہے؟ خدا تعالیٰ آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

انبیاء علیہم السلام پر خاص کر حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا موجب قربت اور ان کا حق ہے (۱)، اس کے فضائل احادیث میں بکثرت موجود ہیں (۲)۔ لیکن سوال میں جو طریقہ لکھا ہے یہ طریقہ نہ حدیث شریف سے ثابت ہے، نہ فقہ سے، نہ سلف صالحین سے، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اور نہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ سے منقول ہے۔

کنز العمال: ۱۱۹/۶ کی طرف اس کو منسوب کرنا غلط ہے اور بہتان ہے، وہاں بالکل یہ موجود نہیں، نہ

(۱) قال أحمد بن حجر الهيتمي بعد بحث طويل: "ولهذا كانت الصلوة مما يقصد بها قضاء حقه، و يتقرب بأدائها إلى الله تعالى". (الفتاوى الحديثية، ص: ۲۷، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة - رضي الله تعالى عنه - أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من صلى على واحدة، صلى الله عليه عشرًا". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۱۷۵، قديمي)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من صلى على صلوٰۃ واحدة، صلى الله عليه عشر صلوات، و حطت عنه عشر خطيئات، و رفعت له عشر درجات". (سنن النسائي، كتاب السهو، باب الفضل في الصلوة على النبي: ۱/۱۹۱، قديمي)

(وأنظر للتفصيل سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه

وسلم بعد التشهد: ۱/۱۴۷، امداديه)

(وابن ماجه، إقامة الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۶۵، قديمي)

(وسنن الترمذی، كتاب الوتر، باب ما جاء في الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۱۱۰، سعيد)

تراویح کا ذکر ہے، نہ صلوٰۃ گاہ یا صحن مسجد کا ذکر ہے، نہ کانوں میں انگلیاں دینے کا ذکر ہے، نہ جماعت بنا کر آواز بلند کرنے کا ذکر ہے، یہ سب جھوٹ ہے، غلط اور جھوٹ بات کسی کی طرف منسوب کرنا کبیرہ گناہ ہے (۱) اور حدیث شریف کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے (۲) اس لئے اس طریقہ کو بند کیا جائے اور ایسی بے سند باتوں کا ہرگز اعتبار نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند

بعد نماز جمعہ مروجہ صلوٰۃ و سلام

سوال [۸۳۴]: جامع مسجد خان پور میں دو چار ہفتہ سے بعد نماز جمعہ سلام شروع کر دیتے ہیں جس کی کوئی سند نہ قرآن و سنت سے ملتی ہے، نہ صحابہ اور تابعین سے، سلام وہی مروجہ طریقہ پر با ادب ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو کر با آواز بلند یہ لوگ ”یا شفیع الوری سلام علیک، یا نبی الہدی سلام علیک“ اسی طرح پڑھتے ہیں، یا مساجد میں اسی طرح سلام پڑھنا جبکہ لوگ سنتیں و نوافل ادا کر رہے ہوں شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيًّا، فَقَدْ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا﴾.

(النساء: ۱۱۲)

و قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا، فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا﴾. (الأحزاب: ۵۸)

(۲) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”تسموا باسمی ولا تکتبوا بکنیتی“..... و من کذب علی متعمداً، فلیتبرأ مقعده من النار.“ (صحیح البخاری، کتاب

العلم، باب إثم من کذب علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۲۱/۱، قدیمی)

(و مقدمة الصحيح لمسلم، باب تغليظ الكذب الخ: ۷/۱، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد أبواب العلم، باب التشديد فی الكذب الخ: ۱۵۸/۲، امدادیہ ملتان)

(و ابن ماجه فی مقدمته، باب التغليظ فی تعمد الكذب الخ، ص: ۴، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلحاً:

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور بڑی سعادت و خوش نصیبی ہے (۱) اور صلوٰۃ و سلام نہ پڑھنا بڑی محرومی اور بد نصیبی ہے (۲)۔ سلف صالحین نے ہمیشہ صلوٰۃ و سلام کو اپنے معمولات میں رکھا ہے اور رکھتے ہیں مگر اس کے لئے کوئی ایسی صورت از خود تجویز کرنا جس کا ثبوت شرعی دلائل سے نہ ہو اور اس سے دوسروں کی نماز میں خلل بھی ہوتا ہو (۳) اور پھر اس کو ضروری سمجھ کر اس پر اصرار کرنا تو بدعت اور ممنوع ہے (۴)۔

سوال میں جو صورت درج ہے اس کا دلائل شرعیہ سے ثبوت نہیں، اس کو ترک کیا جائے اور روزانہ صبح و شام اگر درود شریف تنہائی میں بیٹھ کر ہر شخص اخلاص کے ساتھ پڑھا کرے بڑی ہی خیر و برکت کی چیز ہے، کم از کم سو سو مرتبہ صبح و شام کا اہتمام کریں۔ زاد السعید (للتھانوی) (۵)، نشر الطیب (للتھانوی) (۶)، فضائل

(۱) (تقدم تخريجه من كتب الحديث تحت عنوان: "صلى الله عليك يا رسول الله، كاثبوت")

(۲) "و عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من نسي الصلوة على، خطى طريق الجنة". (ابن ماجه، كتاب إقامة الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ص: ۶۵، قديمي)

(۳) قال الله تعالى: ﴿و من أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾. الآية. (البقرة: ۱۱۴)
قال العلامة الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت هذه الآية: "و ظاهر الآية العموم في كل مانع، وفي كل مسجد، و خصوص السبب (أى سببه نزوله) لا يمنع..... (وسعى في خرابها) أى هدمها و تعطيلها..... و من أنجس حظاً و أنقض حقاً، (ممن منع) مواضع السجود لله تعالى: و هى القلوب التى يعرف فيها، فيسجد له بالفناء الذاتى..... (وسعى في خرابها) بتكديرها بالتعصبات و غلبة الهوى..... و دواعى الشيطان و الوهم الخ". (روح المعانى: ۱/ ۳۶۳، ۳۶۵، دار إحياء التراث العربى)

(۴) "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة". (السعاية شرح شرح الوقاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل فى القراءة: ۲/ ۲۶۵، سهيل اكيڊمى)

(۵) (لحكيم الأمة مولانا اشرف على التهانوى)

(۶) (لحكيم الأمة رحمه الله أيضاً)

درود شریف (۱)، القول البدیع (۲) وغیرہ میں درود شریف کے فضائل اور آداب تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۹۰ھ۔

فجر کی سنت سے قبل صلوٰۃ وسلام

سوال [۸۳۵]: فجر میں سنت سے پہلے یا فرض و سنت کے بیچ وقت میں ”یسا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک“ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ ان اوقات میں فضائل بیان کرنا کیسا ہے؟ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے فضائل، اسلام کے فضائل یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کے فضائل دیگر اوراد و وظائف، حمد و نعت وغیرہ۔

کسی نماز کے بعد حمد و صلوٰۃ حلقہ بنا کر پڑھنا

سوال [۸۳۶]: ۲..... فجر میں دعا کے بعد کھڑے ہو کر حلقہ بنا کر ”یسا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک“ پڑھنا کیسا ہے؟ یا دعا کے بعد فضائل بیان کرنا کیسا ہے؟ جبکہ فجر کا وقت ختم ہو گیا ہو۔
الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... دین کی باتیں، فضائل و مسائل بیان کرنا بھی درست ہے، اس کا خیال رہے کہ لوگوں کی سنتوں میں خلل نہ آئے، لیکن یہ وقت نہایت سکون کا ہے، درود شریف، تسبیح، استغفار، تلاوت میں آہستہ مشغول رہنا بہتر ہے (۳) درود شریف اس طرح پڑھنا چاہیے: ”اللہم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و

(۱) (لشیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۲) (للعلامة السخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِذْ كَرَّ رَبُّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرَّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ الآية. (الأعراف: ۲۰۵)

وقال عليه السلام: ”خير الذكر الخفي“. الحديث. (مسند الإمام أحمد: ۱/۱۷۲، رقم

الحديث: ۱۴۸۰، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(والبيهقي في شعب الإيمان، رقم: ۵۵۲)

أصحابه وبارك وسلم۔

۲..... درود شریف کا یہ طریقہ قرآن کریم، حدیث شریف، صحابہ کرام، محدثین عظام اور دیگر سلف صالحین سے ثابت نہیں (۱)۔ ہر شخص یا جس کو توفیق ہو اپنی اپنی جگہ پر نمبر ۱ میں لکھے ہوئے طریقے پر پڑھے تو بہت سعادت اور خیر و برکت کی چیز ہے (۲) یہ کھڑے ہو کر حلقہ بنا کر اس طرح پڑھنا اس میں نمائش زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کو اخلاص پسند و قبول ہے (۳) نمائش پسند و قبول نہیں (۴) نماز فجر کے بعد جب سب لوگ فارغ

= وقال العلامة الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت الآية المذكورة: "فيه تجريد الخطاب إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، وهو عام لكل ذكر، فإن الإخفاء أدخل في الإخلاص وأقرب من القبول..... والمراد بالجهر رفع الصوت المفرد وبما دونه نوع آخر من الجهر، قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: هو أن يسمع نفسه اهـ" (روح المعاني: ۱۵۴/۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

و فی الدر المختار: "هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء؟ قيل: "نعم". وفي رد المحتار: "و عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه كره رفع الصوت عند قراءة القرآن والجنابة..... فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء أو تأذى المسلمين أو النيام..... الخ". (كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۸/۲، سعيد)

(و کذا فی فیض القدير للمناوی: ۳۱۲۵/۲، رقم الحديث: ۴۰۰۹، مکتبه نزار مصطفى ریاض)
(۱) اور جو کام ان اصول سے ثابت نہ ہو اس کو دین سمجھ کر کرنا بدعت ہے کما مر تحت عنوان: "ختم تراویح کے بعد الصلوۃ والسلام یا آدم صلی اللہ علیہ وسلم" رقم الحاشیة: (۱)

(۲) (تقدم تخريجه من كتب الحديث. تحت عنوان: "صلى الله عليك يا رسول الله كما ثبت")

(۳) قال الله تعالى: ﴿وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ﴾ (البينة: ۵)

(۴) "قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من سمع سمع الله به، ومن يراء يراء الله به". (صحيح

البخاري، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۹۶۲/۲، قديمي)

(وابن ماجه، كتاب الزهد، باب الرياء والسمعة ص: ۳۱۰، قديمي)

(و الصحيح لمسلم، كتاب الزهد، باب تحريم الرياء: ۴۱۲/۲، قديمي)

ہو چکیں تو دینی ضروریات، فضائل و مسائل بیان کرنا اور تعلیم دینا بہت بہتر اور مفید ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا طریقہ

سوال [۸۳۷]: جو طریقہ درود و سلام کا ”درود اکبر، دعائے گنج العرش“ وغیرہ میں مذکور ہے جیسے

”الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ“ اس طریقہ خاص کا ثبوت قرآن مجید احادیث نبویہ علی صاحبہا ألف ألف تحیۃ والسلام، تعامل صحابہ سے ہے یا نہ؟ اور طریقہ درود و سلام جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کیا ہے؟ اور دیار ہند یا دیگر ممالک میں اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود میرا سلام سن رہے ہیں اور طریقہ مذکورہ استعمال کرے تو آیا وہ اس عقیدہ و خیال میں حق بجانب ہے یا ممنوع شرعی لازم آتا ہے اور مطابق عقیدہ اہل سنت والجماعت ”یا رسول اللہ، یا نبی اللہ والسلام علیک“ کا استعمال کہاں تک درست ہے؟ جواب اگر مع حوالہ مرحمت فرمائیں مزید باعث اطمینان ہو۔ بینواتو جروا۔

سائل: الا فقر محمد خلیل الرحمن عفا اللہ عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”عن عبد الرحمن ابن ابی لیلی قال: لقینی کعب بن عجرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فقال: ألا أهدی لك هدية سمعته من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ فقلت: بلی! فأهدهالی، فقال: سألنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقلنا: یا رسول اللہ! کیف الصلوٰۃ علیکم أهل البيت! فإن اللہ قد علّمنا کیف نسلم علیک، قال: ”قولوا: أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، أَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ“ متفق علیہ (۱)، إلا أن مسلماً لم يذكر: ”على“

(۱) (صحيح البخارى، كتاب الدعوات، باب الصلوٰۃ على النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۲/۹۲۰،

قديمی کتب خانہ)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ على النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد التشهد:

۱/۱۷۵، قديمی)

إبراهيم“ فی الموضوعین مشکوة شریف، ص: ۸۶ (۱)۔

”وعنه (أى عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه) قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إن لله ملائكة سياحين فى الأرض يبلغونى من أمتى السلام“. رواه النسائى (۲) والدارمى (۳) مشکوة شریف، ص: ۸۶ (۴)۔

”عن أبى هريرة رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من صلى على عند قبرى سمعته، ومن صلى على نائياً أبلغته“. رواه البيهقى فى شعب الإيمان“ (۵)، مشکوة شریف، ص: ۸۷ (۶)۔

روایات بالا سے چند امور ثابت ہوئے: اول یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درود شریف کی تعلیم دی ہے اور یہ تعلیم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سوال کے جواب میں ہے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس درود شریف

(۱) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوة، باب الصلوة على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۸۶، قديمى)

(۲) (أخرجه النسائى فى السهو، باب التسليم على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم، ۱/۸۹، قديمى)

(وَأحمد فى مسنده ۱/۴۴۱، (وابن حبان فى صحيحه: رقم الحديث: ۹۱۴)

(و الحاكم فى المستدرک: ۲/۴۲۱، وقال: صحيح، ولم يخرجاه، و وافقه الذهبى)

(۳) (سنن الدارمى: ۲/۴۰۹، كتاب الرقائق، باب فى فضل الصلاة على النبى ﷺ، قديمى)

(۴) (المشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوة، باب الصلوة على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم و فضلها،

ص: ۸۶، قديمى)

(۵) (شعب الإيمان للبيهقى: ۲/۱۵۸۳)

وقال العلامة المناوى رحمه الله تعالى: ”قال البيهقى: رواه فى شعب الإيمان وفى كتاب ”حياة الأنبياء“ من حديث محمد بن مروان عن الأعمش عن أبى هريرة رضى الله تعالى عنه، و ضعفه فى كتاب حياة الأنبياء باب مروان هذا، وأشار إلى أن له شواهد. وقال العقيلي: حديث لا أصل له، وقال ابن دحية: موضوع تفرد به محمد بن مروان السدى، قال: و كان كذاباً، أورده ابن الجوزى فى الموضوع، و فى الميزان: ابن مروان السدى تركوه، و اتهم بالكذب، ثم أورد له هذا الخبر“ (فيض القدير: ۱/۵۸۸۸، رقم الحديث: ۸۸۱۳، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

(۶) (المشکوۃ، کتاب الصلوة، باب الصلوة على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم و فضلها، ص: ۸۷، قديمى)

کے متعلق سوال کیا تھا جس کا ذکر تشہد میں ہے (کذا فی ہامش مشکوٰۃ المصابیح) (۱) اور جس کو صحابی کہتے ہیں: ”فإن الله قد علمنا“ اور اس کے جواب میں اس درود شریف کی تعلیم دی گئی ہے جس کو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس وجہ سے یہ افضل ہے۔ کما صرح بہ مولانا علی القاری (۲)۔

دوم: یہ کہ جو شخص حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے قریب سے درود شریف پڑھتا ہے تو آپ اس کو سنتے ہیں (۳) چوں کہ آپ کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے (۴)۔

سوم: یہ کہ جو شخص دور سے پڑھتا ہے تو وہ آپ کو بذریعہ ملائکہ سیاحین پہونچایا جاتا ہے (خود نہیں سنتے کما هو الظاهر من التقابل) (۵) پس دور سے ”الصلوة والسلام عليك يا رسول الله“ اگر اس نیت اور اعتقاد سے کہتا ہے کہ ملائکہ اس صلوٰۃ و سلام کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہونچاتے ہیں تو درست ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی کو خط لکھتا ہے اور اس میں صیغہ خطاب استعمال کرتے ہیں اور جانتا ہے کہ مکتوب الیہ کے

(۱) ”عن عبد الرحمن بن أبي ليلى فقلنا: يا رسول الله! كيف الصلوة عليكم أهل البيت؟ فإن الله قد علمنا كيف نسلم عليك، قال: ”قولوا: اللهم صل على محمد و علي آل محمد كما صليت على إبراهيم و علي آل إبراهيم إنك حميد مجيد الخ“ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ على النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص: ۸۶، قدیمی کراچی)

(۲) قال علی القاری: ”فأرادوا تعليم الصلوة أيضاً على لسانه بأن ثواب الوارد أفضل وأكمل“ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب الصلوٰۃ على النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۶/۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۳) (تقدم تخريجه من البيهقي ومشکوٰۃ المصابیح، تحت رقم الحاشية: ۵، ۶، ص: ۱۱۲)

(۴) ”فيه إشارة إلى حياته الدائمة، وفرحه ببلوغ سلام أمته الكاملة“ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ على النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفضلها: ۱۲/۳، رشیدیہ)

(۵) ”(يبلغوني) من التبليغ، وقيل: من الإبلاغ يوصلون (من أمتي السلام) إذا سلموا على قليلاً أو كثيراً، وهذا مخصوص بمن بعد عن حضرة مرقده المنور ومضجعه المطهر، وفيه إيماء إلى قبول السلام حيث قبلته الملائكة و حملته إليه عليه السلام“ (مرقاۃ المفاتیح: ۱۲/۳، رشیدیہ)

پاس میرا خط بذریعہ ڈاک پہنچے گا تو درست ہے۔ اور اگر اس نیت اور اعتقاد سے کہتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بلا تو وسط اس کو سنتے ہیں اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو یہ اعتقاد احادیث اور شریعت کے خلاف ہے، ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاضر و ناظر نہیں، اس اعتقاد سے تو بہ فرض ہے کیوں کہ یہ عقیدہ شرک ہے (۱)۔ عوام چونکہ اس فرق کو نہیں سمجھتے اس لئے ان کو ایسے مواقع پر صیغہ خطاب استعمال کرنے سے روکنا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، یکم/رجب/۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۶/رجب/۵۶ھ۔

(۱) کیونکہ قرآن کریم نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس عقیدے کی نفی کی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ بیان کیا ہے لہذا یہ عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ہونے کی بنا پر باطل ہے۔

قال الله تعالى: ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ (آل عمران: ۴۴)
وقال تعالى: ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ، وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ (القصص: ۴۴)
قال العلامة الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾: أي من جملة الحاضرين للوحي إليه أو الشاهدين على الوحي إليه عليه السلام فإنه قد نفى الحضور أولاً في قوله تعالى: ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ﴾ و كذا إرادة المعنى الثاني بلزوم نحو ذلك لما أن نفى الحضور يستدعي نفى كونه من الشاهدين بذلك المعنى ما كنت حاضراً بجانب الغربي إذ قضينا إلى موسى أمر نبوته حتى يكون لك علم بما وقع لموسى عليه السلام، فتخبر بها الناس، المراد ما كنت من الشاهدين ذلك الزمان، فيكون نفياً لحضوره و مشاهدته ذلك الزمان أعم من أن يكون بجانب الغربي أو غيره“ (روح المعاني: ۸۵/۲۰، ۸۶، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

وقال تعالى: ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَاهُ﴾ (الآية)، (القصص: ۴۶)

”إن المراد و ما كنت حاضراً مع موسى عليه السلام بجانب الطور لتقف على أحواله، فتخبر

به الناس“ (روح المعاني: ۹۰/۲۰، دار إحياء التراث العربي)

بعد نماز فجر وعصر درود شریف جہراً پڑھنا

سوال [۸۳۸]: کشمیر میں نماز فجر اور عصر کے بعد درود شریف پڑھتے ہیں، وہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو درود شریف نماز میں پڑھا جاتا ہے اس کو پڑھنا فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء ہر نماز کے بعد بلکہ ہر وقت رات دن میں درست ہے (۱) لیکن جب لوگ نماز میں مشغول ہوں تو آہستہ پڑھیں، جس سے کسی کی نماز میں خلل نہ آئے (۲) ورنہ ہلکی آواز سے بھی پڑھ سکتے ہیں (۳) اور کسی کو مجبور نہ کریں، ترغیب دینے میں مضائقہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

درود شریف وعظ میں زور سے پڑھنا

سوال [۸۳۹]: وعظ و نصیحت کی مجلس میں درود شریف با آواز بلند پڑھنا، نیز آخر میں قیام کرنا

درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درود شریف پڑھنا باعث برکت اور موجب ثواب ہے (۴) لیکن چلا کر پڑھنا اور شور مچانا منع ہے

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان "صلوة وسلام پڑھنے کا طریقہ")

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان "فجر کی سنت سے قبل صلوٰۃ وسلام")

(۳) حدیث شریف میں ہے "خير الدعاء الخفي" (مسند الإمام أحمد: ۱/۱۷۲)

(والبيهقي في الشعب: رقم الحديث: ۵۵۲)

"والمراد بالجهر رفع الصوت المفرط، و بمادونه نوع آخر من الجهر، قال ابن عباس رضي

الله تعالى عنهما: هو أن يسمع نفسه، وقال الإمام: المراد أن يقع الذكر متوسطاً بين الجهر

والمخافة" (روح المعاني: ۹/۱۵۴، دار إحياء التراث العربي بيروت).

(۴) (تقدم تخريجه من كتب الحديث تحت عنوان: "صلى الله عليك يا رسول الله كاثبوت")

کیونکہ یہ دعاء ہے (۱) اور دعاء میں اصل اخفاء ہے (۲) درمختار میں ہے:

”لحديث: من ذكرت عنده“ فليحفظ، وإزعاج الأعضاء برفع الصوت جهل اهل۔ قال في الهندية: رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مكروه، وما يفعله الذين يدعون الواحد المسحبة لأصل له، ويمنع الصوفية من رفع الصوت وتحريق الثياب، كذا في السراجيه اھ۔“ (رد المحتار: ۱/ ۵۴۱) (۳)۔ قیام ایسے وقت بدعت ہے، لأصل له (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

صحیح: عبداللطیف، جواب صحیح ہے: سعید احمد غفر لہ ۱۲ شوال ۵۶ھ

وعظ میں بلند آواز سے سامعین کا درود شریف پڑھنا

سوال [۱۸۲۰]: بعض واعظین کی عادت ہے کہ وعظ کے درمیان سامعین سے درود شریف

پڑھواتے ہیں جہراً۔ آیا اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں، اگر موجود نہیں تو کیا بدعت ہے؟ اگر بدعت ہے تو کونسی، آیا بدعت حسنہ ہے یا سیئہ؟ نیز بعض واعظین کی عادت ہے کہ کہ خطبہ اور آیت کریمہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتے ہیں، پھر وعظ شروع کرتے ہیں، نیز وعظ ختم کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کی کوئی اصل موجود ہے؟ نیز اذان کے بعد بھی ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتے ہیں اس کی بھی کوئی اصل موجود ہے؟ بینوا تو جروا۔

عبدالغفور مظاہری صوبہ آسام سلہٹ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وعظ میں سامعین کا بلند آواز سے درود شریف وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے، اگر پڑھیں تو آہستہ پڑھیں:

(۱) ”قال صدر الشريعة: يجوز أن يكون المعنى واحداً حقيقياً، وهو الدعاء“۔ (روح المعاني تحت

قوله تعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ﴾۔ الآية: (۲۲/۷۶، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿أدعوا ربكم تضرعاً وخفية﴾، إنه لا يحب المعتدين ﴿﴾۔ (الأعراف: ۵۵)

(۳) (رد المحتار على الدر المختار، باب صفة الصلوة، آداب الصلوة: ۱/ ۵۱۹۔ ایچ ایم سعید)

(۴) ”ونظير ذلك فعل كثير عند ذكر مولوده صلى الله تعالى عليه وسلم ووضع أمه له من القيام، وهو أيضاً

بدعة، لم يرد فيه شيء“۔ (الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيتمي رحمه الله تعالى، ص: ۱۱۲، قديمی)

”رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مکروه اه“۔ شامی: ۱/۵۴۱ (۱)۔

دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ہاتھ اٹھا کر ہو یا بغیر ہاتھ اٹھائے ہو، وعظ کے شروع کرنے سے پہلے ہو یا ختم کر کے ہو، اذان کے بعد خصوصیت سے رفع یدین یا ترک رفع کی تصریح نہیں، دونوں طرح درست ہے، کسی ایک شے پر اصرار نہیں چاہیے: ”لأن الإصرار يبلغ المندوب إلى حد الكراهة“۔ کما فی السعاية (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/جمادی الثانیہ/۶۲ھ۔

مجلس وعظ میں درود شریف جہراً پڑھنا

سوال [۸۴۱]: مجلس وعظ میں بعد الجمعہ و تراویح میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنا و پڑھوانا، نیز

نہ پڑھنے پر حقارت کی نگاہ سے دیکھنا عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروه ہے اور مسلمان کو اس پر حقارت کی نگاہ سے دیکھنا حرام ہے۔ کذا فی رد المحتار (۳)۔ فقط

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ذی الحجہ/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۱۸/ذی الحجہ/۵۸ھ۔

(۱) (رد المحتار، باب صفة الصلوة، آداب الصلوة، مطلب: نص العلماء علی استحباب الصلوة

الخ: ۱/۵۱۹، سعید)

(۲) (السعاية، باب صفة الصلوة، قبیل فصل فی القراءة، ذکر البدعات: ۲/۲۶۵، سہیل اکیڈمی

لاہور)

(۳) ”رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مکروه“۔ (رد المحتار، باب صفة الصلوة، مطلب:

نص العلماء، علی استحباب الصلوة الخ: ۱/۵۱۹، سعید)

اجتماعی درود جہراً پڑھنا

سوال [۸۲۲]: ایک مسئلہ یہ ہے کہ وعظ کی مجلس میں کچھ کچھ وقفہ کے بعد سب اہل مجلس کا شور مچا کر درود شریف پڑھنا، نیز بعد نماز عشاء اور دیگر نماز کے بعد تمام مصلی شور مچا کر درود شریف پڑھتے ہیں، آیا بموافقت شریعت غرہ جائز ہے یا نہیں؟ مدلل مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درود شریف دعاء ہے اور دعاء میں مطلوب اخفاء آحب وافضل ہے (۱)، صورت مذکورہ سے شور مچا کر درود شریف پڑھنا شرعاً ثابت نہیں بلکہ بے اصل و بدعت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ رجب/ ۱۳۵۶ھ۔

آواز سے صلوٰۃ و سلام

سوال [۸۲۳]: آج کل اکثر مسجدوں میں پیغمبروں کے نام پکار پکار کر سلام پڑھتے ہیں، بعض حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے سلام پکار پکار کر پڑھتے ہیں۔ یہ رواج کیسا ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح صلوٰۃ و سلام پڑھنا ثابت نہیں (۳)، دور سے تو اس طرح پڑھا جائے جس طرح نماز میں درود شریف پڑھا جاتا ہے اور روضہ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر ہلکی درمیانی آواز سے انتہائی ادب و محبت کے ساتھ صیغہ مخاطب سے پڑھا جائے، بلند آواز سے چلا کر وہاں بھی نہ پڑھا جائے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۹/ ۱۳۹۰ھ۔

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "فجر کی سنت سے قبل صلوٰۃ و سلام")

(۲) (تقدم تخريجه من فيض القدير تحت عنوان: "ختم تراویح کے بعد الصلوٰۃ والسلام یا آدم صغی اللہ پڑھنا")

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "ختم تراویح کے بعد الصلوٰۃ والسلام یا آدم صغی اللہ پڑھنا")

(۴) قال ابن الهمام: "و ما يفعله بعض الناس من النزول بالقرب من المدينة والمشى على أقدامه إلى أن =

ہر نماز کے بعد درود شریف پڑھنا

سوال [۸۴۴]: نماز ختم کر کے درود پاک پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں درود شریف کا تحفہ بھیجنا بہت بڑے ثواب کی چیز ہے (۱)، ہر مؤمن کو چاہیئے کہ درود شریف زیادہ سے زیادہ پڑھا کرے مگر اخلاص کے ساتھ آہستہ پڑھے (۲)، بلند آواز سے اس طرح پڑھنا کہ مسجد میں نمازیوں کو تشویش ہو اور نماز پوری کرنی مشکل ہو جائے یہ ٹھیک نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۸ھ۔

نماز کے بعد سلام پڑھنا

سوال [۸۴۵]: مسجد میں بعض لوگ نماز فجر کے بعد سلام پڑھتے ہیں اور تبلیغ کو برا بھلا کہتے ہیں اور ہم کو وہابی کہتے ہیں۔ تو بعد نماز فجر سلام پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

= یدخلها حسن، وکل ما کان أدخل فی الأدب والإجلال کان حسناً..... وروی أبو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فی مسندہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: "من السنة أن تأتي قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من قبل القبلة، وتجعل ظہرک إلى القبلة، وتستقبل القبر بوجهک، ثم تقول، السلام علیک أيہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ". (فتح القدير، کتاب الحج، مسائل منشورة، المقصد الثالث: ۱۸۰/۳، مصطفى البالی الحلبي، مصر)

(۱) (أنظر صحيح البخاري، كتاب الدعوات، والصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، و سنن أبي داود كتاب الصلوة، والترمذي أبواب الوتر والنسائي كتاب السهو، وابن ماجة كتاب إقامة الصلوة كلهم في باب الصلوة على النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وقد تقدم تخريجه تحت عنوان: "صلی اللہ علیک یا رسول اللہ")

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا أَمُرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ﴾. (البينة: ۵)

(۳) (تقدم تخريجه من روح المعاني، ورد المحتار و فيض القدير تحت عنوان "فجر کی سنت سے قبل صلوٰۃ وسلام")

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدینہ منورہ میں روضہ اقدس کے پاس حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام اس طرح پڑھا جائے: ”الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ“ (۱)، دور سے اس طرح پڑھا جائے: ”اللہم صلی سیدنا و مولانا محمد الخ“ حدیث شریف میں ہے کہ: ”جو شخص دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے وہ ملائکہ کے ذریعہ خدمت اقدس میں پہنچایا جاتا ہے (۲) اور جو شخص روزہ اقدس کے قریب حاضر ہو کر پڑھتا ہے اس کو خود سنتے ہیں“ (۳)۔ اور صلوٰۃ وسلام دور سے آہستہ پڑھا جائے جیسے نماز میں پڑھا جاتا ہے، نہ کھڑے ہونے کی ضرورت ہے، نہ آواز ملانے، نہ زور سے پڑھنے کی یہ تو ایک جلوس اور شو ہے اس سے بچنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۸۷ھ۔

ہاتھ باندھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا

سوال [۸۴۶]: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو زید قطعاً حرام کہتا ہے، زید کے لئے کیا حکم ہے؟ اور صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض حضرات اکابر نے اس موقع پر نماز کی طرح ہاتھ باندھنے کو منع فرمایا ہے مگر دوسرے بعض اکابر نے اس کو آداب میں شمار کیا ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: ”و در وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و وقوف در آن جناب با عظمت دست راست بر دست چپ نهند، چنانچہ در حالت نماز کند، کرمانی کہ از علمائے حنفیہ است تصریح باین معنی کرده است“۔ جذب القلوب، ص: ۲۱۷ (۴)۔ لہذا اس میں تشدد نہیں چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا“)

(۲، ۳) تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا طریقہ“

(۴) (جذب القلوب الی دیار المحبوب، ص: ۲۱۷، باب شانزدهم در آداب زیارت الخ، فصل، فیض نافی)

ہر جمعرات کو محفل درود اور شیرینی

سوال [۸۴۷]: ہر جمعرات کو پابندی سے بعد نماز عشاء محفل درود شریف اعلان کر کے منعقد کرنا اور بغیر کسی جبر کے دو ایک حضرات بخوشی اپنی طرف سے شیرینی تقسیم کر دیں تو اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے اور یہ سب کیسا ہے؟ اگر مناسب ہو تو کوئی اور بہتر طریقہ عمل درود شریف کا تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دن کی پابندی ہر جمعرات، وقت کی پابندی بعد نماز عشاء، تداعی (اعلان) کے ساتھ، محفل منعقد کرنا سلف صالحین: صحابہ، تابعین، محدثین، فقہاء سے منقول نہیں ہے (۱)۔ اپنی خوشی سے کوئی صاحب اگر شیرینی تقسیم کر دیں گے تو اس سے جبر یہ شیرینی کی قباحت تو ختم ہو جائے گی مگر دوسرے قبائح پھر بھی موجود ہیں۔

درود شریف کے فضائل احادیث سے خوب ثابت ہیں، جمعہ اور شب جمعہ میں کثرت سے درود شریف پڑھنے کی ترغیب بھی ثابت ہے (۲)، مگر اس کے لئے یہ محفلیں منعقد کرنا ثابت نہیں، جو شخص تنہا مسجد میں یا مکان میں جس قدر توفیق ہو درود شریف دل لگا کر اخلاص کے ساتھ یکسوئی کے ساتھ پڑھا کرے، یہ عین سعادت ہے (۳)۔ شیرینی جب دل چاہے جس قدر چاہے بازار سے خرید کر کھالیا کرے، غرباء اور دوستوں کو بھی جس قدر چاہے کھلایا کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۹۱ھ۔

(۱) اور اس طرح کے غیر منقول کام دین سمجھ کر کرنا بدعت ہے، کما تقدم تخريجه تحت عنوان: "اذان کے بعد کچھ کلمات نصیحت"۔

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان "صلی اللہ علیک یا رسول اللہ")۔

(۳) "عن ابن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم

على صلوة" رواه الترمذی. (مشکوۃ المصابیح، باب الصلوة على النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و

فضلها، ص: ۸۶، قدیمی)

درود تاج

سوال [۸۲۸]: درود تاج کا پڑھنا کیسا ہے، کیونکہ اس میں ”دافع البلاء والوباء والقحط و المرض“ وغیرہ کے الفاظ ہیں، اس درود کی فضیلت بہت زیادہ لکھی ہے، اس درود کی ترتیب کب اور کس نے کی اور چیچک وغیرہ میں عام طور سے گیارہ دفعہ پڑھ کر دم کرتے ہیں، حالانکہ کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم میں اس درود کو پڑھنا شرک و بدعت قرار دیا ہے، کہاں تک درست ہے؟ عوام کو دفع مرض و وظیفہ کے طور پر پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ اس کو پڑھنے سے گناہ ہوتا ہے یا ثواب ملتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابتداءً معلوم نہیں کس نے ایجاد کیا ہے، جو فضائل عوام جہال بیان کرتے ہیں وہ محض غلط اور لغو ہیں، احادیث میں جو درود وارد ہیں وہ یقیناً درود تاج سے افضل ہیں (۱)، نیز اس میں بعض الفاظ شرکیہ ہیں اس لئے اس کو ترک کرنا چاہیے۔ فتاویٰ رشیدیہ میں اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، صحیح ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک مخصوص من گھڑت درود

سوال [۸۲۹]: ہمارے علاقے میں ایک درود پڑھتے ہیں ”صل علی نبینا، صل علی محمد، وم

(۱) قال علی القاری بعد بحث: ”فأرادوا تعليم الصلوة أيضاً علی لسانه بأن ثواب الوارد أفضل وأكمل“۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوة، باب الصلوة علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفضلہا: ۶/۳، رشیدیہ)

(۲) ”آنچه فضائل درود تاج کہ بعض جہلہ بیان کنند، غلط است، و قدر آن بجز بیان شارع علیہ السلام معلوم شدن محال، و تالیف این بعد مرور صدہا سال واقع شد، پس چگونہ در این صیغہ را موجب ثواب قرار دادہ شود، و آنچه در احادیث صحاح صیغہائے درود وارد شدہ، آنرا ترک کردن و این را موعود بشواب جزیل پنداشتن و ورد ساختن بدعت ضلالت ہست، و چون آن کہ در آن کلمات شرکیہ مذکور اند اندیشہ خرابی عقیدہ عوام است، لہذا ورد آن ممنوع ہست، پس تعلیم درود تاج همانا سم قاتل عوام سپردن است کہ صدہا مردم بفساد عقیدہ شرکیہ مبتلا شوند، و موجب ہلاکت ایشان گرد، فقط واللہ تعالیٰ اعلم“۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب البدعات، ص: ۴۵۷)

بدم پڑھو درود، حضرت بھی ہیں یہاں موجود پڑھو صل علی محمد الخ“ یہ درود کسی حدیث سے ثابت ہے یا من گھڑت ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح کسی حدیث سے ثابت نہیں، یہ عقیدہ کہ حضرت بھی یہاں موجود ہیں صحیح نہیں، اس سے توبہ لازم ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

درود لکھی وغیرہ کی تعریف

سوال [۸۵۰]: ”نورنامہ، عہدنامہ، دعائے گنج العرش، درود تاج، درود لکھی“ کی اصلیت کیا ہے؟
ان کی تعریفات درست ہیں یا مبالغہ؟ دوسرے ان کا ثبوت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے یا لوگوں نے خود تالیف کیا ہے؟ ان کے پڑھنے کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کی کوئی سند صحیح ثابت نہیں، جو تعریفیں لکھی ہیں بے اصل ہیں، بجائے ان کے قرآن پاک کی تلاوت کی جائے، درود شریف، کلمہ شریف، استغفار پڑھا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

ایک درود شریف

سوال [۸۵۱]: ”اللہم صل علی سیدنا محمد ما دامت الصلوۃ، و صل علی سیدنا محمد ما دامت الرحمة، و صل علی سیدنا محمد ما دامت البرکات، و صل علی روح محمد فی الأرواح، و صل علی صورة محمد فی الصور، و صل علی اسم محمد فی الأسماء، و صل علی نفس محمد فی الریاض، و صل علی جسد محمد فی الأجساد، و صل علی تربة محمد فی القلوب، و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و أصحابہ و أزواجه و ذریاتہ و أهل بیتہ و أحبائہ أجمعین، برحمتک یا أرحم الرحمین“۔

یہ ایک عہدنامہ میں لکھا ہے اس کی بہت فضیلت لکھی ہے، یہ درود شریف درست ہے یا نہیں، اس کو

(۱) کیونکہ یہ قرآن کریم کے صریح نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے شریک اور باطل عقیدہ ہے۔ کما تقدم تحت عنوان ”صلوة وسلام پڑھنے کا طریقہ“

پڑھنا کیسا ہے؟ جواب سے واضح طور پر مطلع فرمائیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فی نفسہ اس درود شریف کا پڑھنا بھی درست ہے، اس کے اکثر کلمات ”الحزب الأعظم“ (۱) میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر کئے ہیں، مگر جو فضائل کثیرہ عہد نامہ میں درج ہیں وہ قابل وثوق نہیں، افضل درود شریف وہ ہے جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تلقین فرمایا ہے، جیسے کہ نماز میں پڑھا جاتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۸۸ھ۔

ایک خاص درود شریف کے فضائل

سوال [۸۵۲]: میں نے ایک کتاب میں ایک درود شریف کے بارے میں دیکھا ہے کہ جس کے چالیس فائدے بتلائے گئے ہیں: پانچ ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور پانچ ہزار گناہ معاف ہونگے اور اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ یہ منافق نہیں ہے اور قیامت کے روز وہ شہداء کے ساتھ اٹھے گا، مال میں ترقی اور اولاد میں برکت ہوگی، روز قیامت حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ”فداه أبی وأمی“ اس سے مصافحہ فرمائیں گے۔ ”اللہم اجعلنا منهم“ درود شریف یہ ہے: ”صلی اللہ علی النبی الأمی و آلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوةً وسلاماً علیک یا رسول اللہ“۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ یہ درود شریف حدیث کی کون سی کتاب سے ثابت ہے؟ اور یہ صحیح ہے یا نہیں؟

(۱) ”و صلی اللہ علی سیدنا محمد وسلم، اللہم صل علی جسدہ فی الأجساد، و علی روحہ فی الأرواح، و علی موقفہ فی المواقف، و علی مشہدہ فی المشاهد، و علی ذکرہ إذا ذکر صلوةً منا علی

نبینا الخ“۔ (الحزب الأعظم للقاری ص: ۱۸۰، نور محمد کراچی)

اور بھی اسی قسم کے کئی درود موجود ہیں، تفصیل کے لئے مراجعت کریں۔

(۲) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”صلی اللہ علیک یا رسول اللہ“)

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے لکھے ہوئے الفاظ درود شریف مجموعی یکجائی اس ترتیب سے میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھے، جو الفاظ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں ان کو علماء نے اپنی تصانیف میں جمع کر دیا ہے اور اس مقصد کے لئے مستقل کتابیں لکھی ہیں، علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”القول البدیع“ (۱) اور حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”زاد السعید“ اور حضرت مولانا زکریا صاحب مدظلہ العالی کی ”فضائل درود شریف“ میں تفصیل سے الفاظ درود شریف کو جمع کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غنی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۹۰ھ۔

روضہ اقدس ﷺ کے فوٹو پر درود و سلام پڑھنا

سوال [۸۵۳]: میں نے عقیدت کی بنا پر حضرت رسول مقبول محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ اقدس کے فوٹو کو فریم کر کے رکھ لیا ہے، جب کبھی اس پر نگاہ پڑتی ہے تو بے اختیار درود شریف پڑھنے کو طبیعت چاہتی ہے، لیکن یہ سوچ کر خاموش ہو جاتا ہوں کہ معلوم نہیں یہ میرا فعل شرعاً کیسا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روضہ اقدس کے نقشہ کو احترام کے ساتھ رکھنا اور اس کی زیارت کرنے میں مضائقہ نہیں اور درود شریف تو بہت بڑی دولت و سعادت ہے، جس قدر بھی پڑھا جائے نور ہی نور ہے، لیکن اس نقشہ کو سامنے رکھ کر ایسا نہ کیا جائے، اندیشہ ہے کہ اس نقشہ میں اصل قبر مبارک ذہن میں نہ بیٹھ جائے، اگر آپ اس سے محفوظ بھی رہے تو جن کو یہ علم ہوگا کہ آپ اس نقشہ کو دیکھ کر درود و سلام پڑھا کرتے ہیں ان کے بتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، بت

(۱) (القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبيب الشفیع للعلامة السخاوی، مشتمل علی مقدمة، و خمس أبواب، کل باب یشتمل علی فصول و فی أولہ تعریف الصلوۃ لغۃ و اصطلاحاً مع بحوث طویلة، و فی آخرہ خاتمة، من مطبع المکتبة العلمیة بالمدينة المنورة)

پرستی کی ابتداء اسی طرح ہوئی تھی۔ آپ اس طرح درود شریف پڑھیں کہ یہ تصور قائم ہو کہ ملائکہ ہمارے اس درود شریف کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں پیش کر دیتے ہیں، یہ حدیث شریف سے ثابت ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۰/۸۹ھ۔

نماز کے بعد نقشہ مسجد نبوی کی طرف رخ کر کے درود شریف پڑھنا

سوال [۸۵۴]: ہر نماز کے بعد کعبہ کے آویزاں نقشے کی جانب رخ کر کے ہاتھ باندھ کر درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث شریف میں ہے، نہ صحابہ کرام نے اختیار کیا، نہ محدثین نے، نہ فقہائے مجتہدین نے (۲)۔ نماز میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ افضل ہے، نماز سے پہلے یا بعد میں جب دل چاہے جس قدر بھی توفیق ہو بڑے ادب واحترام سے بیٹھ کر درود شریف پڑھنا بہت بڑی سعادت اور برکت کی چیز ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہت بڑا حق ہے، حدیث پاک میں بڑی فضیلت آئی ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۴/۱۴۰۱ھ۔

(۱) (تقدم تخريجہ تحت عنوان "صلاة وسلام پڑھنے کا طریقہ")

(۲) "(البدعة) ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قوياً وصراطاً مستقيماً" (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/ ۵۶۰، سعيد)

(۳) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من صلى على صلوة واحدة، صلى الله عليه عشر صلوات، وحطت عنه عشر خطيئات، ورفعت له عشر درجات". رواه النسائي" (مشکوٰۃ المصابيح، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم و

فضلها، ص: ۸۶، قديمی)

درود و ذکر کے لئے دن، عدد متعین کرنا

سوال [۸۵۵]: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک بار اپنے بعض شاگردوں کو دیکھا کہ ذکر و عبادت کے لئے ایک جگہ مقرر کر کے جمع ہوئے ہیں تو غصہ فرمایا اور تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ: ”اے لوگو! کیا تم حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ ہو یا گمراہی کی طرف دوڑ رہے ہو؟“

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ”حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو میں نے اس طرح کا ذکر نہیں دیکھا، پھر تم لوگ یہ نیا طریقہ نکال رہے ہو۔“ اثر یہ ہوا کہ یہ سلسلہ رک گیا، کیا آپ کے اس ارشاد کو فتویٰ کی شکل دی جاسکتی ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو تحریر فرمائیں کہ درود شریف کا اجتماعی شکل میں دن مقرر کر کے پڑھا جانا اس تعریف میں آتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بھی غیر ثابت تاریخ، دن، ہفتہ، عدد وغیرہ کی تعیین اپنی طرف سے لازم کر دینا اور اس کو حکم شرعی قرار دینا اسی زد میں آجائے گا، درود شریف کی کثرت جمعہ کے دن اور شب جمعہ میں ثابت ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غنی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غنی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۷ھ۔

(۱) ”عن أوس بن أوس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثروا على من الصلوة فيه، فإن صلوتكم معروضة على“۔ الحديث۔

”وعن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أكثروا الصلوة على يوم الجمعة، فإنه مشهود تشهد الملائكة، وإن أحداً لن يصلي على إلا عرضت على صلوته حتى يفرغ منها“۔..... الحديث۔ (رواهما ابن ماجه في الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه صلى

الله تعالى عليه وسلم، ص: ۱۱۸، قديمی)

جمعہ کے دن بعد عصر درود شریف کی تعیین وترغیب

سوال [۸۵۶]: نماز جمعہ کے بعد جہراً درود شریف پڑھنا اور دیگر محلوں میں بھی ایسا کیا ہے، اجتماعی ہیئت کے ساتھ جہراً درود شریف، تسبیح و تہلیل اور تکبیر کے متعلق ”المنہاج الواضح“ یعنی راہ سنت، ص: ۱۱۶ سے لے کر ص: ۱۲۳ میں جو فیصلہ مذکور ہے، اس بارے میں ایک دیوبندی شخص جو عقائد و عمل کے لحاظ سے اہل سنت کے مسلک پر ہیں وہ فاضل دیوبند بھی ہیں، مجھے شامی کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ جمعہ کے بعد درود شریف جہراً اجتماعاً بدعت نہیں، چونکہ وہ مولوی صاحب مسافری کی حالت میں میرے یہاں آئے تھے اس لئے کتاب نہ ملنے کی وجہ سے نہ دکھلا سکے، کیا واقعہ ایسا ہی ہے؟ پھر اعتراضاً کہتے ہیں کہ سہارن پور مظاہر علوم میں عصر کے بعد حضرت ناظم صاحب جو ختم پڑھتے ہیں وہ بھی تو اپنی طرف سے وقت اور کیفیت کی تعیین ہے، پھر یہ بدعت کیوں نہیں ہے؟ نیز ماضی قریب کے بزرگوں کا اور فی الحال ان کے خلفاء کا عمل ہے کہ اپنے مریدین کو مسجد میں جمع کر کے ذکر اللہ اور وہ بھی ذکر جلی کرنے کا موقع دیتے ہیں بلکہ ترغیب دیتے ہیں اور تلقین بھی، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درود شریف سر او جہراً دونوں طرح درست و ثواب، باعث ترقی درجات اور موجب قرب ہے (۱) جمعہ کے روز خصوصیت سے اسکی تاکید ہے (۲) لیکن اجتماعی حیثیت سے جہراً پڑھنا حدیث و فقہ سے ثابت نہیں ہے، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پانچوں وقت مسجد میں جمع ہوتے تھے، اوقات نماز کے علاوہ بھی بکثرت حضور و سفر میں جمع ہونے کا موقع ملتا تھا مگر کہیں ثابت نہیں کہ اجتماعاً جہراً پڑھنے کا معمول رہا ہو (۳)، انفراداً بھی جہراً پڑھنے میں اس کا لحاظ ضروری ہے کہ کسی کو تشویش نہ ہو، مثلاً: وہاں کوئی نماز میں مشغول نہ ہو یا نائم نہ ہو، نیز جہراً پڑھنے سے دوسری کوئی غرض مطلوب نہ ہو، مثلاً: کسی بڑے کی آمد پر زور سے درود شریف پڑھنے سے اس کی آمد کی اطلاع مقصود ہو یا تاجر اپنا مال خریدار کو دکھا کر زور سے درود شریف پڑھے تاکہ خریدار خریدنے پر آمادہ

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”صلی اللہ علیک یا رسول اللہ“)

(۲) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”درود ذکر کے لئے دن، عدد متعین کرنا“)

(۳) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”اذان کے بعد کچھ کلمات نصیحت“)

ہو جائے (۱)، اس قسم کی لغو چیزوں کی نیت نہ ہو اور ریا و سمعہ بھی مقصود نہ ہو، فساد نیت سے بڑی سے بڑی عبادتیں قابل قبول نہیں رہتی ہے (۲)۔ خطبہ جمعہ میں آیت درود شریف سنکر سب کا جہر ادرود شریف پڑھنا منع ہے (۳)، دل میں ہر ایک کو پڑھنا چاہیے، واعظ و مقرر اثناء تقریر میں جب کہے: ”صلوا علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ تو اس وقت بھی سب کا جہر ادرود شریف پڑھنا منع ہے، ردالمحتار، ج: ۵ میں متعدد مقامات پر اس کے جزئیات موجود ہیں۔

اوقات خاصہ میں مقدار معینہ آیات و اذکار کا اگر کہیں معمول کیا ہے، تو وہ عمل مشائخ ہے جو کہ حجت شرعیہ نہیں ہے، اس کا اتباع لازم نہیں ہے، البتہ چونکہ وہ مشائخ بھی متبع شریعت ہیں اس لئے ان کے ایسے عمل کی توجیہ کی جائے گی تاکہ وہ خلاف شرع ہو کر بدعت کی حدود میں داخل نہ ہو جائے۔ توجیہ یہ ہے کہ کسی وقت یا مقدار کی تعیین کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ حضرت شارع علیہ السلام نے، مثلاً: اوقات نماز کی تعیین فرمائی اور رکعات نماز کی مقدار متعین فرمادی، یہ تعیین تو امر تعبیدی ہے جو بذریعہ وحی ہے، ایسی تعیین کرنے کا از خود کسی کو حق نہیں بلکہ ایسی تعیین کے لئے امر شارع ہونا ضروری ہے (۴)، جو شخص ایسی (اعتقادی و عملی) تعیین اپنی

(۱) ”و یسکن أن تكون الصلوة حراماً كما صرحوا به في الحظر والإباحة في مسألة ما إذا فتح التاجر

متاعه و صلی، و کذا فی الفقاعی“۔ (البحر الرائق، آخر باب صفة الصلوة: ۵۷۳/۱، رشیدیہ)

(۲) ”من سمع سمع الله به، و من یرآنی یرآء الله به“۔ (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الریاء

والسمعة: ۹۶۲/۲، قدیمی)

(وابن ماجہ، ص: ۳۱۰، باب الریاء والسمعة، أبواب الزهد، قدیمی)

(۳) ”وإن صلی الخطیب علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم..... فیصلی المستمع سراً بنفسه،

وینصت بلسانہ عملاً..... والباعد عن الخطیب والقرب سیان فی افتراض الإنصات“۔ (الدر

المختار، قبیل باب الإمامة: ۵۴۵/۱، سعید)

(۴) ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ: ”أمنی جبرئیل علیہ السلام مرتین عند

باب البيت، فصلی بی الظهر حین مالت الشمس“۔ الحدیث (الطحاوی: ۱۰۱/۱، کتاب الصلوة، باب

مواقیت الصلوة، سعید)

عن سلیمان بن بريدة عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فسأله عن =

طرف سے کرے وہ قابل قبول نہیں بلکہ قابل رد ہے: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فہورد“ متفق علیہ (۱)۔

تعمین کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک طبیب یا ڈاکٹر مریض کے لئے دوا یا غذا کی معین مقدار وقت مخصوص میں تجویز کرتا ہے، یہ امر تعبدی نہیں ہے بلکہ معالج کے تجربہ پر ہے، اگر کوئی شخص اس کا اتباع نہ کرے تو وہ عند اللہ گنہگار نہیں ہے، اس کی ہدایت پر عمل کرے گا تو انشاء اللہ صحت مند ہو کر نفع پائے گا۔ اسی قبیل سے ہے ذکر کی خاص مقدار خاص ہیئت و ضرب کیساتھ، اسی وجہ سے تفاوت احوال کے تحت اس میں تفاوت بھی ہوتا رہتا ہے، بعض دفعہ اس جہر اور ضرب کو بالکل ترک کر دیا جاتا ہے، مخصوص ختمات کا حال بھی ایسا ہی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

= وقت الصلوۃ فقال: صل معنا هذين اليومين، فلما زالت الشمس أمر بلالاً، فأذن ثم أمره فأقام الظهر، ثم أمره فأقام العصر والشمس مرتفعة بيضاء نقية“ الحديث . (سنن ابن ماجه، ص: ۴۹، كتاب الصلوۃ، باب مواقيت الصلوۃ، مير محمد كراچي)

(ومشکوۃ المصابيح، ص: ۵۹، باب مواقيت الصلوۃ، قديمي)

”عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه قال: صليت مع رسول الله ﷺ أربعاً ليس بعدها شيء، و صلى المغرب ثلاثاً و بعدها ركعتين، وقال: ”هي وتر النهار“ و صلى العشاء أربعاً“. الحديث . (الطحاوی: ۲۸۵/۱، كتاب الصلوۃ، باب صلوۃ المسافر، سعيد)

(ومشکوۃ المصابيح، ص: ۱۱۸، صلوۃ المسافر، قديمي)

(وسنن الترمذی: ۱۲۳/۱، أبواب الصلوۃ فی السفر، باب ما جاء فی التطوع فی السفر، سعيد)

(۱) (مشکوۃ المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة ص: ۲۷، قديمي)

(۲) ”قرأ كثير من المشايخ والعلماء والثقات صحيح البخاري لحصول المرادات، وكفاية الهممات، وقضاء الحاجات، ورفع البليات، وكشف الكربات، وصحة الأمراض، وشفاء المريض عند المضائق والشدائد، فحصل مرادهم، وفازوا لمقاصدهم، ووجدوه كالترياق مجرباً، وقد بلغ هذا المعنى عند علماء الحديث مرتبة الشهرة والاستفاضة اهـ“ . (مقدمة لامع الدراري شرح صحيح البخاري، الفصل الثاني في الكتاب، وفيه أيضاً فوائد الفائدة الثانية: ۲۳/۱، المكتبة الحيوية، مظاهر علوم)

اسم مبارک پڑھ کر یا سن کر درود شریف پڑھنا اور اسکی قضا

سوال [۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان اسلام، مسائل مندرجہ ذیل میں، اللہ تبارک و تعالیٰ آپ حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

۱..... حضور اقدس جناب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نامی و اسم گرامی سن کر درود پڑھنا واجب ہو جاتا ہے، چنانچہ یہ تحریر فرمادیتے کہ درود شریف نام نامی سن کر کس عمر سے واجب ہوتا ہے یعنی ایام بلوغت سے واجب ہوتا ہے یا دس گیارہ سال کے بچے پر بھی واجب ہوتا ہے؟ براہ کرم اس مسئلہ کو اچھی طرح کھول کر بیان فرمائیں۔

۲..... دوسری گزارش یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر تو درود شریف پڑھنا واجب ہوتا ہے اور اگر خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی لے یا کلمہ طیبہ پڑھے یا کتاب میں بار بار نام نامی پڑھے یا حدیث شریف میں بار بار نام میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آئے تو ایسی حالت میں درود پڑھنا کیسا ہے؟

۳..... تیسری گزارش یہ ہے کہ ایک ہی جگہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے سومرتبہ درود پڑھنا واجب ہوتا ہے؟

۴..... چوتھی گزارش اگر کسی آدمی نے چالیس سال کی عمر تک نام نامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سن کر درود نہ پڑھا ہو تو یہ گناہ اس کا توبہ سے معاف ہو جائے گا یا نہیں؟ اور اگر یہ گناہ توبہ سے معاف نہیں ہوگا تو اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟ جس سے اس کی نجات ہو۔

۵..... پانچویں گزارش یہ ہے کہ اگر ایسے آدمی نے قضاء کی نیت سے درود شریف پڑھنا شروع کر دیا تو وہ شخص جب کہ ایک مجلس میں نام نامی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سومرتبہ پڑھ چکا ہے یا سن چکا ہے تو اس پر کتنی مرتبہ درود پڑھنا واجب ہوا یعنی سومرتبہ نام مبارک سن کر یا پڑھ کر کتنی مرتبہ درود شریف پڑھے جو اس کے سر سے واجب اتر جائے؟ مؤدبانہ گزارش ہے کہ مسئلہ ہذا کی پانچوں گزارشوں کا جواب صاف اور مفصل تحریر فرما کر مشکور فرمائیے۔

احقر محمد حشمت علی، شریف نگر۔

الجواب حامداً ومصلحاً:

۱..... بلوغ کے وقت سے واجب ہوتا ہے (۱)۔

۲..... ایک مرتبہ واجب ہوتا ہے (۲)۔

۳..... ایک دفعہ (۳)۔

۴..... اس میں توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی قضاء کرے یعنی اتنی کثرت سے درود شریف پڑھے کہ دل گواہی دینے لگے کہ اب میرے ذمہ وجوب نہیں رہا، اس سے واجب پورا ہو جائے گا، زبانی توبہ کافی نہیں ہے۔
۵..... ایک دفعہ کافی ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ رمضان المبارک/ ۶۸ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد۔

اسم مبارک سن کر درود شریف

سوال [۸۵۸]: زید کہتا ہے کہ خطبہ کے علاوہ جب یہ آیت: ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ الخ (۵) پڑھی جاوے تو درود شریف پڑھنا زبان سے واجب ہے۔ عمر کہتا ہے کہ نہیں ایسے صیغے امر کے قرآن

(۱) ”وَأَمَّا صِحَّةُ عِبَادَةِ الصَّبِيِّ كَصَلَوَتِهِ وَصَوْمِهِ فَهِيَ عَقْلِيَّةٌ مِنْ بَابِ رِبْطِ الْأَحْكَامِ بِالْأَسْبَابِ ، وَلِذَا لَمْ يَكُنْ مُخَاطَباً بِهَا ، بَلْ لِيَعْتَادَهَا فَلَا يَتْرَكُهَا بَعْدَ بُلُوغِهِ“ . (رد المحتار، مقدمہ: ۳۸/۱، سعید)
(۲) ”إِنَّ الصَّلَاةَ تَكُونُ فَرَضًا وَاجِبًا وَسُنَّةً وَمُسْتَحَبَّةً وَالْأَوَّلُ فِي الْعُمُرِ مَرَّةً وَالثَّانِي كَلَمًا ذَكَرَ عَلَى الصَّحِيحِ، وَالثَّالِثُ فِي الصَّلَاةِ، وَالرَّابِعُ فِي جَمِيعِ أَوْقَاتِ الْإِمْكَانِ“ . (البحر الرائق، باب صفة الصلوة: ۵۷۳/۱، رشیدیہ)

(۳) (البحر الرائق المرجع السابق)

(۴) (البحر الرائق المرجع السابق)

(و کذا فی رد المحتار علی الدر المختار، باب صفة الصلوة، مطلب: نص العلماء علی استحباب الصلوة الخ: ۵۱۸/۱، سعید)

(۵) (الأحزاب: ۵۶)

شریف میں بہت ہیں ﴿وارکعوا مع الراكعين﴾ (۱) ﴿أتوا الزکاة﴾ (۲) وغیرہ ان سے یہ مراد نہیں کہ جب یہ آیتیں پڑھی جاویں جب ہی رکوع یا زکوٰۃ واجب ہوتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب وقت آوے، اسی طرح جب حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام آئے جب درود واجب ہوتا ہے، صرف آیت کے پڑھنے سے درود شریف واجب نہیں ہوتا۔ پس شریعت کا کیا حکم ہے اور کس کا قول معتبر ہے؟ بینوا تو جروا۔ بندہ منظور احمد عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صیغہ امر کی وجہ سے عمر میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے بالاتفاق (۳) اور جب اس آیت کو سننے یا کسی اور طرح اسم مبارک کو سننے تو اس وقت واجب ہے (۴) کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر درود شریف نہ پڑھنے پر احادیث میں وعید آئی ہے (۵)، اسی کو امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا ہے (۶) اور امام کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر ایک مجلس میں متعدد مرتبہ ذکر آئے تو ہر مرتبہ واجب

(۱، ۲) (البقرة: ۴۳، بتقدیم و تاخیر)

(۳) ”وہی (أی الصلوة علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) فرض عملاً بالأمر مرة واحدة اتفاقاً فی

العمر“۔ (الدر المختار) وفي رد المحتار: ”أی قلنا بفرضيتها لأجل العمل بالأمر القطعي الثبوت والدلالة

الخ“۔ (باب صفة الصلوة، آداب الصلوة، قبیل مطلب لا يجب عليه أن يصلي الخ: ۵/۱، سعید)

(و كذا في البحر الرائق، آخر باب صفة الصلوة: ۵/۱، رشیدیہ)

(۴) ”لكن صح في الكافي وجوب الصلوة مرة في كل مجلس وهو كمن سمع اسمه عليه

الصلوة والسلام مراراً، لم تلزمه الصلوة إلا مرة في الصحيح“ (رد المحتار: ۵/۱، باب صفة

الصلوة، مطلب في وجوب الصلوة عليه كلما ذكر عليه الصلوة والسلام، سعید)

(و كذا في البحر الرائق المرجع السابق)

(۵) ”عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من نسي الصلوة

على، خطيء طريق الجنة“۔ (ابن ماجه، كتاب إقامة الصلوة، باب الصلوة على النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم، ص: ۶۴)

(۶) ”والمختار عند الطحاوی تکراره: أي الوجوب كلما ذكر ولو اتحد المجلس في الأصح“۔ (رد

المختار: ۵/۱، باب صفة الصلوة، مطلب في وجوب الصلوة عليه كلما ذكر الخ، سعید)

نہیں ہے، کذا فی در مختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۱۴۲۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۱۴۲۷ھ۔

لفظ نبی کریم اور اس پر درود

سوال [۸۵۹]: اگر کوئی شخص رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی نہ لے، صرف ”نبی کریم“

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہے تو سننے والے کو درود پڑھنا چاہیے یا نہیں اور اس طرح کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح کہنا بھی صحیح ہے اور سننے والے کو درود شریف بھی پڑھنا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ

اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

درود میں لفظ ”سیدنا“

سوال [۸۶۰]: درود پاک ”اللہم صل علی سیدنا ابراہیم“ پڑھنا کیسا ہے؟ اگر کسی نے نماز

کے درود میں سیدنا ابراہیم و سیدنا محمد پڑھ دیا تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اور وہ شخص جس نے یہ بتلایا ہے اس کا ایمان کیسا

ہے؟ اور جس نے اس لفظ ”سیدنا“ کو برا کہا اس شخص کا ایمان کیسا ہے، ان دونوں میں کون شخص مسلمان رہا اور

کون کافر ہو گیا؟

(۱) ”وہی (أی الصلوۃ) فرض مرۃ واحدة اتفاقاً فی العمر، و اختلف فی وجوبها کلما ذکر صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم، والمختار عند الطحاوی تکرارہ: أی الوجوب کلما ذکر ولو اتحد المجلس فی الأصح، لا

لأن الأمر يقتضی التکرار، بل لأنه تعلق وجوبها بسبب متکرر، وهو الذکر، فیتکرر لتکرره، وتصیر دیناً

بالتکرار فتقتضی؛ لأنها حق عبد کالتشمیت، بخلاف ذکرہ تعالیٰ، والمذهب استحبابہ: أی التکرار، و علیہ

الفتویٰ“ اھ (الدر المختار، باب صفة الصلوۃ، آداب الصلوۃ: ۱/۵۱۴-۵۱۷، سعید)

(۲) (تقدم تخريجہ من رد المحتار، والبحر الرائق تحت عنوان: ”اسم مبارک شکر یا پڑھ کر درود شریف پڑھنا اور

اس کی قضاء“)

الجواب حامداً ومصلياً:

دروود پاک میں سیدنا کہنا مستحب ہے (۱)۔ درود شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذکر کرنا چاہیے مگر اس طرح کہ پہلے سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ہو پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا، اس کے باوجود ایسی بات کی وجہ سے کافر نہیں کہنا چاہیے کہ یہ بالکل آخری حد ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

دروود میں آل کا مصداق

سوال [۸۶۱]: آل محمد ﷺ جو کہ درود شریف میں پڑھا جاتا ہے اس سے کون مراد ہیں؟ جواب کتب معتبرہ اہل سنت سے عنایت فرمائیں۔
احقر سید محمد ابراہیم عفا اللہ عنہ

الجواب حامداً ومصلياً:

اس میں تین قول ہیں: اول یہ کہ اس سے مراد تمام امت ہے۔

دوسرا: یہ کہ اس سے مراد بنو ہاشم و بنو المطلب ہیں۔

تیسرا: یہ کہ اس سے مراد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذریت اور آپ کے اہل بیت ہیں:

”واختلف العلماء فی آل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی أقوال أظهرها وهو اختيار الأزهري وغيره من المحققين أنهم جميع الأمة، والثاني: بنو هاشم و بنو المطلب، والثالث: أهل

(۱) ”و ندب السيادة ؛ لأن زيادة الإخبار بالواقع عين سلوك الأدب ، فهو أفضل من تركه و خص إبراهيم لسلامه علينا ولأنه سمانا مسلمين اهـ“۔ (رد المحتار ، باب صفة الصلوة :

۵۱۳/۱-۵۱۴، سعید)

(۲) کفر کا حکم اس وقت لگایا جاسکتا ہے، جب کہ کوئی قطعیات دین اور ضروریات دین کا انکار کرے۔

”فهو كافر ، لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة“۔ (رد المحتار ، کتاب النکاح :

۴۶/۴، سعید)

بیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ذریئہ، اللہ اعلم۔“ نووی شرح صحیح مسلم : ۱/ ۱۷۵ (۱) و کذا أشعة اللمعات : ۱/ ۴۳۵ (۲) و دستور العلماء : ۱/ ۸ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ۱۱/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ذیقعدہ/ ۵۴ھ۔

صلوۃ وسلام کسی بھی نبی پر

سوال [۸۶۲]: اگر کسی اور نبی کے نام پر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہے تو جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، گنگوہی۔

درود شریف دوبارہ پڑھنا مکروہ نہیں

سوال [۸۶۳]: فضائل درود شریف میں ہے کہ سات اوقات میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے، اس

میں ایک یہ ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت کے درمیان اگر حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک آجائے تو درمیان میں درود شریف نہ پڑھے، جناب والا میری یہ عادت ہے کہ ایک آیت قرآن پڑھ کر درود شریف پڑھتا

(۱) (النووی علی مسلم کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ علی النبی ﷺ بعد التشہد : ۱/ ۷۵، قدیمی)

(۲) (أشعة اللمعات (فارسی) : ۱/ ۴۰۶، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ علی النبی ﷺ و فضلها، الفصل الأول، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

(۳) ”واختلف فی آل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : فقال بعضهم : آل ہاشم والمطلب، و عند البعض أولاد سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کما رواہ النووی رحمہ اللہ تعالیٰ، و روی الطبرانی بسند ضعیف أن آل محمد کل تقی، واختارہ جلال العلماء فی ”شرح ہیاکل النور“ و فی مناقب آل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ہم بنو فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کتب و دفاتر“، (دستور

العلماء لأحمد نگری، باب الألف مع الألف : ۱/ ۸، مؤسسة العلمی بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق، باب صفة الصلوۃ، ذکر سننہا : ۱/ ۵۷۳، رشیدیہ)

ہوں اس کے بعد ترجمہ پڑھتا ہوں، اس کے بعد پھر درود شریف پڑھتا ہوں یہ مکروہ تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کا یہ طریقہ مکروہ نہیں ہے جو موقع درود شریف پڑھنے کا نہیں جیسے نماز میں بحالت قیام و رکوع و سجود اور جیسے قرآن کریم کی تلاوت کے درمیان نام مبارک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آنے پر وغیرہ وغیرہ۔ کتب فقہ شامی (۱)، طحاوی (۲)، فتاویٰ عالمگیری (۳)، وغیرہ میں وہ مواقع مذکور ہیں اس موقع پر احتیاط کی جائے اور جس موقع پر پڑھنا مسنون مستحب ہے اس موقع پر پڑھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۹۴ھ۔

گنبد خضراء کو دیکھتے ہی صلوٰۃ و سلام

سوال [۸۶۲]: ”بہار شریعت“ مصنفہ مولوی امجد علی رضوی بریلوی کے حصہ ششم، ص: ۱۷۱ میں

(۱) ”تکروہ الصلوٰۃ علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی سبعة مواطن : الجماع، و حاجة الإنسان، و شہرة المبیع، والعشر، والتعجب، والذبح، والعطاس الخ و لو قرأ القرآن فمر علی اسم نبی، فقرآء القرآن علی تألیفہ و نظمہ أفضل“۔ (رد المحتار، باب صفة الصلوٰۃ، آداب الصلوٰۃ: ۵۱۸/۱، ۵۱۹، سعید)

(۲) ”(قوله: و حراماً عند فتح التاجر متاعه): لأنه لم يقصد الصلوٰۃ، و إنما أراد الترويح، والظاهر عدم وجوب الصلوٰۃ بالسماع منه إلحاقاً له بسلام السائل، فإنه لا يجب رده لقصد به السؤال، (وقوله: و نحوه) كالفقاعی الذي يبيع الفقاع و هو نبذ الشعير، و نحوه من كل مطرب و هو أولى بالحرمة مما قبله، والظاهر أنه يلحق بالتاجر نحو باسم الله للدعاء إلى الطعام الخ“۔ (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، باب صفة الصلوٰۃ، فصل الشروع فی الصلوٰۃ: ۲۲۸/۱، دار المعرفة بیروت)

(۳) ”من جاء إلى تاجر يشتري منه ثوباً، فلما فتح التاجر الثوب سبح الله تعالى و صلى على النبي ﷺ، أراد به إعلام المشتري جودة ثوبه، فذلك مكروه، هكذا فی المحيط و إن سبح الفقاعی، أو صلى على النبي ﷺ عند فتح فقاعه على قصد ترويجه و تحسينه أثم“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیة، الباب الرابع فی الصلوٰۃ والتسبیح الخ: ۳۱۵/۵، رشیدیہ)

ہے: ”شہر مدینہ منورہ میں خواہ شہر سے باہر جہاں کہیں گنبد خضرا پر نظر پڑے فوراً دست بستہ ادھر منہ کر کے صلوٰۃ و سلام عرض کرو۔“

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہاتھ باندھنے کی ضرورت نہیں، ہاں درود میں زیادتی مناسب ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ واعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۵/۴/۵۵ھ۔
جواب صحیح ہے:

سعید احمد غفرلہ خادم دارالافتاء، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۹/ربیع الثانی ۵۵ھ۔
صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۹/ربیع الثانی ۵۵ھ۔
عشاء کے بعد روضۂ اقدس پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا

سوال [۸۶۵]: بعد نماز عشاء روضۂ اقدس کے پاس درود شریف پڑھنا سلام پڑھنا ممنوع ہے، ایسا کیوں ہے؟ کیا بعد نماز عشاء حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرماتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے، یہ بات کہاں تک قرآن و حدیث سے تعلق رکھتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صلوٰۃ و سلام روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب ہر وقت درست اور موجب قرب و سعادت ہے، یہ کسی وقت ممنوع نہیں، عشاء کے بعد ممنوع کہنا بے دلیل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

محراب مسجد میں ایک مخصوص طغریٰ

سوال [۸۶۶]: مکہ مسجد حیدرآباد میں مندرجہ ذیل کتبہ نصب ہے، اس طغریٰ کے سلسلہ میں چند باتیں وضاحت طلب ہیں۔ طغریٰ یہ ہے:

(۱) ”و صح (أی فی الصلوٰۃ) زیادة ”فی العالمین“ (الدر المختار، باب صفة الصلوٰۃ، آداب الصلوٰۃ: ۵۱۲/۱، سعید)

اللَّهُمَّ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لا إله إلا الله محمد رسول الله. اللهم صل على محمد وعلى آل

محمد وبارك وسلم، أعلیٰ سیدنا غوثنا أعظم محمد محی الدین عبد القادر

رحمه الله تعالى يا شيخ عبدالقادر شيئاً لله.

دروہ کی عبارات میں نبی پاک کے بعد غوث پاک کا نام لکھنا

سوال [۸۶۷]: درود شریف کے بعد زیرِ نظر طغریٰ میں ”اعلیٰ سیدنا غوثنا غوث اعظم“ کا جو

اضافہ کیا گیا ہے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

۲..... اس کتبہ کے درود میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو بغیر القاب و آداب کے لکھا گیا

ہے اور حضرت جیلانی کے نام مبارک کو ”سیدنا، الاعظم“ کے القاب سے ملقب کیا گیا ہے، ایک ہی کلمہ میں اس طرح کی تحریر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سوء ادبی مقصود نہ ہوگی؟ فقط۔

نعمت اللہ جنگ لائن، عابد روڈ، حیدرآباد۔

الجواب حامداً ومصلية:

.....حضرت سید العالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر صلوٰۃ و سلام کے تابع قرار دے کر

آل واصحاب، اہل بیت، ذریت، ازواج، اتباع پر بھی ہو جائے تو درست ہے (۱) مگر مخصوص طور پر کسی معین شخص

(١) "ولا يصلى على غير الأنبياء ولا غير الملائكة إلا بطريق التبعية". (الدر المختار). وفي رد المحتار:

”لأن في الصلوة من التعظيم ما ليس في غيرها اهـ ولا يليق ذلك بمن يتصور منه خطايا

والذنوب إلا تبعاً بأن يقول: اللهم صلى على محمد وآله وصحبه وسلم. واختلف هل تكره تحريماً أو

تنزيهاً أو خلاف الأولى؟ وصحح النووي في "الأذكار" الثاني، لكن في خطبة شرح الأشباه للبيري: من

صلى على غيرهم أثم وكره، وهو الصحيح وأما السلام فلا يستعمل في الغائب ولا

يُفَرِّدْهُ غَيْرَ الْأَنْبِيَاءِ، فَلَا يُقَالُ : عَلَى السَّلَامِ، وَسِوَاءِ فِي هَذَا الْأَحْيَاءِ وَالْأَمْوَاتِ، إِلَّا فِي الْحَاضِرِ.....

والظاهر أن العلة في منع السلام ما قاله النووي في علة منع الصلاة أن ذلك شعار أهل البدع". (مسائل =

کو ذکر کرنا خواہ وہ خلفائے راشدین یا بعد کے اولیاء اللہ میں سے کوئی ہو موہم ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پایہ ہیں (۱)، اس لئے ایسے ایہام سے بچنا چاہیے، خاص کر حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ کے متعلق عوام کے خیالات حد سے متجاوز ہیں، اسی کا یہ اثر بھی ہے۔

۲..... یہ صورت بھی محل اعتراض اور موہم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۵ھ۔



= شتی من کتاب الخنثی: ۶/۷۵۳، سعید)

(و کذا فی مرقاة المفاتیح، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلہا: ۱۰/۳، حدیث رقم: ۹۲۰، رشیدیہ)

(۱) چونکہ قرآن کی عموماً اور ذخیرۂ احادیث سے، نیز مفسرین اور محدثین کے اتفاق سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم افضل المخلوقات بلکہ افضل الانبیاء ہیں اور آنحضرت ﷺ کو کلی فضیلت حاصل ہے، اس بناء پر کسی کو مرتبہ و مقام میں آنحضرت ﷺ کا ہم پایہ سمجھنا بے راہ روی اور اصول دین سے کھلی چھوٹ ہے۔

”ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”انا سید ولد آدم یوم القیامۃ، وأول من ینشق عنہ القبر، وأول شافع، وأول مشفع“۔ (الصحيح لمسلم، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا صلی اللہ علیہ وسلم: ۲/۲۴۵، قدیمی)

قال النووی رحمہ اللہ تعالیٰ تحته: ”وهذا الحديث دليل لتفضيله صلی اللہ علیہ وسلم علی الخلق کلهم؛ لأن مذهب أهل السنة أن الآدميين أفضل من الملائكة، وهو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أفضل الآدميين بهذا الحديث، وغيرهم“۔ (شرح النووی علی الصحيح لمسلم: ۲/۲۴۵، قدیمی)

(و کذا فی مرقاة المفاتیح، کتاب الفضائل، باب فضائل سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ، الفصل الأول: ۱۰/۷، حدیث رقم: ۵۷۴۱، رشیدیہ)

فرائض اور عیدین کے بعد مصافحہ کا بیان

مصافحہ دونوں ہاتھوں سے یا ایک ہاتھ سے؟

سوال [۸۶۸]: مصافحہ دونوں ہاتھ سے مسنون ہے تو کس طرح، حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہاتھ کی کف دست دوسرے ہاتھ کی کف دست سے ملے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ جب ہر ہاتھ کو الگ الگ ملائے، لیکن مروجہ طریقہ کہ فریقین میں سے ہر ایک کی ایک ہاتھ کی دوسرے ہاتھ سے ہتھیلی ملے اور دوسرے ہاتھ کی کف دست اوپر کی جانب رہے، یہی رائج ہے یعنی دونوں کی دائیں ہاتھ کی کف دست تو ملتی ہیں اور دونوں کے بائیں ہاتھ کی کف دست دوسرے ہاتھ کے ظہر پر ہوتی ہے، اس کا ثبوت کہاں سے ملتا ہے؟

سید نجم الحسن رضوی، خیر آباد، ضلع سینٹاپور۔

الجواب حامداً و مصلياً :

بخاری شریف میں عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مذکور ہے: ”وكان كفى بين كفيه“ الخ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ ایک صحابی کا ایک ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں تھا، اس صورت میں کف دست کا کف دست سے ملنا بالکل واضح ہے، البتہ دوسرا ہاتھ پشت دست پر ہوگا اور صحابی نے اپنے دوسرے ہاتھ کا ذکر نہیں کیا، ظاہر یہ کہ ان کا دوسرا ہاتھ نبی اکرم صلی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے داہنے ہاتھ کی پشت پر تھا جیسا کہ آج کل علماء تبعیین کا عمل ہے، بخاری شریف میں: باب الأخذ باليدین (۲) موجود ہے:

”ثم التصافح باليدين حديث مرفوع أيضاً كما في الأدب المفرد، وأراد المدرسون أن

(۱) ”ابن مسعود رضي الله تعالى عنه يقول: علمني النبي صلى الله تعالى عليه وسلم و كفى بين كفيه التشهد كما يعلمني السورة من القرآن“..... الحديث“ (صحيح البخاري، كتاب الاستيذان، باب الأخذ باليدين: ۹۲۶/۲، قديمي)

(۲) اس باب میں امام بخاری نے حماد بن زید اور ابن مبارک کا عمل بھی بطور استدلال ذکر کیا ہے، فرمایا: ”باب الأخذ باليدين وصافح حماد بن زيد و ابن المبارك بيديه“ (كتاب الاستيذان: ۹۲۶/۲، قديمي)

يستدلوا عليه من حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه هذا، فقالوا: أما كون التصافح فيه باليدين من جهة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فالحديث نص فيه، وأما كونه كذلك من جهة ابن مسعود رضي الله تعالى عنه، فالراوى إن اكتفى بذكر يده الواحدة إلا أن المرجو منه أنه لم يكن ليصافحه بيده الواحدة والنبي صلى الله تعالى عليه وسلم قد صافحه بيديه الكريمتين، فإنه يستبعد من مثله أن لا يسط يديه وقد سط محمد صلى الله تعالى عليه وسلم يديه غير أن الراوى لم يذكره لعدم كون غرضه متعلقاً بذلك، ولا ريب أن الرواة يختلفون في التعبيرات الخ. فيض الباري: ۴/ ۱۱۴ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی غفرلہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

مصافحہ بعد نماز

سوال [۸۶۹]: بعد نماز جمعہ، نماز عیدین، بعد نماز صبح، مسجد میں جو مصافحہ کیا جاتا ہے، اس کا حنفیہ مسلک میں کیا حکم ہے اور نہ کرنے والوں پر کیا گناہ ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصافحہ کے لئے شریعت نے ابتدائے ملاقات کا وقت تجویز کیا ہے (۲)، کسی نماز کے بعد اس کا وقت تجویز کرنا شرعاً بے دلیل ہے غلط ہے، بدعت مکروہہ ہے، طریقہ روافض ہے۔ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، وغیرہ سب

(۱) (فيض الباري، كتاب الاستيذان، باب المصافحة: ۴/ ۱۱۴، حضرة بكري ديوبند)

(۲) "عن البراء بن عازب رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ما من مسلمين يلتقيان فيصافحان إلا غفر لهما قبل أن يتفرقا". هذا حديث حسن غريب من حديث أبي إسحاق عن البراء" (جامع الترمذی، أبواب الاستيذان، باب ما جاء في المصافحة: ۲/ ۱۰۲، سعید)

"عن رجل من حمزة أنه قال لأبي ذر رضي الله تعالى عنه في حديث طويل فيه: هل كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يصافحكم إذا قيتموه؟ قال: ما لقيته قط إلا صافحني". (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في المصافحة: ۲/ ۳۶۱، امداديه ملتان)

سے علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں ایسا ہی نقل کیا ہے:

”و نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط أنه تکره المصافحة بعد أداء الصلوة لكل حال؛ لأن الصحابة رضي الله تعالى عنهم ما صافحو بعد أداء الصلوة، ولأنها من سنن الروافض۔ ثم نقل عن ابن حجر من الشافعية أنها بدعة مكروهة لأصل لها في الشرع، وأنه ينبه فاعلها أولاً و يعزّر ثانياً۔ ثم قال: وقال بن الحاج من المالكية في المدخل: إنها من البدع، وموضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه، لا في أدبار الصلوة، فحيث وضعها الشرع يضعها، فينهي عن ذلك، يزجر فاعله لما أتى به من خلاف السنة“۔ (ردالمحتار: ۵/۲۴۴) (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود غفر له۔

مصافحہ بعد العیدین

سوال [۸۷۰]: مخدومی جناب مفتی صاحب، دامت برکاتہم! السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ۔

یہاں گذشتہ سال ایک اشتہار اور ارسال ایک رسالہ شائع ہوا ہے جس میں بعد عیدین مصافحہ و معانقہ کا مسنون ہونا ظاہر کیا گیا ہے، اس کے جواب میں ایک صاحب نے ”رد تحفہ“ کے نام سے ایک مضمون لکھا ہے جو جناب کی خدمت میں ارسال ہے، جناب اس کو ملاحظہ فرما کر اصلاح فرمادیں اور اس سلسلہ میں اگر مزید اقوال علماء و کتب معتبرہ سے معلوم ہو سکیں ان کو مع نشان صفحہ و جلد تحریر فرما کر ممنون فرمادیں۔ فقط والسلام۔

احقر عبد العزیز حسن منزل الہ آباد۔

الجواب حامداً و مصلياً:

علامہ شامیؒ نے کتاب الجنائز میں بھی اس مصافحہ کو رد کیا ہے:

(۱) (ردالمحتار، کتاب الحظرو الإباحة، باب الإستبراء وغیرہ: ۶/۳۸۱، سعید)

(و کذا فی باب الجنائز من ردالمحتار: ۲/۲۳۵، سعید)

(و للعلامة اللکنوی فی هذه المسئلة بحث طویل فی السعاية، باب صفة الصلوة، قبیل فصل فی القراءة:

۲/۲۶۵، سهیل اکیڈمی)

تحت قول الدر: "يقول واضعه، باسم الله و بالله" بعنوان تنبيه (۱) - مدخل: ۲/۲۸۸، کی عبارت یہ ہے: "أما المعانقة فقد كرهها مالك رحمه الله تعالى، وأجازها ابن عيينه اعنى عند اللقاء من غيبة كانت، و أما في العيد لمن هو حاضر معك فلا، أما المصافحة فإنها وضعت في الشرع عند لقاء المؤمن لأخيه، و أما في العيدين على ما اعتاده بعضهم عند الفراغ من الصلوة يتصافحون فلا أعرفه، لكن قال الشيخ الإمام أبو عبد الله ابن النعمان: إنه أدرك بمدينة ناس والعلماء العالمون بعلمهم بهامتوا فرون أنهم كانوا إذا فرغوا من صلوة العيد، صافح بعضهم بعضاً، فإن كان يساعده النقل عن السلف فيا حبذا، وإن لم ينقل عنهم فتركه أولى اهـ" (۲).

امام نووی فرماتے ہیں:

"المصافحة سنة عند التلاقي، وأما تخصيص الناس لها بعد هاتين الصلوتين (أى الفجر والعصر) فمعدود في البدع المباحة - والمختار أنه إن كان هذا شخص قد اجتمع هو و هو قبل الصلوة فهو بدعة مباحة كما قيل، وإن كانا لم يجتمعا فهو مستحب؛ لأنه ابتداء اللقاء اهـ" فتاویٰ النووی، ص: ۲۸ (۳) -

ملا علی قاری نے مرقاة شرح مشکوٰۃ شروع باب المصافح والمعانقة میں (۴)، شیخ عبدالحق محدث دہلوی

(۱) "وقد صرح بعض علمائنا وغيرهم بکراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوة مع أن المصافحة سنة، وما ذلك إلا لكونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع، فالمواظبة عليه فيه توهم العوام بأنها سنة فيه". (رد المحتار، باب صلوة الجنائز: ۲/۲۳۵، سعید)

(۲) (المدخل لابن أمير الحاج: ۲/۲۹۵-۲۹۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) (فتاویٰ النووی المسمیة بالمسائل المنثورة، ص: ۲۷-۲۸ مطبعة الاستقامة: ۱۳۵۲ھ)

(۴) "قال النووی: أعلم أن المصافحة سنة، ومستحبة عند كل لقاء، وما اعتاده الناس بعد صلوة الصبح والعصر، لأصل له في الشرع على هذا الوجه، ولكن لا بأس به ولا يخفى أن في كلام الإمام (أى النووی) نوع تناقض فحاصله أن الابتداء بالمصافحة حينئذ على الوجه المشروع مكروه لا المجابرة، وإن كان قديقال فيه نوع معاونة على البدعة. والله تعالى أعلم". (مرقاة المفاتيح، شرح المشکوٰۃ، کتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة: ۸/۴۵۸-۴۵۹، رشیدیہ)

نے اشعة اللغات میں (۱) مجالس الابرار، ص: ۳۱۷ میں (۲)، فتاویٰ رشیدیہ: ۲۵/۱ (۳)، امداد الفتاویٰ: ۵۸/۴ (۴) فتاویٰ ابن حجر مکی: ۴۵/۴-۶۶ میں (۵)۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ص: ۴۴۰ میں (۶) اس تخصیص کو بدعت قرار دے کر اس سے منع کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے علامہ نوویؒ کا کلام نقل کر کے لکھا ہے: ”قلت: و للنظر فیہ مجال، فإن وقت أصل صلوٰۃ النافلة الخ“۔ فتح الباری: ۱۱/۴۷ (۷)۔

(۱) ”مصافحہ سنت است نزد ملاقات، و باید کہ بہر دو دوست بود، و آنکہ بعضے مرد مصافحہ بعد از نماز می کنند یا بعد از نماز جمعہ کنندہ چیزے نیست و بدعت است از بہت تخصیص وقت“۔ (أشعة اللغات: ۲۲/۴، کتاب الآداب، باب المصافحہ والمعانقہ، نول کشور)

(۲) ”مصافحہ میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو، اور وقت ملاقات کے علاوہ جیسے نماز جمعہ و عیدین کے بعد جیسا کہ اس زمانے میں عادت ہے تو یہ چونکہ حدیث سے ثابت نہیں ہے، اس لئے بلا دلیل ہے اور یہ بات اپنی جگہ ثابت ہو چکی ہے کہ جس امر کی کچھ دلیل نہ ہو وہ مردود ہے اس میں تقلید جائز نہیں، بلکہ وہ روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے اس کو رد کرتی ہے یعنی ”من أحدث فی أمرنا هذا“۔ (ترجمہ مجالس الأبرار للمفتی کفایت اللہ، پچاسویں مجلس، ص: ۳۶۱)

(۳) ”معانقہ و مصافحہ بوجہ تخصیص کے اس روز میں اس کو موجب سرور اور باعث موڈت اور ایام سے زیادہ مثل ضروری کے جانتے ہیں بدعت ہے اور مکروہ تحریمی۔ اور علی الاطلاق ہر روز مصافحہ کرنا سنت ہے ایسا ہی بشرائط خود یوم العید کے ہے..... کوئی تخصیص اپنی طرف سے کرنا بدعت ہے“۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب البدعات، ص: ۴۴۳، قرآن منزل ڈھاکہ)

(۴) ”مصافحہ کردن مطلقاً سنت است، بوقتے خاص مخصوص نیست، پس تخصیص آن بروز جمعہ و عیدین و بعد نماز پنجگانہ و تراویح بے اصل است، ہاں اگر روز ہمیں اوقات یکے بعد مدتے ملاقات شود، باو مصافحہ کردن مضائقہ نہ دارد، نہ ایں کہ از خانہ یا مسجد یا عید گاہ ہمراہ آئندہ، و پس از نماز مصافحہ و معانقہ کنند، واللہ تعالیٰ اعلم“۔ (امداد الفتاویٰ، باب البدعات: ۲۶۰/۵)

(۵) ”لم أطلع علیہ“۔

(۶) ”نماز عیدین میں یا دیگر نمازوں کے بعد تخصیص مصافحہ کی کرنا اور اسی وقت خاص میں اس کو سنت جاننا اور معمول بہ ٹھہرانا فقہاء نے منع لکھا ہے اور ”تمیین المحارم“ میں اس کو روافض کے طریقے سے لکھا ہے اور مکروہ فرمایا ہے“۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند الموسومہ بعزیز الفتاویٰ، کتاب السنۃ والبدعہ، ص: ۱۲۸، دارالاشاعت کراچی)

(۷) ”قال النووی: و أمان تخصیص المصافحہ بما بعد صلوٰۃ الصبح والعصر، فقد مثل ابن عبد السلام.....“

البتہ طحاوی شرح مراقی الفلاح، ص: ۲۸۹ (۱) باب احکام العیدین میں لکھا ہے: ”و کذا تطلب المصافحة سنة عقیب الصلوة کلها وعند کل لقاء (۲)۔ مگر اس کا حوالہ نہیں دیا، یہ امام نووی سے ہی بعض مسائل نقل کرتے ہیں، کیا بعید ہے کہ یہ بھی وہیں سے نقل کیا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔
عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کا طریقہ مروجہ بدعت ہے اس کا ثبوت نہیں ہے۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۷/محرم/۱۴۰۰ھ۔

نماز عید کے بعد مصافحہ

سوال [۸۷۱]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز عید کے بعد مصافحہ کرنا، ہاتھ ملانا ہر حال میں مکروہ ہے۔
جواب کتب فقہ سے دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں، بعض جگہ عید کے دن مصافحہ کرنے کا جو رواج ہے یہ ٹھیک نہیں ہے، یہ بدعت اور مکروہ ہے۔
”شامی“ کی پانچویں جلد میں فقہ کی متعدد کتب سے اس کا بدعت اور ممنوع ہونا نقل کیا گیا ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= ”فی القواعد“ البدعة المباحة بها، قال النووي: وأصل المصافحة سنة، وكونهم حافظوا عليها في بعض الأحوال لا يخرج ذلك عن أصل السنة، قلت: وللنظر فيه مجال، فإن أصل صلوة النافلة سنة مرغوبة فيها، ومع ذلك فقد كرهه المحققون تخصيص وقت بهادون وقت، ومنهم من أطلق تحريم مثل ذلك كصلوة الرغائب التي لأصل لها، ويستثنى من عموم الأمر بالمصافحة المرأة الأجنبية والأمر بالحسن“۔ (فتح الباری، کتاب الاستیذان، باب المصافحة: ۱/۵۵، دار العرفۃ بیروت)

(۱) ذکرہ الطحاوی تحت قولہ: ”ویظهر الفرح بطاعة الله تعالى وشكر نعمته ويتختم“۔ (ص: ۵۳۰، قدیمی)

(۲) یعنی اگر اس کو امام نووی سے نقل بھی کیا ہو لیکن اس کو علامہ ابن حجر نے جواب دیکر رد کر دیا ہے کما تقدم۔

(۳) ”و نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط أنه تکره المصافحة بعد أداء الصلوة بكل حال؛ لأن الصحابة

ماصافحو بعد أداء الصلوة، ولأنها من سنن الروافض، ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة =

نماز عید کے بعد مصافحہ

سوال [۸۷۲]: عیدین کی نماز میں ثواب سمجھ کر مصافحہ کرنا ثابت ہے یا بدعت، خصوصاً امام پر ساری قوم کا ٹوٹ پڑنا اور مسجد کی حرمت کا خیال نہ رکھنا کیسا ہے؟ بعض اوقات امام کو اس وجہ سے تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے، ایسے لوگوں کو شرعاً کیا کہا جائیگا؟ مفصل تحریر فرما کر مشکور فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مصافحہ بدعت ہے اور طریقہ روافض ہے، اس کو ترک کرنا ضروری ہے کذا فی رد المحتار (۱)۔
فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۸/۱۱/۶۰ھ۔

عید ملنا

سوال [۸۷۳]: معانقہ بعد نماز عیدین رسماً ہو یا سنت سمجھ کر کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز

= مکروہہ لا أصل لها فی الشرع، و أنه ینبہ فاعلها أولاً و یعزّر ثانیاً. ثم قال: وقال ابن الحاج من المالکیة فی المدخل: إنها من البدع، و موضع المصافحة فی الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه، لا فی أذبار الصلوات، فحیث وضعها الشرع یضعها، فینهی عن ذلك، و یزجر فاعلها لما أتى به من خلاف السنة الخ. (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء و غیرہ: ۳۸۱/۶، سعید)

(۱) وفی رد المحتار: "تکرہ المصافحة بعد أداء الصلاة بكل حال؛ لأن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماصافحو بعد أداء الصلاة، و لأنها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر رحمه الله تعالى عن الشافعية أنها بدعة مكروهة لا أصل له فی الشرع". (کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء: ۳۸۱/۲، سعید)

وفی المرقاة: "فإن محل المصافحة المشروعة أول الملاقاة، و قد یكون جماعة یتلاقون من غیر مصافحة و یتصاحبون بالكلام و مذاکرة العلم و غیرہ مدّة مدیدة، ثم إذا صلّوا، یتصافحون، فاین هذا من السنة المشروعة؟ ولهذا صرح بعض علماء نابأنها مکروهة حیثئذ، و أنها من البدع المذمومة".

(کتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة: ۴۵۸/۸، رشیدیہ)

یابدعت ہے تو اگر روکنے سے حرج عظیم کا خطرہ ہو تو روکے یا نہیں؟ اور اگر اس خیال سے کرے کہ دلوں میں سینہ بسینہ مل کر محبت پیدا ہوگی، کینہ و حسد دور ہوگا، آپس میں میل جول ہوگا تو کیا حکم ہے؟

عید کا دن ہے گلے آج تو مل لے ظالم
رسم دنیا بھی ہے موقع بھی ہے دستور بھی ہے

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدین کا معانقہ روافض کا شعار ہے اس سے پورا پرہیز کیا جائے (۱)۔ دل میں کینہ اور حسد رکھتے ہوئے محض عید کو معانقہ کر لینے سے ہرگز سینہ صاف نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۸۸ھ۔

ایضاً

سوال [۸۷۲]: عید گاہ سے واپسی پر مسلمان آپس میں نہایت محبت اور خلوص سے ملتے ہیں، مصافحہ کرتے ہیں۔ یہ فعل کیسا ہے؟ یا اس کے بدعت ہونے کا کیا ثبوت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید ملنا (مصافحہ اور معانقہ کرنا) بے اصل ہے، علامہ شامی نے اس کو روافض کا طریقہ لکھا ہے، یہ

(۱) (تقدم تخریجہ من رد المحتار، کتاب الحظرو الإباحة، باب الإستبراء وغیرہ: ۶/۳۸۱ سعید تحت عنوان ”نماز عید کے بعد مصافحہ“)

قال ابن حجر: ”قال النووي: وأما تخصيص المصافحة بما بعد صلواتي الصبح والعصر، فقد مثل ابن عبد السلام في ”القواعد“ البدعة المباحة بها، قال النووي: أصل المصافحة سنة، وكونهم حافظوا عليها في بعض الأحوال لا يخرج ذلك عن أصل السنة، قلت: وللنظر فيه مجال فإن أصل صلاة النافلة سنة مرغّب فيها، ومع ذلك فقد كره المحققون تخصيص وقت بها دون وقت، ومنهم من أطلق تحريم مثل ذلك كصلوة الرغائب التي لأصل لها، ويستثنى من عموم الأمر بالمصافحة المرأة الأجنبية والأمر بالحسن“ (فتح الباری، کتاب الاستیذان، باب المصافحة: ۱۱/۵۵، دار المعرفۃ)

(و کذا فی السعیة علی شرح الوقایة، باب صفة الصلوة، قیل فصل فی القرآءة: ۲/۲۶۵، سہیل

اکیڈمی لاہور)

بدعت قبیحہ ہے (۱) اس کا ترک کرنا لازم ہے، اس طرح مبارک باد دینا کہ ”تقبل اللہ منا ومنکم“ درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

مصافحہ بعد الفجر والعصر

سوال [۸۷۵]: زید کہتا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے اور صحاح ستہ سے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول وفعل وعمل سے ثابت نہیں، زید یہ بھی کہتا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جمہور علماء کا بھی یہ عمل نہیں رہا ہے اور نہ ان کے عمل سے ثابت ہے، ایسا ہی عصر کی نماز کے بعد کہتا ہے جائز نہیں۔ عمر کہتا ہے کہ دونوں وقتوں میں مصافحہ کرنا جائز و لازمی ہے، اس کا ثبوت عمر یہ دیتا ہے کہ فجر وعصر کے بعد سنتیں نقلیں نہیں ہیں اس لئے مصافحہ کرنا دونوں وقتوں کی نمازوں کے بعد لازمی و ضروری ہے۔ زید یہ کہتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے مذکورہ وقتوں کی نماز کے بعد رسم کر لی ہے ورنہ حدیثوں میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، عمر یہ بھی کہتا ہے یہ کہ رسماً مصافحہ جائز ہے۔ لہذا زید و عمر کی بحث کا جواب صحاح ستہ کی حدیثوں کی روشنی میں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول وعمل کے ساتھ مدلل عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصافحہ کی ترغیب اور فضیلت احادیث میں موجود ہے (۳)، اس لحاظ سے یہ اسلامی کام ہے، اس کو

(۱) (تقدم تخريجه من فتح الباری، كتاب الاستيذان، باب المصافحة، والسعاية للعلامة اللكنوى على

شرح الوقاية“ باب صفة الصلوة، والمرقاة شرح المشكوة، باب المصافحة. تحت عنوان ”عيد ملنا“)

(۲) ”والتهنئة بيقبل الله منا ومنكم لاتنكر“. (الدر المختار)

وفى رد المحتار: وقال المحقق ابن أمير حاج: بل الأشبه أنها جائزة مستحبة فى

الجملة..... ثم قال: والتعامل فى البلاد الشامية والمصرية ”عيد مبارك عليك“ ونحوه“. (باب

العيدین: ۲/۱۶۹، سعید)

(۳) ”عن البراء بن عازب رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم:.....“

”والمسلمان إذا تصافحا، لم يبق بينهما ذنب إلا سقط“. رواه البيهقى فى شعب الإيمان“. (المشكوة،

كتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة، ص: ۲۰۱، قديمی)

اسلام ہی کی ہدایت کے مطابق انجام دینا چاہیے۔ شریعت نے اس کا وقت ابتدائے ملاقات کا وقت تجویز کیا ہے، کسی نماز کے بعد کا وقت اس کے لئے تجویز نہیں کیا (۱)۔

پس نماز کے بعد اس کا وقت تجویز کر لینا خواہ اعتقاداً ہو یا عملاً ہی ہو، یا اس وقت مصافحہ کے لئے کوئی مخصوص فضیلت تصور کرنا بلا دلیل ہے اور ایک مطلق کو مقید کرنا ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں، جیسے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے بعد جب انصراف فرماتے تو دہنی یا بائیں کسی جانب کا التزام نہ فرماتے۔ پس اگر کوئی شخص دہنی جانب کا التزام کرنے لگے تو بلا دلیل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہوگا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ ”یہ شیطان کا حصہ ہے“ (۲)، حالانکہ نماز کے

(۱) ”قال النووي : اعلم أن المصافحة سنة، ومستحبة عند كل لقاء، وما اعتاده الناس بعد صلاة الصبح والعصر، لأصل له في الشرع على هذا الوجه، ولكن لا بأس به؛ لأن أصل المصافحة سنة، وكونهم محافظين عليها في بعض الأحوال لا يخرج ذلك البعض عن كونه من المصافحة التي ورد الشرع بأصلها، وهي من البدعة المباحة۔“ و لا يخفى أن في كلام الإمام (أى النووي) نوع تناقض؛ لأن إتيان السنة في بعض الأوقات لا يسمى بدعة مع أن عمل الناس في الوقتين المذكورين ليس على وجه الإستحباب المشروع، فإن محل المصافحة المشروعة أول الملاقاة، وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام ومذاكرة العلم وغيره مدةً مديدةً، ثم إذا صلوا، يتصافحون، فأين هذا في السنة المشروعة؟ ولهذا صرح بعض علمائنا بأنها بدعة مكروهة حينئذٍ وأنها من البدع المذمومة۔“ (المراقبة شرح المشكوة كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة : ۴۵۸/۸، رشيدية)

وقال ابن حجر بعد قول النووي: ”و للنظر فيه مجال، فإن أصل صلاة النافلة سنة مرغّب فيها، ومع ذلك فقد كرهه المحققون تخصيص وقت بهادون وقت، ومنهم من أطلق تحريم مثل ذلك كصلاة الرغائب التي لأصل لها، ويستثنى من عموم الأمر بالمصافحة المرأة الأجنبية والأمرد الحسن۔“ (فتح الباری، کتاب الاستیذان، باب المصافحة : ۵۵/۱۱، دار المعرفة بیروت)

(۲) ”عن الأسود قال : قال عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه : لا يجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلواته، يرى أن حقاً عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه، لقد رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره۔“ (صحيح البخارى، كتاب الأذان، باب الإنفتال والإنصراف عن اليمين والشمال : ۱۱۸/۱، قديمي)

بعد انصراف ہوتا ہی ہے اور فی نفسہ وہنی جانب کو بائیں جانب پر فضیلت بھی حاصل ہے، مگر اس جگہ مطلق انصراف کو وہنی جانب کے ساتھ مقید کرنے کی اجازت نہیں دی، جس طرح کسی ہیئت خاصہ غیر ثابتہ کا اپنی طرف سے ایجاد یا التزام ممنوع ہے۔

درمختار میں چند کتابوں کے حوالہ سے امام نوویؒ سے نمازوں کے بعد مصافحہ کی تخصیص کو بدعت کہہ کر اجازت دی ہے، لیکن امام نوویؒ حنفی نہیں ہیں شافعی المذہب ہیں، نیز انھوں نے کسی حدیث یا آثارِ صحابہؓ سے یا قول مجتہد سے اس کا ماخذ بیان نہیں کیا، اس وجہ سے دوسرے شوافع علامہ ابن حجرؒ وغیرہ نے بھی ان کے قول کو تسلیم نہیں کیا بلکہ صراحۃً رد کیا ہے۔ ابن حجرؒ نے اس کو بدعت مکروہ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ جو شخص ایسا کرے اس کو اول تنبیہ کی جائے، اگر نہ مانے تو تعزیر کی جائے۔

علامہ ابن الحاج مالکیؒ نے بھی لکھا ہے کہ شریعت نے مصافحہ کے لئے نمازوں کے بعد کا وقت تجویز نہیں کیا، جو شخص ایسا کرے اس کو منع کر دیا جائے اور ڈانٹ دیا جائے۔ حنفیہ کی معتبر کتاب ”ملتقط“ سے نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا ہر حال میں مکروہ ہے، چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نماز کے بعد مصافحہ نہیں کیا اور یہ تو روافض کا طریقہ ہے، نیز سلف سے کہیں منقول نہیں۔ علامہ شامی حنفی نے ان نقول کو ردالمحتار: ۲۴۴/۵ میں لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے:

”أن المواظبة عليها بعد الصلوة خاصة قديومي الجهلة إلى اعتقاد سنيتها في خصوص هذه المواضع، وأن لها خصوصية زائدة على غيرها مع أن ظاهر كلامهم أنه لم يفعلها أحد من السلف في هذه المواضع. ونقل في التبيين عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أدا الصلوة لكل حال؛ لأن الصحابة ماصافحوا بعد أداء الصلوة، ولأنها من سنن الروافض. ثم نقل عن ابن حجر: ۴/۵ من الشافعية أنها بدعة مكروهة لأصل لها في الشرع، وأنه ينبه فاعلها أولاً ويعزر ثانياً: ثم قال: وقال ابن الحاج رحمه الله تعالى من المالكية في المدخل: ۴/۲۸۸: إنها من البدع، وموضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه لافي أدا بار الصلوة، فحيث وضعها الشرع يضعها، فينهي عن ذلك، ويزجر فاعله لما أتى به من خلاف السنة“ (۱)۔

(۱) (كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ۳۸۱/۲، سعيد)

(المدخل لابن الحاج: ۲/۲۲۳، فصل في البدع التي احدثت في المجالس، مصطفى البابی، مصر)

عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: لا يجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلوة يرى أن حقاً عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه، لقد رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره“، (مشکوٰۃ شریف، ص: ۸۷) (۱)۔

امام نوویؒ شافعی ہیں، خود شوافع ان کے اس قول کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، جیسا کہ ابن حجرؒ نے فتاویٰ کبریٰ فقہیہ ۴/ ۴۵، ۴۷ میں لکھا ہے کہ یہ نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا بے اصل ہے، بدعت ہے، مکروہ ہے، جو شخص ایسا کرے اس کو اول تنبیہ کی جائے، اگر نہ مانے تو تعزیر کی جائے یعنی سزا دی جائے۔ مالکیہ بھی تسلیم نہیں کر رہے ہیں، جیسا کہ المدخل ۲/ ۲۸۸ میں ہے۔ حنفیہ بھی اس کو ممنوع لکھتے ہیں، جیسا کہ مجالس الابرار مجلس: ۸ (۲) اشعة اللمعات ص ۲۰ ج ۳ (۳)، عزیز الفتاویٰ ۱/ ۴۰۳ (۴) میں ہے۔

بعض اہل مطالعہ کو درمختار کی عبارت سے شبہ ہو جاتا ہے، حالانکہ وہ نووی سے نقل کر رہے ہیں جو کہ حنفی نہیں، اسی پر ردالمحتار میں اس کی تردید کے لئے متعدد کتب سے عبارات نقل کی ہے۔ شرح عقود رسم المفتی (۵) میں لکھا ہے کہ درمختار میں بعض دفعہ اختصار نقل میں ہوتا ہے، بعض دفعہ غیر مختار، غیر مفتی بہ، مرجوح، ضعیف قول نقل

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوة، باب الدعافى التشهد، ص: ۸۷، قدیمی)

(۲) ”مصافحہ میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو اور وقت ملاقات کے علاوہ جیسے نماز جمعہ وعیدین کے بعد جیسا کہ اس زمانے میں عادت ہے، تو یہ چونکہ حدیث سے ثابت نہیں ہے، اسلئے بلا دلیل ہے۔ اور یہ بات اپنی جگہ ثابت ہو چکی ہے کہ جس امر کی کچھ دلیل نہ ہو وہ مردود ہے، اس میں تقلید جائز نہیں ہے، بلکہ وہ روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے اس کو رد کرتی ہے“ الخ یعنی (من أحدث فی أمرنا هذا الخ) (ترجمہ مجالس الابرار المفتی کفایت اللہ، چپا سویں مجلس، ص: ۳۶۱، دارالاشاعت)

(۳) ”تقدم تخريجه تحت عنوان: ”مصافحہ بعد العیدین““

(۴) ”نماز عیدین میں یادگیر نمازوں کے بعد تخصیص مصافحہ کی کرنا اور اسی وقت خاص میں اس کو سنت جاننا اور معمول بہ ٹھہرانا فقہاء نے منع لکھا ہے اور ”تمییز المحارم“ میں اس کو روافض کے طریقے سے لکھا ہے اور مکروہ فرمایا ہے۔“ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند الموسومہ بعزیز الفتاویٰ، کتاب السنۃ والبدعہ، ص: ۱۲۸، دارالاشاعت کراچی)

(۵) ”و من الكتب الغريبة“ ملامسکین شرح الكنز“ أو لنقل الأقوال الضعيفة كصاحب ”القنية“ أو الإختصار“ كالدرا المختار للحصفي انه لا يجوز الإفتاء من هذه الكتب إلا إذا علم المنقول عنه و الإطلاع على ما أخذها الخ“ (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۳۶، میر محمد)

کر دیتے ہیں اس لئے محض اس پر فتویٰ دینا جائز نہیں، جب تک ماخذ سامنے نہ ہو، جہاں کہیں ایسی چیز درمختار میں ہوتی ہے علامہ شامیؒ اس پر تنبیہ فرمادیتے ہیں کہ یہ مرجوح ہے یا غیر مفتی بہ، دوسری فلاں فلاں کتاب میں اس کے خلاف لکھا ہے جیسا کہ اس کے مصنفہ والے مسئلہ میں تنبیہ کر دی ہے (۱)۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۲/۸۹ھ۔

نماز جمعہ سے پہلے بعض رسوم اور بعد میں مصنفہ

سوال [۸۷۶]: ہمارے یہاں شافعی مسلک کے لوگ رہتے ہیں وہ جمعہ کے دن خطبہ سے قبل یہ دعا: ”إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا“۔
یامعشر المسلمین رحمکم اللہ! قد رویا فی الخبر عن سید البشر شفیع أمتہ فی يوم المحشر، سید الأشراف و متمم مکارم الأخلاق والأوصاف، سیدنا عرب العجم محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف، أنه ما إذا صعد الخطيب عن المنبر، ثم خطب فلا يتكلم أحدكم، من تكلم فقد لغا، ومن لغا فلا جمعة له، أنصتوا رحمکم اللہ، فاستمعوا يغفر الله تعالى ولوالدینا ولوالدیکم، واستاذنا ولا استاذکم، وجميع المؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات“ مؤذن کھڑا ہو کر پڑھتا ہے اور عصا اپنے ہاتھ

(۱) ”و نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط أنه تکره المصافحة بعد أداء الصلوة بكل حال؛ لأن الصحابة رضي الله تعالى عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلوة، ولأنها من سنن الروافض، ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة مكروهة لأصل لها في الشرع، وأنه ينه فاعلها أولاً ويعزر ثانياً، ثم قال: وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: إنها من البدع، ووضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه، لا في أدبار الصلوات، فحيث وضعها، الشرع يضعها، فينهى عن ذلك، ويزجر فاعلها ما أتى به من خلاف السنة الخ“۔ (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیرہ: ۳۸۱/۶، سعید)

سے خطیب کے ہاتھ میں دیتا ہے۔ اور خطیب کے منبر پر چڑھنے سے قبل یہ دعا پڑھی جاتی ہے جس کو خود مؤذن پڑھتا ہے: ”اللہم أعز الإسلام والمسلمین، وأذل الشریک والمشرکین، برحمتک یا أرحم الراحمین“ اس کے بعد خطیب منبر پر رونق افروز ہو کر السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ کہہ کر بیٹھ جاتا ہے، اس کے بعد اذان دی جاتی ہے، خطبہ اولیٰ ختم ہو جانے کے بعد یہ دعا مؤذن بلند آواز سے پڑھتا ہے اور سب آمین کہتے ہیں، دعا یہ ہے: ”اللہم اختتم لنا بالخیر بحرمتک القرآن العظیم، وأکرم الکرم، برحمتک یا أرحم الراحمین، والحمد لله رب العالمین“۔

اس کے بعد خطبہ ثانیہ ہوتا ہے، بعد نماز پڑھی جاتی ہے، نماز کے فوراً بعد سب آدمی مسجد میں سلام و مصافحہ کرنے لگتے ہیں اور اپنے اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں۔

ایک صاحب وہ دعائیں جو اوپر درج کی گئی ہیں پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں ان دعاؤں کا وجود نہیں ہے۔ لہذا حضرت والا سے استدعاء ہے کہ مکمل و مدلل تحریر فرمائیں کہ فقہ شافعی میں حدیث شریف میں ان دعاؤں کا وجود ہے یا نہیں اور ان کا پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبہ جمعہ سے متعلق ان دعاؤں کا پڑھنا حدیث و فقہ سے ثابت نہیں، جو ثابت مانتے ہیں وہ دلیل دیں۔ فقہ حنفی کی مبسوط کتاب رد المحتار: ۵/۲۴۴ (۱) میں مصافحہ کے لئے نماز کے بعد وقت مقرر کرنے کو

(۱) (قوله: كما أفاده النووي في أذكاره) حيث قال: اعلم أن المصافحة مستحبة عند كل لقاء، وأما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر، فلا أصل له في الشرع على هذا الوجه ولكن لا بأس به، فإن أصل المصافحة سنة..... قال الشيخ أبو الحسن البكري: وتقيد به بما بعد الصبح والعصر على عادة كانت في زمنه وإلا فعقب الصلوات كلها كذلك اهـ۔ (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ۶/۳۸۱، سعيد)

(و كذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب في صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۵، سعيد)

(و كذا في كتاب الأذكار للنووي، كتاب السلام والاستئذان الخ، فصل في المصافحة: ۳۳۳، ۳۳۴،

دار البيان، بيروت)

(و كذا في فتح الباري، كتاب الاستئذان، باب المصافحة: ۱۱/۵۵، دار المعرفة)

بدعتِ ممنوعہ اور طریقہٴ روافض لکھا ہے جس کا ترک لازم ہے، حافظ ابن حجر شافعی سے نقل کیا ہے کہ: ”انها بدعة مكروهة، لا أصل لها في الشرع، وينبہ فاعلها أولاً، ويعزر ثانياً اه“ (۱)۔ یعنی نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعت و مکروہ ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، جو ایسا کرے اس کو اولاً تنبیہ کی جاوے، نہ مانے تو تعزیر کی جاوے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۴/۹۰ھ۔



(۱) (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیرہ:

اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کا بیان

اذان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا

سوال [۸۷۷]: اذان میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا کیسا ہے اور جو لوگ انگوٹھے چومنے والی حدیث پیش کرتے ہیں کیا وہ موضوع (گھڑی ہوئی) ہے اور موضوع حدیث سے کیا مراد ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کا جواب دینا سنتِ موکدہ واجب کے قریب ہے (۱)۔ اذان میں انگوٹھے چومنا کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں۔ کتاب الفردوس (۲) میں وہ روایت موجود ہے، لیکن اس کتاب کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اس میں موضوع روایت بہت ہیں (۳)۔ موضوع روایت وہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو، بلکہ کسی اور نے جھوٹ بات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی ہو۔ کنز العباد اور فتاویٰ صوفیہ (۴) میں بھی یہ روایت موجود ہے، لیکن علامہ شامیؒ نے

(۱) ”عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن“..... هشام عن يحيى نحوه، قال يحيى: وحدثني بعض إخواننا أنه قال: لما قال: ”حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ“ قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، وقال: هكذا سمعنا نبيكم صلى الله تعالى عليه وسلم يقول“، (صحيح البخارى، كتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع المنادى: ۸۶/۱، قديمي)

(۲) ”و فی کتاب الفردوس: ”من قبل ظفري إبهاميه عند سماع أشهد أن محمداً رسول الله في الأذان، أناقائه و مدخله في صفوف الجنة“، (رد المحتار، باب الأذان: ۳۹۸/۱، سعيد)

(۳) ”دریں کتاب اوموضوعات وواہیات تودہ تودہ مندرج“، (بستان المحدثین، حافظ شیرازیہ کا تذکرہ، ص: ۱۶۲، سعید)

(۴) ”ثم يقول: ”اللهم متعني بالسمع والبصر بعد وضع ظفري لإبهامين على العينين“..... كذا في كنز العباد، قهستانی، و نحوه في الفتاوى الصوفية..... و ذكر الجراحي و أطال، ثم قال: لم يصح في =

ردالمحتار میں لکھا ہے کہ فتاویٰ صوفیہ غیر معتبر کتاب ہے، اس پر فتویٰ دینا درست نہیں (۱)۔ علامہ ابن عابدین نے اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”وذكر ذلك الجراحى و أطال، ثم قال: ولم يصح فى المرفوع من كل هذا شئ اء“.

(شامی: ۱/ ۲۶۷) (۲)۔

ترجمہ: جراحى رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں طویل بحث کے بعد لکھا ہے کہ اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث موجود نہیں جس سے انگوٹھا چومنے کو مسنون یا مستحب قرار دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا

سوال [۸۷۸]: ”أشهد أن محمداً رسول الله“ پر انگوٹھا چومنا اور ہر سنت کے بعد دعائے مانگنا، فرض

= المرفوع من كل هذا شئء“ (ردالمحتار، باب الأذان: ۱/ ۳۹۸، سعید)

”مسح العينين بباطن أناملتي السابتين بعد تقبيلهما ذكره الديلمى فى الفردوس
وكذا ما أور وأبو العباس أحمد بن أبى بكر رداد اليماني المتصوف فى كتابه ”موجبات الرحمة وعزائم
مغفرة“ بسند فيه مجاهيل ولا يصح فى المرفوع من كل شئ“ (المقاصد الحسنة، حرف الميم،
ص: ۳۴۰ - ۳۴۱، رقم الحديث: ۱۰۱۹، دار الكتب العلمية)

(۱) فتاویٰ صوفیہ پر رد کے بارے میں علامہ شامیؒ کی مذکورہ بالا جزئیہ کے علاوہ دوسرا صریحی جزئیہ نہیں ملا، البتہ اس کے رد میں علامہ عبدالحی لکنویؒ کی صریح عبارت موجود ہے فرماتے ہیں: ”این تفصیل را در بعض کتب فقہ مستحب نوشتہ است، نہ واجب و نہ سنت، مثل کنز العباد و خزائن الروایات و جامع الرموز و فتاویٰ صوفیہ وغیرہ، مگر در اکثر کتب معتبرہ متداولہ نشان آن نیست، و آن کتب کہ در آنہا این مسئلہ مذکور است غیر معتبرانہ، چنانچہ جامع الرموز و فتاویٰ صوفیہ و کنز العباد وغیرہ ازین وجہ کہ در این کتب رطب و یابس بلا تنقیح مجتمع است، تفصیل آن در رسالہ ”من النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير“ موجود است، و احادیثیکہ دریں باب فقہاء نقل میکنند آنہا بتحقیق محدثین نیستند، الخ“ (مجموعۃ الفتاویٰ علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ، أوائل کتاب الکراہیۃ: ۳۲۵/۲، امجد اکیڈمی)

(۲) (ردالمحتار، باب الأذان: ۱/ ۳۹۸، سعید)

(و کذا فی مجموعۃ الفتاویٰ للعلامة اللکنویؒ، کتاب الکراہیۃ: ۳۲۵/۲، امجد اکیڈمی لاہور)

نماز کے بعد دونوں کانوں کو ہاتھ لگا کر پھر زمین پر لگانا، پھر کان کی لو پکڑنا (توبہ کا طریقہ سمجھ کر) کیسا ہے، تسبیح پڑھنے کے بعد دعائے مانگنے سے پہلے منہ پر ہاتھ پھیرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

”أشهد أن محمد رسول الله“ پر انگوٹھے چومنا اور اس کو ثواب سمجھنا شرعاً ثابت نہیں، دعاء ہر نماز فرض سنت نفل کے بعد درست ہے۔ توبہ کا یہ طریقہ جو کہ عوام میں رائج ہے، قابل اتباع نہیں بلکہ قابل ترک ہے۔ تسبیح پڑھنے کے بعد دعائے مانگنے سے پہلے منہ پر ہاتھ پھیرنا ثابت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اذان کے بعد انگوٹھا چومنا

سوال [۸۷۹]: بعض لوگ اذان کے بعد انگوٹھا چومتے ہیں، اس کے بارے میں کوئی حدیث ہے؟
محی الدین کلکتہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علامہ شامی نے تفصیلی بحث کے بعد لکھا ہے کہ اس کے واسطے کوئی صحیح مرفوع حدیث ثابت نہیں۔ رد المحتار جلد اول، ص: ۲۶۷ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

انگوٹھے چومنا اور حیلہ اسقاط

سوال [۸۸۰]: جو مسلمان اذان کے وقت انگوٹھا نہ چومے وہ کافر ہے یا مسلمان، کیا اس کو کافر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

۲..... ہمارے ملک میں مردہ پر سے صوم و صلوٰۃ کے اسقاط کا یہ رواج ہے کہ دو سیر گندم اس پر ایک روپیہ اور قرآن مجید یہ تینوں چیزوں کو ملا کر دو تین آدمی جو کہ ان میں کوئی مسکین نہیں ہوتا ہے، آپس میں ملک و تملیک

(۱) ”وذكر الجراحى فأطال، ثم قال: ولم يصح فى المرفوع من كل هذا شىء“۔ (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۹۸، سعید)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۹۸، سعید)

(و كذا فى مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، أوائل الكراهية: ۳/۳۲۵، رشیدیہ)

کرتے ہیں، یہ فقہ میں بھی مروجہ طریقہ ہے یا نہیں اور جو شخص اس مروجہ طریقہ کا قائل نہ ہو اس کو ملامت کرنا اور اس پر دھبہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اذان کے وقت انگوٹھے چومنا کسی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں، لہذا اس کو سنت سمجھنا غلط ہے (۱)، البتہ بعض سلف سے آشوب چشم کا علاج ہونے کی حیثیت سے منقول ہے (۲)، پھر اس کے ترک پر کفر کا حکم تو کیا ہوتا ترک استحباب کا بھی نہیں، کسی مسلمان کو بلا وجہ شرعی کافر کہنا نہایت خطرناک ہے، اس سے ایمان جاتا رہتا ہے (۳)۔

۲..... یہ طریقہ بدعت و بے اصل ہے، اس سے صوم و صلوٰۃ وغیرہ میت کے ذمہ سے کچھ ساقط نہیں ہوتا اس سے اجتناب واجب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ، مظاہر العلوم سہارنپور۔

اذان میں انگوٹھے چومنا

سوال [۸۸۱]: اذان میں آنحضرت کے نام پر انگوٹھا چومنا مولانا عبدالشکور صاحب نے ”کنز

(۱) ”قدمضیٰ تخریجہ من رد المحتار لابن عابدین و مجموعۃ الفتاویٰ لعبدالحی الکنوی“ تحت عنوان ”اذان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سکر انگوٹھے چومنا“

”مسح العینین بباطن أنملت السبابتین بعد تقبیلہما عند سماع قول المؤذن: أشهد أن محمداً رسول الله..... ذكره الديلمي في الفردوس..... وأبو العباس في ”موجبات الرحمة وعزائم المغفرة“ بسند فيد مجاہیل..... ثم روى بسند فيه من لم أعرفه..... ولا يصح في المرفوع من كل هذا شئ“
(المقاصد الحسنة، ص: ۴۴۰، ۴۴۱، رقم الحديث: ۱۰۱۹، دار الكتب العلمیہ)

(۲) اس کے بارے میں علامہ عبدالحی نے ”تذکرہ“ سے عدم صحت نقل کیا ہے، کما سیأتی من مجموعۃ الفتاویٰ لہ:
(۳۲۵/۲، امجد اکیدمی)

(۳) ”عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”لا يرمى رجل رجلاً بالفسوق ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك“ (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قديمی)

العمال“ سے ثابت کیا ہے کہ پہلے مرتبہ حضرت کے نام پر ”صلی اللہ علیک یا رسول اللہ“ کہے، یہ صیغہ حاضر کے ہیں تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر تصور کریں؟ بہار شریعت میں بحوالہ ردالمحتار لکھا ہے کہ جب مؤذن: ”اشہدان محمد رسول اللہ“ کہے تو سننے والا درود شریف پڑھے اور مستحب ہے کہ انگوٹھوں کو بوسہ دیکر آنکھوں سے لگائے اور کہے: ”قرۃ عینی بک یا رسول اللہ اللہم، متعنی بالسمع و البصر“۔ یہ قول مفتی بہ ہے یا ردالمحتار نے کچھ تنقید کی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس حدیث کو بحوالہ ”فردوس دیلمی“ نقل کر کے تذکرۃ الموضوعات، ص: ۳۴ میں لکھا ہے: ”لا یصح“ (۱) اور ابوالعباس متصوف کی سند کو لکھا ہے: ”فیہ مجاہیل“ (۲)، اس کے بعد بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ یہ آشوب چشم کا مجرب علاج ہے (۳)۔ پس اس کو سنت ہدی سمجھ کر بطور عبادت کرنا بے اصل بلکہ بدعت ہے، اس لئے ترک لازم ہے، ہاں اگر کوئی آشوب چشم کے علاج کی غرض سے اسی طرح کرے جس سے دوسروں کو سنت و ثواب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو درست ہے۔ کنز العمال میں ہر طرح کی روایات ہیں، موضوعات بھی ہیں، ردالمحتار (۴) میں اس کو ”کنز العباد“ کے حوالے سے نقل کیا ہے جس کا درجہ کنز العمال سے بھی

(۱) ”ذکرہ الدیلمی فی الفردوس من حدیث أبی بکر الصدیق أن لما سمع قول المؤذن: ”أشهدان محمدًا رسول الله، قال مثله، و قبل بباطن الأناملین السبابة، و مسح عینیہ، فقال صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم: ”من فعل مثل ما فعل خلیلی، فقد حلت علیہ شفاعتی، ”و لا یصح“۔ (تذکرۃ الموضوعات لمحمد بن طاہر بن علی الفتنی، باب الأذان و مسح العینین فیہ و نحوه، ص: ۳۴، مطبعة الشرق بمصر)

(۲) ”و کذا (ای لا یصح) ما أورده أبو العباس بسند فیہ مجاہیل مع انقطاعه عن الخضر علیہ السلام أنه ”من قال حين سمع أشهدان محمد رسول الله: مرحباً بحبیبي و قرۃ عینی محمد بن عبد الله صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم، ثم یقبل إبهامیه و یجعلهما علی عینیہ، لم یعم و لم یرمدأبدأ“۔ (تذکرۃ الموضوعات، ص: ۳۴)

(۳) ”و حکى البعض: من صلی علی النبی صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم إذا سمع ذکرہ فی الأذان، و جمع أصبعیه المسبحة و الإبهام، و قبلهما و مسح بهما عینیہ، لم یرمدأبدأ“۔ (تذکرۃ الموضوعات، ص: ۳۴)

(۴) (ردالمحتار، باب الأذان: ۱/ ۳۹۸، سعید)

کمتر اور ضعیف ہے، اس میں ایسی روایات ضعیفہ موضوعہ اور مسائل غریبہ ہیں، جن پر فتویٰ ہرگز نہیں دیا جاسکتا ہے۔ النافع الکبیر (۱) میں اس کتاب کا حال مذکور ہے۔ فردوس ویلی کے متعلق بستان المحدثین، ص: ۶۱ (۲) مصنف کا حال نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ: ”امادراتقان معرفت و علم او قصوریست، در سقیم و صحیح احادیث تمیز نمی کند، و سند او دریں کتاب فردوس موضوعات و واهیات تودہ تودہ مندرج اہ“۔ قہستانی اور فتاویٰ صوفیہ سے بھی استنباط نقل کیا ہے (۳)، خود علامہ شامی فرماتے ہیں: ”القہستانی کجارف سیل و حاطب لیل اہ“ (۴)۔

ملا علی قاری نے لکھا ہے: ”لقد صدق عصام الدین فی حق القہستانی أنه لم یکن من تلامذۃ شیخ الإسلام الهروی، لا من أعالیهم ولا من أدانیهم، وإنما کان دلال الکتب فی زمانہ، ولا کان یعرف بالفقہ و غیرہ بین أقرانہ، و یؤیدہ أنه یجمع فی شرحہ ہذا بین الغث والسمین والصیح والضعیف من غیر تحقیق و تدقیق، فهو کحاطب اللیل الجامع بین الرطب و الیابس فی اللیل اہ“ (۵)۔ فتاویٰ صوفیہ کے متعلق عمدۃ الرعاہ میں برکلی سے نقل کیا ہے: ”إنہالیست من الکتب

(۱) ”و کذا کنز العباد (أی من الکتب الغیر المعترۃ)، فإنه مملوء من المسائل الواہیۃ والأحادیث الموضوعۃ، لا عبرۃ لہ، لا عند الفقہاء ولا عند المحدثین، قال علی القاری فی ”طبقات الحنفیۃ“ علی بن أحمد الغوری لہ کتاب أجمع فیہ مکروہات المذہب سماہ ”مفید المستفید“ و لہ ”کنز العباد فی شرح الأوراد“ قال العلامة جمال الدین المرشدی: فیہ أحادیث سمجۃ موضوعۃ لا یحل سماعہا، انتہی“۔ (النافع الکبیر للکنوی علی الجامع الصغیر، ص: ۲۹، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (بستان المحدثین اردو فارسی، بحث فردوس الدیلمی، عنوان: حافظ شیرویک کا تذکرہ، ص: ۶۲ سعید)

(۳) (رد المحتار، باب الأذان: ۱/ ۳۹۸، سعید)

(۴) (تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ لابن عابدین: ۲/ ۳۵۶، کتاب الحظر والإباحۃ، مسئلۃ لبس الأحمر، المطبعۃ المیمنیہ، مصر)

(۵) (لم أظفر علی طبقات الحنفیۃ للقاری)

(وقد ذکرہ الکنوی فی النافع الکبیر علی الجامع الصغیر ص: ۲۷، إدارة القرآن کراچی)

المعتبرة، فلا يجوز العمل بما فيها إلا إذا علم موافقتها للأصول“ (۱)۔

نیز علامی شامی نے اس کو بلا تنقید نہیں چھوڑا، ان کتب کا حوالہ نہ دینا بھی تنقید ہے، پھر اخیر میں ہے:

”لم يصح في المرفوع من كل هذا شيء اه“ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمد وغفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ محرم الحرام/ ۱۴۰۰ھ۔

بوقتِ اذان تقبیل ابہامین

سوال [۸۸۲]: ما يقول العلماء الفقهية والإعتقادية في مسألة: رجل سمع النداء، فلما بلغ المؤذن عند قول: أشهد أن محمداً رسول الله “فقبل إبهاميه، فوضع على عينيه، وقال من فيه: قرّة عينى بك يا رسول الله، فطعن عليه رجل آخر، فقال: هذا فعل حرام، فيغضبان بينهما، ولا يتكلمان بينهما، من أصاب الحق ومن أخطأ؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قال الشامي في رد المحتار: ۲۷۹/۱: ”يستحب أن يقال عند سماع الأولى من الشهادة: صلى الله عليك يا رسول الله، وعند الثانية منها: قرّة عينى بك يا رسول الله، ثم يقول: اللهم متعنى بالسمع والبصر بعد وضع ظفري الإبهامين على العينين، فإنه يكون قائداً له إلى الجنة، كذا في كنز العباد اه، قهستاني. ونحوه في الفتاوى الصوفية. وفي كتاب الفردوس: من قبل ظفري إبهاميه عند سماع ”أشهد أن محمداً رسول الله“ في الأذان، أناقائده و مدخله في صفوف الجنة، وتمامه في حواشي البحر للملي ”المقاصد الحسنة للسخاوي، وذكر ذلك الجراحى وأطال، ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء اه“ (۳)۔

(۱) (مقدمة عمدة الرعاية: ۱۲/۱، سعيد)

(و انظر النافع الكبير للكنوي على الجامع الصغير ص: ۳۰، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (رد المحتار، باب الأذان: ۱/۳۹۸، سعيد)

(۳) (رد المحتار، باب الأذان: ۱/۳۹۸، سعيد)

قلت: ذكر القارى (١) والشوكانى (٢) والفتنى (٣) فى الموضوعات هذا حال الرواية. و أما تقبيل إبهامين عند ذلك ووضعهما على العينين، فهو عمل لاستشفائهما عن الرمء، منقول عن بعض السلف، لا يزيد على هذا (٤) فمن فعل هذا على وجه القرية والمثوبة، فهو بدعة ينبغى تركها. وأما النداء فإن اعتقد أن الملائكة تبلغه إلى النبى صلى الله تعالى عليه وسلم بإذنه تعالى فلا بأس، وإن اعتقد أن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم يسمع بغير توسط أحد من كل مكان، فهو غير ثابت، بل هو شعبة من علم الغيب، وهو أمر تفرد به الله تعالى، وكفر الحنفية تصريحاً من اعتقد أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يعلم الغيب وشريك معه تعالى فى علم الغيب لمعارضة قوله تعالى: ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (٥) ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (٦) كذا فى شرح الفقه الأكبر (٧) - وأما الكتب التى نقل عنها الشامى أعنى "كنز العباد" و"الفتاوى الصوفية"

(١) "مسح العينين بباطن أنملتى السبابتين بعد تقبيلهما عند سماع قول المؤذن: أشهد أن محمداً رسول الله، مع قوله: أشهد أن محمداً عبده ورسوله، رضيت بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد عليه الصلوة والسلام نبياً". ذكره الديلمى فى "الفردوس" عن حديث أبى بكر الصديق أن النبى عليه الصلوة والسلام قال: "من فعل ذلك، فقد حلت شفاعتى". (الموضوعات الكبرى: ٢٠١، رقم الحديث: ٨٢٩، قديمى)

(٢) "من قال حين يسمع أشهد أن محمداً رسول الله مرحباً بحبيبتى وقرة عيني محمد بن عبد الله، ثم يقبل إبهاميه، ويجعلهما على عينيه لم يعم ولم يرمد أبداً". قال فى التذكرة: لا يصح". (الفوائد المجموعة فى الأحاديث الموضوعية، ص: ٢٠، رقم الحديث: ١٩، كتاب الصلاة، السنة المحمدية الطاهرة)

(٣) "ذكره الديلمى فى الفردوس من حديث أبى بكر الصديق أنه لما سمع قول المؤذن: "أشهد أن محمداً رسول الله، قال مثله، وقبل بباطن الأنملتين السبابة، ومسح عينيه، فقال صلى الله تعالى عليه وسلم: "من فعل مثل ما فعل خليلي، فقد حلت عليه شفاعتى". "و لا يصح". (تذكرة الموضوعات لمحمد بن طاهر بن على الفتنى، باب الأذان ومسح العينين فيه ونحوه ص: ٣٢، مطبعة الشرق بمصر)

(٤) "و حكى عن البعض من صلى على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم إذا سمع ذكره فى الأذان، وجمع أصبعيه: المسبحة والإبهام، وقبلهما ومسح بهما عينيه، لم يرمد أبداً". (تذكرة الموضوعات للفتنى ص: ٣٢)

(٥) (النمل: ٦٥) (٦) (الأنعام: ٥٩)

(٧) "و بالجملة فالعلم بالغيب أمر تفرد به سبحانه ثم اعلم أن الأنبياء عليهم الصلوة والسلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما علمهم الله تعالى أحياناً، وذكر الحنفية تصريحاً بالكفر باعتقاده أن =

و”کتاب الفردوس“ فکلها لایعتمد علیها، لکونها جامعة للطرب والیابس، كما صرح به فی النافع الكبير (۱) و بستان المحدثین (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود غفرلہ۔



= النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یعلم الغیب لمعارضۃ قوله تعالى: ﴿قُلْ لَا یَعْلَمُ مِنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغِیْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کذا فی المسایرة“۔ (شرح الفقہ الاکبر للقاری، ص: ۱۵۱، قدیمی)

(۱) و کذا ”کنز العباد“ (أی من الکتب الغیر المعتبرة) فإنه مملوء من المسائل الواهية والأحادیث الموضوعية، لا عبرة له، لا عند الفقهاء ولا عند المحدثین، قال علی القاری فی ”طبقات الحنفية“: علی بن أحمد الغوری له کتاب جمع فیہ مکروهات المذهب سماه ”مفيد المستفيد“ وله كنز العباد فی شرح الأوراد“ قال العلامة جمال الدین المرشدی: فیہ أحادیث سمجة موضوعة لایحل سماعها، ص: ۲۹۔ و کذا ”الفتاوی الصوفية“ لفضل الله محمد بن أيوب المنتسب إلى ماجو، تلميذ صاحب جامع المضمرة شرح القدوری۔ قال البرکلی: الفتاوی الصوفية لیست من الکتب المعتبرة، فلا یجوز العمل بما فیها إلا إذا علم موافقتها للأصول. انتهى“۔ (النافع الكبير للکنوی علی الجامع الصغير، ص: ۲۹، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ”حافظ یحیٰ بن منده در حق او گفته کہ جوانی زیرک و حسن خلق در مذهب سنت متصلب ست، و از اعتزال دور مرد کم گو و دلیر دل، اما در اتقان معرفت و علم او قصور است، در صحیح و سقیم احادیث تمییز نمی کند، دوله ادا درین کتاب او موضوعات و واهیات توده توده مندرج“۔ (بستان المحدثین، ص: ۱۶۲، سعید)

میلاد، سیرت کی محافل اور عرس کا بیان

محفل میلاد

سوال [۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

میلاد شریف میں قیام بوقت ذکر و لادت بغرض تعظیم نبی علیہ السلام جسداً یا روحاً شرعاً مستحب یا مشروع کس درجہ میں ہے یا نہیں؟ اگر بدعت ہے تو سیئہ ہے یا حسنہ؟ بعض قائلین بالقیام آیت کریمہ پارہ سورۃ فتح ﴿لَتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ﴾ (۱) الخ اور حدیث ”قوموا الی سیدکم“ (۲) سے استدلال کرتے ہیں۔ بصورت عدم جواز استدلال کا جواب اور بیان تو بہ زمانہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کس طرح ثابت ہے؟ بینو باللیل مع حوالہ کتب تو جروا اجرا الجزیل۔ المستفتی: حکمت اللہ غفرلہ، میمن سنگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر مبارک خواہ ذکر و لادت ہو یا عبادات، معاملات، جہاد، شب و روز کے نشست و برخاست کا ذکر ہو بلاشبہ باعث ثواب، موجب خیر و برکت ہے (۳)، مگر مجلس میلاد مروجہ طریق پر بے اصل، خلاف شرع اور بدعت ہے، بہت قبائح اور منکرات پر مشتمل ہوتی ہے۔ ابن امیر حاج نے مدخل، ج: ۲ میں ۳۲ صفحات میں اس کے مفاسد کو شمار کرایا ہے (۴)۔ آپ کا سوال صرف قیام کے متعلق ہے لہذا اسی کے

(۱) (الفتح: ۹)

(۲) (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی القیام: ۷۰۸/۲، دار الحدیث ملتان)

(۳) ”نفس ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا بلکہ ذکر و لادت آپ کا مثل ذکر دیگر سیر و حالات کے مندوب ہے۔“

(برائین قاطعہ: ۴)

(۴) مدخل سے چند اقتباسات: ”و من جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات و

إظهار الشعائر، يفعلونه فی شهر ربیع الأول من المولد، و قد احتوی علی بدع و محرمات جمعة،

و مضوا فی ذلك علی العوائد الذميمة فی کونهم يشتغلون فی أكثر الأزمنة التي فضلها الله تعالى =

متعلق جواب تحریر ہے کہ یہ قیام بدعت ہے (۱)، سورۃ فتح کی آیت سے مستدل نے جو استدلال کیا ہے قیام پر، بہت بعید بلکہ البعد ہے کیونکہ اس میں کہیں قیام کا ذکر نہیں ہے اور نہ ولادت کے وقت کی کسی تعظیم کو بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی حتمی نہیں کہ ضامن منسوب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہیں: ”(وتعزروه) وتقووه بتقویۃ دینہ ورسولہ (وتوقروه) وتعظموه (وتسبحوه) وتنزهوه أو تصلوا له من سبحو (بکرةً وأصیلاً) غدوةً وعشیاً۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما صلوۃ الفجر و صلوۃ الظهر و صلوۃ العصر“۔ تفسیر ابی سعود: ۱۴۸/۷ (۲)۔

”(وتعزروه): أى تعتقدوا قوة بحيث لا يحتاج إلى، شريك فتوحده و (توقروه): أى تعتقدوا عظمة بحيث لا يشاركه شئ فى صفات، وغاية ذلك أن سبحوه: أى تنزهو عن کمالات الحوادث فضلاً عن النقائص“ اھ تفسیر الرحمن: ۲/۲۸۳ (۳)۔

= وعظمها بدع ومحرمات“۔ ”ص: ۳“ فتعظیم هذا الشهر الشريف إنما يكون بزيادة الأعمال الزاکیات فيه و الصدقات إلى غیر ذلك من القربات، فمن عجز عن ذلك، فأقل أحواله أن یجتنب ما یحرم علیه و یکره له تعظیماً لهذا الشهر الشريف، وإن كان ذالک مطلوباً فی غیره إلا أنه فی هذا الشهر أكثر احتراماً فیترک الحدث فی الدین، و یجتنب مواضع البدع و ما لا ینبغی“۔ ص: ۵-۶ بل یزعم بعضهم أنه يتأدب، فيبدأ المولد بقراءة الكتاب العزيز، وينظرون إلى من هو أكثر معرفة بالهنوك والطرق المهيجة لطرب النفوس، فيقرأ عشراً، وهذا فيه من المفساد وجوه. ص: ۶ ثم العجب كيف خفيت عليهم هذه المكيدة الشيطانية والدسيسة من العين“۔ ص: ۷ ألا ترى أنهم لما ابتدعوا فعل المولد على ما تقدم تشوقت نفوس النساء لفعل ذلك، قد تقدم ما فى مولد الرجال من البدع فكيف إذا فعله النساء. ص: ۱۲. (المدخل لابن الحاج المالکی، فصل فى المولد: ۲/۳، ۵، ۶، ۷، ۱۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) ”و نظیر ذلک فعل کثیر عند ذکر مولده صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، و وضع امہ له من القیام، و هو ایضاً بدعة لم یرد فیہ شیء الخ“۔ (الفتاویٰ الحدیثیة لابن حجر المکی الشافعی، مطلب فی أن القیام فی أثناء مولده الخ ص: ۱۱۲، قدیمی)

(۲) (تفسیر ابی السعود: ۸/۱۰۶، دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۳) (تفسیر الرحمن) و بعضہ فی (التفسیر المظہری: ۵/۹، حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

” (وتعزروه) وتقووه بالنصر و (توقروه) وتعظموه (وتسبحوه) من التسبيح ومن السبحة، والضمائر لله عز وجل، والمراد بتعزير الله تعالى تعزير دينه ورسوله، ومن فرق الضمائر، فجعل الأولين للبنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقد أبعاد“، إلى آخره. مدارك تنزیل: ۱۴۰/۲ (۱)۔ اور ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی تقویت اور آپ کی تعظیم فرمانبرداری اور اتباع سنت میں ہے (۲) جس درجہ کوئی تبع سنت ہوگا اسی قدر حامی دین اور آپ کی تعظیم کرنے والا ہوگا (۳) اور حوادث بدعات سے آپ کی یا آپ کے دین کی تقویت ہوتی ہے نہ تعظیم، بلکہ صریح مخالفت ہے، گویا بدعتی اپنے لئے منصب تشریع و منصب نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ جو شخص یہ کہے یا یہ سمجھے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ ہر زمان و مکان میں موجود رہتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہیں اور تمام حرکات و سکنات کو ملاحظہ فرماتے ہیں تو یہ عقیدہ مشرکانہ ہے (۴) اس سے توبہ کر کے تجدید ایمان بھی لازم ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں اس مجلس میلاد کو منعقد نہیں کیا جاتا تھا حالانکہ وہ تمام امت

= (و کذا فی تفسیر القرطبی: ۱۶/۱، ۱۷۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

وفی فتح البیان فی مقاصد القرآن: ”و تسبحوه: أى تسبحوا الله عز وجل وهو من التسبيح الذى هو التنزيه من جميع النقائص..... وقيل: الضمائر كلها فى الأفعال الثلاثة لله عز وجل، فيكون المعنى تشبوه له التوحيد، و تنفون عنه الشركاء“۔ (فتح البیان: ۳۹/۹، بیروت قدیمی)

(۱) (تفسیر مدارک للنسفی: ۵۷۱/۲، قدیمی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (يوسف: ۱۰۸)

(۳) قال تعالى ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾، قل أطيعوا الله والرسول، فإن تولوا، فإن الله لا يحب الكافرين﴾۔ (آل عمران: ۳۱، ۳۲)

(۴) یہ عقیدہ قرآن کریم کے صریحی نصوص کے خلاف ہے۔ قال الله تعالى: ﴿و مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَقُولُونَ أَقْلَامُهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ، و مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ﴾۔ (آل عمران: ۴۴)

و قال تعالى: ﴿و مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ﴾ (يوسف: ۱۰۲)

و قال تعالى: ﴿و مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا﴾۔ الآية (القصص: ۲۶)

سے زیادہ نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔ تعظیم و توقیر کا حاصل بھی یہی ہے کہ آپ کی سنت کی اتباع کریں اور آپ کے لائے ہوئے پیغام کی اشاعت کے لئے جان و مال، اولاد سب کچھ خدا کے راستہ میں فنا کر دیں، وہاں یہ معمول نہ تھا جو کہ آج کل رائج ہے کہ داڑھی چہرے پر نہیں، احکام شرع کی پابندی نہیں، رات بھر مولود پڑھا جس میں موضوع اور غلط روایات سنائیں، کچھ اشعار گائے، محلّہ والوں کو سونے نہیں دیا، مجلس میں حد سے زیادہ روشنی وغیرہ کر کے ایک تماشہ کی شکل بنائی اور آخر شب میں مٹھائی اور کچھ نقد لے کر گھر آ کر سوئے تو صبح کو اٹھے نو بجے نیند سے بیدار ہوئے، نماز کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ اگر کسی نے شرکت مجلس سے یا قیام سے انکار کیا یا یہ کہہ دیا کہ ایسی مجلس جس سے صبح کی نماز قضاء ہو جاوے ناجائز ہے تو اس پر وہابیت اور کفر کے فتویٰ لگانا شروع کر دیں (۱)۔

۱۶۰۴ھ میں سب سے پہلے مولود شریف کے لئے کتاب تصنیف کی گئی، سلطان ابوسعید مظفر کے زمانہ میں شہر اربل میں یہ بدعت جاری ہوئی (۲)۔

”قوموا الی سیدکم“ (۳) میں میلاد، نہ ذکر میلاد، اس سے قیام میلاد پر استدلال کس طرح درست ہے؟ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبداللطیف مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۵۹ھ

(۱) ”و من لا يتبع هواهم، يرمونه بالوهابية و يسخرون به، و يبنذونه بالألقاب، فهذا هم الله تعالى طريق

الصواب“۔ (البدر الساری الی فیض الباری لبدر عالم میرتھی : ۱/۱/۳۱، خضر راہ بکڈپو دیوبند)

(۲) کتاب کا نام ”کتاب مستوفی“ ہے جس کو ابن خاکان نے اپنی تاریخ میں ”التسویر فی مولد السراج المنیر“ سے

موسوم کیا ہے، اسکے مصنف کا نام ابو الخطاب عمر بن حسن بن دحیہ کلبی ہے ۵۴۴ھ میں پیدا ہوئے، ۶۰۴ھ میں کتاب مذکور تصنیف

کر کے سلطان اربل کو سنا کر ایک ہزار دینار یا اشرافی انعام حاصل کیا، علامہ سیوطی نے ”حسن المقصد“ میں نقل کیا ہے: ”قد

صنف الشيخ أبو الخطاب بن دحية مجلداً في مولد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، سماه التنوير

في مولد البشير والنذير، فجازاه على ذلك بألف دينار“ الخ“ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ میلاد

للحافظ الحکیم عبد الشکور المزار بوری، تصنیف سن ۱۹۳۱ھ ص: ۲۵، ۲۷)

(۳) (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی القیام : ۷۰۸/۲، دار الحدیث ملتان)

مجلس میلاد مروجہ

سوال [۸۸۴]: بعض جگہ میلاد شریف کا طریقہ اس طرح مروج ہے کہ باسم میلاد شریف حضرات علماء کرام بغرض سماع عام لوگوں کو بلایا جاتا ہے، کھانے پینے کا اہتمام بعض تعلق دار و خصوصاً علماء کرام و طلبہ کا ہوتا ہے ورنہ تو اپنے محلہ والوں کے نزدیک عیب شمار کیا جاتا ہے۔ مجلس ہذا میں شمع مع دیگر خوشبو وغیرہ کا بھی کچھ انتظام کیا جاتا ہے لیکن کہیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ و معجزات مع فضائل و وعظ نصیحت بیان کی جاتی ہیں اور کہیں محض وعظ و نصائح قرآن کریم و احادیث نبویہ بیان ہوتے ہیں۔ بہر حال کوئی خاص مضمون نہیں مگر اخیر میں جلسہ کے اختتام پر ضرور بالضرور عام لوگ کھڑے ہو کر کوئی ہاتھ چھوڑ کر کوئی بر سینہ، کوئی تخت سرہ دست بستہ ہو کر بآواز بلند مع القیام سلام و درود پڑھتے ہیں۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ اس قسم کے میلاد شریف مع القیام و عدم القیام کا شریعت میں کیا فیصلہ ہے؟ عبارت مذکورہ کے مطابق جو قیام کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا کسی نصوص قطعی و فقہ حنفی سے ثابت ہے یا قرون ثلثہ میں سے کسی نے اس فعل کو کیا یا ان سے ثابت ہے؟ اگر ناجائز ہے تو یہ ناجائز کس درجہ کا ہے اور ان ناجائز امور کرنے والے لوگوں کو شرعاً کیا کہا جائے گا؟

نیز تارک قیام پر سب و شتم و طعنہ زنی کرنا کرنا کیسا ہے؟ اس قسم کے لوگوں کو کیا کہا جائے گا، کیا ان کے متعلق شریعت محمدیہ میں کوئی وعید نہیں؟ بصورت جمع ماذکر کے عدم جواز پر اور کوئی صورت و ہیئت سے میلاد مع القیام کا اس شریعت میں ثبوت معلوم ہوتا ہو تو تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک مطلقاً خواہ وہ ذکر ولادت ہو یا ذکر عبادات و معاملات وغیرہ بلا شبہ مستحسن اور باعث برکت و موجب ثواب ہے، لیکن میلاد مروج ہیئت مخصوصہ کے ساتھ قرون مشہود لہا بالخیر میں کہیں موجود نہ تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین ائمہ مجتہدین اور علماء حقہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کبھی نہیں کیا اور کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں لہذا بے اصل بدعت اور ناجائز ہے، اس کا ترک واجب ہے۔ یہ مجلس مفاسدہ کثیرہ پر مشتمل ہوتی ہے:

۱۔ اس مجلس کے انعقاد اور شرکت کو لازم سمجھا جاتا ہے۔

۲- اس کی اہمیت کا اعتقاد فرض عین سے بھی زیادہ ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص صلوٰۃ خمسہ کا تارک ہو اس پر کوئی نکیر نہیں کرتے، اس مجلس میں شریک نہ ہونے والے پر سب و شتم کیا جاتا ہے: ”سبب المؤمن فسوق“ (۱)۔

۳- مخصوص تاریخوں کی تعیین کو بلا دلیل شرعی لازم سمجھ رکھا ہے۔

۴- قیام کو فرض عین اعتقاد کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرز عمل قیام کے بارے میں یہ ہے:

”(أنس رضى الله تعالى عنه) لم يكن شخص أحب إليهم من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وكانوا إذا رأوه، لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلك“۔ الترمذی (۲)۔

”(أبو أمامة) خرج علينا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يتوكأ على عصا، فقمنا إليه فقال: ”لا تقوموا كما تقوم الأعاجم يعظم بعضهم بعضاً“۔ لأبي داؤد (۳)۔

”(معاوية رضى الله تعالى عنه) رفعه: ”من أحب أن يتمثل له الناس قياماً، فليتبوأ مقعده من النار“۔ لأبي داؤد والترمذی (۴) یہ تینوں روایتیں جمع الفوائد: ۱۴۳/۲ پر مذکور ہیں (۵)۔

۵- اس قیام کے وقت اکثر لوگ کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف رکھتے ہیں اور ہماری تمام نقل و حرکت کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ بسا اوقات ایک وقت ہزاروں جگہ یہ مجلس

(۱) (صحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحبط عمله وهو لا يشعر :

۱۲/۱، قديمی)

(۲) (جامع الترمذی، أبواب الاستیذان، باب ما جاء فى كراهية قيام الرجل للرجل : ۱۰۴/۲، سعيد)

(۳) (سنن أبی داؤد، كتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك : ۷۱۰/۲، دار

الحديث ملتان)

(۴) (أبو داؤد المراجع السابق، رقم الحاشية: ۳، وجامع الترمذی أيضاً المراجع السابق، رقم

الحاشية: ۲)

(۵) (جمع الفوائد، كتاب الآداب، باب العطاس والتأؤب والمجالسة و آداب المسجد: ۳۵۲/۳، رقم

الأحاديث: ۷۷۷۸، ۷۷۷۹، ۷۷۸۰، ادارة القرآن کراچی)

منعقد ہوتی ہے اور ہر مجلس والے یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ ہماری مجلس میں تشریف رکھتے ہیں حالانکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے۔ پس یہ اعتقاد مشرکانہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شریک مانا (۱)۔

۶۔ عموماً مجلس میلاد میں روایات موضوعہ بیان کی جاتی ہیں، ان کا بیان کرنا اور سننا اور ان کو سچا جاننا حرام ہے: ”من کذب علی متعمداً فلیتبعہ من النار“ (۲)۔
۷۔ عموماً شرکاء مجلس کی رات کو دیر تک جاگنے کی وجہ سے نماز فجر قضاء ہوتی ہے اور اکثر میلاد خواں بے نمازی ہوتے ہیں (۳)۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ذلک من أنباء الغیب نوحیہ إلیک، و ما کنت لدیہم إذ یلقون أعلامہم أیہم یکفل مریم، و ما کنت لدیہم إذ یختصمون﴾ (آل عمران: ۴۴)
وقال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما کنت لدیہم إذ أجمعوا أمرہم، و ہم یمکرون﴾ (یوسف: ۱۰۲)
وقال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما کنت بجانب الغربی إذ قضینا إلی موسی الأمر﴾ (القصص: ۴۴)
وقال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما کنت بجانب الطور إذ نادیناه و لکن رحمة من ربک﴾ (القصص: ۴۶)
حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنا قرآن کریم کی مذکورہ اور ان جیسی دیگر آیات کریمہ اور قطعیات کے خلاف ہے، مزید وضاحت کے لئے دیکھئے: (روح المعانی: ۱۵۸/۳، دار احیاء التراث العربی)

(وتفسیر ابن کثیر: ۴۸۴/۱، مکتبہ دار السلام ریاض)

(وتفسیر ابن جریر الطبری: ۱۸۲/۳، دار المعرفۃ بیروت)

(۲) (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب إثم من کذب علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۲۱/۱، قدیمی کتب خانہ)

(۳) بلا عذر نمازوں کو ترک کرنے میں بہت بڑی وعیدیں آئی ہیں، حدیث شریف میں ہے:

”عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ..... سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: ”خمس صلوات افترضہن اللہ عزوجل، من أحسن و ضوئہن، و صلاہن لوقتہن، و أتم رکوعہن و خشوعہن، کان لہ علی اللہ عہد أن یغفر لہ، و من لم یفعل فلیس لہ علی اللہ عہد، إن شاء غفر لہ و إن شاء عذبه“۔ (أبو داؤد، کتاب الصلوۃ، باب المحافظة علی الصلوات: ۶۱/۱، دار الحدیث ملتان)

۸- قریب کے رہنے والے لوگ بڑی ضیق میں مبتلا رہتے ہیں، ان کو سخت اذیت معلوم ہوتی ہے (۱)۔

۹- روشنی اور خوشبو وغیرہ میں ضرورت سے زیادہ صرفہ ہوتا ہے جو کہ اسراف ہے (۲)۔

غرض یہ کہ بے حد مفاسد اور ممنوعات کا ارتکاب ان مجالس میں ہوتا ہے، لہذا ان مجالس کا انعقاد اور ان کی شرکت بدعت سیئہ اور ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی دارالعلوم دیوبند۔

میلا د کا خاص طریقہ

سوال [۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ درود میلا د شریف لوگ سب جمع ہو کر زور و شور سے بلند آواز کے ساتھ گلے سے گلے ملا کر برائے ایصال ثواب و ثواب دارین و برکت مکان و محفوظ بلاء و مصائب کے لئے پڑھاتے ہیں اور پڑھتے ہیں اور پڑھنے والے میلا د شریف بیان کرتے کرتے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کے وقت تک جب پہنچ جاتے ہیں تب سب لوگ ایک دم کھڑے ہو جاتے ہیں اور زور و شور سے ”صلی اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ پھر ”یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک“ بلند آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کے محفل میلا د شریف میں تشریف لانے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور بوقت سلام قیام کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اب ایصال ثواب وغیرہ کی نیت سے پڑھنا اور پڑھانا اور زور و شور سے گلے سے گلے ملا کر پڑھنا اور محفل میلا د شریف میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روح مبارک کے حاضر ہونے کا اعتقاد رکھنا و وقت سلام قیام کرنے کو ضروری سمجھنا اور قیام کرنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو کیسا ہے؟ اگر ناجائز ہے تو کونسا اور کیسا گناہ ہے؟ اور رائج میلا د شریف یہ ہے کہ ”ماکان محمد“ سے لیکر ”شیء علیم“ تک پھر ”إن اللہ و ملائکتہ“ سے لیکر ”وتسلیم“ تک پڑھتے ہیں۔ بعد میں سب لوگ مل کر زور و شور کے ساتھ درود شریف پڑھتے

(۱) ”عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: ”المسلم من سلم المسلمون من لسانہ

و یدہ“۔ الحدیث“۔ (صحیح البخاری، الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون الخ: ۶/۱، قدیمی)

(۲) اور اسراف ممنوع ہے، ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَا تَسْرِفُوا، إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الأعراف: ۳۱)

ہیں، پھر ایک مولوی یا منشی عربی میں تولید بیان کرتے ہیں مثلاً: ”ابتدا باسم ذاتہ العلیٰ الخ“ پھر ”ولما أراد اللہ بإبراز حقیقۃ محمد أظهر الخ“ پھر ”ولما تم من حملہ شہد ان علی اشہد الأقال الرویا“ سے لے کر آخر تک پڑھتے ہیں اور بوقت سلام قیام کرتے ہیں اور ”یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک“ بلند آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں اسی طرح ختم کرتے ہیں۔ پھر ایک شعر پڑھتا ہے پھر سب مل کر زور و شور سے ”یا نبی سلام علیک“ پڑھتے ہیں، اسی طرح ختم کرتے ہیں اردو زبان میں پڑھتے ہیں۔ جیسے۔

آمنہ سے ہے روایت اور یہ مجھ کو پیدا ہو گیا جب دردِ زہ

اس شعر سے لے کر

ہاتھ سے میرا شکم ملنے لگا اور کہتا تھا وہ نورانی تھا

پھر ”اظهر یا سید المرسلین الخ“ تک پڑھ کر.....

اٹھو وقت تعظیم محمد جیبی، بیان ظہور محمد..... کھڑے ہو جاتے ہیں اور ”صلی اللہ علی محمد الخ“ اور ”یا نبی سلام علیک“ بلند آواز سے سب مل کر پڑھتے ہیں پھر ایک شعر پڑھتا ہے۔

مثل أنت شمس أنت بدر، أنت أنت مصباح الصدور

تک پڑھتا ہے، پھر سب مل کر یا نبی سلام علیک بلند آواز کے ساتھ ختم تک اسی طرح پڑھتے ہیں، بعد میں بیٹھتے ہیں اور درود شریف پڑھتے اور مناجات کرتے ہیں۔ اس طرز و طریقہ کے ساتھ پڑھنا اور پڑھانا کیسا ہے؟ بدلیل شرعی و حوالجات کتب القوی تحریر فرمادیں۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلياً :

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو خواہ عبادات و معاملات و عادات وغیرہ کا ذکر ہو، بلا التزام تاریخ و مہینہ کے بلا شبہ باعث اجر موجب ثواب ہے (۱) لیکن طریقہ مروجہ پر میلاد شریف کی مجلس منعقد کرنا

(۱) ”نفس ذکر میلاد و فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا، بلکہ ذکر و ولادت آپ کا مثل ذکر دیگر سیر و حالات کے مندوب ہے۔“

(براہین قاطعہ ص: ۴)

(و کذا فی الفتاویٰ الحدیثیۃ لابن حجر الہیثمی، ص: ۲۰۲، قدیمی)

بے اصل، بدعت سیئہ اور ناجائز ہے۔ علامہ ابن الحاج نے کتاب المدخل (۱) میں بتیس صفحات میں اس مجلس اور

(۱) مدخل سے چند اقتباسات گزر چکے ہیں تحت عنوان: ”مخمل میلاد“ اور مزید چند اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں:

”قال ابن الحاج: ”فصل فی المولد: و من جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات، و إظهار الشعائر ما يفعلونه فی شهر ربیع الأول من المولد، و قد احتوی علی بدع و محرمات جمّة، فمن ذلك استعمالهم المغانی، و معهم آلات الطرب من الطار المصصر و الشبابة و مضروا فی ذلك إلى العوائد الذميمة فی كونهم يشتغلون فی أكثر الأزمنة بدع و محرمات و قد نقل ابن الصلاح أن الإجماع منعقد علی أن آلات الطرب اجتمعت فہی محرمة (ص ۳) فمن كان باکیاً فلیک علی نفسه و یا لیتهم! عملوا المغانی لیس إلا بل یزعم بعضهم أنه يتأدب، فبدأ المولد بقراءة الكتاب العزیز، و ينظرون إلى من هو أكثر معرفة بالهنوک فهذا فیہ من المفاسد و جوه: منها: ما یفعله القاری فی قرآءة علی تلك الهيئة المذمومة شرعاً و الثانی: أن فیہ قلة أدب و قلة احترام لكتاب الله عزوجل، الثالث: أنهم یقطعون قرآءة كتاب الله تعالى، و یقبلون علی شهوات أنفسهم من سماع اللهو بضرب الطار و الشبابة و الغناء و التکسیر الذی یفعله المغنی الرابع: أنهم یظهرون غیر ما فی بواطنهم، و ذلك بعینه صفة النفاق الخامس: أن بعضهم یقلل من القرآءة لقوة الباعث علی لهوه بما بعدها السادس: أن بعض السامعین إذا طوّل القاری القرآءة یثقلون منه لکونه طوّل علیهم، و لم یسکت حتی یشتغلوا بما یحبون من اللهو، (ص ۶) فانظر إلى هذا المغنی إذا غنی، له من الهيئة و الوقار و حسن الهيئة و السمیت فإذا دب معه الطرب قليلاً حرک رأسه ثم إذا تمكن الطرب منه ذهب حیاءه و وقاره فیقوم و یرقص و یعیط و ینادی و یبکی و یتخشع و یدخل و یدخل و یدخل و یسقط یدیه و یرفع رأسه نحو السماء و یدخل الرغوة: أي الزبد من فیہ، و ربما مزق بعض ثیابه و هذا منکر بین: لأن النبی صلی الله تعالى علیه وسلم نهی عن إضاعة المال هذا وجه - والثانی: أنه فی الظاهر خرج عن حد العقلاء إذ أنه صدر منه ما یصدر من المجانین فی غالب أحوالهم، الثالث: أنه الحق نفسه بالبہائم، إذ التکلیف إنما خوطب به العقلاء، و هذا یزعم أنه سلب عقله (ص ۷) ثم انظر إلى مخالفة السنة ما أشنعها، ألا ترى أنهم لما ابتدعوا فعل المولد علی ما تقدم، تشوقت نفوس النساء لفعل ذلك، و قد تقدم ما فی مولد الرجال من البدع، و المخالفة للسلف الماضین رضی الله عنهم أجمعین، فكیف إذا فعله النساء، لا جرم أنهن لما فعلنه، ظهرت فیہ عورات جمّة و مفاسد =

قیام کے مفاسد تحریر کئے ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی نے فتاویٰ حدیثیہ (۱) میں اس کو ناجائز اور ممنوع لکھا ہے۔ علامہ شامی نے ردالمحتار میں نذر مزارات کی حرمت (۲) کو لکھنے کے بعد تحریر کیا ہے: ”وأقبح منه النذر بقرأة المولد فی المقابر مع اشتماله علی الغناء و اللعب، و ثواب ذلك إلى حضرة المصطفى صلى الله تعالى علیه وسلم اهـ“ (۳)۔

اور یہ عقیدہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں کہیں اور کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں (۴)، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیات میں اپنے لئے قیام سے صحابہ کرامؓ

= عیدہ، فمنہا ما تقدم فی مولد الرجال من أنه یكون بعض النساء ینظر إلى الرجال، فیقع ما یقع من التشویش بین الرجل و أهله بسبب ذلك“۔ (ص: ۱۲) (المدخل: ۲/۳، ۶، ۷، ۱۲)

(۱) ”وسئل نفع الله به: عن حکم الموالد والأذکار التي یفعلها کثیر من الناس فی هذا الزمان هل هی سنة أم فضیلة أم بدعة؟..... فأجاب بقوله: الموالد والأذکار التي تفعل عندنا أكثرها مشتمل علی خیر کصدقة و ذکر و صلوة و سلام علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم ومدحه، و علی شربل شرور لو لم یکن منها إلا رؤية النساء للرجال الأجانب، و بعضها لیس فیها شر لكنه قلیل نادر، و لا شک أن القسم الأول ممنوع للقاعدة المشهورة المقررة أن درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح، فمن علم وقوع شیء من الشر فیما یفعله من ذلك فهو عاص آثم، و یفرض أنه عمل فی ذلك خیراً، فربما خیره لا یساوی شره..... الخ“۔ (الفتاویٰ الحدیثیة لابن حجر الہیثمی، مطلب الاجتماع للموالد والأذکار..... مطلوب ما لم یترب علیہ شر، و إلا فیمنع منه، ص: ۲۰۲ قدیمی)

(۲) ”أما لو نذر زیتاً لإیقاد قنديل فوق ضریح الشیخ أو فی المنارة کما یفعل النساء من نذر الزیت لسید عبد القادر، و یوقد فی المنارة جهة المشرق، فهو باطل“۔ (رد المحتار، قبیل باب الاعتکاف، مطلب فی النذر الذی یقع للأموات من أكثر العوام الخ: ۲/۳۳۹، ۳۴۰، سعید)

(۳) (رد المحتار المصدر السابق، ص: ۳۴۰)

(۴) بلکہ یہ عقیدہ قرآن کریم کے صریحی نصوص کے خلاف ہونے کی بنا پر باطل ہے: قال الله تعالیٰ: ﴿و ما کنت بجانب الغربی إذ قضینا إلی موسی الأمر، و ما کنت من الشاہدین﴾۔ (القصص: ۴۴)

قال القرطبی: ﴿ما کنت من الشاہدین﴾: أي الحاضرن“۔ (تفسیر القرطبی: ۱۳/۱۹۳،

= دارالکتب العلمیہ بیروت)

کو منع فرمایا ہے۔

”عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: ”خرج رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم متكئاً على عصا، فقمنا له، فقال: ”لا تقوموا كما تقوموا الأعاجم يعظم بعضهم بعضاً“۔ رواه أبو داؤد (۱)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خود معمول یہ تھا کہ قیام نہیں کرتے تھے۔

”عن أنس رضي الله عنه قال: ”لم يكن شخص أحب إليهم من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، وكانوا إذا رأوه، لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلك“۔ الترمذی (۲) وقال هذا حديث حسن صحيح اهـ۔ مشکوة شریف، ص: ۴۰۳ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مولود شریف

سوال [۸۸۶]: معروض ہے کہ مولود شریف کے متعلق ایک فتویٰ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ”علامہ ابن امیر الحاج نے کتاب المدخل میں بتیس صفحات میں اس محفل کے شرعی مفاسد تحریر کئے ہیں، ان کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ محفل وعظ میں بلند آواز سے اہل مجلس کے ذکر درود کو کتب فقہ مثل درمختار، شامی، طحطاوی وغیرہ میں ممنوع لکھا ہے۔ بناءً علیہ بصدنیا ز معروض خدمت ہے کہ کتاب المدخل ہمارے یہاں موجود نہیں، از روئے مہربانی اس کی عبارت کو نقل فرما کر ممنون کریں اور درود شریف زور سے پڑھنے کی کراہت کے متعلق شامی و طحطاوی کے کس موقع میں مذکور ہے، نشان تحریر کر کے رہن منت فرماویں۔

محمد عبدالغنی غفرلہ دارالافتاء وسط نظام پور چائنگام۔

= وقال تعالى: ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا﴾ الآية: (القصص: ۲۶)

(۱) (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك: ۷۱۰/۲، دار الحديث ملتان)

(۲) (جامع الترمذی، أبواب الاستئذان والأدب، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل: ۱۰۴/۲، سعيد)

(۳) (مشکوٰۃ المصابیح، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الثاني، ص: ۴۰۳، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلحاً :

بتیس صفحات (۱) نقل کرنے کی اس وقت فرصت نہیں، میری کتاب مدخل ایک صاحب کے پاس مستعار گئی ہوئی ہے۔ ”وصایا الوزير علی طریقتہ البشیر والنذیر“ (۲) ”براہین قاطعہ“ (۳)؛ ”اصلاح رسوم“ (۴)، ”فتاویٰ حدیثیہ ابن حجر مکی“ (۵) وغیرہ میں اس مسئلہ پر کافی بحث ہے۔ اس محفل کی ابتداء ۶۰۰ھ میں شاہ اربل کے دور میں ہے، کذا فی العرف الشذی: ۲۴۰ (۶) اور جب ہی ابن وجیہ نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے ”المورد فی الکلام علی عمل المولد“ (۷) پھر اس کے بعد سے اب تک عربی فارسی اردو میں رسائل اور فتاویٰ بکثرت اس مسئلہ پر لکھے گئے ہیں۔ یہ کتابیں روزمرہ کی ضرورت کی ہیں، دارالافتاء اور جمعیت علماء میں ان کا موجود ہونا ضروری ہے۔

امداد الفتاویٰ (۸) میں بھی متعدد جگہ اس کی بحث ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبل باب الاعتکاف

(۱) (قد مضت اقتباسات من المدخل تحت عنوان ”محفل میلاد“، و عنوان ”میلاد کا خاص طریقتہ“، فراجع الموضوعین تجد فیہما ما یکفی لک۔

(۲) (لم أجد هذه الرسالة)

(۳) ”براہین قاطعہ بجواب انوار ساطعہ“، میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے مختلف عنوانات قائم کر کے اس بدعت کی تردید فرمائی ہے۔

(۴) چنانچہ اصلاح الرسوم میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے باب سوم، فصل اول میں ”مولود شریف“ کے عنوان سے تقریباً دس بارہ صفحات میں اس بدعت قبیحہ کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ (۹۸، ۱۰۹، سعید)

(۵) (قد مضی تخریجہ تحت عنوان ”میلاد کا خاص طریقتہ“)

(۶) لم أجدہ فی العرف الشذی و ذکرہ ابن خلکان فی کتابہ: ”وفیات الأعیان و أبناء أبناء الرمان،

ترجمة مظفر الدین صاحب إربل، رقم الترجمة: ۵۴۷، ۱۱۷/۳، ۱۱۹، و کذا: ۲۱۱/۱، ۲۱۲،

ترجمة الأسعد ابن مماتی، رقم الترجمة: ۹۱، دار صادر بیروت)

(۷) (لم أجد هذه الرسالة أيضاً)

(۸) ”ذکر ولادت شریف نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو

..... البتہ جیسا ہمارے زمانے میں قیودات و شرائع کے ساتھ مروج ہے، اس طرح بیشک بدعت ہے، اور بوجہ ذیل نا جائز: =

نذر بقرأة المولد کو اُفتح لکھا ہے (۱)۔

”وازعاج الأعضاء برفع الصوت جهل، وإنما هي دعاء له والدعاء يكون بين الجهر والمخافة، كذا اعتمده الباجي في كنز القضاة اهـ“۔ در مختار۔ ”قال في الهندية: ”رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مكروه اهـ“ شامی: ۱/ ۵۴۱، فصل في تاليف الصلوة إلى انتهائها (۲)۔

دوسرے مقام پر اس سے صریح ہے کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا عند التذکیر گرمئی ہنگامہ کے

= اولاً یہ کہ مولود خواں جاہل ہوتا ہے اور روایتیں اکثر موضوع اور غلط بیان کرتا ہے..... ثانیاً: یہ کہ اہتمام اس کا مثل اہتمام ضروریات دین کے بلکہ زیادہ کرتے ہیں، کہیں قالین و فروش، کہیں چوکی و مسند، کہیں شامیانہ، کہیں گلاب پاشی، کہیں شیرینی، کہیں قندیل و فانوس جھاڑ، چینی، گلاس، کہیں لوبان سلگنا، اور بہت سے امور غیر ضروریہ کو ضروری سمجھتے ہیں اور بغیر ان سامانوں کے مولود کرنے کو خالی پھیکا سمجھتے ہیں..... ثالثاً: یہ کہ تعین و تقیید روز ولادت کو ضروری سمجھتے ہیں..... غیر مقید کو مقید سمجھنا اور غیر ضروری کو ضروری جاننا بدعات قبیحہ سے ہے..... رابعاً: یہ کہ اکثر اہل محفل اہل بدعت یا فاسق و فجار ہوتے ہیں..... خامساً: یہ کہ اکثر اشعار نعت تصنیف جاہلوں کے ہوتے ہیں، کہیں اس میں تو غل شان نبوی ہوتا ہے کہیں اور انبیاء اور ملائکہ کی نسبت بے ادبی ہوتی ہے..... سادساً: وقت ذکر ولادت کے کھڑے ہوتے ہیں، پھر اس میں بعض کا عقیدہ تو یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت تشریف رکھتے ہیں یہ تو بالکل شرک ہے..... سابعاً: یہ کہ ان امور پر اصرار کرتے ہیں..... اور اصرار معصیت پر سخت معصیت ہے“..... قال ابن المبارکؒ۔

تعصى الإله وأنت تظهر حبه

هذا العمري في الفعال بديع

لو كان حبك صادقاً لأطعته

إن المحب لمن يحب مطيع

(امداد الفتاویٰ، کتاب البدعات: ۲۴۹/۵، ۲۵۰، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۱) ”واقبح منه النذر بقرأة المولد في المناسير، ومع اشتماله على الغناء و اللعب..... الخ“۔

(رد المحتار، کتاب الصوم، قبیل باب الاعتکاف: ۲/ ۴۴۰، سعید)

(۲) (رد المحتار علی الدر المختار، باب صفة الصلوة، مطلب فی المواضع التي تکره فیها الصلوة علی

النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۱/ ۵۱۹، سعید)

لئے مکروہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۰/۶/۶۴ھ

الجواب صحیح: سعید احمد، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/جمادی الثانیہ/۶۴ھ۔

سالگرہ اور میلاد شریف

سوال [۸۸۷]: ہم نے اپنے بچے کی سالگرہ جب کہ وہ ایک سال کا ہوا خوب دھوم دھام سے منائی، چند لوگوں کو مدعو کیا، پارٹی کے کیک کاٹے، سالگرہ کی مبارکباد دی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعی کراہت تو نہیں؟ یا پھر غیر مسلم طریقہ ہونے کی وجہ سے ممنوع تو نہیں ہے؟ ویسے ہمارے یہاں مولود النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی تو مناتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سالگرہ (پیدائش سے سال بھر پورا ہونے پر تقریب اور خوشی منانا) یہ اسلامی تعلیم نہیں ہے، یہ غیروں کا طریقہ ہے اس سے پرہیز چاہئے (۲)۔ مروجہ طریقہ پر میلاد شریف کرنا بھی دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں۔ چھ صدی تک اس کا وجود نہیں تھا، اس کے بعد اربل کے بادشاہ نے اس کو ایجاد کیا ہے (۳)، پھر اس میں بہت سی غلط چیزیں اور بھی شامل ہو گئیں، ان سب غلط چیزوں سے بچ کر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک

(۱) "فقال: وعن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أنه کره رفع الصوت عند قراءة القرآن والجنابة والزحف والذکیر..... الخ"۔ (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۹۸/۶، سعید)

(۲) اور اس میں جو مال ضائع کیا جاتا ہے اور التزام کیا جاتا ہے وہ شرعاً مذموم اور غیر ثابت ہے: "قال ابن المثیر: فیہ: إن المسندوبات قد تنقلب مکروهات إذا رفعت عن رتبها؛ لأن التیامن مستحب فی کل شیء: أي من أمور العبادة، لكن لما خشى ابن مسعود أن یعتقدوا وجوبه، أشار إلى کراہتہ، واللہ تعالیٰ أعلم"۔ (فتح الباری، کتاب الأذان، باب الإنفثال والإنصراف علی الیمین والشمال: ۳۳۸/۲، دار المعرفۃ بیروت)

(۳) (و فیات الأعیان و أبناء أبناء الزمان، ترجمۃ مظفر الدین صاحب اربل، رقم الترجمۃ: ۵۴،

۳/۱۱۷، ۱۱۹، و کذا: ۲۱۱/۱، ۲۱۲، ترجمۃ الأسعد ابن مماتی، رقم الترجمۃ: ۹۱،

مثلاً: حدیث شریف پڑھ کر سنا کر ہو یا بصورت وعظ ہو، نہایت ہی موجب برکت اور سعادت کی چیز ہے (۱)۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۵ھ۔

بطرز موسیقی میلاد شریف پڑھنا

سوال [۸۸۸]: ہمارے ملک میں یہ رواج جاری ہے کہ محفل میلاد شریف اور وعظ میں درود شریف بوزن موسیقی اور قصیدہ نعتیہ ایک شخص پڑھنے کو حکم کرتا ہے اور گلے ملا کر خوب زور و شور سے چلا چلا کر بار بار پڑھتے جاتے ہیں۔ زید کہتا ہے کہ ایسا ہی رواجی طور پر پڑھنا بدعت ہے، عمر کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو جو ایک مجمع میں بیٹھے تھے، حکم کیا کہ تم لوگ درود شریف پڑھو، لہذا سب گلے ملا کر زور و شور سے درود پڑھتے رہے، اس سے ثابت ہے کہ ایسا ہی پڑھنا زیادہ مستحسن و مستحب ہے۔ اب جواب طلب یہ امر ہے کہ ایسا درود شریف اور قصیدہ پڑھنا عند الشریع کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ طریقہ بدعت ہے، قرون مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہیں، عمر ثبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس سے دلیل دریافت کی جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس طرح پڑھنا کون سی حدیث میں منقول ہے اور اس حدیث کی سند کیسی ہے: ”قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”البینۃ علی المدعی“ (۲)۔ الحدیث۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۳/۹۶ھ۔

(۱) (امداد الفتاویٰ: ۲۴۹/۵، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) (سنن ابن ماجہ، کتاب الأحکام، باب البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ،

مجلس میلاد کے منکرات تفصیلاً اور وعظ پر اجرت

سوال [۸۸۹]: میلاد النبی جو کہ شرعی حیثیت سے جائز ہے اور وعظ و نصیحت کر کے پہلے سے بغیر مقرر کئے ہوئے روپیہ پیسے لینا یعنی اس کی اجرت نام رکھ دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ ہم تمہارے وہاں اتنے بجے سے لے کر اتنے بجے تک وعظ و نصیحت یا میلاد النبی پڑھیں گے، ایسے کام کی اجرت تم سے لیں گے یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو جواب مدلل مع ادلہ اربعہ یا صرف قرآن و حدیث سے ثابت کریں اور اگر جائز نہیں تو ادلہ اربعہ سے اس کی نفی کریں۔

المستفتی: احسان علی کلکتوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک خواہ ذکر ولادت ہو خواہ جہاد، صلوٰۃ، صوم، حج، نکاح، معاملات وغیرہ یقیناً باعث برکت و موجب ثواب ہے (۱) لیکن اس زمانہ میں مجالس میلاد بہت سے منکرات و ممنوعات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے شرعاً ممنوع ہیں۔ کتاب المدخل میں ۳۲ صفحات (۲) میں ان مجالس کے منکرات کو تحریر کیا ہے، عربی فارسی اور اردو میں مستقل رسائل اس کی تردید میں موجود ہیں۔ چند خرابیاں یہ ہیں:

۱۔ روایات جو محفل میلاد میں عموماً سنائی جاتی ہیں وہ اکثر و بیشتر غیر معتبر اور بعض موضوع ہوتی ہیں جن کا پڑھنا اور سننا اور ان کا اعتقاد رکھنا ناجائز ہے اور سخت گناہ ہے (۳)۔

(۱) ”ذکر ولادت شریف نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو، اس سے بہتر کیا ہے: قال الشاعر۔

وذكرک للمشتاق خیر شراب و کل شراب دونہ کسراب

(امداد الفتاویٰ، کتاب البدعات: ۲۴۹/۵، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان ”محفل میلاد“ و عنوان: میلاد کا خاص طریقہ)

(۳) قال النووي فی شرحه علی مسلم: ”وأعلم أن هذا الحديث (أى من كذب على الخ) يشتمل على فوائد و جمل من القواعد..... الثانية: تعظيم تحريم الكذب عليه صلى الله تعالى عليه وسلم، وأنه فاحشة عظيمة و موبقة كبيرة..... الثالثة: أنه لا فرق في تحريم الكذب عليه صلى الله تعالى عليه وسلم بين ما كان في الأحكام و ما لا حكم فيه كالترغيب والترهيب والمواظع وغير ذلك، فكله حرام=

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه ، قال : قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم :
 ”من كذب على متعمداً فليتبوأ مقعده من النار“۔ رواه الشيخان (۱)۔ ”من حدث عني حديثاً و
 هو يرى أنه كذب، فهو أحد الكاذبين“۔ رواه مسلم (۲)۔ ”والذي نفس أبي القاسم بيده! لا
 يروى عني أحد ما لم أقله، إلا فهو مقعده من النار“۔ رواه الدار قطنی (۳) ”كفى بالمرء إثماً أن
 يحدث بكل ما سمع“۔ رواه مسلم (۴)۔

۲- رات کا بڑا حصہ ان مجالس میں گزار کر صبح کو جو لوگ نیند سے مغلوب ہو کر سو جاتے ہیں جس سے
 فریضہ قضاء ہوتا ہے (۵)۔

= من أكبر الكبائر وأقبح القبائح بإجماع المسلمين الذين يعتد بهم في الإجماع الرابعة :
 تحريم الحديث الموضوع على من عرف كونه موضوعاً، أو غلب على ظنه و ضعه، و لم يبين حال رواية
 وضعه، فهو داخل في هذا الوعيد، مندرج في جملة الكاذبين على رسول الله صلى الله تعالى عليه
 وسلم“۔ (مقدمة الكامل على الصحيح لمسلم، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه
 وسلم : ۸/۱، قديمی)

(۱) (أخرجه البخاري في العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم :
 ۲۱/۱، قديمی)

(و مسلم في مقدمته على صحيحه، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم :
 ۷/۱، قديمی)

(۲) (أخرجه مسلم في مقدمته على صحيحه، باب وجوب الرواية عن الثقات و ترك الكاذبين و
 التحذير من الكذب الخ : ۶/۱، قديمی)

(۳) (أخرجه البخاري و لفظه : ”من يقل على ما لم أقل، فليتبوأ مقعده من النار“۔ (كتاب العلم، باب إثم
 من كذب على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم : ۲۱/۱، قديمی)

(۴) (أخرجه مسلم في مقدمته على صحيحه، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع : ۸/۱، قديمی)

(۵) اور نماز کو ترک کرنا بہت بڑا گناہ ہے: ”عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال : قال رسول الله صلى الله
 تعالى عليه وسلم : ”بين العبد و بين الكفر ترك الصلوة“۔ (ابن ماجه، كتاب إقامة الصلوة، باب ما جاء
 فيمن ترك الصلوة، ص: ۷۵، قديمی)

۳- قرب وجوار کے لوگ بھی نہیں سوکتے جس سے ان کو اذیت ہوتی ہے (۱)۔

۴- ان مجالس کی شرکت کو ضروری خیال کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھتا ہو، داڑھی منڈواتا ہو اس پر ملامت نہیں کی جاتی اور جو شخص ان مجالس میں شریک نہ ہو اس پر لعن طعن کیا جاتا ہے، وہابی کہا جاتا ہے بلکہ اخوت، مودت کا تعلق قطع کر کے اس سے دشمنی کی جاتی ہے، طرح طرح سے اس پر سب و شتم کرتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بِهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ (الآیہ ۲) بلکہ دین اسلام سے اس کو خارج مانا جاتا ہے۔

۵- روشنی، خوشبو، مجالس کی آرائش میں حد درجہ کا اسراف کیا جاتا ہے (۳)۔

(۱) کسی مسلمان کو اذیت دینا حرام ہے اور بسا اوقات جائز عمل بھی ایذا رسانی کے اندیشہ کی بنا پر مکروہ ہو جایا کرتا ہے جیسے جہرا ذکر اور تلاوت سے اگر مریض، سونے والے کی نیند یا نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو تو مکروہ ہے کما تقدم۔ اور کثرت سے احادیث میں اس سے ممانعت آئی ہے، ارشاد ہے: ”المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده“۔ (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده : ۶/۱، قدیمی) دوسری جگہ ارشاد ہے: ”و من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فلا يؤذ جاره، و من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فليقل خيراً أو ليصمت“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی حق الجوار : ۷۰۱/۲، مکتبہ دار الحدیث ملتان)

وقال العلامة الألوسی تحت آیہ : ﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا﴾۔
الآیہ : ”وأخرج غير واحد عن قتادة قال : إياكم وأذى المؤمن، فإن الله تعالى يحوطه ويغضب له“۔ (روح المعانی : ۸۸/۲۲، دار إحياء التراث العربی بیروت)
(۲) (الأحزاب : ۵۸)

قال العلامة الألوسی تحت الآیة المذكورة : ”والذين يؤذون المؤمنين والمؤمنات (يفعلون بهم ما يتأذون به من قول أو فعل الخ)“۔ (روح المعانی : ۸۸/۲۲، دار إحياء التراث)
(۳) قال الله تعالى : ﴿و لا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين﴾ (الانعام : ۱۴۱)

وقال العلامة الألوسی تحتها : ”(ولا تسرفوا)“۔ وقال الزهري : المعنى لا تنفقوا في معصية الله تعالى، و يروى نحوه عن مجاهد، فقد أخرج ابن أبي حاتم عنه أنه قال : لو كان أبو قبيس ذهباً، فأنفقه رجل في طاعة الله تعالى، لم يكن مسرفاً، و لو أنفق درهماً في معصية الله تعالى كان مسرفاً“۔ (روح =

۶- قیام کو ضروری سمجھا جاتا ہے، اگر کوئی قیام نہ کرے تو وہ سب شرکاء مجلس کی نظروں میں حقیر و ذلیل بلکہ مبغوض ہوتا ہے، طرح طرح سے اس پر سب و شتم کرتے ہیں حتیٰ کہ اس ترک قیام کا درجہ ترک صلوٰۃ بلکہ ترک اسلام سے بھی بڑا ہوتا ہے حالانکہ اس قیام پر شرعی کوئی دلیل نہیں، قیام کے وقت یہ اعتقاد کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان مجالس میں تشریف لاتے ہیں اور اہل مجلس کی ہر بات کو خداوند تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہو کر بلا واسطہ ملاحظہ فرما رہے ہیں (۱)۔

۷- آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں اس قدر مبالغہ کیا جاتا ہے کہ حد بشریت سے خارج مان کر خدائے وحدہ لا شریک لہ کے ساتھ صفات خاصہ میں شریک کر دیا جاتا ہے (۲)۔

۸- بسا اوقات ان مجالس میں عورتیں شریک ہوتی ہیں ان کا مردوں کے ساتھ بے حجابانہ اختلاط ہوتا

ہے (۳)۔

= المعانی : ۳۸/۸، دار احیاء التراث

(۱) (تقدم ذکر بطلان هذه العقيدة تحت عنوان: "محفل میاؤ")

(۲) وقد قال الله تعالى: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ، يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ الآية (الكهف: ۱۱۰)

"والمقصود عليه في الأول (أنا) والمقصود البشرية مثل المخاطبين". (روح المعاني :

۵۳/۱۶، دار احیاء التراث العربی)

"هل كنت إلا بشراً رسولاً" وكونه بشراً توطئة لذلك، رداً لماء انكروه من جواز كون

الرسول بشراً، ولا دلالة على أن الرسل عليهم السلام من قبل كانوا كذلك، ولهذا قال الرمخشري :

هل كنت إلا رسولاً كسائر الرسل بشراً مثلهم ولم ينكر أحد بشريته صلى الله تعالى عليه

وسلم". (روح المعاني : ۱۵/۱۷۰، ۱۷۱)

وقال في آية سورة فصلت: "لست ملكاً ولا جنياً، ويمكنكم التلقى منه أي لست من جنس

مغاير لكم حتى يكون بيني وبينكم حجاب". (روح المعاني : ۲۴/۹۷، دار احیاء التراث العربی)

(۳) عورتوں کی ایسی مجالس میں شرکت مذموم ہے کیونکہ عورت کو پردہ کہا گیا ہے، گھر سے نکلنے پر اس کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں اور

فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے: "و عنه (أى عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه) عن النبي صلى الله تعالى

عليه وسلم قال: "المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان". رواه الترمذی (مشکوۃ المصابیح،

كتاب النکاح، باب النظر إلى المخطوبة و بيان العورات، الفصل الثانی، ص: ۲۶۹، قدیمی) =

۹۔ توارخ کی تعیین اپنی طرف سے کی جاتی ہے کہ ان میں مجلس کا انعقاد ضروری ہے (۱) والسی ذلك

من المفاسد۔

غور کا مقام ہے کہ ولادت صرف ایک مرتبہ ہوئی، اس کا اہتمام تو اس قدر اور نماز و روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، جہاد، نکاح وغیرہ جن پر مدت دراز تک مداومت رہی، ان کے لئے علیحدہ علیحدہ مجالس کیوں نہیں کی جاتی؟ دس مفاسد جن کا ذکر اوپر ہوا ان کی ممانعت پر نصوص قرآنیہ، حدیثہ، عبارات فقہیہ بکثرت موجود ہیں۔ جب ان مجالس کی یہ کیفیت اور شرعی حیثیت یہ ہے تو ان کے عدم جواز میں کوئی تاثر نہیں۔ پر ایسے میلاد پر اجرت لینا بھی ناجائز ہے، وعظ اگر منکرات شرعیہ (۲) سے خالی ہو تو اس پر متاخرین فقہاء نے اجرت کی اجازت دی ہے، کذا فی در مختار: ۳۸/۵ (۳) اس کے لئے اگر باقاعدہ مقرر کیا جائے کہ ہر روز یا ہر ہفتہ اتنی دیر وعظ کہنا ہوگا اور یہ تنخواہ ہوگی تو متاخرین کے نزدیک گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/شوال/۶۱ھ۔

= "و تمنع المرأة الشابۃ من كشف الوجه بين رجال، لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة كمسه وإن

أمن الشهوة الخ". (الدر المختار، باب شروط الصلاة: ۴۰۶/۱، سعید)

(۱) "قال ابن المنیر: فیہ إن المندوبات تنقلب مکروہات إذا رفعت عن رتبہا؛ لأن التیامن مستحب

فی کل شیء: أی من أمور العبادۃ، لکن لما خشی ابن مسعود أن یعتقدوا وجوبہ، أشار إلى کراہتہ". واللہ

تعالیٰ اعلم". (فتح الباری، کتاب الأذان، باب الانفتال و الانصراف عن الیمین والشمال: ۳۳۸/۲،

ددار المعرفہ بیروت)

(۲) منکرات شرعیہ سے خالی ہونا یہ ہے کہ مثلاً وہ تذکیر اور عبرت کے لئے ہو، کسی عہدے، مال یا لوگوں کے ہاں مقام حاصل

کرنے کے لئے نہ ہو۔ قال فی الدر المختار: "التذکیر علی المنابر للوعظ والإتعاظ سنة الأنبیاء

والمرسلین، و لریاسة و مال و قبول عامۃ من ضلالة اليهود والنصارى". (کتاب الحظر والإباحۃ، فصل

فی البیع، ذکر الفروع: ۴۲۱/۶، سعید)

(۳) قال العلامة الشامی فی کتاب الإجارة: "قال فی الهدایة: و بعض مشایخنا استحسنوا الاستیجار

علی تعلیم القرآن الیوم..... و زاد بعضهم الأذان والإقامة والوعظ". (رد المحتار، باب الإجارة

الفاسدة، مطلب: تحریر مهم فی عدم جواز الاستیجار الخ: ۵۵/۶، سعید)

عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال [۸۹۰]: بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرنا، منڈپ سجانا (۱)، چراغاں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی چیز کو دین، ثواب، قربت سمجھ کر کرنا اس وقت درست ہوگا جب کہ ادلہ شرعیہ سے اس کا ثبوت ہو، ادلہ شرعیہ چار ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس مجتہد، جس چیز کا اس طرح ثبوت نہ ہو اس کو دین، ثواب، قربت سمجھ کر کرنا بدعت و ضلالت و ممنوع ہوگا (۲)۔

قال علیہ السلام: "من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". متفق علیہ (۳)۔

(۱) شامیانہ (فیروز اللغات: ۱۲۹۲)

(۲) " (البدعة) ما أحدث على خلاف الحق الملتقى من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، و جعل ديناً قوياً و صراطاً مستقيماً " (رد المحتار، باب الإمامة: ۵۶۰/۱، سعید)

وقال العلامة المناوی فی فیض القدير تحت حديث: "من أحدث فی أمرنا هذا الخ": أي أنشأ و اخترع و أتى بأمر حديث من قبل نفسه (ما ليس منه) أي رأياً ليس له فی الكتاب أو السنة عارض ظاهر أو خفی، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد): أي مردود علی فاعله لبطلانه. (۱۱/۵۵۹۳، رقم الحديث: ۸۳۳۳، مكتبه نزار مصطفى)

"و قال صاحب جامع الأصول: الابتداء من المخلوقين إن كان فی خلاف ما أمر الله تعالى به و رسوله صلى الله تعالى عليه وسلم، فهو فی حيز الدم و الإنكار الخ". (روح المعاني تحت قوله: و رهبانية ابتدعوها: ۱۹۲/۲، دار احیاء التراث العربی)

"معناه: من اخترع فی الدين ما لا يشهد له أصل من أصوله، فلا يلتفت إليه". (فتح الباری،

كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود: ۳۰۲/۵)

(۳) (رواه البخاری فی الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱، قدیمی)

(و مسلم فی الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة و رد محدثات الأمور: ۷۷/۲، قدیمی)

مشکوۃ المصابیح ص: ۲۷ (۱) ”وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، و كل بدعة ضلالة“، رواه أحمد (۲) وأبو داود (۳) والترمذی (۴) وابن ماجه (۵) مشکوۃ ص: ۳۰ (۶)۔

اس بنیادی چیز کو سمجھنے کے بعد اپنے سوالات کا جواب نمبر وار لیجئے:

یہ چیز اولہ اربعہ میں سے کسی دلیل سے ثابت نہیں، قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا وجود نہیں تھا۔ چھ صدی تک یہ طریقہ ایجاد نہیں ہوا تھا اس کے بعد ایجاد ہوا، سب سے پہلے ایک بادشاہ نے یہ مجلس منعقد کی پھر اس کی حرص میں دوسرے لوگوں نے مجلسیں منعقد کیں، تاریخ ابن خلکان (۷) میں اس کی تفصیل مذکور ہے، اسی وقت

(۱) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، ص: ۲۷، قدیمی)

(۲) (مسند أحمد: ۱۲۶/۳، رقم الحديث: ۱۶۶۹۴، عن العرباض رضي الله تعالى عنه)

(۳) (أبو داود، كتاب السنة، آخر باب في لزوم السنة: ۲/۶۳۵، مكتبة دار الحديث ملتان)

(۴) (جامع الترمذی، أبواب العلم، باب الأخذ بالسنة واجتناب البدعة: ۲/۹۶، سعيد)

(۵) (ابن ماجه في مقدمته، باب اجتناب البدع والجدل، ص: ۶، قدیمی)

(۶) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، ص: ۲۹،

۳۰، قدیمی)

(۷) ”وأما احتفاله بمولد النبي ﷺ: فإن الوصف يقصر عن الإحاطة به، لكن نذكر طرفاً منه وهو أن أهل البلاد كانوا قد سمعوا بحسن اعتقاده فيه، فكان في كل سنة يصل إليه من البلاد القريبة خلق كثير من الفقهاء والصوفية والوعاظ والقراء والشعراء، ولا يزالون يتواصلون من المحرم إلى أوائل شهر ربيع الأول فكان مظفر الدين (ملك إربل) ينزل كل يوم بعد صلاة العصر و يقف على قبة قبة إلى آخرها، و يسمع غناءهم، و يتفرج على خيالاتهم، و ما يفعلونه في القبات هكذا يعمل كل يوم إلى ليلة المولد فإذا كان صبيحة يوم المولد أنزل الخلع من القلعة إلى الخانقاه على أيدي الصوفية فإذا فرغوا من الموسم تجهز كل إنسان للعود إلى بلده، فيدفع لكل شخص شيئاً من النفقة، و قد ذكرت في ترجمة الحافظ أبي الخطاب ابن دحية في حرف و صوله إلى إربل و عمله لكتاب ”التنوير في مولد السراج المنير“ لما رأى من اهتمام مظفر الدين به“. (وفيات الأعيان و أبناء الزمان لابن خلکان، ترجمة مظفر الدين صاحب إربل: ۱۱۷، ۱۱۹، رقم الترجمة: ۵۴۷، دار صادر بيروت)

(وذكر شيئاً منه في ترجمة الأسعد ابن مماتي: ۱/۲۱۱، ۲۱۲، رقم الترجمة: ۹۱، دار صادر بيروت)

سے علمائے حق نے اس پر نکیر کیا ہے۔ علامہ ابن الحاج نے المدخل (۱) کی دوسری جلد میں بتیس صفحات میں اس کی تردید کی ہے اور اس کے رد میں دلائل قائم کئے ہیں، مستقل رسالے بھی اس مسئلہ پر موجود ہیں۔ ”الجنة لأهل السنة“ (۲) میں بھی اس پر تفصیلی رد ہے۔ فی نفسہ ذکر مبارک جو کہ بدعات سے خالی ہو عین سعادت ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

کیا مجلس میلاد شریف تمام ارکان کا بدل ہے؟

سوال [۸۹۱]: بکر صوم و صلوٰۃ و دیگر امور شرعیہ کا پاس و لحاظ نہیں رکھتا، اس کا عقیدہ ہے کہ سال میں میلاد شریف مع قیام و سلام کا انعقاد سال کے جملہ گناہوں سے پاک و صاف ہو جانے کا سبب ہے اور سال میں گھر میں خیر و برکت کا سبب ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب حامداً و مصلياً :

اس کا حکم (ما قبل سوال کے جواب میں) گزر چکا ہے، پھر اس کو یہ سمجھنا کہ اس سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور فرائض ساقط ہو جاتے ہیں، یہ تو سخت قسم کی ضلالت ہے اور کھلی گمراہی ہے۔ اسلام کی بنیادیں جن چیزوں پر ہیں ان کو پورا اور مستحکم کرنا سب کے ذمہ ضروری ہے، ایک رکن کا بدل دوسرا رکن نہیں ہو سکتا مثلاً: ایک شخص نماز کی پابندی کرتا ہے تو روزہ اس سے ساقط نہیں ہوگا، نماز کی طرف سے بھی روزہ بدل نہیں ہو سکتا۔ تو

(۱) (قد مضت اقتباساتہ تخریجاً تحت عنوان ”محفل میلاد“)

(۲) یہ رسالہ حضرت مولانا محمد عبدالغنی خان رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر مدرس مدرسہ عین العلوم شاہ جہان پور یوپی) کا ہے جس کے باب ثالث میں ص: ۱۶۸، ۱۶۹، حضرت نے دلائل کی روشنی میں محفل میلاد مروجہ کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ (المکتبۃ البنوریہ کراچی نے رسالہ مذکورہ کی طباعت کی ہے)

(۳) ”و سئل نفع اللہ بعلمومہ : عن الموالد والأذکار التي يفعلها كثير من الناس في هذا الزمان هل هي سنة أم فضيلة أم بدعة ؟ فأجاب بقوله : الموالد والأذکار التي تفعل عندنا أكثرها مشتمل على خير، كصدقة، و ذکر و صلاة و سلام علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و مدحه “ الخ (الفتاویٰ الحدیثیۃ لابن حجر المہشمی : ۲۰۲، قدیمی)

پھر ایک بدعت واجب ترک چیز کیسے تمام ارکان اسلام کا بدل ہو جائے گی؟ غرض میلاد شریف کی محفل منعقد کر لینے کو صوم و صلوٰۃ کا بدل قرار دینا اعتقادی مفسدہ اور شیطانی زبردست حملہ ہے جس سے ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے۔

”عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”بنی الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، والحج، وصوم رمضان“۔ متفق علیہ (۱) مشکوٰۃ شریف (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

گیارہویں اور میلاد کی ابتداء

سوال [۸۹۲]: آج کل مسلمانوں میں ایک طبقہ ربیع الاول کی مخصوص تاریخوں میں میلاد النبی، گیارہویں شریف کی محفلیں بڑی دھوم دھام سے کرتا ہے، کھانا کھانا، قصائد خوانی، مٹھائی تقسیم کرنا اور بلند آواز سے سورہ فاتحہ پڑھنا وغیرہ کرنا کیسا ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے، اسکا کرنا اجر و ثواب اور باعث برکت ہے۔
۱..... کیا اس کا حکم کبھی اللہ کے رسول نے دیا ہے؟

۲..... کیا خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کیا ہے؟

۳..... کیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کیا ہے؟

(۱) (أخرج البخاری فی الإیمان، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”بنی الإسلام على خمس: ۶/۱، قدیمی)

(ومسلم فی الإیمان، باب بیان أركان الإسلام و دعائمه العظام: ۳۲/۱، قدیمی)

(۲) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الإیمان، الفصل الأول ص: ۱۲، قدیمی)

”الأول: يفهم من ظاهر الحديث أن الشخص لا يكون مسلماً عند ترك شيء منها، لكن الإجماع منعقد على أن العبد لا يكفر بترك شيء منها، وقتل تارك الصلاة عند الشافعي وأحمد، إنما هو حداً لا كفراً، وإن كان روى عن أحمد وبعض المالكية كفراً..... الثاني: أن هذه الأشياء الخمسة من الفروض الأعيان لا تسقط بإقامة البعض عن الباقيين“۔ (عمدة القاری، کتاب الإیمان، باب دعاءكم إيمانكم: ۱۲۰/۱، إدارة الطباعة المنيرية بيروت)

۴..... کیا تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے کیا ہے؟

۵..... کیا تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے کیا ہے؟

۶..... کیا ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی نے کیا ہے؟

۷..... کیا محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

حضور اقدس رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فدائہ اُبی و اُمی) کا ذکر مبارک خواہ ولادت شریفہ کا ذکر ہو یا عبادات، معاملات، معاشرت وغیرہ کا ذکر ہو بلاشبہ موجب قرب اور ذریعہ سعادت ہے (۱)۔ نیز بزرگان دین کا ذکر بھی موجب نزول رحمت ہے لیکن جو صورت سوال میں درج ہے اور جو کچھ اس کو مقام دیا گیا ہے وہ ثابت نہیں اور بہت سے شرعی مفاسد و قبائح پر مشتمل ہے بعض مفاسد اعتقادی ہیں، بعض عملی ہیں، بعض اخلاقی ہیں۔ علامہ ابن الحاج نے المدخل (۲) میں ان کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

۱..... بالکل نہیں۔

۲..... کبھی نہیں کیا۔

۳..... کبھی نہیں کیا۔

۴..... کبھی نہیں کیا۔

۵..... کبھی نہیں کیا۔

۶..... کبھی نہیں کیا۔

۷..... کبھی نہیں کیا۔

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز اس وقت تک دنیا میں تشریف ہی نہیں لائے تھے، آپ کی پیدائش مبارک بعد میں ہوئی، پھر یہ ان سے معتقدین حضرات ان کی گیارہویں کہاں کرتے۔

(۱) (تقدم تخریجہ من امداد الفتاویٰ کتاب البدعات : ۲۴۹/۵، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) (تقدم تخریجہ تحت عنوان ”میلاد کا خاص طریقہ“)

میلا دشریف کی محفل سب سے پہلے اربل کے بادشاہ نے ۶۰۰ھ کے بعد کی ہے، اس کی حرص میں اور لوگوں نے کی حتیٰ کہ پھیلتی چلی گئی، اسی وقت سے علماء نے اس پر رد کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۵ھ۔

قیام میلا دکور وکنا

سوال [۸۹۳]: میلا دشریف میں قیام کرنا جائز ہے یا ناجائز بدعت، اگر بدعت ہے تو اگر روکنے میں حرج عظیم کا اندیشہ ہو مثلاً: اگر قیام سے بیک وقت روکا جائے تو لوگ فرض نماز بھی چھوڑ بیٹھیں گے اور مسجد میں جانا چھوڑ دیں گے، پارٹی بندی کا خطرہ ہے تو اس صورت میں قیام سے رک جانا یا روکنا اولیٰ ہے یا نہیں؟ روکا جائے یا خود بھی کرتا رہے اور آہستہ آہستہ ان کا دل اپنی طرف کر کے روکنے کا خیال رکھے، ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرعی دلیل سے ثابت نہیں، بے اصل اور بدعت ہے (۱) اگر روکنے سے فرض نماز بھی ترک کر دیں گے تو خاموشی اختیار کر لے مگر خود شریک نہ ہو، یہ کہنا کہ خود شرکت کر کے آہستہ آہستہ روک دے گا یہ غلط ہے، شرکت کرنے والا روک ہی نہیں سکتا بلکہ خود مبتلا ہو جاتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۸۸ھ۔

قیام میلا دکا تفصیلی حکم

سوال [۸۹۴]: میلا دشریف میں قیام کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے اور میلا دمروجہ کا پڑھنا پڑھوانا اور اس کے اندر ایسی احتیاط برتی جائے کہ کوئی کام غیر شرعی نہ ہو، روایات صحیحہ پڑھی جائیں اور قیام کیا جائے،

(۱) "و نظیر ذلک فعل كثير عند ذکر مولده صلى الله تعالى عليه وسلم، و وضع أمه له من القيام، وهو أيضاً بدعة لم يرد فيه شيء الخ"۔ (الفتاویٰ الحدیثیہ لابن حجر الہیثمی المکی: ۱۱۲، قدیمی)

(۲) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے فتنوں سے دور رہنے کو سراہا ہے: "عن أبي سعيد رضي الله تعالى عنه أنه سمعه يقول: سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "يأتني على الناس زمان، خير مال المسلم الغنم، يتبع بها شغف الجبال ومواقع القطر، يفر بدينه من الفتن"۔ (صحيح البخاری، كتاب الرقاق، باب العزلة راحة من خلاط السوء: ۹۶۱/۲، قدیمی)

حرام ہے یا ناجائز ہے یا بدعت ضلالت ہے؟ میلاد شریف کا کرنے والا خصوصاً بارہ ربیع الاول کو خاص اہتمام سے کرنے والا کس قسم کا گناہگار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک، خواہ آپ کی ولادت شریفہ کا ذکر ہو، خواہ آپ کی عبادات: نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ کا ذکر ہو۔ خواہ آپ کے معاملات: خرید و فروخت، قرض و رہن وغیرہ کا ذکر ہو۔ خواہ آپ کی معاشرت: سونے جاگنے، چلنے، پھرنے، بیٹھنے، وغیرہ کا ذکر ہو۔ خواہ آپ کے لباس: کرتہ، لنگی، چادر، عمامہ، جبہ وغیرہ کا ذکر ہو۔ خواہ آپ کے جانوروں: اونٹ، گھوڑا، بکری، خچر وغیرہ کا ذکر ہو۔ غرض جو چیز بھی آپ سے متعلق ہو اس کا ذکر کرنا اور اس سے نصیحت لینا بغیر کسی غیر ثابت پابندی کے اور قید کے بلاشبہ موجب برکت ہے، باعث اجر ہے، ذریعہ قربت ہے، تقاضائے ایمان ہے (۱)۔

مروجہ طریقہ پر جو مجلس میلاد منعقد کی جاتی ہے اس کا ثبوت قرآن پاک، حدیث شریف و فقہ میں کہیں نہیں، نہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ مجلس منعقد کی، نہ صحابہ کرام نے، نہ ائمہ مجتہدین نے اور نہ فقہاء

(۱) ”مجلس مولود خیر و برکت ہے در صورتیکہ ان قیودات مذکورہ سے خالی ہو“، فقط خلیل احمد ”بلا قید وقت معین و بلا قیام و بغیر روایت موضوع مجلس خیر و برکت ہے“..... ہکذا سمعت من ابي مولانا الحاج المحدث السهارنفوري المولوي أحمد علي برد الله مضجعه..... محمد خليل الرحمن“۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب البدعات ص: ۴۰۹)

(و کذا فی الفتاویٰ الحدیثیۃ لابن حجر المکی، مطلب: الاجتماع للموالد والاذکار وصلاة التراويح الخ، ص: ۲۰۲، قدیمی)

(وامداد الفتاویٰ، کتاب البدعات: ۵/۲۴۹، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(و براہین قاطعہ، ص: ۴)

و فی مجموعۃ الفتاویٰ علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ: ”ذکر مولود شریف یعنی وقائع ولادت و معجزات بیان کردن خواہ ملک ہند باشد یا سند..... جائز است، کسے اہل اسلام را دریں کلام نیست..... الخ“۔ (کتاب الکراہیۃ:

۳۳۵/۴، امجد اکیدمی)

محدثین نے (۱)۔ چھ صدی تک یہ مجلس کہیں نہیں ہوئی، اس کے بعد سے شروع ہوئی۔ سلطان اربل نے سب سے پہلے یہ مجلس کی اور بہت پیسہ روپیہ خرچ کیا ہے جیسا کہ تاریخ ابن خلکان میں ہے (۲) اسی وقت سے علماء حق نے اس کی تردید کی اور کرتے چلے آ رہے ہیں۔

جو کام ان مجالس میں کئے جاتے ہیں ان میں سے صرف دو کو سامنے رکھ کر آپ نے سوال کیا ہے، ممکن ہے آپ کے ہاں مجالس میں یہی دو کام ہوتے ہوں جن کی وجہ سے آپ نے سوال کیا ہے اور کوئی کام ایسا نہ ہوتا ہو جس کے دریافت کرنے کی ضرورت ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسری چیزیں کچھ اور ہوتی ہوں مگر آپ ان کو درست سمجھتے ہوں اور وہ شریعت کی نظر میں غلط ہوں، جو کچھ بھی ہوں میں بھی دو چیزیں سامنے رکھ کر جواب تحریر کرتا ہوں۔ دوسری چیزیں جن کا عام مجالس میں رواج ہے اس جگہ ذکر نہیں کروں گا۔

پہلی چیز قیام ہے: اس کے متعلق تحقیق طلب یہ ہے کہ یہ قیام کس مقصد کے لئے کیا جاتا ہے یعنی اس قیام سے کس کی تعظیم مقصود ہے؟ اس میں چار احتمال ہیں: ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے ہوں، اس لئے آپ کو دیکھ کر ایمان و ادب کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی فوراً کھڑا ہو جائے (جیسا کہ کثرت سے ان مجالس والوں کا عقیدہ ہے)۔

دوسرا احتمال: یہ ہے کہ آپ کی ولادت شریفہ کی تعظیم مقصود ہو یعنی یہ عقیدہ ہو کہ آپ اس وقت پیدا ہو رہے ہیں اور اس مجلس میں آپ کی ولادت شریفہ ہو رہی ہے (جیسا کہ بعض جگہ دستور ہے کہ پس پردہ کسی عورت کے ہاتھ میں بچہ ہوتا ہے اور عین ذکر ولادت کے وقت وہ عورت اس بچہ کے چٹکی لیتی ہے، جس سے وہ بچہ

(۱) ”چونکہ ذکر مولد مثل پند و نصائح است و وعظ و پند و نصائح در زمان صحابہ و تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین جاری ماندہ، در کدام زمانہ التزام آن نہ بودہ، و اکنون چونکہ آنرا التزام کردہ اند و سوختن لوبان و غیرہ، و در پیش مولود خوان نہادن رارکن ذکر قرار دادہ اند، بناءً علیہ ایں التزام مالا یلزم خالی از کراہت نیست“۔ (مجموعۃ الفتاوی، کتاب الکراہیۃ: ۳۳۵/۴، امجد اکیڈمی لاہور)

(۲) (وفیات الأعیان و أبناء أبناء الزمان لابن خلکان، ترجمة مظفر الدین صاحب إربل: ۱۱۷/۴، ۱۱۹، رقم الترجمة: ۵۴۷، دار صادر بیروت)

(و کذا فی ترجمة الأسعد ابن مماتی من وفیات الأعیان: ۲۱۱/۱، ۲۱۲، رقم الترجمة: ۹۱، دار صادر بیروت)

رو پڑتا ہے، اس کی آواز کوسن کر سب مجمع درود و سلام پڑھتا ہوا کھڑا ہو جاتا ہے اور امسال یہاں کانپور میں ایک مجلس میلاد میں جھولنا بھی موجود تھا، جس میں ایک بچہ کو لٹا کر جھلایا جا رہا تھا اور اس پر درود و سلام پڑھا جا رہا تھا۔ (استغفر اللہ العظیم)۔

تیسرا احتمال: یہ ہے کہ ذکر ولادت کی تعظیم مقصود ہو۔
چوتھا احتمال: یہ ہے کہ صرف ذکر رسول کی تعظیم مقصود ہو۔

احتمالات اربعہ کا شرعی حکم

احتمال اول: حضور اقدس ﷺ کا تشریف لانا مجالس میلاد شریف یہ عقیدہ بلا دلیل ہے۔
قرآن پاک (۱) حدیث شریف، کلام (۲)، اصول فقہ کسی چیز سے بھی ثابت نہیں ہے لہذا یہ عقیدہ بالکل غلط

(۱) یہ عقیدہ ان اصول مذکورہ کے خلاف ہے، قرآن کریم و حدیث وغیرہ میں اس عقیدہ کی نفی کی گئی ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ، وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ﴾ (آل عمران: ۴۴)، اس آیت کریمہ میں دو مرتبہ اس عقیدے کی نفی ہے۔ وقال تعالیٰ: ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ، وَ هُمْ يَمْكُرُونَ﴾ (یوسف: ۱۰۲)

وقال تعالیٰ: ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ﴾ (القصص: ۴۴)
وقال تعالیٰ: ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ﴾ (القصص: ۴۶)
و راجع التفاسیر کلہا تحت هذه الآيات، تجد فيها ما يطل هذه العقيدة المخترعة بطلاناً بَيِّنًا.
(۲) وفي شرح العقائد: ”والمحدث للعالم هو الله تعالى، (ص: ۲۵)..... ”الحی القادر العليم السميع البصير الشائی المرید، (ص: ۳۰)..... وله صفات..... أزلية قائمة بذاته ضرورة أنه لا معنى لصفة الشيء إلا ما يقوم به“، (ص: ۳۶، ۳۷)..... قال: واجب الوجود لذاته هو الله تعالى و صفاته يعنى أنها واجبة لذات الواجب تعالى و تقدس، (ص: ۳۸)..... و قد أرسل الله تعالى رسلاً من البشر إلى البشر (ص: ۹۸ المطبع اليوسفي) مذکورہ بالا عبارات میں ”الحی، السميع“ اور ”البصير“ کے ضمن میں یہ ثابت ہوئی کہ حاضر و ناظر ہونا صفت خاصہ اللہ تعالیٰ کی ہے اور یہ تخصیص ”وله صفات الخ“ سے واضح ہے اور ”و قد أرسل الخ“ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محض بشریت کی طرف اشارہ ہے اور بشر کے لئے بعد موت ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا محال ہے، لہذا علم کلام سے بجائے ثبوت کے نفی ہو رہی ہے۔

اور باطل ہے اس سے توبہ لازم ہے، ایسی چیز کا ثبوت آنکھوں سے دیکھ کر ہو سکتا ہے، یا دلیل شرعی سے ہو سکتا ہے۔ حاضرین مجلس آنکھوں سے یہ دیکھ نہیں رہے ہیں، دلیل شرعی قائم نہیں، پھر ثبوت کی ضرورت ہے۔

یہ بحث جداگانہ ہے کہ تشریف لاسکتے ہیں یا نہیں اس کا یہ موقع نہیں، جب کہ ان مجالس میلاد میں تشریف لانا ثابت نہیں تو پھر تشریف آوری کی خاطر قیام کرنا غلط ہوا، اگر بالفرض تشریف لاتے بھی تو کیا قیام کرنا درست ہوتا، اس کے لئے احادیث کی روشنی میں جو ہدایات ملتی ہیں وہ یہ ہیں:

”عن أبي أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَتَكًّا عَلَى عَصَا، فَقَمْنَا لَهُ فَقَالَ: ”لَا تَقُومُوا كَمَا يَقُومُ الْأَعَاجِمُ يَعْظُمُ بَعْضُهَا بَعْضًا“۔ رواه أبو داود (۱) مشکوٰۃ شریف، ص: ۴۰۳ (۲)۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لاٹھی ٹیکتے ہوئے تشریف لائے تو ہم لوگوں نے آپ کی تشریف آوری کی خاطر تعظیماً قیام کیا، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: ”میرے لئے قیام مت کرو جیسا کہ عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے قیام کرتے ہیں“ یہ حدیث امام ابو داؤد سے روایت کی ہے، اس حدیث پاک میں صاف قیام کو منع کیا گیا ہے۔

تنبیہ: اس حدیث شریف کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قیام کی ممانعت اس طرح پر ہو کہ آپ تشریف فرما رہیں یعنی بیٹھے رہیں اور لوگ تعظیماً کھڑے رہیں، کیونکہ وہاں یہ طریقہ تو کبھی تھا ہی نہیں، آپ کی مجلس کا یہ حال ہوتا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس طرح مؤدب بیٹھتے تھے کہ جیسے ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوں کہ ذرا حرکت کریں تو وہ اڑ جائیں (۳)۔

(۱) (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك : ۲/۷۱۰، مکتبہ دار الحدیث ملتان)

(۲) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب القيام، الفصل الثانی، ص: ۴۰۳، قدیمی)

(۳) ”عن البراء بن عازب رضى الله عنه قال: ”خرجنا مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فى جنازة فانتھینا إلى القبر، فجلس وجلسنا، كأن على رؤوسنا الطير“۔ (ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فى الجلوس فى المقابر ص: ۱۱۱، قدیمی)

وفى إنجاح الحاجة على حاشية ابن ماجه: ”كأن على رؤوسهم الطير“ قال الطيبي: ”هو كناية=

بلکہ حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ جس مجلس میں صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوں اس مجلس میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تشریف لائیں تو آپ کی تشریف آوری کی خاطر صحابہ تعظیماً قیام نہ کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ کر صحابہ قیام نہیں کیا کرتے تھے:

”عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: لم يكن شخص أحب إليهم من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، و كانوا إذا راؤهُ لم يقوموا لما يعلمون من كراهية لذلك“۔ رواه الترمذی، وقال هذا حديث حسن صحيح“ (۱)۔ مشکوٰۃ شریف، ص: ۴۰۳ (۲)۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظروں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی بھی محبوب نہیں تھا لیکن جب صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے تو قیام نہیں کرتے تھے، کیونکہ جانتے تھے کہ یہ قیام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ناپسند و ناگوار ہے۔ یہ حدیث شریف امام ترمذی نے روایت کی ہے۔

اس حدیث پاک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کام محبوب کو ناپسند و ناگوار ہو وہ ہرگز نہ کیا جائے، خواہ اس کا دلی تقاضا کتنا ہی مجبور کیوں نہ کرتا ہو، مگر اپنے دلی تقاضے کے مقابلے میں ہمیشہ محبوب کی خاطر کا لحاظ رکھنا ہمیشہ محبت کے ذمہ لازم ہے اور یہی دراصل تقاضائے محبت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں اس قسم کے بے شمار واقعات ملیں گے کہ انہوں نے اپنی دلی خواہش اور جذبہ محبت کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواہش اور منشأ پر قربان کر دیا۔ اس کی ایک مثال اس جگہ پیش کرتا ہوں:

”عن معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه لما بعثه رسول الله صلى الله تعالى عليه

= عن إطراقهم رؤوسهم وسكوتهم وهذه كانت صفة مجلس رسول الله صلى الله تعالى عليه

وسلم إذا تكلم، أطرق جلساءه كأنها على رؤوسهم الطير الخ“ (ص: ۱۱۱)

(ورواه النسائي في الجنائز، باب الوقوف للجنائز: ۲۸۲/۱، قديمي)

(۱) (جامع الترمذی، أبواب الاستئذان والأدب، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل:

۱۰۳/۲، سعيد)

(۲) (كتاب الآداب، باب القيام الفصل الثاني، ص: ۴۰۳، قديمي)

وسلم إلى اليمن، خرج معه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوصيه ومعاذ راكب ورسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يمشي تحت راحلته“۔ الحديث رواه احمد (۱) مشکوة شريف ص: ۴۴۵ (۲)۔

ترجمہ: جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن بھیجا تو آپ خود ان کو نصیحت کرتے ہوئے ساتھ ساتھ پیدل چل دیئے تھے اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوار تھے۔ یہ حدیث شریف امام احمد نے روایت کی ہے۔

غور کا مقام ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل پر کتنا بوجھ ہوا ہوگا کہ وہ تو سوار ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رخصت کرنے کے لئے پیدل ساتھ ساتھ تشریف لئے جا رہے ہوں لیکن اپنی خواہش کو قربان کر کے ہر بوجھ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاطر برداشت کیا۔

”عن معاوية رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من سره أن يتمثل له الرجال قياماً، فليتبوأ مقعده من النار“۔ رواه الترمذی (۳) ابو داؤد (۴) مشکوة شريف، ص: ۴۰۳ (۵)۔

ترجمہ: جس شخص کا دل اس بات سے خوش ہوتا ہو کہ لوگ اس کے لئے قیام کیا کریں، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ حدیث امام ترمذی و ابو داؤد نے روایت کی ہے۔

(۱) والحديث بتمامه بعد قوله: ”يمشي تحت راحلته“: ”فلما فرغ قال: ”يا معاذ! إنك عسى أن تلقاني بعد عامي هذا أو لعلك أن تمر بمسجدى هذا أو قبري“، فبكي معاذ جعشاً لفراق رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ثم التفت فأقبل بوجهه نحو المدينة، فقال: ”إن أولى الناس بي المتقون من كانوا وحيث كانوا“۔ (مسند الإمام أحمد: ۲۳۵/۵، رقم الحديث: ۵۴۷، ۲، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

(۲) (مشکوة المصابيح، کتاب الرقاق، الفصل الثالث، ص: ۴۴۵، قدیمی)

(۳) (جامع الترمذی، أبواب الاستیذان والأدب، باب ما جاء فی کراهية قيام الرجل للرجل: ۱۰۳/۲، سعید)

(۴) (سنن أبی داؤد، کتاب الآداب، باب الرجل يقوم لرجل يعظمه بذلك: ۷۱۰/۲، مکتبه دار الحديث ملتان)

(۵) (مشکوة المصابيح، کتاب الآداب، باب القيام، الفصل الثاني، ص: ۴۰۳، قدیمی)

یہ حدیث اس لئے ذکر کی ہے کہ لوگ اپنے لئے بھی قیام کو پسند نہ کریں۔

احتمال دوم:

ولادت شریفہ کی تعظیم کے لئے قیام کرنا اور یہ سمجھنا کہ اسی مجلس میں آپ کی ولادت ہو رہی ہے، یہ تصور اس قدر بے ہودہ اور باطل ہے جس کی حد نہیں کیونکہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس مجلس سے پہلے پیدائش نہیں ہوئی تھی تو قرآن پاک کس پر نازل ہوا؟ حدیثوں کا مجموعہ کس کی حدیثیں ہیں؟ ۲۳/ سالہ مبارک زمانہ وحی کی زندگی، غزوات، اصول و ارکان اسلام، چودہ سو سالہ کارنامے یہ کیسے ہیں؟ اور کیا ہر گھر میں جہاں میلاد ہوتا ہے وہیں ولادت ہوتی ہے۔ (نعوذ باللہ) یہ تصور تو کوئی مسلمان بلکہ تھوڑی سمجھ والا غیر مسلم بھی نہیں کر سکتا، البتہ یہ ممکن ہے کہ یہ اہل مجلس حضرات جوش و عقیدت میں ولادت شریفہ کی نقل کرتے ہوں کہ کسی عورت کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ کے مشابہ قرار دے کر جو بچہ اس کی گود میں ہے اس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شبیہ قرار دیتے ہوئے اور اس بچہ کے رونے کی آواز کو سن کر اس وقت کا تصور کرتے ہوں جس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ ہوئی تھی اور اسی تصور کے ماتحت قیام کرتے ہوں یہ تصور اور تشبیہ بھی اس قدر خطرناک ہے کہ الامان والحفیظ اور بالکل ایسا ہی طریقہ ہے جیسا کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت و عقیدت کا دعویٰ کرنے والا ایک طبقہ محرم کے مہینہ میں اختیار کرتا ہے۔ علم نکالتا ہے، میسر آ جائے تو اونٹوں کی قطار بھی لیجاتا ہے جیسا کہ کانپور میں دستور ہے، اور دلدل بھی نکالتا ہے چوکی اور مہندی بھی ہوتی ہے اور قبر کی بھی شبیہ بنائی جاتی ہے اور ماتم بھی مرثیوں کے ساتھ ہوتا ہے، کوئی شمر بھی ہوتا ہے، کسی کو حسین بھی بنایا جاتا ہے اور سب ماجرا تفصیل وار اسی تفصیل کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے جس طرح پیش آیا تھا۔

یہ بھی سب عقیدت اور محبت ہی کا مظاہرہ ہے کہ پورے واقعہ کی نقل کی جاتی ہیں، دوسری غیر مسلم قومیں بھی اپنے بزرگوں کے کارنامے اسی طرح نقل کرتی ہیں بلکہ بزرگوں کی شکل کے بت بنا کر رکھ لیتی ہیں اور ان کے سامنے ڈنڈوت (۱) کر لینے کو اور ان کی پیدائش اور جنگ وغیرہ کی نقل کرنے اور جلوس نکالنے کو اپنے ساری دین کا خلاصہ اور عطر سمجھتی ہیں۔

(۱) ڈنڈوت: سجدہ، جبہ سائی، ماتھا ٹیکنا، آداب، تسلیم، بندگی۔ (فیروز اللغات: ۶۸۱)

آپ تنہائی میں دماغ کو افکار و تعصب سے خالی کر کے سوچیں کہ یہ طریقہ مسلمانوں نے کن لوگوں سے لیا ہے اور ایسا عقیدہ اور ان کے لئے یہ عمل کہاں تک عقل اور شریعت کے مطابق ہو سکتا ہے؟ کیا شریعت اس کی اجازت دے سکتی ہے اور عقل اس کو برداشت کر سکتی ہے؟ اگر آج کسی کے والد بزرگوار کی نقل اس طرح اتاری جائے تو کوئی غیرت مند آدمی اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔

تیسرا احتمال:

ذکر ولادت شریف کی تعظیم کی خاطر قیام کرنا تو اس کے لئے بھی کوئی ثبوت نہیں کہ آپ کی ولادت شریفہ کا ذکر جب کیا جائے تو بحالت قیام کیا جائے، یا سننے والے قیام کریں۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ ”میں دو شنبہ کو پیدا ہوا ہوں“ (۱)، لیکن پیدائش کا تذکرہ فرماتے ہوئے نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام فرمایا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے۔

محدثین نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں سند کے ساتھ لکھا ہے، ان کتابوں کو برابر اہل علم حضرات پڑھتے ہیں، کہیں ثابت نہیں کہ کسی راوی نے اس کو یا اس جیسی کسی حدیث کو روایت کرتے وقت قیام کیا ہو یا کسی محدث مثلاً: امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، و امام نسائی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے لکھتے یا پڑھتے وقت یا پڑھاتے وقت قیام کیا ہو۔ پس اس مقصد کے ماتحت قیام بھی بلا دلیل ہے۔

چوتھا احتمال:

یہ ہے کہ محض ذکر رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کے لئے قیام ہو سو یہ بھی بلا دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ہمیشہ ذکر رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرتے اور حدیثیں سنایا کرتے تھے (۲)، مگر کہیں قیام منقول نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱) ”و عنہ (أی ابی قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قال: سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن صوم الاثنین، فقال: ”فیہ ولدت، و فیہ أنزل علی“۔ رواہ مسلم“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصوم، باب صیام التطوع، الفصل الأول، ص: ۱۷۹، قدیمی)

(والصحيح لمسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة أيام من كل شهر الخ: ۱/۳۶۷، قدیمی)

(۲) ”عن أبی وائل قال: کان عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یذکر الناس فی کل خمیس، فقال له رجل: یا =

ہر جمعہ کو منبر نبوی کے پاس کھڑے ہو کر احادیث سنایا کرتے اور روضہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ اس قبر والے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا (۱) مگر کبھی حاضرین کو قیام کے لئے نہیں کہا۔ خلفاء راشدین: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ذکر رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کبھی حاضرین کو قیام کا حکم نہیں دیا اور کیسے حکم دیتے اور حاضرین کیسے قیام کرتے جب کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی اس بات کا حکم نہیں فرمایا بلکہ اس کے برعکس ثابت ہے کہ منبر پر تشریف لا کر فرمایا ”اجلسوا“ (بیٹھ جاؤ) اس حکم کو سن کر جو صحابہ جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے، حتیٰ کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت تک مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے، مسجد کے باہر دروازہ کے قریب تھے وہ یہ حکم سن کر وہیں بیٹھ گئے، حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ

= أبا عبد الرحمن لو ددت أنك ذكرتنا كل يوم، قال: أما أنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملككم، وإنني أتخولكم بالموعظة كما كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السامة علينا“ (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومة: ۱/۶، قديمي)

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث تو نہیں ملی، البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت بھی ان الفاظ میں ہے:

”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه أنه كان معتكفاً في مسجد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فأتاه رجل فسلم عليه ثم جلس، فقال له ابن عباس! يا فلان! أراك مكتئباً حزينا، قال: نعم يا ابن عم رسول الله! لفلان على حق، ولا وحرمة صاحب هذا القبر ما أقدر عليه، قال ابن عباس: أفلا أكلمه فيك؟ قال: إن أحببت، قال: فانتعل ابن عباس، ثم خرج من المسجد، قال له الرجل: أنسيت ما كنت فيه؟ قال: لا، ولكني سمعت صاحب هذا القبر صلى الله تعالى عليه وسلم والعهد به قريب فدمعت عيناه، وهو يقول: ”من مشى في حاجة أخيه وبلغ فيها، كان خيراً له من اعتكاف عشر سنين، ومن اعتكف يوماً ابتغاء وجه الله، جعل الله بينه وبين النار ثلث خنادق أبعد مما بين الخافقين“، رواه الطبراني في الأوسط، والبيهقي واللفظ له، والحاكم مختصراً وقال: صحيح الاسناد، وكذا في الترغيب، وقال السيوطي في الدر: صححه الحاكم وضعفه البيهقي“ (بحواله فضائل اعمال للشيخ مولانا محمد زكريا، فضائل رمضان، فصل ثالث، ص: ۲۵۳، ۲۵۲، كتب خانہ فیضی لاہور)

علیہ وسلم کی ان پر نظر پڑی فرمایا آگے آ جاؤ (۱)۔

ایمان کے بعد سب سے بڑی چیز نماز ہے، اس کے متعدد ارکان میں مختلف چیزیں پڑھی جاتی ہیں، رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز اور درود شریف قیام کی حالت میں نہیں پڑھا جاتا، نہ رکوع سجدہ کی حالت میں پڑھا جاتا ہے بلکہ بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری شریف میں اس کا اہتمام فرمایا ہے کہ ہر حدیث لکھتے وقت اول غسل کیا، مسواک کی، دو رکعت نماز نفل پڑھی تب ایک حدیث لکھی (۲) اس ادب و احترام کے ساتھ یہ کتاب سولہ سال میں مکمل ہوئی (۳) مگر یہ ثابت نہیں کہ کسی حدیث کو خواہ وہ ذکر ولادت شریف سے متعلق ہو یا کسی اور چیز سے متعلق ہو کھڑے ہو کر لکھا ہو۔ جس وقت اپنی کتاب کا املاء کراتے تھے تو بعض اوقات ایک لاکھ یا اس سے زیادہ مجمع موجود ہوتا مگر سب بیٹھے رہتے تھے، کوئی بحالت قیام نہیں لکھتا تھا اور بھی کسی محدث سے قیام ثابت نہیں۔ حالانکہ یہ سب حضرات ذکر رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بڑی تعظیم کرتے تھے (۴)۔

(۱) ”عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما استوى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوم الجمعة قال: ”اجلسوا، فسمع ذلك ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فجلس على باب المسجد، فرآه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: ”تعال يا عبد الله بن مسعود“۔ (أبو داؤد، أبواب الجمعة، باب الإمام يكلم الرجل في خطبته: ۱/۵۶، مكتبة دار الحديث)

(۲) ”قال أبو القاسم الكشميضي: سمعت القزبري يقول: سمعت إسماعيل البخاري رحمه الله تعالى يقول: ”ما وضعت في كتاب الصحيح حديثاً إلا اغتسلت قبل ذلك وصليت ركعتين الخ“۔ (مقدمه فتح الباری، ذکر فضائل الجامع الصحيح: ۶۷۵، قدیمی)

(۳) ”حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعض واقعات سے اخذ کر کے فرمایا ہے کہ ۲۱۷ھ میں اس کی ابتدا ہوئی اور ۲۳۳ھ میں اختتام ہوا..... اور یہ متعین ہے کہ کتاب سولہ سال میں مکمل ہوئی ہے۔“ (سیر أعلام النبلاء: ۴۰۵/۱۲، بحوالہ کشف الباری لشیخ الحدیث مولانا و مرشدنا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم:

۱/۵۶، مكتبة فاروقيه كراچی)

(۴) اس تعظیم و توقیر کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حدیث لکھتے وقت جہاں بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک آئے، ان حضرات نے اہتمام کے ساتھ وہاں درود لکھا ہے، حتیٰ کہ بے شمار ایسے مواضع ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں، جہاں پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی صراحتاً نہ بھی ہو بلکہ ضمیر ہو وہاں بھی درود لکھا ہے لیکن قیام کا ذکر تک نہیں۔

نیز اس مقصد کے لئے شروع ہی سے قیام کیوں نہیں کیا جاتا جب کہ مجلس ہی ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

(یہاں تک تو قیام سے متعلق گزارش تھی)

آپ کے خط میں دوسری چیز ۱۲/ربیع الاول کی تخصیص و اہتمام کا سوال ہے، اس کے متعلق عرض ہے کہ مروجہ نفس میلاد شریف کی حیثیت جب سامنے آگئی کہ اس کا کہیں شرعی ثبوت نہیں تو ۱۲/ربیع الاول کی تخصیص و اہتمام کا مسئلہ خود بخود حل ہو گیا، اگر مروجہ مجلس میلاد شریف کا ثبوت ہوتا پھر اس کی تخصیص ۱۲/ربیع الاول کے ساتھ کی جاتی تو اس تخصیص کو منع کیا جاتا (۱) فقہاء نے لکھا ہے کہ جو چیز فی نفسہ مستحب ہو اور لوگ اس پر اصرار کرنے لگیں تو وہ چیز مکروہ ہو جاتی ہے۔

”الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة اهـ“۔ سعاية: ۲/۲۶۵ (۲)۔

اسی طرح طیبی شرح مشکوٰۃ میں ہے:

”من أصر على المندوب، وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر؟ وجاء في حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه إن الله يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه اهـ“۔ (سعاية: ۲/۲۶۳) (۳)۔ جب کہ اصرار سے مستحب چیزیں بھی مکروہ ہو جاتی ہیں تو بدعت پر اصرار کا کیا حال ہوگا؟

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے محفل میلاد شریف پڑھنے کے متعلق جس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو، فرمایا ہے:

”میرے مخدوم! فقیر کے دل میں آتا ہے کہ اس دروازے کو بالکل نہ کھولیں کیونکہ بوالہوس نہیں

(۱) ”قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تب تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبته: لأن التيامن مستحب في كل شيء: أي من أمور العبادة، لكن لما خشى ابن مسعود رضي الله تعالى عنه أن يعتقدوا وجوبه، أشار إلى كراهته والله تعالى أعلم“۔ (فتح الباری، كتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف من اليمين و الشمال: ۳۳۸/۲، دار المعرفة بیروت)

(۲) (السعاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيذمي لاهور)

(۳) (السعاية، باب صفة الصلوة: ۲/۲۶۳، سهيل اكيذمي)

رکتے، اگر تھوڑا بھی جائز رکھیں تو بہت تک پہنچ جائے گا۔ (مکتوب: ۷۲، دفتر سوم) (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ جامع العلوم کانپور۔

قیام میلاد کی شرعی حیثیت

سوال [۸۹۵]: مجلس میلاد کیا نوعیت رکھتی ہے؟ اور اس کی کس حد تک تعظیم کرنا چاہیے، کیا وقت ذکر پیدائش بطور تعظیم قیام کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ بعض علماء فرماتے ہیں وقت ذکر پیدائش قیام کرنے کے لئے شرعاً کچھ اصلیت نہیں بلکہ ناجائز و بدعت ہے، مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور بعض کہتے ہیں مستحب ہے اور دو حدیث پیش کرتے ہیں۔

”عن أبی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ علیہ وسلم إذا جاءہ أمر سرور یسر بہ، خرّ ساجداً لشکر اللہ تعالیٰ“۔ رواہ أبو داؤد (۲) والترمذی (۳) مشکوٰۃ المصابیح ص: ۱۳۱ (۴)۔

”عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیضع لحسان منبراً فی المسجد، یقوم علیہ قائماً یفاخر عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

(۱) فارسی عبارت یہ ہے: ”دیگر در باب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن، و در قصائد نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است، ممنوع تحریف و تغیر حروف قرآن است، مخدوما! بخاطر فقیر میرسد تاسد این باب مطلق نکند، بوالہوسان ممنوع نئے گردند، اگر اندک تجویز کردند، منجر بہ بسیار خواہد شد، ”قلیلہ یفرضی الی کثیرہ“، قول مشہور است، والسلام“ مکتوبات امام ربانی، ص: ۱۵۷، سعید)

(۲) (أبو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی سجود الشکر: ۳۸۳/۲، مکتبہ دار الحدیث ملتان.)

(۳) (جامع الترمذی، أبواب السیر، باب ما جاء فی السجود: ۲۸۷/۱، سعید)

(۴) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب فی سجود الشکر، ص: ۱۳۱، قدیمی)

سوال میں مذکور الفاظ اور مشکوٰۃ شریف کے الفاظ میں تھوڑا سا تغیر ہے، سوال کے الفاظ تو ظاہر ہیں اور مشکوٰۃ المصابیح میں یہ ہیں: ”إذا جاءہ أمر سروراً أویسر بہ“ شک کے ساتھ اور ابوداؤد میں ”سروراً“ منصوب نہیں بلکہ مضاف الیہ ہے ”أمر“ کے لئے۔ دوسری عبارت ”خر ساجداً شاكرًا لله تعالیٰ“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وسلم أو ينافح، و يقول رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله يؤيد حسان بروح القدس مانافح أو فاحر عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم"، ص: ٤١٥ (١)۔

پہلی حدیث سے مراد لیتے ہیں کہ خوشی کے کام میں سجدہ کرنا اور بعد اس کے کھڑا ہونا ثابت ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فخر وغیرہ کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے، ہم ذکر میلاد میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پیدائش بیان کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں اس سے حدیث کی تابعداری ہوتی ہے، حدیث شریف سے جس چیز کا ثبوت ہو وہ بدعت سیئہ نہیں ہو سکتا بلکہ بدعت حسنہ ہے۔ دوسری حدیث سے ظاہر سمجھا جاتا ہے خبر خوش سے شکر کا سجدہ کرنا اور اس کے بعد کھڑے ہونا۔ اب مسلمانوں کے نزدیک جناب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش کی خبر سے زیادہ خوش خبری اور کیا ہو سکتی ہے، اب اگر کوئی اس موقع پر سجدہ کرے اور اس کے بعد کھڑا ہو جائے تو یہ کوئی خرابی کی بات نہیں بلکہ مستحب ہے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ دونوں فریق میں سے کس کی دلیل مانی جائے؟ اور دونوں حدیثوں سے کس نظم سے مستحب ثابت ہوتا ہے اور مستحب ثابت ہونے کے لئے کیا قواعد اور اصول ہونا ضروری ہیں؟ مطابق مذہب حنفی کے اور دونوں حدیثوں کے اندر کیا نظم ہے؟ مستحب کے پیش نظر رقم فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب وهو الموفق للصواب:

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکر مبارک مطلقاً خواہ آپ کی نماز وغیرہ عبادات کا ذکر ہو، خواہ بیع شراء وغیرہ معاملات کا ذکر ہو، خواہ ولادت وغیرہ دیگر احوال کا ذکر ہو بلاشبہ باعث برکت، موجب ثواب ہے (۲)۔

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب البیان والشعر، الفصل الثالث، ص: ۴۱۰، قدیمی)

موجودہ نسخہ میں "یضع" بغیر لام کے ہے، اسی طرح مرقاة المفاتیح میں بھی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۵۵۵/۸،

رشیدیہ کوئٹہ)

(۲) اس بات کی تائید صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شامل بیان کرنے سے ہوتی ہے کہ بعض اوقات کوئی راوی کسی صحابی سے عرض کرتا ہے کہ ہمارے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کیجئے تو وہ صحابی حتی المقدور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس، حلیہ، نشست و برخاست، اخلاق اور معاملہ بیان کرتا ہے لیکن قیام کسی سے بھی ثابت نہیں۔

"عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سألت خالی هند بن أبی ہالة: و کان وصافاً عن =

لیکن میلاد مروجہ شرعاً بے اصل، بدعت و ناجائز ہے، اس کے مفاسد و قبائح کتاب المدخل، ج: ۲ میں: ۳۲ صفحات میں لکھے ہیں (۱)۔ عربی فارسی اردو میں مستقل رسائل اس کے عدم جواز کے متعلق علمائے حق نے تصنیف فرمائے ہیں۔ چند خرابیاں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

- ۱- روایات جو محفل میلاد میں عموماً سنائی جاتی ہیں وہ اکثر غیر معتبر اور بعض موضوع ہوتی ہیں، جن کا پڑھنا اور سننا اور ان پر اعتقاد رکھنا ناجائز اور سخت گناہ ہے (۲)۔
- ۲- رات کا بڑا حصہ اس محفل میں گزار کر آخر شب میں نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے جس سے صبح کی نماز قضاء ہو جاتی ہے (۳)۔

= حلیۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وأنا أشتہی أن یصف إلى شیئاً أتعلق به، فقال: كان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فحماً مفحماً، يتلأأ وجهه تلالؤ القمر ليلة البدر، أطول من المربع وأقصر من المشذب، عظیم الهامة، رجل الشعر: إن انفرقت عقیقته فرق وإلا فلا یجاوز شعره شحمة أذنيه، إذا هو وفرقة، أزهر اللون، واسع الجبین، أزج الحواجب، سوابغ من غیر قرن بينهما. إلى آخر ما قال. (شمائل الترمذی، باب ما جاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص: ۲، سعید)

(۱) (تقدم بعض عبارات المدخل تحت عنوان: "محفل میلاد")

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من كذب على متعمداً، فليتبوأ مقعده من النار". (الصحيح لمسلم، مقدمة: باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۷/۱، قديمی)

"واعلم أن هذا الحديث يشتمل على فوائد وجمل من القواعد الثانية: تعظيم تحريم الكذب عليه صلى الله تعالى عليه وسلم، وأنه فاحشة عظيمة و موبقة كبيرة اهـ". (شرح النووي على صحيح مسلم، مقدمته: ۸/۱، قديمی)

(۳) اور یہ بہت بڑا گناہ ہے، کیونکہ ترک جماعت پر بہت سخت وعید سنائی گئی ہے: "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "إن أثقل صلوة على المنافقين صلوة العشاء و صلوة الفجر، و لو يعلمون مافيها، لأتوهما و لو حبوا، و لقد هممت أن آمر بالصلوة فتقام، ثم أمر رجلاً فيصلي بالناس، ثم أنطلق معي برجال، معهم حزم من حطب إلى قوم لا يشهدون الصلوة، فأحرق عليهم بيوتهم بالنار". (الصحيح لمسلم: ۲۳۲/۱، باب فضل صلوة الجماعة و بيان التشديد في التخلف عنها و أنها فرض كفاية، قديمی)

۳- قرب وجوار کے لوگ بھی نہیں سو سکتے ہیں (۱)۔

۴- اس محفل کی شرکت کو ضروری خیال کیا جاتا ہے چنانچہ شریک نہ ہونے والے پر لعن طعن کیا جاتا ہے، اگر کوئی نماز میں شریک نہ ہو تو اس پر کوئی ملامت نہیں کی جاتی تو معلوم ہوا کہ اس محفل کی اہمیت نماز سے بھی زیادہ ہے (۲)۔

۵- روشنی اور خوشبو وغیرہ ضرورت سے زیادہ کی جاتی ہے جو اسراف ہے (۳)۔

۶- قیام کو ضروری سمجھا جاتا ہے، اگر کوئی قیام نہ کرے تو وہ سب شرکاء کی نظروں میں مبغوض ہوتا ہے، طرح طرح سے اس پر سب و شتم کرتے ہیں حتیٰ کہ اس ترک قیام کا درجہ ترک صلوٰۃ بلکہ اسلام سے بھی زیادہ بڑھا دیتے ہیں (۴)۔

۷- قیام کے وقت اعتقاد کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لائے ہیں اور ہماری ہر بات کو خدا تعالیٰ کی طرح بلا واسطہ حاضر و ناظر ہو کر ملاحظہ فرما رہے ہیں (۵)۔

۸- آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں مبالغہ کرتے کرتے آپ کے درجہ کو انسانیت سے نکال کر خدائے وحدہ لا شریک کے درجہ میں کر دیا جاتا ہے (۶)۔

(۱) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ" (صحیح

البخاری، کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ: ۶/۱، قدیمی)

(۲) "قال ابن المنیر: فیہ أن المندوبات قد تنقلب مکروهات إذا رفعت عن رتبہا؛ لأن التیامن مستحب

فی کل شیء؛ ای من أمور العبادۃ، لکن لما خشی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن یعتقدوا وجوبہ أشار

إلی کراہتہ، واللہ تعالیٰ اعلم" (فتح الباری، کتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف عن الیمین

والشمال: ۳۳۸/۲، دارالمعرفة بیروت)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَسْرِفُوا إِنَّهُ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِینَ﴾ (الانعام: ۱۴۱)

(۴) (انظر الحاشیة رقمہا: ۲)

(۵) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: "قیام میلاد مفصل")

(۶) "مطرف قال: قال أبی: انطلقت فی وفد بنی عامر إلی النبی ﷺ فقلنا: أنت سیدنا، فقال: "السید

اللہ"، قلنا: أفضلنا" (الحديث) و لوزین عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "إنی لا أرید أن ترفعونی =

۹- بسا اوقات میلاد میں عورتیں شرکت کرتی ہیں اور ان کا مردوں کے ساتھ بے حجابانہ اختلاط ہوتا

ہے (۱) الی غیر ذلك من المفاسد۔ بعض امور گناہ کبیرہ ہیں اور بعض شرک ہیں۔

دونوں حدیثوں سے استحباب قیام پر استدلال کرنا نہایت تعجب خیز ہے، پہلی حدیث میں قیام کا ذکر تک نہیں بلکہ سجدہ کا ذکر ہے، اگر کہا جائے کہ بعد سجدہ آپ قیام بھی فرماتے تھے تو گو حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں، تاہم علی سبیل التسلیم کہا جاسکتا ہے کہ اصل مقصود سجدہ ہے اور قیام سجدہ کے تابع ہے، قیام اصل مقصود ہی نہیں، اگر قیام اصل مقصود ہوتا تو کم از کم حدیث شریف میں اس کا ذکر ضرور ہوتا، گو تبعاً ہی کہیں۔ نیز کیا اہل محفل اس خوشخبری کے وقت سجدہ کرتے ہیں اور پھر قیام کرتے ہیں؟ جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یا اصل مقصود (سجدہ) کو چھوڑ کر صرف تابع (قیام) پر اکتفا کرتے ہیں، اگر ایسا ہے تو کس قدر قلب موضوع ہے۔

بڑی غلطی مستدل سے یہ ہوئی کہ وہ خوشخبری کے معنی نہیں سمجھا، خوشخبری عرف میں کہتے ہیں اس اچھی چیز کو جس سے بشر میں خوشی کی وجہ سے تغیر پیدا ہو (۲) اور یہ پہلی مرتبہ خبر دینے میں ہوتا ہے، اہل محفل کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کا علم پہلے سے ہے، اس محفل میں ان کو اول مرتبہ علم نہیں کرایا گیا بلکہ ولادت کا علم پہلے سے ان کو حاصل تھا، اسی کا دوبارہ تذکرہ کیا گیا، لہذا ان کے حق میں یہ بشارت نہیں ہوئی بلکہ خبر ہوئی۔

”من قال: کل عبد بشر لی بولادة فلانة، فهو حر، فبشره ثلاثه متفرقین، عتق الاول؛ لأن بشاره اسم لخبر یغیر بشره الوجه، ویشترط کونه ساراً بالعرف، وهذا إنما

= فوق منزلی التي أنزلنیها اللہ تعالیٰ، أنا محمد بن عبد اللہ، عبده ورسوله“۔ (جمع الفوائد، باب الشاء والشکر والمدح والرفق: ۳/۳۶۸، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (قد مضی تخریجه تحت عنوان ”مجلس میلاد کے منکرات تفصیلاً اور وعظ پراجرت“)

(۲) ”و بشر یبشر إذا فرح قال: و معنی یبشرک و یبشرک من البشارة، قال: و أصل هذا کله: أن بشره الإنسان تنبسط عند السرور، و من هذا قولهم: فلان یلقانی ببشر: أي بوجه منبسط“۔ (لسان

العرب: ۲/۶۲، دار صادر بیروت)

وفیه أيضاً: ”قال ابن سیدة: طلبوا منها البشری علی إخبارهم إياها بمجیء ابنها“۔ (۲/۶۱)

یتحقق بالأول اهـ“۔ ہدایہ (۱)۔

”وأصله ما روى أنه صلى الله تعالى عليه وسلم مر بابن مسعود رضي الله تعالى عنه و هو يقرأ القرآن، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من أحب أن يقرأ القرآن غصاً طرياً كما أنزل، فليقرأه بقرأة ابن أم عبد رضي الله تعالى عنه“۔ فابتد رإليه أبو بكر رضي الله تعالى عنه و عمر رضي الله تعالى عنه بالبشارة، فسبق أبو بكر رضي الله تعالى عنه عمر رضي الله تعالى عنه، فكان ابن مسعود رضي الله تعالى عنه يقول متى ذكر: ”بشرني أبو بكر رضي الله تعالى عنه وأخبرني عمر رضي الله تعالى عنه“ ولو كان مكان البشارة إخبار بأن قال: إن أخبرني و الباقي بحاله عتق الكل اهـ“۔ فتح القدير: ۷۹/۴ (۲)۔

لہذا قیام میلاد پر استدلال اس حدیث شریف سے کسی طرح درست نہیں، اگر اس حدیث شریف کی شرح لمعات (۳) میں دیکھیے تو وہاں تفصیل سے ائمہ کے نزدیک اس کے مختلف مطالب لکھے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدہ سے مراد نماز ہے کہ آپ شکر یہ میں نماز پڑھا کرتے تھے (۴)، نماز پر سجدہ کا اطلاق کثرت سے

(۱) (الهداية، كتاب الإيمان، باب اليمين في العتق والطلاق: ۴۹۸/۲، مكتبة شرکت علمیه)

(فتح القدير، كتاب الإيمان، باب اليمين في العتق والطلاق: ۱۶۵/۵، مكتبة مصطفى البابی)

د اختلف العلماء في السجدة المنفردة خارج الصلوة، هل هي جائزة و مسنونة و عبادة موجهة للتعرف الى الله تعالى عملاً؟ فقال بعضهم: بدعة و حرام، ولا أصل لها في الشرع وتفصيل الكلام أن سجدة خارج الصلوة على عدة أقسام: أحدها: سجدة السهو، و هو في حكم سجدة الصلوة، و : سجدة التلاوة و لا خلاف فيها، و ثالثها: سجدة المناجات بعد الصلوة و ظاهر كلام الأكثرين أنها مكروهة، و رابعها: سجدة الشكر على حصول نعمة و اندفاع بلية، و فيها اختلاف، فعند الشافعي و أحمد رحمهما الله سنة، و هو قول محمد رحمه الله، والأحاديث والآثار في ذلك كثيرة. و عند أبي حنيفة و مالك رحمهما الله ليس بسنة بل هي مكروهة“۔ (لمعات التنقيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب في سجود الشكر: ۲۴۳/۵، مكتبة المعارف العلمية)

(۴) ”قال التورپشتي: ذهب جمع من العلماء إلى ظاهر الحديث، فأروا السجود مشروعاً في باب شكر النعمة، وخالفهم آخرون فقالوا: المراد بالسجود الصلاة، و حجتهم في هذا التأويل ما ورد في =

ثابت ہے (۱)۔ اگر بالفرض قیام کا استحباب ثابت بھی ہوتا تو چونکہ اس کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ کیا جاتا ہے لہذا ترک ضروری ہے۔

”من أصر على مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة ومنكر؟ وجاء في حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه إن الله يحب أن توتي رخصه كما يحب أن توتي عزائمہ“۔ انتھی عن الطیبی“۔ حاشیۃ المشکوۃ (۲)، سعایہ: ۲/۲۶۳ (۳) ”ألإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة اه“۔ سعایہ: ۲/۲۶۵ (۴)۔

= الحديث أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لما أتى برأس أبي جهل خرساً جذاً. وقد روى عبد الله بن أبي أوفى: رأيته صلى الله تعالى عليه وسلم صلى بالضحي ركعتين حين بشر بالفتح، أو برأس أبي جهل، وضر الله وجه أبي حنيفة، وقد بلغنا عنه، أنه قال: وقد ألقى عليه هذه المسألة: ”لو ألزم العبد السجود عند كل نعمة متجددة عظيمة الموقع عند صاحبها، لكان عليه أن لا يغفل عن السجود طرفة عين؛ لأنه لا يخلو عنها أدنى ساعة، فإن من أعظم نعمة عند العباد نعمة الحياة، وذلك يتجدد عليه بتجدد الأنفاس، أو كلاماً هذا معناه“۔ (المرفقة شرح المشكوۃ، كتاب الصلوة، باب في سجود الشكر: ۲۰۲/۳، مكتبه رشیدیہ)

(۱) قال العلامة الآلوسی رضي الله تعالى عنه تحت قوله تعالى: ﴿وعهدنا إلى إبراهيم وإسماعيل أن طهرا بيتي للطائفين والعاكفين والركع السجود﴾: ”وهم المصلون جمع راکع وساجد، وخص الركوع والسجود بالذكر من جميع أحوال المصلي، لأنهما أقرب أحواله إليه تعالى، وهما الركنا الأعظمان، و كثير ما يكتفى عن الصلوة بهما الخ“۔ (روح المعاني: ۱/۳۸۱، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(۲) (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوة، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، مكتبه رشیدیہ کوئٹہ)

(۳) (السعایۃ علی شرح الوقایۃ، باب صفة الصلوة، قبیل فصل فی القراءة: ۲/۲۶۳، سهیل اکیڈمی لاہور)

(۴) (السعایۃ علی شرح الوقایۃ للکنوی، باب صفة الصلوة، قبیل فصل فی القراءة: ۲/۲۶۵، سهیل اکیڈمی لاہور)

”إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة اهـ“.

شامی: ۱/۶۷۱ (۱)۔

حدیث سے (بزعم خود) ثابت کر کے یہ کہنا کہ یہ بدعت حسنہ ہے مستدل کے کمال عقل و فہم پر دال ہے، دوسری حدیث میں میلاد کا ذکر کہاں ہے اور ”یقوم“ کا فاعل کون ہے، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا جمیع حاضرین؟ اور پھر اس سے صرف میلاد خواں کے قیام پر استدلال ہے یا جمیع حاضرین کے قیام پر؟ نیز یہ قیام مستحب ہے یا واجب ہے؟ اور جس کا بھی قیام حدیث میں مذکور ہے وہ شروع مجلس سے یا کسی خاص وقت میں اور آپ کے یہاں بھی شروع سے قیام ہوتا ہے یا کسی خاص وقت میں؟ غور کر کے دیکھ لیا جائے کہ حدیث شریف کے انطباق کی کیا صورت ہے۔ اگر لفظ ”یقوم“ یا ”قائماً“ کے لفظ سے استدلال مقصود ہے تو قرآن شریف میں ”قوموا“ اور ”قائمین“ اور ”قائماً“ (۲) کے صیغے مختلف مواقع پر وارد ہوئے ہیں، ان سے استدلال کر لیا جاتا۔

اب میں بتاتا ہوں کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے لئے قیام کی صراحۃً ممانعت فرمائی ہے تو جب ذات اقدس کے لئے ممانعت ہے تو ذکر ولادت کا درجہ یقیناً ذات اقدس سے کم ہے: ”(أبو أمامه رضي الله تعالى عنه) خرج علينا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يتوكأ على عصا، فقمنا إليه فقال: ”لا تقوموا كما يقوم الأعاجم يعظم بعضهم بعضاً“۔ لأبي داؤد (۳)

(۱) (رد المحتار على الدر المختار، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة، كان ترك السنة أولى: ۱/۶۴۲، سعید)

(۲) أنظر الآيات الآتية، فإن كان في سعة أحدان يستدل على قيام المولود من لفظ ”قيام“ أو ”يقوم“ لاستدل بأحد من هذه الآيات، وهي آية آل عمران: ۱۸، ۱۳، ۱۹۱، وآية التوبة: ۸، ۱۰، وآية يونس: ۱۲، وآية الحج: ۲۶)

(۳) (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك: ۱۰/۷۰، مكتبة دار الحديث ملتان۔)

ترجمہ: حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس لائچی پر سہارا لگاتے ہوئے تشریف لائے ہم کھڑے ہو گئے، ارشاد فرمایا: ”جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اس طرح کھڑے نہ ہوا کرو“۔

جمع الفوائد: ۱۴۳/۲ (۱)۔

صحابہ کرام کا یہ عمل تھا: ”(أنس رضي الله تعالى عنه): لم يكن شخص أحب إليهم من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وكانوا إذا رأوه لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلك“، للترمذی (۲) جمع الفوائد: ۱۴۳/۲ (۳)۔

اگر کوئی شخص اپنی تعظیم کے لئے قیام کو پسند کرے اس کا حکم یہ ہے: ”(معاویہ رضي الله تعالى عنه) رفعه: ”من أحب أن يتمثل له الناس قياماً فليتبوأ مقعده من النار“۔ لأبي داؤد (۴) والترمذی (۵) جمع الفوائد: ۱۴۳/۲ (۶)۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تعریف میں مبالغہ کرنے کو بھی منع فرمایا ہے، اس مضمون کی

(۱) (جمع الفوائد، باب العطاس والتشاؤب والمجالسة وآداب المجلس: ۳/۳۵۲، رقم الحديث: ۷۷۸۰، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (جامع الترمذی أبواب الاستيذان والأدب، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل: ۱۰۴/۲، سعيد)

ترجمہ: کوئی شخص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہ تھا لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس سے ناگواری و ناپسندیدگی کو جانتے تھے۔

(۳) (جمع الفوائد، باب العطاس والتشاؤب والمجالسة اهـ: ۳/۳۵۲، رقم الحديث: ۷۷۸۰، إدارة القرآن)

(۴) (كتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك: ۱۰/۷۱۰، مكتبة دار الحديث ملتان) ترجمہ: جو اپنے لئے لوگوں کا کھڑا ہونا پسند کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

(۵) (جامع الترمذی، أبواب الاستيذان والأدب، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل: ۱۰۴/۲، سعيد)

(۶) (المصدر المتقدم لجمع الفوائد)

روایات جمع الفوائد: ۲/۱۵۰ (۱) میں مذکور ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تبارک وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۷/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف، ۲۱/رجب/۵۸ھ۔

قیام میلاد کا حکم

سوال [۸۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ کے بارے میں:

مسئلہ: قیام میلاد بدعت حسنہ ہے یا سنیہ؟ اگر بدعت سنیہ کہتے ہیں تو اس صورت میں تعالٰیٰ،

توارث اور اجماع کے خلاف لازم آئے گا کیونکہ قیام میلاد کے اوپر اجماع ہو چکا ہے جیسا کہ تفسیر روح البیان

۳۸/۲ (۲) میں ہے: ”وقد اجتمع عند الإمام تقی الدین السبکی جمع کثیر من علماء عصره،

فأنشد منشد قول الصرصری: قليل المدح الخ، فعند ذلك قام الإمام السبکی وجميع من

بالمجلس (إلى) ویکفی ذلك فی الاقتداء. وقال ابن حجر الهيتمي: إن البدعة الحسنة متفق

على مذهبها“۔ مولود برزنجی، ص: ۲۹ (۳)۔

”قد استحسن القيام عند ذکر مولده الشريف أئمة ذورواية وروية“۔ إشباع الکلام، ص: ۶۰ (۴)۔

”قد اجتمعت الأمة المحمدية من أهل السنة والجماعة على استحسان القيام

المذكور“۔ مجموعہ فتاویٰ: ۳/۱۳۰ (۵)۔ سیرت دحلان: ۱/۵۱ (۶) میں بھی ایسا ہی ہے۔

(۱) ”مطرف قال: قال أبی: ”إنطلقت فی وفد بنی عامر إلى النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقلنا: أنت

سیدنا فقال: ”السید اللہ“، قلنا: أفضلنا“۔ الحدیث لرزین عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ”إني

لا أريد أن ترفعوني فوق منزلتي التي أنزلنيها اللہ تعالیٰ، أنا محمد بن عبد اللہ، عبده ورسوله“۔ (جمع

الفوائد، باب الشاء والشكر والمدح والرفق: ۳/۳۶۸، إدارة القرآن کراچی)

(۲، ۳، ۴) (لم أجد هذه الكتب)

(۵) مجموعہ الفتاویٰ سے اگر علامہ عبدالحی لکھنویؒ کے فتاویٰ مراد ہیں تو ان میں قیام میلاد کو بے اصل قرار دیا گیا ہے، (مجموعہ

الفتاویٰ، کتاب المغفرات: ۳/۲۵۸، سعید)

(وایضاً مجموعہ الفتاویٰ علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ: ۳/۳۳۵، امجد اکیڈمی لاہور)

(۶) (لم أظفر على هذا الكتاب)

اس کے علاوہ امام غزالی ”احیاء العلوم“ میں لکھتے ہیں: ”الأدب الخامس: موافقة القوم في القيام إذا قام أحد منهم في وجد صادق من غير رياء و تكلف، وقام باختيار من غير إظهار وجد، وقام له الجماعة، فلا بد من الموافقة، فذلك من أدب الصحبة“ (۱)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر قیام بدعت سنیہ ہے تو مذکورہ بالا دلائل کے دندان شکن جوابات کیا ہیں؟ بہر حال اگر بدعت سنیہ ہو تو مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی، یا حرام ہے؟ ان میں سے جس کو بھی اختیار کریں مدلل و مفصل و حوالہ کے ساتھ جواب دے کر شکر یہ کا موقع عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ والسلام۔

عتیق الرحمن ۲۴، پرگنوی، ۲۲/ رجب/ ۱۳۹۱ھ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ مروجہ مجلس میلاد نہ قرآن کریم سے ثابت ہے، نہ حدیث شریف سے ثابت ہے، نہ خلفائے راشدین و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے، نہ تابعین و ائمہ مجتہدین: (امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ وغیرہم) وغیرہ سے ثابت ہے، نہ محدثین: (امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ، وغیرہم رحمہم اللہ) سے ثابت ہے، نہ اولیاء کاملین: (حضرت عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، جمیریؒ، خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ، شیخ عارف شہاب الدین سہروردیؒ وغیرہم) سے ثابت ہے۔

چھ صدی اس امت پر اس طرح گزر گئیں کہ اس مجلس کا کہیں وجود نہیں تھا، سب سے پہلے بادشاہ اربل نے شاہانہ انتظام سے اس کو منعقد کیا اور اس پر بہت روپیہ خرچ کیا، پھر اس کی حرص و اتباع میں وزراء امراء نے اپنے اپنے انتظام سے مجالس منعقد کیں، تفصیل تاریخ ابن خلکان میں ہے (۲)۔

اسی وقت سے علمائے حق نے اس کی تردید بھی لکھی ہے، چنانچہ کتاب المدخل (۳) میں علامہ ابن

(۱) (احیاء علوم الدین للغزالی، کتاب آداب السماع والوجد، المقام الثالث من السماع، الأدب الخامس: ۳۰۵/۲، دارالمعرفة بیروت)

(۲) (وفیات الأعیان وأبناء الزمان لأبن خلکان، ترجمة مظفر الدین صاحب إربل، رقم الترجمة: ۵۴۷: ۱۱۷/۲، ۱۱۹، دار صادر بیروت)

(۳) (قد مضی بعض اقتباساتہ تحت عنوان ”مخفل میلاد“ و عنوان ”میلاد کا خاص طریقہ“)

الحاج نے بتیس صفحات میں اس کے قبائح و مفاسد دلائل شرعیہ کی روشنی میں لکھے ہیں۔ ۷۳۷ھ میں اسکی تصنیف سے فراغت حاصل ہوئی، پھر جہاں یہ مجلس پہنچتی گئی، وہاں کے علماء تردید فرماتے گئے، چنانچہ عربی، فارسی، اردو، ہر زبان میں اس کی تردید موجود ہے اور آج تک تردید کی جا رہی ہے، کیا اسی کا نام اجماع ہے، غالباً مدعی کو اجماع کی تعریف بھی معلوم نہیں ہے ”جمع کثیر من علماء عصرہ“، ایک مجلس میں اکٹھے ہو گئے اور بس اجماع ہو گیا؟ غور طلب یہ ہے کہ اس دور میں جتنے علماء موجود تھے کیا ان میں سے کثیر تعداد ایک جگہ (سبکی کے مکان) پر جمع ہوئی تھی؟ اس کثیر کی مقدار تعداد کیا تھی، تین چار کو بھی کثیر کہا جائے گا یا جمع کثرت کی حد تک پہنچا کر دس گیارہ تک مبالغہ کیا جائے گا؟ کیا ان کی تعداد کی شرکت مفید اجماع ہے؟

ہاں یہ ممکن ہے کہ ان حاضرین میں سے کسی نے مخالفت نہ کی ہو لیکن ان کے علاوہ جتنے علماء اس وقت کے تھے، کیا انہوں نے بھی مخالفت نہیں کی؟ یا اس گھریلو اجماع کے ساتھ موافقت کی ہے؟ نیز ان شریک نہ ہونے والوں کی تعداد شریک ہونے والوں کے مقابلے میں کثیر تھی یا قلیل؟ اگر شریک نہ ہونے والے قلیل تھے اور شریک ہونے والے کثیر تو اس مکان کی وسعت کس قدر ہوگی؟ جہاں اتنی بڑی تعداد سما گئی؟ اور صرف اس بستی کے علماء جمع ہوئے تھے یا تمام اطراف و اکناف کے جمع ہوئے تھے (یا کئے گئے تھے؟) اگر نہ شریک نہ ہونے کی تعداد کثیر تھی جیسا کہ متبادر ہے کہ ایک مکان میں ایک وقت میں اتنی بڑی تعداد نہیں آ سکتی ہے تو جمع کثیر کا اطلاق نہ شریک ہونے والوں پر زیادہ مناسب و اقرب الی الفقہ ہے، لہذا استدلال برعکس ہو جائے گا۔

”الإجماع فی اللغة الاتفاق، وفي الشريعة: اتفاق مجتہدین صالحین من أمة محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی عصر واحد علی أمر قولی أو فعلی اھ۔“

”والمراد بالمجتہدین جميع المجتہدین الکائنین فی عصر من الأعصار، واحترز به عن اتفاق المقلدین، واحترز بقول ”صالحین“ عن اتفاق مجتہدین ذوی ہوی بدعة و فاسقین، و بقوله: ”أمة محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ عن اتفاق مجتہدی الشرائع السابقہ اھ۔“

”الإجماع نوعان: عزیمۃ و هو التکلم منهم بما یوجب الاتفاق: أي اتفاق الكل علی حکم بأن یقولوا: أجمعنا علی هذا، إن کان ذلك الشروع من باب القول أو شروعهم فی الفعل إن کان من بابہ: أي کان ذلك الشیء من باب الفعل کما إذا شرع أهل الاجتهاد جميعاً فی المقاربة أو المزارعة أو الشریکة کان ذلك إجماعاً علی شرعیته، ورخصة: وهو أن یتکلم أو

يفعل البعض دون البعض؛ أي يتفق بعضهم على قول أوفعل و سكت الباكون منهم، ولا يردون عليهم بعد مضي مدة التأمل، وهي ثلاثة أيام من مجلس العلم اهـ. قوله: "وهي ثلاثة أيام؛ لأن هذا القدر هو المشروع في إظهار العذر عند أكثر الحنفية، ثم لا تقدر مدة التأمل شيء بل لا بد من مرور أوقات بعلم عادة أنه لو كان هنا مخالف لأظهر الخلاف اهـ". نور الأنوار وقمر الأقمار، ص: ۲۱۹ (۱)۔

کیا بتایا جاسکتا ہے کہ سبکی کے مکان پر محفل میلاد شریف میں قیام کرنے والے حضرات کون کون تھے اور اجتہاد میں وہ کس درجہ پر فائز تھے؟ یعنی مجتہدین کے جو طبقے "شرح عقود رسم المفتی" میں مذکور ہیں (۲) یہ حضرات کس طبقہ کے تھے، جن کے قیام کو اجماع قرار دے دیا گیا؟ یہ سب گفتگو اس وقت ہے کہ سوال کی نقل کردہ عبارات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ نقل میں خیانت نہیں کی گئی، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ مدعی نے نقل میں دیانت سے کام نہیں لیا جیسا کہ علامہ ابن حجر پیشی کی عبارت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، ان کی عبارت یہ ہے کہ:

"ونظير ذلك فعل كثير عند ذكر مولده صلى الله تعالى عليه وسلم ووضع أمه له من

(۱) (نور الأنوار، باب الإجماع، ص: ۲۱۹، سعيد)

(۲) "لا بد للمفتي المقلد أن يعلم حال من يفتي بقوله فنقول: إن الفقهاء على سبع طبقات: الأولى: طبقة المجتهدين في الشرع كالأئمة الأربعة ومن سلك مسلكهم الثانية: طبقة المجتهدين في المذهب كأبي يوسف ومحمد وسائر أصحاب أبي حنيفة القادرين على استخراج الأحكام عن الأدلة المذكورة على حسب القواعد الثالثة: طبقة المجتهدين في المسائل كالخصاف وأبي جعفر الطحاوي وأبي الحسن الكرخي وشمس الأئمة الحلواني، وشمس الأئمة السرخسي وفخر الإسلام البزدوي وفخر الدين قاضي خان وغيرهم الرابعة: طبقة أصحاب التخريج من المقلدين كالرازي الخامسة: طبقة أصحاب الترجيح من المقلدين كأبي الحسن القدوري وصاحب الهداية والسادسة: طبقة المقلدين القادرين على التمييز بين الأقوى والقوى والضعيف الخ كصاحب الكنز وصاحب الوقاية وصاحب المجموع السابعة: طبقة المقلدين الذين لا يقدرّون على ما ذكر ولا يفرقون بين الغث والسمين فالويل لمن قلدهم كل الويل، انتهى". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۲۸، ۳۴، مير محمد كتب خانہ)

القیام، و هو أيضاً بدعة، لم یرد فیہ شیء۔ فتاویٰ حدیثیہ، ص: ۵۷ (۱)۔

ایک دوسرے قیام پر رد کرتے ہوئے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے قیام میلاد پر بھی رد فرمایا ہے (۲)۔ اس کی اجازت نہیں دی، اس کی اجازت کو ان کی طرف منسوب کرنا غلط اور بہتان ہے، علاوہ ازیں حنفیہ پر غیر کا قول بلا دلیل کیسے حجت ہوگا؟

”احیاء العلوم“ میں کیا مجلس میلاد کے قیام سے متعلق یہ عبارت ہے، جس کو مدعی نے پیش کیا ہے، جب نفس مجلس میلاد شریف کا ہی مروجہ طریق پر ثبوت نہیں تو پھر قیام کیسے ثابت ہوگا؟
حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محفل میلاد میں تشریف لانا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، یہ عقیدہ بلا دلیل ہے (۳) بلا دلیل شرعی کے حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا نہایت خطرناک ہے، اس کی سزا جہنم ہے (۴) اپنی ظاہری حیات طیبہ کے قیام کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

”عن أبی أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: خرج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متکئاً علی عصا، فقمنا له، فقال: ”لا تقوموا کما يقوم الأعاجم یعضم بعضها بعضاً“ رواہ أبو داؤد

(۱) (الفتاویٰ الحدیثیہ، مطلب فی أن القیام فی أثناء مولده الشریف بدعة لا ینبغی فعلها، ص: ۱۱۲، قدیمی)

(۲) ”الموالد والأذکار التي تفعل عندنا أكثرها مشتمل علی خیر..... و علی شربل شرور، لو لم یکن منها إلا رؤية النساء للرجال الأجانب، وبعضها لیس فیها شر، لكنها قليل نادر، ولا شک أن القسم الأول ممنوع للقاعدة المشهورة المقررة أن درء المفسد مقدم علی جلب المصالح، فمن علم وقوع شیء من الشر فیما یفعله من ذلك فهو عاص آثم۔“ (الفتاویٰ الحدیثیہ، مطلب الاجتماع للموالد والأذکار..... مطلوب ما لم یترتب علیہ شر و إلا فیمنع منه، ص: ۲۰۲، قدیمی)

(۳) (قد مضی تخریجه تحت عنوان: ”محفل میلاد“)

(۴) ”عن أبی هريرة -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من کذب علی متعمداً، فلیتبوأ مقعده من النار۔“ (الصحيح لمسلم، مقدمة، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۷/۱، قدیمی)

فی سننہ (۱) مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۰۳ (۲)۔

جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں جس قدر عظمت و محبت تھی وہ کسی کو نصیب نہیں، ان کا طرز عمل تھا کہ وہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے، قیام نہیں فرماتے تھے کیونکہ یہ قیام ناگوار خاطر تھا اسی وجہ سے قیام کی ممانعت فرمادی تھی:

”عن أنس رضي الله تعالى عنه لم يكن شخص أحب إليهم من رسول صلى الله تعالى عليه وسلم، و كانوا إذا رأوه لم يقو موا لما يعلمون من كراهيته لذلك“، رواه الترمذی، وقال: هذا حديث حسن صحيح اه“ (۳)۔ مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۰۳ (۴)۔

براہین قاطعہ، الجنتہ لابل السنۃ، فتاویٰ میلاد و قیام وغیرہ میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ ایک بہت مختصر کتابچہ ”غلط فہمیوں کا ازالہ“ دارالعلوم دیوبند صدر مہتمم حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کی طرف سے کچھ عرصہ ہوا طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے اس میں بھی یہ بحث موجود ہے، بلا ثبوت کسی چیز کو دین اور تقرب سمجھنا ہی بدعت ہے اور یہاں تو قیام کے خلاف پر دلیل موجود ہے، جس چیز کو صاف صاف منع فرمایا گیا: ”لا تقوموا“ اس کو دین تصور کرنا تو تحریف ہے جس میں بدعت حسنہ ہونے کا شائبہ تک بھی نہیں۔

نبی کا تحریم کے لئے ہونا اصل ہے، بغیر قرینہ صارفہ کے اصل سے عدول کا حق نہیں: ”النهی كالأمر في كونه من الخاص؛ لأنه لفظ وضع بمعنى معلوم وهو التحريم اه“۔ (نور الأنوار ص: ۶۱ (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمد غفرلہ۔

(۱) (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك: ۲/۷۱۰، مکتبہ

دار الحديث ملتان)

(۲) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب القيام، الفصل الثانی، ص: ۴۰۳، قدیمی)

(۳) (جامع الترمذی، أبواب الاستیذان والأدب، باب ماجاء فی قیام الرجل للرجل: ۲/۱۰۴، سعید)

(۴) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الأدب، باب القيام، الفصل الثانی، ص: ۴۰۳، قدیمی)

(۵) (نور الأنوار، مبحث النهی كالأمر فی كونه من الخاص، ص: ۶۱، سعید)

محرم، ربیع الاول، ربیع الثانی وغیرہ میں وعظ کا خصوصی اہتمام

سوال [۸۷]: یہاں پر اکثر مساجد میں محرم کی پہلی تاریخ سے دسویں تاریخ تک اور ربیع الاول کی پہلی سے بارہویں تاریخ تک اور ربیع الثانی کی پہلی تاریخ سے گیارہویں تک اور ستائیسویں رجب کی اور پندرہویں شعبان کی اور ستائیسویں رمضان کی اور نویں ذی الحجہ کی سال بھر میں ان ایام میں رات کو بعد عشاء وعظ ہوتا ہے، ان کے علاوہ نہ کسی کو توفیق ہوتی ہے کہ وہ وعظ کہلائے اور نہ کسی وعظ کو توفیق ہوتی ہے کہ وہ خود کہے اور ایام مذکورہ بالا میں کمی بیشی نہیں ہوتی، مثلاً: یہ کہ محرم میں بجائے دس روز کے بارہ روز یا آٹھ روز کر لیں، یہ نہیں ہوتا، لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ تعین بدعت ہے یا کہ نہیں، اگر ہے تو حسنہ ہے یا سنیہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایام مذکورہ کی تعین دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں اور نہ اس کا وجود خیر القرون میں تھا، لہذا اگر ان ایام میں وعظ کو ضروری سمجھا جاتا ہے یعنی اگر کوئی وعظ میں شریک نہ ہو تو اس کو ملامت کی جاتی ہے اور وعظ کہنے اور سننے کے ثواب کو انہیں ایام کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے تو یہ بدعت سنیہ ہے: ”وشر الأمور محدثاتھا“ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم، ۷/۳/۵۲ھ۔

صحیح: بندہ عبد الرحمن غفرلہ۔

سیرت کا نفرنس کے جلسے

سوال [۸۹]: ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش میں سیرت کا نفرنس اور سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عنوان سے اجلاس ہوتے ہیں، دیوبندی حضرات بھی ایسے ہی اجلاس بلااتے ہیں، لیکن بریلوی سے اتنا مختلف کہ ان کے یہاں قیام و میلاد بھی ہوتا ہے لیکن دیوبندی حضرات محض اپنے علماء کو بلا کر تقریریں سنتے ہیں اور سیرت طیبہ سے نیز ارشادات نبوی سے قرآن و حدیث کی روشنی میں مستفید ہوتے ہیں، چنانچہ ہمارے علماء و مشائخ اساتذہ دیوبند، سہارن پور وغیرہ کے شرکت فرماتے ہیں اور یہ اجلاس سال کے دوسرے ایام اور شہر میں

(۱) (مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ص: ۲۷، قدیمی)

بھی منعقد ہوتے ہیں، لیکن ربیع الاول میں اس کا زور زیادہ ہو جاتا ہے اس میں بارہ ربیع الاول کی قید تو نہیں، اول و آخر میں بھی اجلاس ہوتے رہتے ہیں۔ ذہن میں خلجان ہے کہ آیا اس میں شرعی حکم کیا ہے؟ ازراہ کرم واضح فرمائیں عنایت ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سیرت پاک کا بیان کرنا اور لوگوں تک پہنچانا جس کے ذریعہ زندگی مطابق سنت بنے اور دین کی پابندی کا شوق پیدا ہو درست اور موجب اجر اور مفید ہے، جبکہ اس میں التزام مالا یلزم نہ ہو اور کوئی عمل خلاف شرع نہ ہو (۱) مثلاً: زمان: مہینے، تاریخ، دن اور مکان اور خاص ہیئت اور مستحب و واجب کا درجہ دینا کہ نہ شریک ہونے والوں پر ملامت ہو وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
امامہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۶ھ۔

ربیع الاول کا جلوس

سوال [۸۹۹]: یوپی کے کئی شہروں میں بمرہ ربیع الاول جلوس محمدی نکلتا ہے، اس کے نکالنے میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟ کانپور وغیرہ میں دیکھا گیا ہے کہ علماء کرام بھی اس میں شرکت فرماتے ہیں، اگر اس کے جواز کی کوئی صورت ہو تو تحریر فرماویں۔

صورت مسئلہ میں زید کا قول مندرجہ ذیل ہے: ”اگر وہ منہیات شرعیہ سے خالی ہو تو شرعی قباحت نہیں

(۱) ”الموالد والأذکار التي تفعل عندنا أكثرها مشتمل على خير، كصدقة و ذكر و صلاة و سلام على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم و مدحه، و على شرّ بل ضرور، لو لم يكن منها إلا رؤية النساء للرجال الأجانب، وبعضها ليس فيها شرّ، لكنه قليل نادر..... والقسم الثاني (أى الذى ليس فيه شر) سنة تشمله الأحاديث الواردة فى الأذكار المخصوصة والعامة، كقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لا يقعد قوم يذكرون الله إلا حفتهم الملائكة، و غشيتهم الرحمة، و نزلت عليهم السكينة، و ذكرهم الله تعالى فيمن عنده“. رواه مسلم..... وفى الحديثين أوضح دليل على فضل الاجتماع على الخير والجلوس له الخ“. (الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيثمي، مطلب: الاجتماع للموالد والأذكار..... مطلوب ما لم يترتب عليه شر، و إلا فيمنع منه، ص: ۲۰۲، ۲۰۳، قديمي)

اور ایسے امور جو قباح شرعیہ سے خالی نہ ہوں اگر دینی رجحان کے پیدا کرنے میں تعاون معلوم ہو تو ان کا اختیار کرنا اولیٰ اور باعث اجر ہے۔ بکر کا قول ہے کہ ”یہ ناجائز اور بدعت ہے اور دلیل میں کہتا ہے کہ: ”کل بدعة ضلالة، وکل ضلالة فی النار“ ان دونوں میں کس کا قول درست ہے؟

المستفتی: محمد حنیف معرفت مسعود الحسن مسجد عالم شہید چوک، بازار بہرائچ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا جلوس نکالنا فی نفسہ ثابت نہیں، قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا کہیں وجود نہیں، کتب فقہ اور کلام ائمہ میں کہیں پتہ نہیں (۱) اور اس کی اتنی اہمیت ہوتی ہے کہ اس میں جھنڈے ہوتے ہیں، نعرے ہوتے ہیں اور نعرے بھی وہ جو موہم شرک ہیں، بعض جگہ ننگے سر اور ننگے پیر چلتے ہیں، اخیر شب میں پھولوں کا ہار لے کر جاتے ہیں، کچھ دیر کے لئے بالکل خاموش باادب یہ تصور لئے کھڑے ہوتے ہیں کہ ابھی حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش ہو رہی ہے اور یہ ہار ان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ہیں، پھر ایک دم صلوٰۃ و سلام پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

بعض بدعات کی ابتداء اچھی نیت سے ہوتی ہے اور فی نفسہ ان میں کوئی خرابی بھی نہیں ہوتی تھی، مگر پھر ان میں خرابیاں پیدا ہو گئیں، مثلاً: تاریخ کا التزام، دن کا التزام، ہیئت کا التزام۔ بعض بدعات کی ظاہری صورت دیکھنے میں اچھی اور نیک معلوم ہوتی تھی لیکن حقیقتاً ان میں اعتقادی یا عملی مخفی خرابیاں تھیں، غرض ان بدعات کی

(۱) آئمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مستدلات بھی قرآن، حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار ہیں، انہی اصول سے وہ مسائل کا استنباط کرتے ہیں، ان کے اندر اگر ان کو کسی مسئلہ کی طرف اشارہ بھی ملے تو یہ حضرات اس مسئلہ کی صراحت کر کے ذکر کرتے ہیں لیکن مذکورہ جلوس اور اس قسم کی دوسری بدعات جو مروج ہیں کے بارے میں ان حضرات کو نہ صراحت نہ دلالت اور نہ اشارۃً و اقتضاءً کچھ ملا ہے کہ اس کے جواز کا حکم دیں، بلکہ اس قسم کی بدعات کے تو ان اصول میں عدم موجودگی کی بنا پر یہ حضرات تردید کرتے چلے آ رہے ہیں:

حدیث: ”من أحدث فی أمرنا هذا الخ“ کے تحت علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ای أنشأ واخترع وأتی بأمر حدیث من قبل نفسه“ (ما لیس منه): ”ای رأياً لیس له فی الكتاب أو السنة عاصد ظاہر أو خفی، ملفوظ أو مستبط (فہو رد): ”ای مردود علی فاعله لبطالانہ“ (فیض القدیر): ۵۵۹۴/۱۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ریاض

وجہ سے بہت بڑی جماعت کے ذہنوں میں دینی اور بے دینی میں ایسا خلط ہو گیا کہ اللہ کی پناہ: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد“ (۱) ان سب مفسد کا قلع قمع ہے۔

ایسے جلوس میں دینی رجحانات تو کیا پیدا ہوتے، فرائض و سنن ترک ہوتے ہیں، فخر کی جماعت ہوتے ہوئے بھی اہل جلوس کو شرکت جماعت کی توفیق کم ہی ہوتی ہے، جس طرح دوسری پارٹیاں اپنی اپنی صوابدید کے مطابق اپنی تشہیر و اقتداء کے لئے بغیر مذہب کی ہدایت کے اپنا عمل تجویز کرتی ہیں، یہی حال اس جلوس کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۸۹ھ۔

بارہ ربیع الاول کو مدح صحابہ کا جلوس

سوال [۹۰۰]: مثلاً محمود آباد، پینتے پور، فتح پور، کانپور وغیرہ میں ۸/ یا ۱۲/ ربیع الاول میں چاریاری جھنڈا خوب اہتمام سے شاندار جلوس کی صورت میں نکالتے ہیں، اس جلوس میں سب مل جل کر مدح صحابہ یا اسی قسم کے اشعار خوب راگنی لہجہ سے پڑھتے ہیں، سب گلی کوچوں سے گزرتے ہیں، عورتوں کو سناتے ہیں، جگہ جگہ شربت کا انتظام ہوتا ہے، جو اس میں شریک نہیں ہوتے اس کو خوب لعن طعن کرتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں، اس جھنڈے کے بانی مبانی حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو بتاتے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس جھنڈے میں شرکت کرنا کسی طرح درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو شریک ہونے والے نہ شریک ہونے والے کو برا بھلا کہتے ہیں، اس پر کیا حکم عائد ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر ہے کہ اس کا جواب پائانا لہ دارالمبلغین لکھنؤ سے حاصل کریں، وہاں سے بتلا دیا جائے گا کہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح سے اس کی بنیاد قائم کی تھی یا اس میں کچھ تغیر ہو گیا ہے اور اس کی پشت پر کیا دلائل ہیں یعنی قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع، فقہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، کس دلیل سے یہ ثابت ہے؟ پھر جو کچھ وہاں سے جواب ملے، مہربانی فرما کر میرے پاس بھیج دیں، وہاں استفتاء کا جواب دیا جاتا

(۱) (رواہ البخاری فی الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود: ۱/۳۷۱، قدیمی)

(ومسلم فی الأقضية، باب نقض الأحکام الباطلة ورد محدثات الأمور: ۲/۷۷، قدیمی)

ہے اور اس کی اصل حقیقت سے وہاں کے حضرات پوری طرح واقف ہیں۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند

۱۰/محرم اور ۱۲/ربیع الاول کو کاروبار بند کرنا

سوال [۹۰۱]: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ۱۰/محرم اور ۱۲/ربیع الاول کو کاروبار بند کر دینا چاہیے، کچھ لوگ

اس بات کی مخالفت کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت کی طرف سے ان دونوں دنوں میں کاروبار بند کرنے کا حکم نہیں، اس کو شرعی حکم سمجھنا غلط ہے۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۰ھ۔

وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہڑتال

سوال [۹۰۲]: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات پر مدینہ شریف یا دیگر بلاد اسلامیہ میں

ہڑتال ہوئی تھی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اظہارِ افسوس کے لئے ہڑتال کا یہ طریقہ اس زمانہ میں نہیں تھا، نہ مدینہ طیبہ میں نہ دیگر بلاد اسلامی

میں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۸۹ھ۔

(۱) قال الشاطبی: "ومنها التزام کیفیات والہیئات المعینۃ والتزام العبادات المعینۃ فی أوقات

معینۃ لم یوجد لها ذلک التعیین فی الشریعۃ الخ". (الاعتصام للشاطبی، الباب الأول فی تعریف البدع

الخ، ص: ۲۵، ۲۶، دارالمعرفۃ بیروت)

"البدعة اسم من الابتداء، سواء كانت محمودۃ، أم مذمومۃ، ثم غلب استعمالها فیما هو نقص

فی الدین أو زیادۃ" (القاموس الفقہی، ص: ۳۲، إدارة القرآن) =

حضرت غوث اعظم کی مجلس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری

سوال [۹۰۳]: ”الفتح الربانی“ کتاب میں سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ حسنہ ہیں لیکن دیباچہ میں حضرت مولانا عاشق الہی مرحوم لکھتے ہیں: ”ان کی مجلس وعظ میں صلحاء و ملائکہ کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبات کی روحانی شرکت ہوتی ہے اور کبھی کبھی روح پر فتوح سید ولد آدم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کا نزول اجلال بھی تربیت و تائید کی غرض سے ہوا کرتا تھا“۔ ایسا ہی مضمون بریلوی علماء کی کتاب ”حقائق بخشش، ص: ۷۰“ پر یہ شعر تحریر ہے۔

ولی کیا رسل آئیں خود حضور آئیں
وہ تیری وعظ کی محفل ہے یا غوث

ان دونوں عبارتوں میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

دونوں میں فرق بالکل صاف و ظاہر ہے، حضرت مولانا عاشق الہی کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ یہ تشریف آوری تائید و تربیت کے لئے ہے (۱)، حقائق بخشش کا حاصل یہ ہے کہ تشریف آوری استفادہ کے لئے ہے۔ حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم عالیہ وحی الہی سے حاصل ہیں اور اولین و آخرین سب کے مجموعہ کے علوم بھی ذات مقدسہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر نہیں، تو پھر استفادہ کے لئے حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں آنے کا مطلب تو یہ ہوگا جو علوم اس مجلس میں حاصل ہوتے ہیں وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل نہیں تھے، یہ تنقیص ہے ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، اور فوقیت ہے حضرت قطب

= ”کل محدث بدعة، و کل بدعة ضلالة، و کل ضلالة فی النار“، (مشکوٰۃ کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ص: ۳۰، قدیمی)

”عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فہو رد“ متفق علیہ“، (مشکوٰۃ، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ص: ۲۷، قدیمی)

(۱) راجع: (الفتاویٰ الحدیثیہ، مطلب: یمکن الاجتماع بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الآن یقظة، ص: ۳۹۱، قدیمی)

جیلانی قدس سرہ کی، اس کو کب حضرت جیلانی نور اللہ مرقدہ برداشت کر سکتے ہیں، نہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فداہ روحی و روح ابی و امی) کا کوئی ادنیٰ خادم برداشت کر سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۹۲ھ۔

دس محرم کو مسجد میں مجلس

سوال [۹۰۴]: یہ مسجد اہل سنت والجماعت کی ہے، ۱۰ محرم کو مجلس یادگار امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما مسجد میں کر سکتے ہیں؟ جس میں شیعہ و سنی دونوں صاحبان پڑھیں گے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ثواب پہنچانے کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کرنا مسجد میں اور خارج مسجد درست ہے اور باعث ثواب ہے (۱) لیکن خاص کر محرم کے موقع پر بطور یادگار مجلسیں کرنا درست نہیں، نہ مسجد میں نہ باہر، اس لئے ایسی مجلسیں مسجد میں نہ کی جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۴ھ۔

عرس

سوال [۹۰۵]: آج کل جس طرح بزرگوں کا عرس ہوتا ہے اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بدعت اور ممنوع ہے:

”فیجب أن يحذر مما يفعلون على رأس السنة من موته، ويسمونہ حولاً، فيدعون الأكابر والأصاغر، ويعتدون ذلك قرية، وهي بدعة ضلالة؛ لأن التصديق لم يختص بيوم دون (۱)“ فلإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلوة كان أو صوماً أو حجاً، أو صدقة، أو قراءةً للقرآن، أو الأذكار، أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت و ينفعه“۔ (مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قدیمی کتب خانہ)

یوم، ولا تصح إلا على الفقراء والمحتاجين، وقد زاد بعضهم في جهله وهم المشايخ الذين ليس لهم إلا جمع حطام الدنيا؛ لأنهم يجمعون بعض أحوال الميت في كتاب و يسمونه مناقب، ثم إذا حضر الناس المدعوون، جىء برجل حسن الصوت فهو يأخذ تلك النسخة في يده و يقرأها قراءةً مثل قراءة المولود، وقد ورد النهى عن مثل هذا صراحةً، ثم يختمون القرآن و يُمدّ لهم سباط، وليس هذا إلا بدعة ضلالة لم يفعلها رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ولا أصحابه من بعده ولا أتباعهم من بعدهم بل لم يوجد لذلك أثر إلى القرن الثامن كما يظهر من تتبع القوم، وهذه خصوصيات المشايخ، فإنهم يعتقدون أن هذا رجل من أولياء الله و يذكره تنزل الرحمة، ولو سلم أنه من أولياء الله، فهل ذكر الولي بهذه الكيفية يستوجب نزول الرحمة؟ حاشا؛ فإن الرحمة لا تنزل إلا باتباع السنة السنية، فإن البدع فهي تنزل الغضب والنقمة - عافانا الله وإياكم من غضبه و سخطه - ولو كان هذه الخرافات نزل بها الرحمات لما غفل عنه أكابر المتقدمين من الأئمة الأعلام، ولكن ليس غرض هؤلاء المتصوفة إلا طلب الشهرة والافتخار بابائهم وأجدادهم أنهم كانوا على هذه المراتب، وأن لهم كرامات عظيمة و كذا و كذا، حتى أن السامع يعتقد فيهم فيدخل في سلوكهم، و متى دخل في طريقهم أفقره فأصبح ممن خسر الدنيا والآخرة. وهذا الحول يسمونه أهل الهند عرس، و ما عرفت له أصلاً، فإن العرس إنما يكون في الزواج، و مع ذلك فهذه الأحوال والأعراس لا تكاد تخلو من إرتكاب المحرمات فضلاً عن المكروهات، فإن أهل الهند لهم اليد الطولى في ذلك - قاتلهم الله - فإنهم يطوفون بقبر الولي الذين يعتقدون فيه و يظنون أنه هو المتصرف في الكون، وأن الإنسان إذا تمسك بهذه، فلا حاجة له بالصلوة و الصيام، وأكثر ما غلوا في ذلك أتباع سيدنا عبد القادر الجيلاني رحمه الله تعالى و نفعنا بركاته، فإنه - معاذ الله - أنني يرضى بتلك الكفریات التي يعتقدونها". (تبليغ الحق)، ص: ۸۹۷ (۱)۔

(۱) عربی عبارات کا ترجمہ: ”ان طریقوں سے بچنا لازم ہے جو کہ لوگ کسی کے مرنے کی سالانہ تاریخ میں کیا کرتے ہیں جس میں چھوٹے بڑے سب کو دعوت دیتے ہیں اور اس کو ثواب کا کام سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بدعت اور گمراہی ہے، وجہ =

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے مسائل میں سوال نمبر: ۱۵ کے جواب میں ساڑھے پانچ صفحات میں اس پر اصولی بحث فرما کر اس کو منع قرار دیا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= یہ ہے کہ ایصالِ ثواب کسی خاص دن کے ساتھ مخصوص نہیں اور یہ بات بھی ہے کہ صدقہ کے مستحق صرف محتاج اور غریب لوگ ہیں (اور یہ لوگ ایصالِ ثواب کے نام پر مالداروں کو بھی کھلاتے ہیں) اور بعض جاہل مشائخ جن کا مقصد دنیا طلبی کے سوا کچھ بھی نہیں وہ ایسا کرتے ہیں کہ فوت شدہ کے حالات لکھ لیتے ہیں جس کو وہ مناقب کہتے ہیں اور جب لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو ایک خوش گلو (خوش آواز) آدمی ان کو میلاد کی طرح پڑھتا ہے حالانکہ یہ صراحتاً منع ہے، پھر یہ لوگ قرآن پاک ختم کرتے ہیں اور ان کے لئے دسترخوان پھیلا دیا جاتا ہے یہ سب بدعت اور ضلالت ہے، اس کو نہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے کیا، نہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بلکہ آٹھویں صدی ہجری تک بھی اس کا کوئی نشان نہیں ملتا جیسا کہ علما کی کتابوں سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

یہ ان مشائخ کی خصوصیات ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ فوت شدہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہے اور اس کے ذکر سے رحمت کا نزول ہوتا ہے حالانکہ اگر وہ بزرگ بھی ہو تو کیا اس غلط طریقہ کی آمیزش سے رحمت کا نزول ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں۔ نزول رحمت صرف اتباع سنت سے ہوا کرتا ہے اور بدعت سے خدا کا غضب اور عذاب آیا کرتا ہے (اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے محفوظ رکھے) اگر ان تمام خرافات اور وہابی تباہی باتوں سے رحمت نازل ہوتی تو ائمہ اکرام اور اکابر بزرگان اس کو کبھی نہ چھوڑتے، ان بدعت پرست پیروں کی غرض صرف شہرت طلبی اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنا ہے اور لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ ہمارے باپ دادا اعلیٰ مراتب پر فائز تھے اور ان سے بڑی بڑی کرامات ظاہر ہوئیں تاکہ سننے والا ان کا معتقد ہو کر ان کے سلسلہ میں داخل ہو جائے اور یہ لوٹ کھسوٹ کر اس مرید کو فاقہ مست بنادیں اور وہ مرید دنیا و آخرت دونوں اعتبار سے خسارہ میں پڑ جائے۔

اس (سالانہ جشن) کو اہل ہند عرس کہتے ہیں جو بالکل بے بنیاد چیز ہے، عرس تو شادی بیاہ میں ہوا کرتا ہے (نہ کہ موت کے موقع پر) بایں ہمہ اس عرس کے ساتھ مکروہ چھوڑ کر سینکڑوں حرام چیزیں شامل ہو گئی ہیں اور اہل ہند کو اس ابتداء اور حرام کی آمیزش میں کمال حاصل ہے ایسوں کا خدا ناس کرے، اہل ہند جو مبتدع ہیں وہ بزرگوں کی قبروں کا طواف کرتے ہیں اور ان کا عقیدہ اور گمان یہ ہے کہ یہ بزرگ عالم میں تصرف کرتے ہیں اور جب کسی کا یہ حال ہو جائے تو وہ نماز اور روزہ کی کیا ضرورت سمجھے گا، جاہل معتقدوں نے سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں بہت زیادہ غلو کر رکھا ہے اور کفریات میں مبتلا ہو گئے ہیں، سید عبدالقادر جیلانیؒ (اگر زندہ ہوتے) تو کیا ان کفریات کی اجازت دے سکتے تھے؟ (تبلیغ الحق، ص: ۸۹)۔

عرس وغیرہ

سوال [۹۰۶]: بزرگان دین کے عرسوں میں شامل ہو کر وہاں کچھ کھانا پکا کر اور اس کو فی سبیل اللہ بغیر کسی خرافات کے تقسیم کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اس کا ثواب بزرگان دین کی ارواح کو پہنچانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مزارات پر جا کر کھانا پکوانا یا کھانا لے کر وہاں جانا اور تقسیم کرنا بدعت اور ناجائز ہے، ایصال ثواب کے لئے تاریخ مقرر کر کے اس کو شرعی حیثیت دینا درست نہیں (۱)، عرس کرنا بدعت ہے۔ بلا کسی غیر ثابت پابندی کے جب دل چاہے ایصال ثواب کرنا، خواہ غریبوں کو کھانا، غلہ، کپڑا، نقد کو کسی بھی ضرورت کی چیز دے کر یا قرآن پاک، تسبیح، نماز پڑھ کر ہو یا حج کر کے ہو غرض ہر نیک کام کر کے شرعاً درست اور باعث اجر و ثواب ہے (۲) قبروں پر کبھی کبھی جا کر دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرنا اور اسلاف کو یاد کرنا بھی ثواب ہے (۳) لیکن مزارات پر

(۱) "أصل صلوة النافلة سنة مرغب فيها ومع ذلك فقد كره المحققون تخصيص وقت بها دون وقت، ومنهم من أطلق تحريم مثل ذلك كصلاة الرغائب التي لا أصل لها الخ". (فتح الباری، کتاب الاستیذان، باب المصافحة: ۱۱/۵۵، دار المعرفة بیروت)

(۲) "والأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو غيرها الخ". (الهداية، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، مکتبہ شرکت علمیہ)

وفی البحر الرائق: "والأصل فيه أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة". (باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشیدیہ)

(۳) "والسنة زيارتها قائماً، والدعاء عندها قائماً كما كان يفعل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في الخروج إلى البقيع فلإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلوة كان أو حجاً أو عمرة أو قراءة للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت و ينفعه، قاله الزيلعي في باب الحج عن الغير". (مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۰-۶۲۲، قدیمی)

پھول، چادر چڑھانا (۱) سجدہ کرنا (۲) طواف کرنا (۳) قبروں کو چومنا (۴) چراغ جلانا (۵)، ان کی ارواح سے رزق یا اولاد وغیرہ مانگنا (۶)، ان کی نذر ماننا (۷) قوالی کرنا (۸) یہ سب شرعاً ناجائز ہے ان سے بچنا لازم ہے، بعض چیزیں ایسی ہیں کہ وہ شرک کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں (۹)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،، کیم/شعبان/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۸۷ھ۔

(۱) ”ما يفعله أكثر الناس من وضع ما فيه رطوبة من الرياحين والبقول ونحوهما على القبور ليس بشيء“۔ (عمدة القاری، کتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من البول، الأسئلة والأجوبة: ۱۲۱/۳، إدارة الطباعة المنيرية، بیروت)

(۲) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لو كنت أمر أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب عشرة النساء وما لكل واحدة من الحقوق، الفصل الثانی، ص: ۲۸۱، قدیمی)

و قال الملا علی القاری تحتہ: ”فإن السجدة لا تحل لغير الله“۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۲/۴۰۲، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۳) ”بوسہ دینا قبر اولیاء کرام و دیگر صلحاء عظام کو، اور طواف کرنا گرد قبر کے، سجدہ کرنا تعظیماً، یہ سب عادات نصاریٰ و طریقہ پرستش کفار کا ہے، ہرگز ہرگز جائز نہیں، حرام ہے کما قال حجة الإسلام الغزالی رحمه الله تعالى في إحياء العلوم: ”والمستحب في زيارة القبور أن يقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه الميت، و أن يسلم، و لا يمسح القبر و لا يمسسه و لا يقبله، فإن ذلك من عادات النصارى“ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مناسک میں باب زیارت مزار پر انوار..... کے آداب میں تحریر فرماتے ہیں: ”لا يطوف: أي و لا يدور حول البقعة الشريفة؛ لأن الطواف من مختصات الكعبة المنيفة، فيحرم حول قبور الأنبياء والأولياء..... وأما السجدة فلا شك أنها حرام

..... الخ“۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند المعروفہ بعزیز الفتاویٰ، کتاب السنۃ والبدعة، ص: ۸۸)

(ولمعات التنقيح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور: ۳/۳۷۹، مکتبہ المعارف العلمیہ لاہور)

(۴) (راجع رقم الحاشیة: ۳) =

(۵) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۶) تمام اشیاء، رزق، اولاد دینا، مدد کرنا وغیرہ امور پر قادر اور تمام کائنات میں تصرف کرنے والی ذات حقیقہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، کسی دوسرے کے لئے یہ صفات اصالتہ ثابت کرنا شرک فی الصفات ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إياك نعبد وإياك نستعين﴾

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿أدعونی أستجب لکم﴾ (الغافر: ۶)

اور حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ ہے: ”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: كنت خلف رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوماً فقال: ”يا غلام! احفظ الله يحفظك، احفظ الله تجده تجاهك، وإذا سألت فاسئل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله، واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشيء، لم ينفعوك إلا بشيء قد كتبه الله لك، ولو اجتمعوا على أن يضروك بشيء، لم يضروك إلا بشيء قد كتبه الله عليك، رفعت الأقلام وجفت الصحف“. رواه أحمد والترمذي.

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب التوکل والصبر، الفصل الثانی، ص: ۴۵۳، قدیمی)

(۷) ”واعلم أن النذر الذي يقع للأموال من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقريباً إليهم، فهو بالإجماع باطل و حرام ما لم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام، وقد ابتلى الناس بذلك“. (الدر المختار)

و فی رد المحتار: ”(باطل و حرام) لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق، والنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لا تكون لمخلوق..... و منها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى و اعتقاده ذلك كفر“. (رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم و ما لا یفسده، مطلب فی النذر الذي يقع للأموال الخ: ۴۳۹/۲، سعید)

(۸) ”فانظر -رحمنا الله- وإياك إلى هذا المغنى إذا غنى، تجد له من الهيبة والوقار و حسن الهيئة والسمت، و يقتدى به أهل الإشارات والعبارات والعلوم والخيرات، يسكت له و ينصت، فإذا دب معه الطرب قليلاً حرك رأسه كما يفعل أهل الخمرة سواء بسواء كما تقدم، ثم إذا تمكن الطرب منه، ذهب حياءه و وقاره كما سبق في الخمرة سواء بسواء، فيقوم و يرقص و يعيط و ينادى..... و يبسط يديه و يرفع رأسه نحو السماء..... و يخرج الرعدة: أى الزبد من فيه..... و ربما مزق بعض ثيابه و عبث بلحيته، =

بدعات متعلقہ قبور عرس وغیرہ

سوال [۹۰۷]: زید کہتا ہے کہ قبر کو سجدہ جائز ہے، نذر لغير الله جائز ہے، قبر کا چڑھاوا جائز ہے، سماع موجودہ زمانہ کے مطابق جائز ہے، پیر و مرشد کو سجدہ جائز ہے، قرآن، حدیث اور فقہ حنفی کی رو سے ان کا جواب ارشاد فرمائیں۔ اگر یہ چیزیں ہر تینوں کی رو سے ناجائز ہیں تو زید مسلمان ہے یا نہیں اور احناف جماعت میں شامل ہے یا نہیں؟ اور وہ لوگوں میں اپنے آپ کو حنفی ظاہر کرتا ہے، اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو عوام میں اعلان کر دینا ضروری ہے یا نہیں؟

۲..... ختم موجودہ رسم کے مطابق بدعت ہے یا سنت، اگر بدعت ہے تو بدعت حسنہ ہے یا سیئہ؟ اگر سیئہ ہے تو جو شخص سنت کہے اور ان میں جھگڑا کرے اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ رو بروا شیاء رکھ کر آیات پڑھنا سنت ہے، تارک سنت گنہگار ہے، منکر سنت کافر ہے، بحوالہ علامہ علی قاری فتویٰ آذر جندی مطبع مصر، فتاویٰ بزاز یہ، حوالہ صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح ہے تو اس کا کیا جواب ہے؟

۳..... عرسوں پر جانا یا مزارات پر جانا زمانہ جدید کے مطابق جیسا کہ لوگ پیران کلیں اور مجدد علیہ الرحمہ کے عرسوں پر جاتے ہیں یہ بدعت ہے یا نہیں، اگر بدعت ہے تو کون سی بدعت ہے، جو شخص اس طریق کو سنت کہے اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے اور نماز اس کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ اپنے آپ کو حنفی کہلا سکتا ہے یا نہیں؟

۴..... بکران سب چیزوں کو ناجائز اور خلاف شریعت کہتا ہے، بکر اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے یا نہیں؟ اور اس کا دعویٰ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے یا نہیں؟ جو شخص اسے کافر اور بے دین کہے اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ بہتان مندرجہ ذیل باتوں کا ہے:

۱: ختم پڑھنا کفر ہے اور پڑھنے والا کافر ہے۔ ۲: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ حضور علیہ السلام کا نام مبارک ملانا کفر ہے۔ ۳: بزرگان دین کے مزارات پر جانا کفر ہے جیسا کہ الف ثانی کے یا اجمیر۔ ۴: بیعت تقلید و جوب

= و هذا منكر بين: لأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم نهى عن إضاعة المال، ولا شك أن تمزيق

التياب من ذلك: (المدخل، فصل في المولد: ۷/۲)

(۹) مثلاً: سجد کرنا، طواف کرنا، اولیاء سے رزق وغیرہ مانگنا، ان کی نذر ماننا۔

شخصی پر پکڑنا کفر ہے۔ یہ الفاظ مبینہ اس فتویٰ سے نقل کئے گئے ہیں۔

۵: پیر کیسا پکڑنا چاہیے، اور جو پیر خلاف شرع کام کرتے ہوں ان کی اطاعت ضروری ہے یا نہیں؟ بکر حنفی المذہب اور علماء دیوبندی عقیدہ کا معتقد ہے اور زید رضا خانی۔ بینوا تو جروا۔

احقر عباد اللہ محمد طاہر ضلع لدھیانہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کو سجدہ اگر بغرض تحیہ محض ہو تو حرام ہے، اگر بہ نیت عبادت ہو تو شرک و کفر ہے، غیر اللہ کے لئے نذر ماننا شرک ہے، قبر کا چڑھاوا حرام ہے، سماع مروج حرام ہے، پیر و مرشد کو سجدہ بقصد تحیہ حرام ہے بہ نیت عبادت شرک و کفر ہے، جو شخص ان چیزوں کو جائز کہتا ہے اس سے جواز کی دلیل دریافت کی جائے، عدم جواز ان عبارات سے مستفاد ہے:

”قال صلى الله عليه وسلم: ”لعنة الله على اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد“۔ طحطاوی، ص: ۱۹۶ (۱)۔

”وكذا ما يفعلونه من تقبيل الأرض بين يدي العلماء والعظماء فحرام، والفاعل والراضی به اثنان؛ لأنه يشبه عبادة الوثن، وهل يكفر؟ إن على وجه العبادة والتعظيم كفر، وإن على وجه التحية لا، وصار اثناً مرتكباً لكبيرة، وفي الملتقط: التواضع لغير الله حرام“۔ در مختار: ۳۷۸/۵ (۲)۔

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی مکروهات، ص: ۳۵۶، قدیمی)

(والحدیث أخرجه مسلم فی کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المسجد علی القبور الخ: ۲۰۱/۱، قدیمی)

(۲) (الدر المختار، کتاب الکراهیة، باب الإستبراء وغیرہ: ۳۸۳/۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثامن والعشرون فی ملاقة الملوك والتواضع لهم الخ: ۳۶۸/۵، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الکراهیة، قبیل فصل فی البیع: ۳۶۲/۸، رشیدیہ)

”إعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقريباً إليهم، فهو باطل وحرام، قال في البحر: لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق ولا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق، ومنها: أن المنذور له ميت والميت لا يملك، ومنها: أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى، كفر اه“۔ طحطاوی: ۳۷۸ (۱)۔

”وأما الرقص والتصفيق والصريخ وضرب الأوتار والصنج والبوق الذي يفعله بعض من يدعى التصوف، فإنه حرام بالإجماع؛ لأنها زى الكفار اه“ طحطاوی، ص: ۱۷۴ (۲)۔
جو شخص امور مذکورہ کو جائز کہتا ہے وہ ضال و مضل ہے، اس کو امام بنانا جائز نہیں جب تک صدق دل سے توبہ نہ کرے (۳)۔

۲..... موجودہ رسم کے مطابق ختم بدعت اور مکروہ ہے کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ علامہ علی قاریؒ نے کوئی کتاب فتاویٰ برجندی تصنیف نہیں کی۔ فتاویٰ بزاز یہ ہیں ختم کو مکروہ لکھا ہے:

”ويكره إتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع والأعياد، ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، وإتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص، فالحاصل أن إتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره اه“۔

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۲۹۳، قديمی)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، قبيل باب الإعتكاف: ۴۳۹/۲، سعيد)

(والبحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النظر: ۵۲۰/۲، ۵۲۱)

(۲) (حاشية الطحطاوى على المراقى، كتاب الصلوة، قبيل باب ما يفسد الصلوة، ص: ۳۱۹، قديمی)

(و كذا في الدر المنتقى في شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۲۱۹/۳، غفاريه كوئله)

(والدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس: ۳۳۸/۲، سعيد)

(۳) کیونکہ مبتدع اور فاسق ہے اور ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے۔ لہٰذا فی الدر المختار، باب الإمامة من كتاب الصلوة: ”ويكره إمامة عبد وفاسق وأعمى ومبتدع“۔ (۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

فتاویٰ بزازیہ، مصریہ: ۱/ ۹۱ (۱)۔

۳: زیارت قبور مطابق سنت درست ہے (۲) لیکن عرس کرنا اور عرس میں جانا درست نہیں:

”وهذا الحول يسمونه أهل الهند عرس، وما عرفت به أصلاً، فإن العرس إنما يكون في الزواج ومع ذلك، فهذه الأحوال والأعراس لا تكاد تخلو عن ارتكاب المحرمات فضلاً عن المكروهات، فإن أهل الهند لهم اليد الطولى - قاتلهم الله -، فإنهم يطوفون بقبر الولي الذي يعتقدون ويظنون أنه هو المتصرف في الكون“. تبليغ الحق، ص: ۸۔

۴: بکر کا قول صحیح اور موافق شرع ہے، جو شخص اس کو کافر کہتا ہے اس کا ایمان خود خطرناک حالت پر ہے، کیونکہ مسلم کو بلا وجہ شرعی کافر کہنا کفر ہے (۳)۔ کذا فی البحر (۴)۔

اس نزاع کو دفع کرنے کی صورت یہ ہے کہ براہ راست بکر سے امور مذکورہ کی تحقیق کر لی جائے، اگر وہ انکار کرے اور اپنی براءت کرے تو اس کی طرف سے دل صاف کر لیا جائے، کسی پر بہتان باندھنا کبیرہ گناہ ہے اور بہتان باندھنے والے کا باوجود علم کے ساتھ دینا بھی حرام ہے۔

۵: خلاف شرع کام میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، قال علیہ الصلاة والسلام: ”لا طاعة

(۱) (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الہندیة، قبیل الفصل السادس من کتاب الصلوة: ۸۱/۲، رشیدیہ)
(و کذا فی رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت:
۲/۲۴۰، سعید)

(۲) ”والمستحب فی زیارة القبور أن یقف مستدبر القبلة مستقبلاً وجه المیت، وأن یسلم، ولا یمسح القبر ولا یقبله، ولا یمسه، فإن ذلك من عادة النصارى“. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، فصل فی زیارة القبور، ص: ۲۲۱، قدیمی)

(۳) ”عن عبد الله بن دينار أنه سمع ابن عمر رضي الله تعالى عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أیما امرئ قال لأخیه: کافر! فقد باء بها أحدهما، إن کان کما قال، وإلا رجعت علیه“.
(الصحيح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان حال إیمان من قال لأخیه المسلم: یا کافر: ۵۷/۱، قدیمی)
(۴) ”ویکفر..... بقوله لمسلم: یا کافر عند البعض..... والمختار للفتوى أن یکفر إن اعتقده کافراً، لا إن أراد شتمه“. (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحكام المرتدین: ۲۰۷/۵، رشیدیہ)

لمخلوق فی معصية الخالق۔“ الحدیث (۱) پیرا اگر خلاف شرع مسلک رکھتا ہو تو اس سے بیعت ناجائز ہے، اگر بیعت کر لی ہو تو فسخ کر کے کسی متبع شرع پیر سے بیعت کی جاوے جس پر اہل علم ویندار اعتماد رکھتے ہوں اور بیعت کے لائق سمجھتے ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۶/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/جمادی الثانیہ/۶۴ھ۔

عرس کرنا اور زیارت قبور کے لئے سفر

سوال [۹۰۸]: عرس کرنا یا لوگوں کو یوم متعین کر کے قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے بلانا جائز ہے یا نہیں اور اسی طرح بزرگوں کے مزارات پر زیارت کے مقصد سے سفر کرنا آیا جائز ہے، اگر جواب نفی میں ہے تو آپ اس روایت کا کیا جواب دیں گے کہ جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر کو اپنی زیارت، بیت الحرام کی زیارت، بیت المقدس کی زیارت کیلئے مخصوص کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عرس کرنا یا دن متعین کر کے لوگوں کو قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے مدعو کرنا قرون مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہیں (۲)، حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”مائہ مسائل“ میں بدعت ممنوعہ

(۱) والحدیث بتمامہ: ”عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق، وإنما الطاعة فی المعروف“۔ متفق علیہ۔“ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإمارة، الفصل الأول، ص: ۳۱۹، قدیمی)

(۲) بعض کام فی نفسہ عبادت اور سنت ہوا کرتے ہیں لیکن اس کے لئے کوئی بیعت، عدد یا طریقہ متعین کرنے سے وہ رسم و بدعات میں داخل ہو جاتے ہیں:

”وقد صرح بعض علمائنا وغيرهم بکراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوات مع أن المصافحة سنة، وما ذاک إلا لكونها لم تؤثر فی خصوص هذا الموضع، فالمواظبة علیها فیہ توهم العوام بأنها سنة فیہ، ولذا منعوا عن الاجتماع لصلوة الرغائب التي أحدثها بعض المبتدعين؛ لأنها لم تؤثر علی هذه کیفیة فی تلك اللیالی المخصوصة وإن كانت الصلوة خیر موضوع“۔ (رد المحتار، =

فرمایا ہے (۱)۔ ”تبلیغ الحق“ میں بھی شدت سے منع فرمایا گیا ہے ”فتاویٰ عزیزی“ (۲) میں بھی شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس پر کلام کیا ہے۔ علامہ شامی نے بھی اس پر نکیر کی ہے (۳)۔

زیارت قبور کی ترغیب حدیث میں آئی ہے (۴)، یہ قید نہیں کہ اپنے شہر ہی کی قبر کی زیارت کی جائے اسکے لئے سفر کرنے کی ممانعت بھی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی قبر کی زیارت کی ہے اور ان کی قبر مدینہ طیبہ سے مسافت سفر پر ہے (۵)۔ حدیث پاک

= کتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز: ۲/۲۳۵، سعید

(۱) (مائة مسائل، سوال پانز دہم، ص: ۲۸-۳۲)

(۲) ”زیارت قبور کے لئے کوئی دن مقرر کرنا بدعت ہے اور فی نفسہ اصل زیارت جائز ہے اور تعین وقت کی سلف میں نہ تھی یہ بدعت اس طرح کی ہے جو فی نفسہ جائز ہے، صرف خصوصیت وقت کی بدعت ہے، جیسے مصافحہ بعد عصر کے ہے، کہ ملک توران میں مروج ہے۔ عرس کا دن اگر اس غرض سے مقرر کیا جاوے کہ جس بزرگ کا عرس ہو وہ یاد رہیں اور اس وقت ان کے حق میں دعا کی جائے، تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن دعاء کرنے کے لئے خاص اسی دن کا التزام کر لینا بھی اسی طرح کی بدعت ہے جس کا ذکر اوپر ہوا“۔ (فتاویٰ عزیزی (اردو)، باب التصوف، ص: ۱۵۱)

(۳) (راجع، ص: ۲۳۴، الحاشیہ رقم: ۲)

(۴) ”و عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة“ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، ص: ۱۵۴، قدیمی)

(۵) ”عن عبد اللہ بن ابی ملیکہ قال: توفي عبد الرحمن بن أبی بکر بالحشی، قال: فحمل إلى مكة فدفن فيها، فلما قدمت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، أتت قبر عبد الرحمن بن أبی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فقالت:

و كنا كندمانی جزیمة حقبة من الدهر حتی قيل لن يتصدعا

فلما تفرقنا كآنى و مالكا بطول اجتماع لم نبت ليلة معا

ثم قالت: والله لو حضرتك ما دفنت إلا حيث مت، و لو شهدتك ما زرتك“۔ (جامع

الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی زیارة القبور للنساء: ۱/۲۰۳، سعید)

و أما قوله: ”اور ان کی قبر مدینہ طیبہ سے مسافت سفر پر ہے“، ”فظاهر من الرواية المذكورة“

میں مساجد کی نیت سے سفر کرنے کو منع کیا گیا ہے کہ ایک مسجد کو دوسری مسجد پر فضیلت دے کر سفر مت کرو، صرف تین مساجد ہیں جن کو دیگر مساجد پر فوقیت حاصل ہے، ان کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے سفر کی اجازت ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ولادت، وفات پر خوشی اور غم، عرس اور قوالی وغیرہ

سوال [۹۰۹]: بارہویں ربیع الاول یا سال کے کسی اور دن کے اندر متعین کر کے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا کسی اور پیر مرشد کی ولادت یا وفات یا اور کسی اہم واقعہ کے تحت اگر عرس کیا جائے یا انفراداً اگر اس خاص دن کے اندر خوشی یا رنج کیا جائے اور مسلمانوں سے چندہ کر کے عرس کے اخراجات کئے جائیں اور لوگوں کی دعوتیں کی جائیں، قرآن شریف یا غزل و قوالی پڑھنے والوں کو ہدیے پیش کئے جائیں۔ تو چند امور

(۱) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، ومسجد الرسول، ومسجد الأقصى“۔ (صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب فضل الصلوة في مسجد مكة والمدينة: ۱/۵۸، قديمي)

قال العلامة الكشميري رحمه الله تعالى: ”وقال الشيخ ابن الهمام رحمه الله تعالى: إن زيارة قبره صلى الله تعالى عليه وسلم مستحبة وقريب من الواجب، ولعله قال: قريباً من الواجب نظراً إلى النزاع (أى الذى وقع بين ابن تيميه وسراج الدين الهندى) وهو الحق عندى، فإن آلاف الألوف من السلف كانوا يشدون رحالهم لزيارة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ويزعمونها من أعظم القربات، وتجريديتاتهم أنها كانت للمسجد دون الروضة المباركة باطل، بل كانوا ينوون زيارة قبر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قطعاً، وأحسن الأجوبة عندى أن الحديث لم يرد فى مسألة القبور لما فى المسند لأحمد رحمه الله تعالى: ”لا تشد الرحال إلى مسجد ليصلى فيه إلا إلى ثلاثة مساجد“۔ فدل على أن نهى شد الرحال يقتصر على المساجد فقط، ولا تعلق له مسألة زيارة القبور، فجره إلى المقابر مع كونه فى المساجد ليس بسديد“۔ (فيض البارى، كتاب التهجد، باب فضل الصلوة في مسجد مكة: ۲/۴۳۳، مكتبه خضر راه بکدپو دیوبند)

(و کذا فى فتح البارى، کتاب فضل الصلاة فى مكة والمدينة، باب فضل الصلوة فى مسجد مكة والمدينة: ۳/۶۳، ۶۴، ۶۵، دار المعرفة بیروت)

دریافت طلب ہیں:

- ۱..... سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا کسی اور پیر مرشد کی ولادت یا وفات پر کتنے دن تک اظہارِ رنج و خوشی جائز ہے؟ اگر مطلق جائز ہے تو عرس کی شکل میں جائز ہے یا انفراداً اور اس کی قید کیا ہے؟
- ۲..... تقریب عرس کے لئے چندہ مانگنا یا دینا کیسا ہے؟
- ۳..... اس چندہ سے دعوت کھانا یا قرآن شریف یا غزل و قوالی پڑھ کر ہدیہ قبول کرنا کیسا ہے؟
- ۴..... اس تقریب میں شریک ہونا کیسا ہے؟
- ۵..... مسلمان پر سب و شتم، طعن و تشنیع کن امور کے فعل و ترک پر جائز ہے، نیز تارک عرس پر جائز ہے یا کہ نہیں؟ جواب میں تفصیل فرمائی جائے۔ بینوا بالدلیل توجروا بأجر الجزیل۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

”قلت: و علی هذا فيجب أن يحذر مما يعملون على رأس السنة عن موته ويسمونه حولاً، فيدعون الأكابر والأصاغر، ويعدون ذلك قربةً وهي بدعة ضلالة؛ لأن التصديق لم يختص بيوم دون يوم، ولا يصح إلا على الفقراء والمحتاجين، وقد زاد بعضهم في جهله وهم المشايخ الذين ليس لهم إلا جمع حطام الدنيا بأنهم يجمعون، بعض أحوال الميت في كتاب ويسمونه مناقب، ثم إذا حضر الناس المدعوون جئ، برجل حسن الصوت، فهو يأخذ تلك النسخة في يده و يقرأها قراءةً مثل المولد، وقد ورد النهي عن مثل هذا صراحةً، ثم يختمون القرآن، ويمد لهم سماط، وليس هذا إلا بدعة ضلالة لم يفعلها رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ولا أصحابه من بعده ولا أتباعهم من بعدهم، بل لم يوجد لذلك أثر إلى القرن الثامن كما يظهر على من تتبع كتب القوم.

و هذه خصوصيات المشايخ، فإنهم يعتقدون أن هذا رجل من أولياء الله وبذكره تنزل الرحمة، ولو سلم أنه من أولياء الله فهل ذكر الولي بهذه الكيفية يستوجب نزول الرحمة؟ حاشاء، فإن الرحمة لا تنزل إلا باتباع السنة السنية، وأما البدع فهي تنزل الغضب والنقمة، عافاني الله وإياكم من غضبه و سخطه۔ ولو كان هذه الخرافات تنزل به الرحمت لما غفل عنها أكابر

المتقدمين من الأئمة الأعلام، ولكن ليس بغرض هولاء المتصوفة إلا طلب الشهرة والافتخار بآبائهم وأجدادهم أنهم كانوا على هذه المراتب وأن لهم كرامات عظيمة وكذا وكذا، حتى أن السامع يعتقد فيهم فيدخل في سلوكهم، ومتى دخل في طريقهم أفقره، فأصبح ممن خسر الدنيا والآخرة.

وهذا الحول يسمونه أهل الهند عرساً، وما عرفت له أصلاً، فإن العرس إنما يكون في الزواج، ومع ذلك فهذه الأحوال والأعراس لا تكاد تخلو عن إرتكاب المحرمات فضلاً عن المكروهات، فإن أهل الهند لهم اليد الطولى في ذلك - قاتلهم الله -، فإنهم يطوفون بقبر الولي الذي يعتقدون فيه، ويظنون أنه هو المتصرف في الكون، وأن الإنسان إذا تمسك بهذا فلا حاجة بالصلوة والصيام، وأكثر ما غلوا في ذلك أتباع سيدنا عبدالقادر الجيلاني رحمه الله تعالى ونفعنا ببركاته، فإنه - معاذ الله - أتى يرضى بتلك الكفریات التي يعتقدونها اهـ "تبليغ الحق، ص: ۸۹۷ (۱).

..... قلبی رنج و خوشی غیر اختیاری ہے اس کی کوئی شرعی حد نہیں، البتہ کسی کی وفات پر سوگ منانا، ترک زینت کرنا، ماتمی لباس پہننا مرد کو قطعاً جائز نہیں۔ عورت کو شوہر کی وفات پر ترک زینت کرنے کی مدت تا اختتام عدت ہے، اس کے بعد نہیں، شوہر کے علاوہ کسی اور کی وفات پر ترک زینت تین روز تک مباح ہے اس کے بعد ناجائز اور اس تین دن میں بھی شوہر کو منع کرنے کا حق حاصل ہے:

"ويباح الحداد على قرابة ثلاثة أيام فقط، وللزوج منعها؛ لأن الزينة حقه اهـ". در مختار (۲)۔

ماتمی سیاہ لباس پہننا تین روز تک شوہر کے غم میں جائز ہے اس سے زائد ناجائز ہے اور کسی کی وفات پر مطلقاً ممنوع ہے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: "ولا تعذر في لبس السواد وهي آئمة إلا الزوجة في حق زوجها فتعذر إلى ثلاثة، قال في البحر: وظاهره منعها من السواد تأسفاً على موت زوجها

(۱) (لم أجد هذا الكتاب)

(۲) (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحداد: ۵۳۳/۳، سعيد)

فوق الثلاثة اھ۔ درمختار: ۹۵۶/۴ (۱)۔

مولود بطریق مروج ممنوع ہے۔ کذا فی المدخل (۲)۔

۲..... ناجائز ہے۔

۳..... ناجائز ہے۔

۴..... ممنوع ہے: ”فما ظنك به عند الغناء الذي يسمونه وجداً ومحبّة، فإنه مكروه لا

أصل له في الدين، زاد في الجواهر: وما يفعله متصوفة زماننا حرام لا يجوز القصد والجلوس

إليه اھ۔ سكب الأنهر: ۵۵۱/۴ (۳)۔

۵..... ہر مسلمان کو سب و شتم کرنا فسق ہے (۴) البتہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حسب حیثیت

ضروری ہے، مجالس مذکورہ میں شرکت ناجائز ہے (۵)۔ اس عدم شرکت کی وجہ سے سب و شتم کسی طرح جائز

(۱) (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدة، فصل فی الحداد: ۵۳۳/۳، سعید)

(۲) قال ابن أمير الحاج في المدخل: ”فصل في المولد:“ و من جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن

ذلك من أكبر العبادات، و إظهار الشرائع ما يفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد. وقد احتوى على

بدع و محرّمات جمّة: فمن ذلك استعمالهم المغاني و معهم آلات الطرب من الطار المصر صر

والشباب وغير ذلك مما جعلوه آلة للسمع، و مضوا في ذلك إلى العوائد الذميمة..... الخ“ (۳/۲)

(۳) (الدر المنتقى في شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر، کتاب الکراہیة، فصل فی المتفرقات:

۲۱۹/۴، غفاریہ کوئٹہ)

(۴) ”حدثني عبد الله رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”سباب المسلم فسوق

وقتاله كفر“.(صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحبط عمله و هو لا يشعر:

۱۲/۱، قديمي)

(۵) حدیث شریف میں ہے: ”ایاک و کل امریعتذر منه“.(طبرانی فی الأوسط، عن ابن عمر، رقم

الحديث: ۴۴۲۴)

وقال العلامة المناوي تحته: ”وفيه جمع لما ذكره بعض سلفنا الصوفية: أنه لا ينبغي دخول

موضع التهم، و من ملک نفسه خاف من مواضع التهم أكثر من خوفه من وجود الألم، فإن دخولها =

نہیں، سخت گناہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۴/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/ربیع الثانی/۵۸ھ۔

اذان گا چھی صاحب کا عرس

سوال [۹۱۰]: ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ: فرقہ اذان گا چھی کی بابت جن کا مرکز کلکتہ، مانک

تلہ ۷/۴ باغماری روڈ فقیری حجرہ میں بنام حقانی انجمن واقع ہے، دستور العمل حسب ذیل ہے:

۱..... پنجگانہ نماز کے قبل یا بعد یا کسی اور وقت میں وظیفہ سورۃ فاتحہ، اخلاص، معوذتین، حقانی دورود۔

۲..... بعد وظیفہ مناجات الہی کل عالم، ہمارے پیر روشن ضمیر اور مجھ پر رحمت زیادہ کر۔

۳..... جب مجھ پر رحمت زیادہ کر کہے اپنے چہرہ کا تصور کرے اگر تصور میں نہ آوے تو آئینہ دیکھے اپنا

چہرہ دل میں جمالیوے۔

= یوجب سقم القلب، کما یوجب الأغذیۃ الفاسدۃ سقم البدن، فیاک والدخول علی الظلمۃ، وقد رأی العارف أبوہاشم عالمًا خارجًا من بیت القاضی، فقال له: تعوذ باللہ من علم لا ینفع۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۵/۲۴۳۲، مکتبہ نزار مصطفی الباز)

و قال تحت حدیث: "إیاک وقرین السوء الخ"۔ (فانک بہ تعرف): أی تشتهر بما اشتہر من السوء..... ومن ثم قالوا: الإنسان موسوم بسیما من یقارن، ومنسوب إلیہ أفاعیل من صاحب، و قال علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ: الصاحب مناسب، ما شیء أدل علی شیء ولا الدخان علی النار من الصاحب علی الصاحب، و قال بعض حکماء: اعرف أخاک بأخیہ قبلک، و قال آخر: یظن بالمرء لا یظن بقرینہ، قال عدی:

عن المرء لا تسئل وسل عن قرینہ فکل قرین بالمقارن یقتدی

فمقصود الحدیث التحرز من أخلاء السوء، و بجانب صحبة أهل الريب، لیكون موفور العرض سلیم العیب، فلا یلام بلانمة غیرہ۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۵/۲۴۳۳، ۲۴۳۲، مکتبہ نزار مصطفی الباز)

۴..... عرس قل اس میں بہت سے مریداں اور دوسرے لوگ جمع ہو کر سورتہائے مذکورہ اور چند ادعیہ
ماثورہ ایک آدمی کھڑا ہو کر پڑھتا ہے، باقی حاضران مجلس اس کے ساتھ ساتھ پڑھتے ہیں، اس کے بعد سلف
صالحین کے مرثیہ کے ۲۶/ شعر ایک آدمی پڑھتا ہے، بدیں عنوان ”حضرت آدم بنی نیچے زمین کے چل بسے“ الخ
وغیرہ وغیرہ، بعد مرثیہ خوانی کے سب دعاء کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو ایک آدمی مبارک بادی کے ۷ اشعار
مثلت بعنوان ذیل پڑھتا ہے ۔

الہی عرس کل شاخا جلیسوں کو مبارک ہو جلیسوں کو مبارک ہو جلیسوں کو مبارک ہو

بعد اس کے مناجات کرتے ہیں ۔

الہی رحمت زیادہ کر کل عالم پر، الہی رحمت زیادہ کر ہمارے پیر روشن ضمیر پر، الہی رحمت زیادہ کر ان
لوگوں پر جو اس مجلس سے علاقہ رکھتے ہیں خاص کر حاضر باش خادمان آستانہ بوس پر۔

۵..... رسولی انمول رتن مبارک: یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فاقہ کشی کے وقت جو
پتھر شکم مبارک پر باندھے تھے اس کا ایک ٹکڑا اور ابو جہل کے ہاتھ میں جو سنگریزوں نے کلمہ شہادت پڑھے تھے،
اس کا ایک ٹکڑا اذان گا چھی صاحب کو مرشدوں کے ہاتھوں ہاتھ وصیۃ امانۃ باطنی طریقہ سے ملا وہ اس کو سمیٹ کر
ایک بڑے قالب میں جما کر حقانی انجمن کو حوالہ کیا، ہر ہنگامہ مہینہ کے پہلا جمعہ کے بعد جو اتوار ہے اسی اتوار کے
دن عاشورہ آخری چہار شنبہ، فاتحہ دواز دہم، ۲۷/ رجب، شب برات، عید الفطر، بقرعید کے دنوں میں لوگوں کو
دکھاتا ہے، لوگ کلمہ شہادت، درود شریف پڑھتے ہوئے اس کی زیارت کرتے ہیں اور توقیر و تعظیم کے ساتھ
بوسہ دیتے ہیں، فیض حاصل کرتے ہیں۔

۶..... اسی پتھر کے قالب پر کتنے لونگ رکھتے ہیں، مذکورہ الصدر دنوں میں اسی کو بنام لونگ مبارک
لوگوں کو نیاز دیتے ہیں، بدیں عقیدہ کہ اگر فقط مبارک نہ کہیں اس کا فیض کم ہوگا، اس کے سونگھنے سے ہر قسم کی
بلائیں، مصیبتیں، بیماریاں دفع ہوتی ہیں۔

۷..... ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے بہت سے مرشدوں میں سے مرقومۃ الذیل حضرات بھی ہیں: حضرت
حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب، گنج مراد آبادی، حضرت حاجی دین محمد صاحب، عارفی
صادقی الحسینی معلم حرم شریف، حضرت سید محمد غازی (سوادی)، حضرت سید خدا بخش صاحب، حضرت شاہ منصور

احمد صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ وغیرہ۔

اب بصد نیاز عرض ہے کہ اس فرقہ کے مرید ہونا، عرس قل میں شریک ہونا، پتھر کی تعظیم و توقیر کے ساتھ زیارت کرنی، بوسہ دینا، لوگ مبارک سے استفادہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مسئلہ بادلائل تحریر فرما کر بندگان خدا کو سیدھی راہ بتا کر گمراہی سے بچاویں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفس ایصال ثواب بلا التزام تاریخ و ہیئت وغیرہ جب توفیق ہو قرآن کریم، تسبیح، درود شریف، نوافل پڑھ کر، روزہ رکھ کر غرباء کو صدقہ دے کر درست اور باعث نفع ہے (۱) لیکن مذکورہ بالا طریقہ پر عرس کرنا خلاف شرع، بدعت اور ناجائز ہے اس لئے اس کا ترک کرنا ضروری ہے:

”وقد زاد بعضهم في جهله وهم المشايخ الذين ليس لهم إلا جمع حطام الدنيا بأنهم يجمعون بعض أحوال الميت في كتاب و يسمونه مناقب، ثم إذا حضر الناس المدعوون، جيئ برجل حسن الصوت فهو يأخذ تلك النسخة في يده، ويقرأها قراءة مثل قراءة المولد، و قد ورد النهي عن مثل هذا صراحة، ثم يختمون القرآن كما يظهر على من تتبع كتب القوم، وهذه خصوصية المشايخ، فإنهم يعتقدون أن هذا رجل من أولياء الله و بذكره تنزل الرحمة، ولو سلم أنه من أولياء الله فهل ذكر الولي بهذه الكيفية يستوجب نزول الرحمة؟ فإن الرحمة لا تنزل إلا باتباع السنة السنية، و أما البدع فهي تنزل الغضب والنقمة - عافانا الله وإياكم من غضبه و سخطه - ولو كان هذه الخرافات تنزل بها الرحمات، لما غفل عنه أكابر المتقدمين من الأئمة الأعلام اهـ“ تبليغ الحق، ص: ۷۰۸ (۲)۔ فقط اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱) ”فلإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاة كان أو صوماً أو حجاً أو صدقة أو قرآناً أو الأذکار أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت وينفعه، قاله الزيلعي في باب الحج عن الغير“ (مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۳، قديمی)

(۲) (لم أظفر على هذا الكتاب)

پتھر اور سنگریزوں کی اگر ان کے پاس کوئی سند معتبر ہے تو وہ پیش کریں، بلا سند کسی چیز کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف جائز نہیں (۱) اور اس طرح سے ان کی زیارت بھی بے اصل ہے۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/شوال/۶۷ھ۔

عرس، قوالی، طبلہ، سارنگی بجانا

سوال [۹۱۱]: عرس کرنا، قوالی، طبلہ، سارنگی بجانا علماء دیوبند اور دیگر علماء احناف کے نزدیک یہ افعال ہوتے ہوں وگراہی اور ایسے مقامات پر شریک مجلس ہونا جہاں یہ افعال ہوتے ہوں عند الشریعہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی امام مذکورہ افعال کو برائہ سمجھے اور لوگوں کو شرکت سے نہ روکے تو اس کی امامت میں اقتداء درست ہے یا مکروہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عرس اور قوالی کرنا، طبلہ اور سارنگی بجانا اور اس کا سننا اور ایسی محفلوں میں شریک ہونا سب ناجائز اور بدعت ہے، علامہ شامی نے تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ (۲) میں اس کو منع لکھا ہے، فقہ حنفیہ کی معتبر اور مشہور کتاب

(۱) "عبدان بن عثمان یقول: سمعت عبد اللہ بن المبارک یقول: الإسناد من الدین، ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء". (مقدمة الصحيح لمسلم، باب بیان الإسناد من الدین الخ: ۱/۱۲، قدیمی)

(۲) "سئل العلامة الجد عبد الرحمن أفندی العمادی عن السماع بما صورته فيما إذا سمع من الآلات المطربة..... فأجاب المولى المذكور..... قلت: والحق الذى هو أحق أن يتبع وأحرى أن يدان به ويسمع، أن ذلك كله من سيئات البدع، حيث لم ينقل فعله من السلف الصالحين، و لم يقل بحله أحد من أئمة الدين المجتهدين رضى الله تعالى عنهم أجمعين. قال الأستاذ السهروردی فی عوارف المعارف: و ناهیک به من کتاب، و قد تکلم علی السماع فی خمسة أبواب منه بما هو أحق التحقيق و لبّ الباب، وإن أنصف المصنف و تفکر فی إجماع أهل الزمان: "وقعود المغنی بدقه و المشبب بشبابته، و تصور فی نفسه، هل وقع مثل هذا الجلوس والهيئة بحضرة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم وأصحابه؟ و هل استحضروا قوالاً و قعدوا مجتمعين لاستماعه؟ لا شک بأن ینکر ذلك من حال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم وأصحابه رضى الله تعالى عنهم، و لو كان فی ذلك فضيلة تطلب، ما أهملوها، فمن یسیر بأنه فضيلة تطلب و یجتمع لها، لم یحظ بذوق معرفة أحوال رسول الله صلی =

سکب الانهر شرح ملتقى الأبحر: ۵۵۱/۲ میں ہے: ”لا أصل له في الدين، زاد في الجواهر: وما يفعله متصوفة زماننا حرام، لا يجوز القصد والجلوس إليه، ومن قبلهم لم يفعله كذلك“ (۱)۔ فتاویٰ بزازیہ میں اس کے ناجائز ہونے پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کیا ہے (۲)۔ مزید تفصیل ماہنامہ ”نظام“ تصوف نمبر کانپور اگست ۶۳ء میں ہے۔

جو امام ان امور کو برا نہیں سمجھتا ہے اور اسی وجہ سے دوسروں کو نہیں روکتا وہ غلطی پر ہے، اس مسئلہ کو خوب نرمی اور محبت سے شرعی دلائل کی روشنی میں سمجھایا جائے اگر وہ نہ مانے تو اس سے بہتر تبع سنت امام تلاش کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اصلاح کی نیت سے عرس میں شرکت

سوال [۹۱۲]: اعراس وغیرہ میں شرکت بغرض وعظ و تقریر کرنے یا علمائے واردین کے مواعظ سننے، شرکت کرنا درست ہے؟ چونکہ مقصود شرکت سے صلح و اصلاح ہے جیسا کہ دیگر جلسوں میں کی جاتی ہے۔
الجواب حامداً ومصلیاً:

اصلاحی مواعظ کی خاطر بھی اعراس میں نہ جائیں بلکہ دوسری جگہ یہ سلسلہ کیا جائے اور نرمی و شفقت سے تفہیم کی جائے، اعراس میں تقریر کرنے سے اعراس میں شرکت ہوگی اور جو شخص کسی منکر میں خود شریک ہو اس کی تقریر سے فائدہ نہیں ہوتا (۳)۔

= اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وأصحابہ والتابعین“۔ (تنقیح الفتاویٰ الحامدية، کتاب الحظر والإباحة، مطلب فی سماع الآلات المطربة: ۳۵۴/۲، ۳۵۵، المیمنیہ مصر)

(۱) (الدبر المنتقى فی شرح الملتقى المعروف بسکب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الکراهیة، فصل فی المتفرقات: ۲۱۹/۲، مکتبہ غفاریہ)

(۲) ”إستماع صوت الملاهی كالضرب بالقضيب و نحوه حرام“۔ (البزازیة علی هامش الهندیة، کتاب الکراهیة، الثالث فیما یتعلق بالمناهی: ۳۵۹/۶، رشیدیہ)

(۳) اس میں اہل بدعت کے ساتھ تشبہ بھی ہے جو کہ ممنوع ہے۔ ”والتشبه بأهل البدع منهي عنه، فتجب مخالفتهم“۔ (رد المحتار، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۵۳/۶، سعید)

کہا اس کا ہرگز نہ مانے گی دنیا
جواپنی نصیحت پہ عامل نہ ہوگا
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۹۴ھ۔

مدرسہ چلانے کے لئے مجلس میلاد میں شرکت

سوال [۹۱۳]: زید نے ایک مدرسہ ایسی جگہ قائم کیا جہاں اہل بدعت ہیں مگر خود بدعات سے گریز کرتا ہے، مگر اس مصلحت کے پیش نظر کہ اگر بدعت میں شرکت نہ کی تو یہ لوگ مدرسہ میں بچے نہیں بھیجیں گے ان کی بدعات میں شرکت کر لے تو کیسا ہے؟ بالفرض تبلیغ کی نیت سے ان کے میلاد میں شرکت کرے تو زید کا یہ فعل کیسا ہے؟ اور ایسی صورت میں زید کیا کرے؟ بعض لوگ حاجی صاحب کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ نے مصالح کے پیش نظر قیام کرنے کی اجازت دی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے لئے مصالح مدرسہ کی خاطر ان مجالس بدعت میں شرکت کرنا جائز نہیں، یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ باجے بجا کر لوگوں کو جمع کیا جائے اور پھر انھیں نماز کی طرف دعوت دی جائے، اس کی اجازت نہیں (۱)، ہمارے علم میں نہیں کہ حاجی صاحب نے کسی مدرسہ کو چلانے کے لئے قیام کی اجازت دی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

مجذوب کی قبر پر عرس

سوال [۹۱۴۰]: ہمارے علاقہ میں ایک مجذوب صاحب تھے، ان کی ایک خاندان نے ۲۵/۳۰

(۱) و قال (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم): "الاسلام یعلو ولا یعلیٰ"۔ (صحیح البخاری: ۱/۱۸۰، باب إذا أسلم الصبی فمات هل یصلی علیہ الخ، قدیمی)

"عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قالوا: یا رسول اللہ! و هل یأتی الخیر بالشر؟ قال: "لا یأتی الخیر إلا بالخیر الخ"۔ (الصحيح لمسلم: ۳۳۶۱، کتاب الزکاة، باب التحذیر من الاغترار بزینة الدنيا و ما یسط عنها، قدیمی)

(و صحيح البخاری: ۲/۹۵۱، کتاب الرقاق، باب ما یحذر من زهرة الدنيا والتنافس فیها، قدیمی)

سال تک خدمت کی، اب ان کا انتقال ہو گیا ہے، بعد مردن کچھ خود غرض لوگوں نے مزار بنا کر آمدنی شروع کر دی ہے اور جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ خدمت کی ہے ان کو محروم کر دیا ہے، اب قدیم خدام پریشان ہیں اور جدید کمیٹی قابض بن کر عرس کر رہی ہے، ان حالات میں خود ساختہ کمیٹی کو مزار کی تولیت حاصل ہے یا نہیں، یا قدیم مخلصین کو حاصل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

مجبوز صاحب کی خدمت جس نے بھی ثواب آخرت کی غرض سے کی ہے اور کسی دنیاوی مفاد کی خاطر نہیں کی، اب ان کی وفات کے بعد ان کی قبر کو آمدنی کا ذریعہ بنانا اپنے ثواب کو برباد کرنا ہے، اس کی مثال اس طرح سمجھئے کہ کسی نے بڑی محنت سے کھیتی کی، جب غلہ پختہ ہو گیا تو اس میں آگ لگا دی، وہ سب ضائع ہو گیا، لہذا قدیم خدام و جدید کمیٹی کوئی بھی اس کا ارادہ نہ کرے، البتہ مرحوم کو ثواب پہونچانے کا ہر ایک کو حق ہے، اس سے کوئی بھی کسی کو منع نہیں کر سکتا، لہذا جس کو بھی ان سے تعلق ہے وہ نفل نماز پڑھ کر قرآن کریم کی تلاوت کر کے، نفل روزہ رکھ کر، نفلی صدقہ غریبوں کو دے کر (خواہ کھانا ہو یا کپڑا ہو یا نقد ہو یا کچھ اور سامان ہو) کسی مسجد میں صف بچھا کر، پانی کا انتظام کر کے، کسی دینی مدرسہ میں کتب حدیث وفقہ، تفسیر قرآن کریم وقف کر کے، غرض کوئی بھی نیک کام کر کے ثواب پہونچائے اور پہونچا دیا کرے (۱)۔ مروجہ طریقے پر چہلم، عرس وغیرہ کی اجازت نہیں، گدی نشینی اور قبر کی آمدنی حاصل کرنے کا کوئی بھی ارادہ نہ کرے، نہ دیرینہ خدام اور نہ جدید کمیٹی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۱۳۹۵ھ۔

قوالی اور عرس کی نسبت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف

سوال [۹۱۵]: زید یہ بھی کہتا ہے کہ علماء دیوبند نے قوالی و سماع کو بھی منع فرمایا کہ ان مذکورہ اولیاء

(۱) ”فلانسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاةً كان أو صوماً، أو حجاً، أو صدقةً، أو قرآنةً للقرآن، أو الأذکار أو غير ذلك من أنواع البر، و يصل ذلك إلى الميت و ينفعه“۔ (مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، باب احکام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قدیمی کتب خانہ)

کرام وغیرہ نے سماع کیسے سنا اور عرس کیوں کیا؟ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں سماع و عرس کو جائز قرار دیا ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث پاک میں جس چیز کو منع کیا گیا ہے بزرگان دین نے ہمیشہ اس سے پرہیز کیا ہے، پھر ایسی چیز کو اگر کسی نے بزرگان دین کی طرف منسوب کیا ہے تو یا تو وہ نسبت صحیح نہیں بلکہ غلط نسبت کر کے اپنے لئے جواز کی راہ نکالی گئی ہے اور بکثرت یہی ہوتا ہے جس کا مشاہدہ اور تجربہ ہے، یا پھر بعض مجبوری کے احوال ایسے پیش آئے جس سے وہ معذور ہو گئے اور ان پر شرعاً گرفت نہیں، مثلاً: کوئی بزرگ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں کسی عذر کی وجہ سے کھڑے نہیں ہو سکتے تو غیر معذور کو ان کی اتباع کرنا اور ان کے عمل سے استدلال کرنا صحیح نہیں، عمل تو کیا جائے گا شرعی احکام پر، ان بزرگوں پر اعتراض نہ کیا جائے۔ ”السنة الجلیلة“ میں بزرگان دین کے اس قسم کے اعمال کی تحقیق و تفصیل موجود ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کس کتاب میں جائز لکھا ہے (۱) اس کو نقل کیجئے تب اس کے متعلق کچھ تحریر کیا جائے گا۔ ان کی بعض کتابوں میں شیعوں نے گڑبڑ بھی کی ہے مثلاً تراویح کا انکار۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

قوالی اور پختہ قبر وغیرہ

سوال [۹۱۶]: قبروں کو چونے، گچ سے پختہ قبة تعمیر کرنا، روشنی کرنا، عرس کرنا، قوالی گانا وغیرہ کیسا ہے؟

(۱) شاید اس سے مراد فتاویٰ عزیزی، باب التصوف، ص: ۱۵۱، عنوان: ”زیارة قبور یا عرس کے لئے تعیین تاریخ کی قباحث“ کے تحت یہ عبارت ہو: قولہ: ”عرس کا دن اگر اس غرض سے مقرر کیا جاوے کہ جس بزرگ کا عرس ہو وہ یاد رہیں اور اس وقت ان کے حق میں دعاء کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں“ انتہی۔ لیکن اس عبارت سے عرس مروج کے جواز پر استدلال کرنا بے معنی اور بے جا ہے بلکہ اس عبارت کا محمل یہ ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ اگر بغرض دعا اور یاد کے اتفاقاً اس طرح کی مجلس کی جائے، تو گنجائش ہے اور اس بات کی تائید اس کے بعد والی عبارت: ”لیکن دعاء کرنے کے لئے خاص اسی دن کا التزام کر لینا یہ بھی اسی طرح کی بدعت ہے، جس کا ذکر اوپر ہوا“۔ یعنی: قولہ: ”زیارت قبور کے لئے کوئی دن مقرر کرنا بدعت ہے“..... ”تعیین وقت کی سلف میں نہیں تھی یہ بدعت اس طرح کی ہے جو فی نفسہ جائز ہے، صرف خصوصیت وقت کی بدعت ہے“ سے ہوتی ہے کہ بالکل صراحتہ انہوں نے عرس مروج کی تردید کی ہے اور اس کو بدعت فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب حامداً ومصلحاً:

یہ سب چیزیں ناجائز اور معصیت ہیں۔

”لما روى جابر رضى الله تعالى عنه نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن

تجسيص القبور و أن يكتب عليها و أن يبنى عليه رواه مسلم اهـ“ (۱)۔ شامی: ۱/۶۰۱ (۲)۔

”أما الغناء المعتاد الذى يحرك الساكن و يهيج الكامن الذى فيه وصف محاسن

الصبيان والنساء ونحوها من الأمور المحرمة، فلا يختلف فى تحريمه اهـ“۔ تنقيح الفتاوى

الحامدية، ص: ۳۵۹ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود غفر له، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۹/۹۰ھ۔

مجلس شہادت

سوال [۹۱۷]: اگر زید ایام محرم میں یا غیر ایام محرم میں اپنے گھر بے سادگی کے ساتھ بیٹھ کر اور

آٹھ سات آدمی اور بلا کر معتبر اور مستند شہادت کی صحیح روایات پڑھے اور جس میں نوحہ و مرثیہ وغیرہ نہ ہوں اور اشعار جو کہ خلاف شرع ہیں نہ ہوں تو ایسی مجلس کا قائم کرنا درست ہے یا نہیں؟

۲..... ایام محرم میں جو عوام میں مجلس شہادت پڑھی جاتی ہے اس میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟

۳..... حضرت مولانا مفتی سید نذیر الحق صاحب میرٹھی اپنی تصنیف سوانح عمری پیران پیر رحمہ اللہ تعالیٰ

مطبوعہ رسالہ پیشوا دہلی میں گیارہویں شریف کو بحث کے بعد جائز فرماتے ہیں کہ حضرت پیران پیر حضرت محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کی چہلم کی فاتحہ ہر ماہ دیا کرتے تھے اس لئے آپ کے معتقدین نے بھی اس کو باعث برکت سمجھ کر

رواج دے دیا اور بلکہ ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے محمد

ابراہیم صاحب کا انتقال ہوا تو کچھ صحابہ نے چھوڑے دودھ میں بھگو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے مل

(۱) (کتاب الجنائز، فصل فی النهی عن تجسیص القبور والقعود الخ: ۱/۳۱۲، قدیمی)

(۲) (کتاب الصلوٰۃ، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، سعید)

(۳) (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الحظر والإباحة، مطلب من البدع المنكرة إيقاد القناديل

الكثيرة: ۲/۳۵۹، مصر)

کر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگی تھی اور ایصالِ ثواب کیا تھا اس لئے اب بھی ہاتھ اٹھا کر اور کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ آیا یہ حدیث آپ نے کسی کتاب میں صحیح روایت سے دیکھی ہے؟ اس کو مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ایامِ محرم میں ناجائز ہے غیر ایامِ محرم میں اگر حصولِ برکت مقصود ہو تو اولاً دیگر اکابر صحابہ شیخین و ختین کا ذکر کیا جاوے پھر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحیح صحیح تذکرہ کیا جائے اور اظہارِ حزن و غم کے لئے مجلس منعقد کرنا بالکل ناجائز ہے خواہ محرم میں خواہ پھر کبھی (۱)۔

۲..... یہ روافض کا شعار اور ناجائز ہے اس میں شرکت ممنوع ہے (۲)۔

۳..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم کا انتقال حد بلوغ سے پہلے بہت ہی بچپن میں (ایامِ رضاعت میں) ہوا، ان کو ایصالِ ثواب کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں (۳)۔ جو شخص اس ایصالِ ثواب کا اعتقاد رکھتا ہے وہ غلطی پر ہے اس کو توبہ لازم ہے۔ حضرت پیران پیر کا عمل مجھے معلوم نہیں۔ ہر ماہ چہلم کی فاتحہ کا کیا مطلب ہے، کیا چہلم ہر ماہ میں آتا تھا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

(۱) غم و حزن کے اظہار کی اجازت صرف تین دن تک ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ موقعِ غم کا ہو، یہاں تو سرے سے موقع ہی نہیں ہے، بلکہ یہ مروجہ مجلسیں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلے میں ہوتی ہیں، اور شہادت بہت بلند اور اعلیٰ مقام ہے، اس پر نوحہ کرنا اور رونا پیٹنا غیر شرعی حرکت ہے: ”ولا بأس..... بتعزیرۃ اہلہ..... وبالجلوس لہا فی غیر مسجد ثلاثۃ ایام..... وتکرہ بعدہا“ (الدر المختار، باب صلوۃ الجنائزہ: ۲/۲۳۹، سعید)

(۲) ”عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من تشبہ بقوم، فهو منهم“ (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشہرۃ: ۵۵۹/۲، مکتبہ دار الحدیث ملتان)

(۳) ”عن أبی ہریرۃ -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”من کذب علی متعمداً، فلیتبرأ مقعدہ من النار“ (الصحيح لمسلم، المقدمة، باب تغلیظ الکذب الخ: ۷/۱، قدیمی)

قال النووی: ”واعلم أن هذا الحديث یشتمل علی فوائد..... والثانیۃ تعظیم تحریم الکذب علیہ الصلوۃ والسلام، و أنه فاحشۃ عظیمۃ و موبقۃ کبیرۃ الخ“ (شرح مسلم للنووی: ۸/۱، قدیمی)

جلسہ میں غزل و نعت پڑھنا

سوال [۹۱۸]: ہمارے ملک میں جلسہ میں تقریر سے پہلے غزل، قوالی، نعت وغیرہ پڑھتے ہیں، یہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نعت پڑھنے کی اجازت ہے، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے (۱)۔ قوالی کی اجازت نہیں، فتاویٰ بزازیہ میں اس کو ناجائز لکھا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”مر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحسان وهو ينشد في المسجد. فلحظ إليه قال: كنت انشد وفيه من هو خير منك“۔ (مسند أحمد بن حنبل حدیث بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ۲۹۲/۶، دار احیاء التراث)
”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يضع لحسان منبراً في المسجد يقوم عليه قائماً يفاخر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم“۔ (جامع الترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی إنشاد الشعر، ۱۱۱/۲، سعید)

”عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبي صلى الله على وسلم دخل مكة في عمرة القضاء وعبد الله ابن رواحة بين يديه يمشي، وهو يقول خلوا بني الكفار عن سبيله، اليوم نضر بكم عن علي تنزيله، ضرباً يذيل الهام عن مقليله، ويذهل الخليل عن خليله. فقال له عمر: يا ابن رواحة! بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي حرم الله تقول الشعر؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”خل عنه يا عمر! فهي أسرع فيهم من نضح النبل“۔ (جامع الترمذی، أبواب الأدب، باب ماجاء فی إنشاد الشعر: ۱۱۲/۲، سعید)

(۲) ”استماع صوت الملاحی كالضرب بالقصب ونحوه حرام“۔ (بزازیہ علی هامش الہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الفصل الثالث، فیما يتعلق بالاهی: ۲۵۹/۶)

مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: (الدر المحتار مع رد المحتار الحظر والإباحة، فصل فی اللبس: ۳۲۹/۶، سعید)

(وأيضاً حاشیة الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، فصل فی صفة الأذکار، ص: ۳۱۹، قدیمی کتب خانہ)

جس جلسہ کی وجہ سے نماز فجر فوت ہو جائے اس میں شرکت

سوال [۹۱۹]: جلسہ مروجہ کہ رات کے اخیر حصہ دو تین بجے تک علی العموم ہوتا ہے، جس سے نماز صبح فوت ہو جائے کا گمان غالب ہوتا ہے اس میں تعاون کرنا اور شرکت کرنا کیسا ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز فجر فوت ہونے کا مظنہ ہو تو جلسہ میں شرکت نہ کی جائے، اگر فوت نہ ہو تو شرکت کی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

خلفائے اربعہ کے ایام ولادت کی تعطیل

سوال [۹۲۰]: فیض عام انٹر کالج میں حسب ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یوم ولادت کی تعطیل ہونا طے پائی ہے، لہذا ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یوم ولادت عربی مہینوں کی تاریخ اور عیسوی مہینوں کی تاریخ تحریر فرمادیں:

۱: حضرت ابوبکر صدیق - ۲: حضرت عمر فاروق -

۳: حضرت عثمان غنی - ۴: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم -

بندہ خاں کھجور والی مسجد کوٹلہ گھنٹہ میرٹھ۔

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: ما نام رسول الله صلى عليه وسلم قبل العشاء ولا لعمر بعده".

(ابن ماجه، أبواب الصلوة، باب النهي عن النوم قبل العشاء وعن الحديث بعدها، ص: ۵۱، قديمي)

(صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب ما يكره من السمر بعد العشاء: ۸۴/۱، قديمي)

قال الحافظ: "السمر بعدها قد يؤدي إلى النوم عن الصحيح أو عن وقتها المختار أو عن قيام

الليل. وإذا تقرر أن علة النهي ذلك، فقد يفرق فارق بين الليالي الطوال والقصار يمكن أن تحمل

الكراهية على الإطلاق حسماً للمادة؛ لأن الشيء إذا شرح لكونه مظنة قد يستمر فيصير مئة والله تعالى

اعلم". (فتح الباري، كتاب مواقيت الصلاة، باب ما يكره من السمر بعد العشاء: ۹۳/۲، قديمي)

مزید تفصیل کے لئے دیکھیے: (إنجاح الحاجة على هامش سنن ابن ماجه: ۵۱، قديمي)

الجواب حامداً ومصلحاً:

خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یوم ولادت کی عربی توارنخ جو کہ عیسویں توارنخ کے ساتھ متعین و موافق ہو مجھے نہیں ملیں۔ ان ایام میں تعطیل کرنا بھی کوئی شرعی حکم یا مصلحت نہیں اور نہ اس امت کے اکابر کی توارنخ ولادت کا اگر تتبع کیا جائے اور ان ایام میں تعطیل کی جائے تو پھر سارا سال تعطیل ہی میں گزرے گا، تعلیم کا کوئی دن بھی نہیں ملے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۹۴ھ۔



(۱) ”ومنها وضع الحدود، والتزام کیفیات، والهيئات المعينة كالدكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد، واتخاذ يوم ولادة النبي صلى الله عليه وسلم، وأشباه ذلك. ومنها التزام العبادات المعينة في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة“. (الاعتصام للشاطبي، الباب الأول في تعريف البدع، ص: ۲۵، ۲۶، دار المعرفة بيروت)

تفصیل کیلئے دیکھیے: (کفایت المفتی: ۱/۲۴۱، دار الإفتاء)

مخصوص ایام کی مروج بدعات کا بیان

اعمالِ شبِ براءت

- سوال [۹۲۱]:شبِ براءت میں کون کون سے کام مسنون اور کون کون سے کام ممنوع ہیں؟
- ۲.....کیا شبِ براءت کے دن حلوہ بنانا اور اس پر حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام مروجہ فاتحہ دلانا جائز ہے کہ نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو کیوں؟ دلائل عقلیہ و نقلیہ سے مدلل فرمائیں۔ نیز کرنے سے اگر گناہ ہے تو کونسا گناہ ہے، مکروہ یا حرام؟
- ۳.....کیا شبِ براءت کی رات کو مساجد میں چند آدمی جمع ہو کر اطمینان و سکون کے ساتھ تلاوت، ذکر و مذاکرہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

- ۱.....رات میں نفلی عبادت کرنا (۱)، پھر دن میں روزہ رکھنا (۲)، موقع مل جائے تو چپکے سے قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعائے خیر کرنا (۳)، یہ کام تو کرنے کے ہیں، باقی آتشبازی چلانا، نفل کی جماعت کرنا، قبرستان میں جمع ہو کر تقریب کی صورت بنانا، حلوہ کا التزام کرنا وغیرہ اور جو جو غیر ثابت امور رائج ہوں وہ سب
- (۱) ”و عن جابر رضی اللہ عنہ قال: سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: ”إن فی اللیل لساعة لا یوافقها رجل مسلم یسأل اللہ فیہا خیراً من أمر الدنیا والآخرة، إلا أعطاه إیاءہ، وذلك کل لیلۃ“۔ رواہ مسلم“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب التحریض علی قیام اللیل، ص: ۱۰۹، قدیمی)
- (۲) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: أوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم بثلاث: صیام ثلثۃ أيام من کل شہر“۔ الحدیث۔ (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صیام البیض الخ: ۲۶۶/۱، قدیمی)
- (۳) ”عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلما کان لیلتها من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یمشی من آخر اللیل إلی البقیع، فیقول: ”السلام علیکم دار قوم مؤمنین، وأناکم ما توعدون، غداً مؤجلون، وإننا إن شاء اللہ بکم للآحقون، اللہم اغفر لأهل بقیع الغرقہ“۔ رواہ مسلم“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، ص: ۱۵۴، قدیمی)

ترک کرنے کے ہیں۔

۲..... یہ حلوہ اور اس پر اصرار و التزام اور مروجہ فاتحہ اور مخصوص طور پر حضرت اولیس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام کی اس رات میں فاتحہ کا التزام کسی دلیل سے ثابت نہیں، اگر یہ چیزیں ثواب ہوتیں تو ضرور کتاب و سنت، اجماع، قیاس مجتہدین سے ثابت ہوتیں، جب ثابت نہیں تو پھر ان کو ثواب اور دین کا کام سمجھنا بدعت و قابل رد ہے: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فہو رداہ“۔ متفق علیہ (۱)۔

۳..... جمع ہونا غلط ہے، اپنے اپنے مقام پر تلاوت و نوافل میں مشغول رہیں تو بہتر ہے۔ (کذا فی المراقی) (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۹۰ھ۔

شب براءت کی بعض نمازیں

سوال [۹۲۲]: بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ شب براءت میں عبادت کی نیت سے غسل کرے، دو رکعت نفل تحیۃ الوضو پڑھے، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی ایک بار، سورہ اخلاص تین بار پڑھے، اور مغرب کے وقت ہی سے عبادت میں مشغول ہو جائے تاکہ نامہ اعمال کی ابتداء اچھے کاموں سے ہو، بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

(۱) (مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول، ص: ۲۷، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فہو مردود: ۱/۳۷۱، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الأقضية، باب نقض الأحکام الباطلة، ورد محدثات الأمور، ۷۷/۲، قدیمی)

(۲) ”ویکفرہ الاجتماع علی إحياء ليلة من هذه الليالي المتقدم ذكرها في المساجد وغيرها؛ لأنه لم

يفعله النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ولا أصحابه، فأنكره أكثر العلماء من أهل الحجاز: منهم: عطاء

وابن أبي مليكة وفقهاء أهل المدينة، وأصحاب مالک وغيرهم، وقالوا: ذلك كله بدعة“۔ (کتاب

الصلوة، فصل فی تحیۃ المسجد وصلوة الضحیٰ وإحياء الليالي، ص: ۴۰۲، قدیمی)

شبِ براءت میں غروبِ آفتاب کے بعد چالیس دفعہ لا حول ولا یقین کا ورد

سوال [۹۲۳]: ۲..... بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ غروبِ آفتاب کے بعد چالیس بار ”لا حول ولا

قوة إلا بالله العلی العظیم“ پڑھیں۔ یہ کیسا ہے؟

مخصوص طرز پر آٹھ رکعت

سوال [۹۲۴]: ۳..... آٹھ رکعت نفل ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر ایک بار اور سورہ

اخلاص ۲۵ بار پڑھنا کیسا ہے؟

مخصوص طرز پر چار رکعت

سوال [۹۲۵]: ۴..... چار رکعت نفل ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص پچاس بار پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... غسل، تحیۃ الوضوء اچھی چیز ہے، تمام شبِ شام ہی سے عبادت میں مشغول رہنا بھی خوش قسمتی ہے

مگر اس کا اہتمام والتزام ثابت نہیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی، سورہ اخلاص تین بار پڑھنا ثابت نہیں، غیر ثابت چیز کی پابندی کرنا اور اس کو لازم سمجھ لینا دین میں مداخلت ہے، اس کی اجازت نہیں، ہر چیز کو اس کی اصل پر رکھنا چاہیے (۱)۔

۲..... ”لا حول ولا قوة إلا بالله العلی العظیم“ بہت اعلیٰ ذکر ہے جو جنت و عرش کے مخصوص خزانہ

سے عطا ہوا ہے (۲)، اس کی کثرت کرنا بہت مفید ہے کسی وقت بھی پڑھا جائے نافع ہے، غروبِ آفتاب سے

(۱) ”قال ابن المنیر: فیہ أن المندوبات قد تنقلب مکروهات إذا رفعت عن رتبہا؛ لأن التیامن مستحب فی کل شیء: أی من أمور العبادة، لكن لما خشی ابن مسعود أن یعتقدوا وجوبه، أشار إلى کراهته، والله تعالیٰ أعلم“۔ (فتح الباری، کتاب الأذان، باب الإنفثال والإنصراف عن الیمین والشمال: ۳۳۸/۲، دار المعرفة، بیروت)

(۲) ”عن أبی موسیٰ الأشعری قال: أخذ النبی صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم فی عقبه..... ثم قال: ”یا أبا موسیٰ، أو یا عبد الله! ألا أدلک علی کلمة من کثر الجنة؟“ قلت: بلی، قال: ”لا حول ولا قوة إلا بالله“۔ (صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب لا حول ولا قوة إلا بالله: ۹۲۸/۲، ۹۲۹، قدیمی)

چالیس مرتبہ کی قید احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں (۱)۔

۳..... یہ بھی احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں، ممکن ہے کہ اسلاف میں سے کسی نے ایسا کیا ہو۔

۴..... اس کا بھی یہی حال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۹۱ھ۔

بچہ کا دودھ بخشوانا، شب براءت میں کھانا تقسیم کرنا

سوال [۹۲۶]: اگر شیر خوار (دودھ پیتے) بچہ کا انتقال ہو گیا تو اکثر لوگ ماں سے دودھ

بخشواتے ہیں، یہ بخشوانا کیسا ہے؟

سوال [۹۲۷]: شب براءت کی فضیلت میں عام طور پر اس روز فقراء کو کھانا تقسیم کیا جاتا ہے،

بعض لوگ مغرب کے پہلے دن ہی دن میں اور بعض لوگ مغرب کے بعد رات میں کھانا تقسیم کرتے ہیں، نیت

سب کی شب براءت کی ہے۔ لہذا ہر شخص کو ثواب یکساں ملا یا بعد مغرب یا مغرب کے پہلے دینے میں کچھ ثواب

میں کمی بیشی ہوگی؟

شب براءت کو عرفہ بنانا

[۹۲۸]: اگر کسی شخص کا انتقال ہو گیا ہے تو وہ ایک روز قبل شب براءت کے عرفہ کرتا ہے، اس کا

ثواب شرعاً کیا ہے؟ تینوں امور کا جواب مع استدلال چاہیے۔ بینو تو جروا۔

نوٹ: جو لوگ عرفہ کرتے ہیں یا شب براءت کے روز مغرب کے پہلے دن ہی دن میں کھانا دیتے

ہیں وہ محض اس خیال سے کہ اس روز کھانے کی زیادتی کی وجہ سے فقراء کھانے کے بے قدری نہ کریں بلکہ عزت

کے ساتھ اس کو کھاپی جائیں، اس لئے ایک روز قبل عرفہ کے نام سے اور شب براءت کو دن کو کھانا دیدیتے ہیں۔

(۱) قال العلامة المناوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت حدیث: "من أحدث فی أمرنا هذا": "أی أنشأ واخترع

وأتی بأمر حدیث من قبل نفسه (ما لیس منه): "أی رأیاً لیس له فی الكتاب أو السنة عاضد ظاهر أو

خفی، ملفوظ أو مستنبط (فہررد): "أی مردود علی فاعله لبطلانه". (فیض القدیر: ۱/۵۵۹۴، حدیث

رقم: ۳۳۸۳، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

الجواب حامداً ومصلحاً:

۱..... هذا من اغلاط العوام۔

۲..... کھانا تقسیم کرنے کے متعلق اس شب میں خاص طور پر کوئی روایت میری نظر سے نہیں گذری، البتہ اس شب کی جو فضیلت وارد ہوئی ہے وہ غروب شمس سے طلوع فجر تک ہے: ”شعبان بین رجب وشہر رمضان، يغفل الناس عنه، يرفع فيه أعمال العباد، فأحب أن لا يرفع عملي إلا وأنا صائم“۔ رواہ البيهقي في شعب الإيمان عن أسامة اه“ (۱)۔

”عن علي رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: ”إذا كان ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها، وصوموا نهارها، فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى السماء الدنيا فيقول: ألا من مستغفر فأغفر له، ألا من مسترزق فأرزقه، ألا من مبتلى فأعافيه، ألا كذا، ألا كذا، حتى يطلع الفجر“۔ رواہ ابن ماجہ (۲)، والبيهقي (۳)۔

”قال العبد الضعيف: نزول الله تعالى إلى السماء الدنيا يكون في كل ليلة، ولكن يختص ذلك بالثلث الآخر، وفي ليلة النصف من شعبان يكون من غروب الشمس إلى الفجر، ولا ينحصر ذلك في الثلث الأخير، وهذا من فضل هذه الليلة اه“۔ ما ثبت بالسنة۔

۳..... عرفہ تو ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو ہوتا ہے شعبان میں نہیں ہوتا، انتقال کے بعد شب براءت سے

(۱) (شعب الإيمان للبيهقي، باب في الصيام، صوم شعبان: ۳/۳۷۷، رقم الحديث: ۳۸۲۰، دار الكتب العلمية)

(۲) (سنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، ص: ۹۹، قديمي)

”الحديث ضعيف يابن أبي سبرة أبي بكر بن عبد الله بن محمد ابن أبي سبرة، قال أحمد وابن معين: يضع الحديث، وقال ابن حبان: كان ممن يروى الموضوعات عن الثقات، لا يجوز الاحتجاج به“۔ (التقريب، رقم: ۶۷۶۳)

(۳) (شعب الإيمان، باب في الصيام ما جاء في ليلة النصف من شعبان: ۳/۳۷۸، ۳۷۹، رقم الحديث: ۳۸۲۲، دار الكتب العلمية)

ایک روز قبل عرفہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیسے عرفہ کرتا ہے، نوٹ کا جواب اوپر آچکا۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ شوال/ ۱۳۷۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا، ۱۶/ شوال/ ۱۳۷۷ھ۔

شبِ براءت میں قبروں پر روشنی اور اگر بتی

سوال [۹۲۹]: شبِ براءت میں قبروں پر روشنی کرنا اور اگر بتی جلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رسم جہالت ہے، جس سے بچنا ضروری ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

متبرک راتوں میں چراغاں کرنا

سوال [۹۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بارہ ربیع الاول کی شب میں چراغاں

کرنا کیسا ہے؟ کیا چراغاں کرنا بارہ ربیع الاول میں قرآن مجید و حدیث شریف و فقہ حنفی سے ثابت ہے؟ مدلل و مفصل جواب مرحمت فرما کر مسلمان اہل السنۃ والجماعۃ کی رہنمائی فرمائیے۔ بینواتو جروا۔

المستفتی: قمر الزماں، موسیٰ نگری، سائب نائب سکریٹری، انجمن حیاۃ المسلمین، کانپور۔

الجواب وهو الموفق للصواب، مبسلاً و حامداً و مصلیاً و مسلماً:

افضل الرسل خاتم الانبياء صلى الله عليه وسلم کی عزت اور توقیر، آپ سے محبت و عقیدت اصل الایمان ہے، جس بد نصیب کے قلب میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت محبت نہیں (۲)، وہ درحقیقت ایمان ہی سے نا آشنا ہے، اس کے باوجود قرآن کریم میں اللہ پاک نے (۳)، حدیث شریف میں رسول مقبول صلی اللہ

(۱) سیاتی تخریجہ تحت عنوان: ”متبرک راتوں میں چراغاں“

(۲) ”عن انس قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من

والده وولده والناس أجمعين“ (صحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب حب الرسول صلى الله تعالى

عليه وسلم من الإيمان: ۷/ ۱، قديمی)

(۳) قال الله تعالى: ﴿النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم﴾ (الأحزاب: ۶)

علیہ وسلم نے جہاں ہم کو یہ بتایا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت رکھنا ایمان کی جڑ ہے تو ہم کو محبت اور عقیدت کا طریقہ بھی بتلایا ہے (۱) اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کر کے دکھلا دیا ہے (۲)۔

بارہ ربیع الاول کو چراغاں کرنا اگر خیر و برکت کی چیز ہوتی تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور بیان فرمادیتے اور صحابہ کرام دل کھول کر چراغاں کرتے، لیکن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے چراغاں نہیں کیا اور نہ اس کا حکم فرمایا، نہ کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے چراغاں کیا، ائمہ مجتہدین نے بھی چراغاں نہیں کیا، اولیائے کرام؛ مثلاً خواجہ معین الدین چشتی، اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ، غوث اعظم عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمہم اللہ وغیرہم ان میں سے کسی بزرگ نے بھی چراغاں نہیں کیا اور نہ اس کی اجازت دی، اگر چراغاں کرنا واقعی ثواب اور ذریعہ خیر و برکت ہوتا تو یہ سب حضرات جو ہم سے زیادہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت رکھنے

(۱) قال الملا علی القاری تحت حدیث: "لا یؤمن أحدکم حتی أكون أحب إليه اهـ". "قال القاضی: ومن محبته نصر سنته والذب عن شریعته، وتمنی إدارکہ فی حیاته لیبذل نفسه وماله دونہ". (المرقاة: ۱/۱۳۵)، وقال تحت حدیث: "من كان الله ورسوله أحب إليه مما سواهما": یعم ذوی العقول وغیرہم من المال والجاه وسائر الشهوات والمرادات" (ص: ۱۳۷) وقال تحت قوله عليه السلام: "من رضى بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد رسولاً": "(وبمحمد رسولاً) والمقصود من الرضا الإنقياد الظاهري والباطني.... وأن يعمل بجميع شرائع الإسلام بامتنال الأوامر واجتناب الزواجر، وأن يتبع الحبيب حق متابعتة في سنته وآدابه وأخلاقه ومعاشرته، والزهد في الدنيا، والتوجه الكلي إلى العقبى". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول: ۱/۱۵۰، رشیدیہ)

(۲) "وممن ارتقى إلى غاية هذه المرتبة ونهاية هذه المزية سيدنا عمر رضي الله تعالى عنه، فإنه لما سمع هذا الحديث: "(أى لا يؤمن أحدكم - الخ) أخبر بالصدق حتى وصل ببركة صدقه إلى كمال ذلك، فقال بمقتضى الأمر الطبعي: "لأنت يا رسول الله! أحب إلي من كل شيء إلا من نفسي، فقال: "لا، والذي نفسي بيده! حتى أكون أحب إليك من نفسك"، فقال عمر: فإنك الآن والله! أحب إلي من نفسي، فقال: "الآن يا عمر! تم إيمانك". (المرقاة شرح مشكوة المصابيح، المرجع السابق: ۱/۱۳۵)

والے تھے ضرور بالضرور چراغاں کرتے۔

خیر القرون میں چراغاں کا نہ ہونا، اولیائے کرام ائمہ مجتہدین، فقہاء اسلام، محدثین عظام رحمہ اللہ تعالیٰ کا چراغاں نہ کرنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس رات میں چراغاں کرنا ثواب کی چیز نہیں، لہذا اس عمل کو ذریعہ قرب و ثواب سمجھنا بدعت اور معصیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے صاف طور پر اپنی کتابوں میں متبرک راتوں میں چراغاں کرنے کو بدعت و حرام اور آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت قرار دیا ہے۔ سائل و مجیب چونکہ حنفی ہیں اس لئے کتب فقہ حنفی سے چند حوالے پیش کرنے پر قناعت کرتا ہوں:

۱- ”قنیۃ“ اس کتاب کے مصنف نجم الدین ابوالرجاء مختار ابن محمود بن محمد الزاہدی الغزینی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، جن کی وفات ۱۵۸ھ میں ہوئی۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر: ۱۰۷ میں ہے:

”قال: کتبت فی السراج أن إسراج السرج الكثيرة فی السکک والأسواق بدعة، وكذا فی المساجد، ویضمن القيم“.

مطلب: گلیوں اور بازاروں میں کثرت سے چراغ جلانا بدعت ہے، مساجد کا بھی یہی حکم ہے اور متولی (اگر مال وقف سے چراغاں کرے) تو اس کو ضمان (تاوان) ادا کرنا پڑے گا۔

۲- ”تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ“ اس کے مصنف الشیخ السید محمد امین الشہیر بابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، جن کی وفات ۱۲۵۲ھ میں ہوئی، ان کو تمام ارباب فتاویٰ جانتے اور پہنچانتے ہیں، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی بھی ان کو بہت بڑا فقیہ مانتے ہیں اور ان کی کتابوں سے مسائل اخذ کرتے ہیں، ”تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ“ سے بھی ”اعلیٰ حضرت“ نے مسائل اخذ کئے ہیں۔ اس کتاب کی جلد نمبر: ۲، صفحہ نمبر: ۳۵۹ میں ہے:

”من البدع المنکرة ما یفعل فی کثیر من البلدان من إیقاد القنادیل الكثيرة العظيمة والسرف فی لیال معروفة من السنة کليلة النصف من شعبان، فیحصل بذلك مفسد كثيرة: منها مضاهاة المجوس فی الاعتناء بالنار فی الإکثار منها، ومنها: إضاعة المال فی غیر وجهه، ومنها ما یترتب علی ذلك من المفسد من إجتماع الصبیان وأهل البطالة ولعبهم ورفع أصواتهم وامتھانهم المساجد وانتھاک حرمتها وحصول أوساخ فیها وغیر ذلك من المفسد التي صيانة

المسجد عنها لازمة، وفي شرح المذهب للإمام النووي رحمه الله تعالى: وصرح أئمتنا الأعلام رضي الله عنهم بأنه لا يجوز أن يزداد على سراج مسجد سواء كان في شهر رمضان أو غيره؛ لأن فيه إسرافاً كما في الذخيرة وغيرها“۔ (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۳۵۹) (۱)۔

مطلب: اکثر شہروں میں جو رواج ہو گیا ہے کہ سال کی متبرک مخصوص راتوں میں چراغاں کیا جاتا ہے اور اس میں مال کثیر خرچ کیا جاتا ہے یہ بدعت اور ناجائز ہے، کیونکہ اس میں بہت سی خرابیاں ہیں مثلاً: آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت ہے اور بلاوجہ شرعی مال کو ضائع کرنا ہے اور بچے اور بے ہودہ لوگ مساجد میں جمع ہو کر شور و شغب کرتے ہیں جس سے مساجد کی بے حرمتی ہوتی ہے حالانکہ مساجد کا احترام لازم ہے۔“

شرح المہذب“ میں امام نووی نے اس کی تصریح کی ہے اور ہمارے اکابر و اوجب الاقتداء اماموں نے تحریر فرمایا ہے کہ مسجد میں جو چراغ بقدر ضرورت جلایا جاتا ہے اس سے زائد جلانا جائز نہیں خواہ رمضان شریف میں جلائے جائیں یا غیر رمضان (عرفہ) عید، شعبان، ربیع الاول، میں اس لئے کہ یہ فضول خرچی ہے جیسا کہ ”ذخیرہ“ وغیرہ میں ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس عبارت میں دو کتابوں کے نام لئے ہیں جہاں سے انھوں نے یہ مسئلہ لیا ہے: پہلی کتاب شرح المہذب ہے جو شارح مسلم شریف امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے، امام موصوف کی وفات ۶۷۷ھ میں ہوئی، یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے متفق ہیں، بہت اونچی شخصیت کے فقیہ ہیں۔

دوسری کتاب ”ذخیرہ“ ہے، اس کے مصنف محمود بن صدر السعید تاج الدین احمد بن صدر کبیر برہان الدین صاحب محیط برہانی ہیں، یہ بڑے امام، مجتہد، متواضع، عالم، کامل شخص تھے، ابن کمال پاشا نے آپ کو مجتہدین فی المسائل میں شمار کیا ہے۔

۳- ”غمز عیون البصائر شرح الأشباء والنظائر“، اس کتاب کے مصنف سید احمد الحنفی الحموی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، آپ بڑے فقیہ اور اصولی تھے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جگہ

(۱) (تنقيح الفتاوى الحامدية، فوائد ومسائل شتى من الحظر والإباحة، مطلب: من البدع المنكرة إيقاد

جگہ اس کتاب کے حوالے دیئے ہیں، اس کتاب کے صفحہ نمبر: ۳۸۳ (۱) میں بھی عبارت مذکورہ موجود ہیں۔
اور اس کے بعد لکھا ہے:

”ومن المفاسد ما يجعل فى الجوامع من إيقاد القناديل وتر كها إلى أن تطلع الشمس وترتفع، وهو من فعل اليهود فى كنائسهم، وأكثر ما يفعل ذلك فى العيد، وهو حرام“ (۲)۔

مطلب: اور جو خرابیاں مسلمانوں میں پھیلتی جا رہی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے اور تمام رات چراغ روشن رہتے ہیں، حالانکہ یہ یہود کا شعار و طریقہ ہے جو کہ وہ اپنے گرجوں میں کرتے ہیں اور مسلمان زیادہ تر شب عید (عید الفطر) عید الاضحی (عید میلاد) میں کرتے ہیں حالانکہ یہ حرام ہے۔

۴- ”نفع المفتى والسائل“، اس کتاب کے مصنف حضرت مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ فرنگی محلی ہیں، یہ بہت جلیل القدر صاحب بصیرت عالم تھے، اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی کتابوں سے بعض جگہ حوالہ دیئے ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر: ۱۳۸ میں ہے:

”الاستفسار: إسراج السرج الكثيرة الزائد عن الحاجة ليلة البراءة أو ليلة القدر فى الأسواق، والمساجد كما تعارف فى أمصارنا هل يجوز؟
”الإستبشار“ هو بدعة كذا فى خزانة الروايات عن القنية“ (۳)۔

(۱) (غمز عيون البصائر، القول فى أحكام المسجد: ۱۹۲/۳، تحت رقم: ۲۱۳۷، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

(۲) (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر، المصدر السابق)

(۳) (نفع المفتى وسائل، كتاب الحظر والإباحة، المتفرقات، من مجموعة رسائل عبد الحى المجلد الرابع، ص: ۱۹۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

وفى الفتاوى العالمكيرية: ”سنل أبوبكر عمن أوصى بثلث ماله لأعمال البر: هل يجوز أن يسرج فى المسجد؟ قال: يجوز، قال: ولا يجوز على سراج المسجد سواء كان فى شهر رمضان أو غيره، قال: ولا يزين به المسجد، كذا فى المحيط“۔ (كتاب الوقف، الفصل الثانى الوقف على المسجد الخ: ۲/۴۶۱، رشيدية)

مطلب: سوال: کیا بازاروں اور مساجد میں ضرورت سے زائد چراغ جلانا شب براءت اور لیلۃ القدر میں جیسا کہ ہماری بستیوں میں رواج ہو گیا ہے جائز ہے؟

جواب: یہ بدعت ہے ایسا ہی خزانۃ الروایات میں قنیہ سے نقل کیا گیا ہے۔

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ متبرک راتوں میں چراغاں کرنا بدعت اور حرام ہے، مسلمانان اہل السنۃ والجماعت کو اس سے اجتناب چاہیئے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

شب براءت اور شب قدر میں مسجدوں کو سجانا

سوال [۹۳۱]: شب براءت اور شب قدر میں مسجد کو پھول پتی سے سجانا کیسا ہے؟ جبکہ سجانے کی نیت ان تیوہاروں کی وجہ سے خوشی منانا ہے نہ کہ بدعت کرنا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شب قدر شب براءت کے لئے شریعت نے عبادت، نوافل، تلاوت، ذکر، تسبیح، دعاء استغفار کی ترغیب دی ہے، پھول وغیرہ سے سجانے کی ترغیب نہیں دی۔ تیوہار ہندوانہ لفظ ہے اور یہ سجانا بھی ان کا ہی طریقہ ہے اس سے بچنا چاہیئے: لأن "من تشبه بقوم فهو منهم"۔ الحدیث (ابوداؤد شریف) (۱)۔ البتہ مسجد میں خوشبو کی ترغیب آئی ہے تاکہ نمازیوں کو اذیت نہ پہونچے بلکہ راحت پہونچے (۲)۔ ان مخصوص متبرک راتوں میں مسجد میں جمع ہو کر اجتماعی حیثیت سے جاگنا مکروہ و ممنوع ہے۔ کذا فی مراقی الفلاح (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین دارالعلوم دیوبند۔

(۱) (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۵۵۹/۲، مکتبہ دار الحدیث ملتان)

(۲) "عن أنس بن مالک قال: رأى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم نخامة في قبلة المسجد، فغضب حتى أحمر وجهه، فقامت امرأة من الأنصار، فحكته وجعلت مكانها خلوقاً، قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ما أحسن هذا"۔ (سنن النسائي، کتاب المساجد، باب تخليق المساجد: ۱۱۹/۱، قديمی)

(۳) (کتاب الصلاة، فصل فی تحية المسجد وصلوة الضحی، ص: ۴۰۲، قديمی)

(وقد تقدم تخريجه تحت عنوان: "اعمال شب براءت")

دس محرم کو مٹھائی مسجد میں لا کر گھر میں تقسیم کرنا

سوال [۹۳۲]: بعض ملکوں میں یہ رواج ہوتا ہے کہ دس محرم میں مٹھائی وغیرہ کھانے کی چیزیں مسجد میں لا کر یا گھر میں تقسیم کی جاتی ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ کوئی شرعی چیز اور قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، اس کو شرعی چیز سمجھنا غلط ہے، البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں محرم کو روزہ رکھنا بہت ثواب ہے (۱) اور اس دن کھانے میں کچھ وسعت کر لینا باعث برکت ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۹۰ھ۔

شب براءت اور اس کے اعمال

- سوال [۹۳۳]: ۱..... شب براءت میں عبادت کرنا کس نص سے ثابت ہے؟
- ۲..... عشاء کی نماز کے بعد مزار پر جانا جو معروف ہے، کس نص سے ثابت ہے؟ اگر نہیں ہے تو یہ فعل بدعت ہے یا نہیں؟ اور صحیح مسنون طریقہ کیا ہے؟
- ۳..... بعد نماز فجر مزار پر شعبان کی پندرہ تاریخ کو جانا کس نص سے ثابت ہے؟ اگر منع ہے تو منع کہاں لکھا ہے؟
- ۴..... شعبان کی پندرہویں کا روزہ اور اس کی فضیلت کس نص سے ثابت ہے؟
- ۵..... مقابر مسلمین پر فاتحہ پڑھنے کا طریقہ مسنون کس نص سے ثابت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

- ۱..... شب براءت میں بلا کسی قید و خصوصیت کے مطلق نماز کا ثبوت ہے، ہر شخص اپنے طور پر عبادت

(۱) (تقدم تخريجه من شعب الإيمان للبيهقي تحت عنوان: "شب براءت میں کھانا تقسیم کرنا")

(۲) "من وسع على عياله في يوم عاشوراء، وسع الله عليه في سنته كلها". (الجامع الصغير للسيوطي:

کرے جس میں نمائش یا کسی رسم اور ہیئت مخصوصہ کی پابندی نہ ہو تو مستحسن ہے: ”عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”إذا كانت ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها، وصوموا يومها، فإن اللہ تعالیٰ ينزل فيها لغروب الشمس إلى السماء الدنيا، فيقول: ألا من مستغفر فأغفر له، ألا من مسترزق فأرزقه، ألا مبتلى فأعافيه، ألا كذا، ألا كذا، حتى يطلع الفجر“۔ رواہ ابن ماجہ“ (۱)، مشکوٰۃ شریف، ص: ۱۱۵ (۲)، اور اگر اس میں رسوم اور ہیئت مخصوصہ کی پابندی ہوگی تو بدعت ہے۔

۲..... شب برات میں بعد العشاء کسی بھی وقت مزار پر جانا کافی ہے: ”ومما ثبت من فعله صلى الله عليه وسلم أنه أتى المقبرة ليلة النصف من شعبان يستغفر للمؤمنين والمؤمنات والشهداء“۔
”عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضع عنه ثوبيه، ثم لم ينم أن قام فلبسهما، فأخذتني غيرة شديدة ظننت أنه يأتي بعض صويحباتي، فخرجت أتبعه فأدركته بالبقيع الغرقد يستغفر للمؤمنين والمؤمنات والشهداء“۔
(ما ثبت بالسنة، ص: ۱۱۸) (۳)۔

۳..... پندرہویں شعبان کو مزار پر جانا منع نہیں، لیکن پندرہویں شعبان کی وجہ سے مسنون بھی نہیں، البتہ اسی تاریخ میں جمعہ، پیر، جمعرات یا سنیچر آجائے تو اس میں افضل ہے، مگر یہ فضیلت پندرہویں شعبان کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان دنوں کی وجہ سے ہوگی: ”وتزار في كل أسبوع كما في مختارات النوازل، قال في شرح لباب المناسك: إلا أن الأفضل يوم الجمعة والسبت والأثنين والخميس“۔
شامی: ۱/ ۸۴۳ (۴)۔

(۱) (کتاب إقامة الصلوة، ما جاء في قيام شهر رمضان، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، ص: ۹۹، قدیمی)

(۲) (مشکوٰۃ المصابیح، باب قیام شهر رمضان من کتاب الصلوة، الفصل الثالث، ص: ۱۱۵، قدیمی)

(۳) (الحديث أخرجه مسلم في الجنائز، فصل في التسليم على أهل القبور مفصلاً: ۱/ ۳۱۳، قدیمی)

(۴) (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في زيارة القبور: ۲/ ۲۴۲، سعید)

۴..... شعبان کی پندرہویں کو روزہ رکھنے کا حکم حدیث میں موجود ہے: ”عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”إذا كانت ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها وصوموا نهارها الخ“. مشکوٰۃ شریف، ص: ۱۱۵ (۱)۔

۵..... جب قبرستان میں داخل ہو تو پڑھے: ”السلام علیکم دار قوم مومنین، وإنا إن شاء اللہ بکم لاحقون“ (۲) اور سورہ یسین پڑھے اور اس کا ثواب مردوں کو بخش دے: ”من دخل المقابر فقرأ سورة يسین، خفف اللہ عنهم يومئذ، وكان له بعدد من فيها حسنات“۔ شامی: ۸۴۴/۱ (۳)۔ جو شخص قبرستان میں داخل ہو کر سورہ یسین پڑھے تو اس روز اللہ تعالیٰ ان قبرستان والوں پر آسانی کر دے گا اور پڑھنے والے کو اتنی مقدار میں نیکیاں ملیں گی جتنے آدمی اس میں ہیں۔

اور گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے اور اس کا ثواب بخش دے، حدیث میں ہے: ”من قرأ الإخلاص أحد عشر مرة، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات“۔ در مختار علی هامش الشامی: ۸۴۴/۱ (۴)، یعنی جو شخص گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے اور اس کا ثواب مردوں کا بخش دے تو اس کو بھی مردوں کے برابر ثواب ملے گا اور متوفی کے قدموں کی طرف سے جاوے سر کی طرف سے نہیں اور اس طرح کھڑا رہے کہ اس کی نظروں کے سامنے ہو: ”أنه يأتي الزائر من قبل رجل المتوفى لا من قبل

(۱) (ابن ماجہ، کتاب إقامة الصلوة، ماجاء فی قیام شهر رمضان، باب ما جاء فی ليلة النصف من شعبان، ص: ۹۹، قدیمی)

(و مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوة، باب قیام شهر رمضان الفصل الثالث، ص: ۱۱۵، قدیمی)

(۲) (الصحيح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل فی التسليم علی أهل القبور: ۳۱۳/۱، قدیمی)

(ورد المختار، باب صلاة الجنابة، مطلب فی زیارة القبور: ۲۴۲/۲، سعید)

(۳) (رد المختار، باب صلاة الجنابة، قبیل مطلب فی القراءة للمیت الخ: ۲۴۳/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، قبیل باب صلاة الشهيد: ۳۴۳/۲، رشیدیہ)

(۴) (الدر المختار، باب صلاة الجنابة: ۲۴۲/۲، ۲۴۳، سعید)

رأسه؛ لأنه أتعب البصر لميت بخلاف الأول، لأنه يكون مقابل بصره، لكن هذا إذا أمكنه“۔ شامی: ۸۴۳/۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۸/۸۸ھ۔

شب براءت میں تہجد کی نماز باجماعت

سوال [۹۳۴]: شب براءت میں تہجد کی نماز باجماعت اعلان کر کے پڑھی جاسکتی ہے، اس مقصد سے کہ جو بے نمازی ہیں کم از کم اس بابرکت رات میں شریک ہو کر ثواب کے مستحق ہو جائیں، اگر تہجد کی جماعت کی جائے تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا مکروہ و ممنوع ہے، بے نمازیوں کو تبلیغ و تاکید کی جائے کہ وہ نماز کی پابندی کریں، ترک فرض کو برداشت کیا جائے اور مکروہ کے ارتکاب کی دعوت دی جائے نہ دانشمندی کی بات ہے، نہ شرع کی طرف سے اجازت ہے، اس رات میں عبادت کے لئے جمع ہونا بھی منع ہے، کذا فی المراقی الفلاح (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۹۱ھ۔

شب براءت کی رسمیں

سوال [۹۳۵]: شب براءت کو حلوہ پکانا اور گھروں کی صفائی کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟ اس شب گھروں اور قبرستان کو چراغاں کرنا، عود اور اگریتی سے معطر کرنا باسنا، شرعاً کیا حکم رکھتا ہے جب کہ ایک طبقہ ان کاموں کو سنت سمجھ کر کرتا ہے اور گھروں کی صفائی اس عقیدے کی بناء پر کرتا ہے کہ بزرگوں کی روحوں زیارت کو آتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امور مسئلہ کو سنت کہنا بے دلیل ہے (۳) اور بزرگوں کی ارواح کے آنے پر کوئی قوی دلیل نہیں جو

(۱) (رد المحتار، باب صلوٰۃ الجنائز، مطلب فی زیارة القبور: ۲/۲۴۲، سعید)

(۲) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”اعمال شب براءت“)

(۳) ”إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لعن زائرات القبور، والمتخذين عليها المساجد والسرج“ =

روایات بیان کی جاتی ہیں وہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

شبِ براءت کا حلوہ

سوال [۹۳۶]: حلوہ بنانا فی نفسہ مباح ہے جس پر خاص و عام سب متفق ہیں، لیکن شبِ براءت ۱۴/ شعبان المعظم کو حلوہ تیار کرنا اسی دن کی خصوصیات پر جو کہ ضروریات کی بناء پر تیار کیا جاتا ہے قولاً یا عملاً جیسا کہ مشاہدہ ہے، جس کے بارے میں ”اصلاح الرسوم“ مصنفہ حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ (چھوٹی تختی) ص: ۱۳۸، ۱۳۹، پر جو کچھ لکھا ہے، اس کے مطالعہ سے اتنا مفہوم ہوتا ہے کہ شبِ براءت کے روز عوام الناس کے مفاسد کثیرہ میں ابتلائے عام کے پیش نظر حلوہ تیار کرنا گناہ ہے جس کی اس روز شرعی نقطہ نظر سے بالکل اجازت نہیں دی گئی ہے۔

۲..... ایک مولوی نے اس قسم کے الفاظ اپنے میزبان کے یہاں چند عامی آدمیوں کے روبرو کہے کہ شبِ براءت کے روز ایک مباح چیز کو (یعنی حلوہ کو) علماء نے خواہ مخواہ ناجائز کر رکھا ہے۔ تو اب امر در یافت طلب یہ ہے کہ شبِ براءت کے روز حلوہ بنانا جائز ہے یا ناجائز، اگر جائز ہو تو پھر ایک امر جائز کی اشاعت کیوں نہ عام کر دی جائے جس سے لوگوں کی غلط فہمی بھی دور ہو جائے اور ہم سب لوگ بھی جو اس کو گناہ سمجھتے ہیں اور ایک جائز امر کو آج تک ناجائز سمجھنے کی غلطی میں مبتلا ہیں، اس کے گناہ پر مطلع ہو کر تائب ہو جائیں۔ اور اگر ناجائز ہے جیسا کہ ”اصلاح الرسوم“ میں مرقوم ہے تو کسی کا ایسے الفاظ کہنا اعلان اور اشاعت کیسا تھا اگر گناہ کبیرہ ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ بصورت مکروہ کیا ایسا شخص فاسق ہے؟ ہر شی کا جواب مفصل و مکمل بحوالہ کتاب رقم فرما کر عند اللہ ماجور و مشکور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیز شرعاً ضروری نہ ہو اس کو ضروری سمجھنا اور امر مباح کے ساتھ واجب یا سنت جیسا معاملہ کرنا درست نہیں، اس سے وہ چیز مکروہ ہو جاتی ہے:

”کل مباح یؤدی الی زعم الجہال سنۃ أمرأ و جوبہ، فہو مکروہ کتعیین السورۃ

= لأصحاب السنن“. (جمع الفوائد، کتاب الجنائز، التعزیه وأحوال القبور و زیارتھا: ۱/ ۳۷۲،

رقم: ۲۶۵۳، إدارة القرآن)

للصلوة وتعيين القراءة مؤقتاً. كذا في تنقيح الفتاوى الحامدية (۱)، بلکہ امر مستحب پر بھی اصرار کی اجازت نہیں ”الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة“۔ (سباحة الفكر) (۲)۔

ان تصریحات کی وجہ سے شب براءت کے حلوہ کو منع کیا جاتا ہے جو صاحب اس کے منع کو خواہ مخواہ کہتے ہیں غالباً ان کے ذہن میں مذکورہ تصریحات نہیں ورنہ وہ خواہ مخواہ ایسی بات نہ کہتے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۹/۹۰ھ۔

لیلة القدر اور لیلة البراءت میں چراغاں کرنا

سوال [۹۳۷]: شب براءت اور لیلة القدر میں ضرورت سے زائد روشنی کی جاتی ہے، اور اس کے لئے چندہ کرتے ہیں، یہ حرکت جائز ہے یا نہیں؟ اور چندہ دینے والوں کو ثواب ہوگا یا نہیں؟ اگر مسجد یا بیت المال سے خرچہ ہو تو متولی کو گناہ ہوگا یا سب نمازیوں کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لیلة القدر اور لیلة البراءت میں ساری رات روشنی کرنا اور وہ بھی ضرورت سے زیادہ یعنی چراغاں کرنا

(۱) (تنقيح الفتاوى الحامديه، مسائل وفوائد شتى من الحظر والإباحة، مطلب: كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال الخ: ۲/۳۶۷، المكتبة الميمنية مصر)

(۲) لم أجده بهذا اللفظ في سباحة الفكر، لكن فيها عبارة تدل على هذا المعنى وهي: ”فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم، والتخصيص من غير مخصص، مكروهاً، كما صرح به على القارى في شرح مشكوة المصابيح الخ“۔ (سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول، تحت الثاني والأربعون، ص: ۳۴، مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالى: ۳/۴۹۰، إدارة القرآن)

(والمراقبة شرح مشكوة المصابيح للقارى، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، تحت رقم الحديث: ۹۳۶، رشيدية)

”بل العبارة مذكورة باللفظ المذكور في السعاية، شرح شرح الوقاية“۔ (كتاب الصلوة، باب

صفة الصلوة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل الكيدمي)

ثابت نہیں، شرعاً ناجائز۔ : حرام ہے، جیسا کہ ”الحموی شرح الاشباہ والنظائر“ (۱) اور ”تنقیح فتاویٰ الحامدیہ“ (۲) میں بصراحت مذکور ہے، مسجد کے وقف کے مال سے جو ایسا کرے گا اس کے ذمہ ضمان لازم ہوگا، اگر متولی ایسا کرتا ہے تو نمازیوں کو لازم ہے کہ اس کو فہمائش کریں، روکیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۹۳ھ۔

متبرک راتوں میں بیداری کے لئے اجتماع

سوال [۹۳۸]: کیا شب براءت اور شب قدر کی تلاش و اہتمام میں مساجد میں شب بیداری کر سکتے ہیں؟ حسب ذیل حدیث کی روشنی میں جواب دیجئے: ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”رب صائم لیس له من صیامہ إلا الجوع، ورب قائم لیس له من قیامہ إلا السهر“ (۳) نیز اس حدیث کی مختصر تشریح بھی فرما دیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شب براءت اور شب قدر کی تلاش اور عبادت کے لئے مساجد میں جمع ہونا مکروہ اور بدعت ہے، مراقی الفلاح میں اس کی تصریح موجود ہے (۴)۔ حدیث کی تشریح یہ ہے کہ جو شخص روزہ رکھے اور اللہ کے یہاں ثواب

(۱) (الحموی المسمى "بغمر عیون البصائر" لسید أحمد الحموی: القول فی أحكام المساجد:

۳/۱۹۲، رقم: ۲۱۳۷، إدارة القرآن والعلوم الاسلامیة)

(و تقدم تخريجه تحت عنوان: "متبرک راتوں میں چراغاں")

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "متبرک راتوں میں چراغاں")

(۳) "وعنه (أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "کم من

صائم لیس له من صیامہ إلا الظمأ، وکم من قائم لیس له من قیامہ إلا السهر". (مشکوۃ المصابیح، کتاب

الصوم، باب تنزیہ الصوم، الفصل الثانی، ص: ۱۷۷، قدیمی)

(۴) "ویکفرہ الاجتماع علی إحياء ليلة من هذه الليالي المتقدم ذكرها فی المساجد وغيرها: لأنه لم

يفعله النبي صلی اللہ علیہ وسلم ولا أصحابه، فأنكره أكثر العلماء من أهل الحجاز، منهم: عطاء وابن =

کی نیت نہ کرے یا جھوٹ، غیبت، بہتان وغیرہ گناہوں سے نہ بچے تو اس کو ثواب نہیں ملے گا، بلکہ اس کو بھوک پیاس کے علاوہ روزہ کے فضائل و ثمرات میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا اسی طرح جو شخص رات بھر نماز پڑھے، مگر ثواب کی نیت نہ ہو یا گناہوں سے نہ بچتا ہو تو اس کو بیداری کے تکان کے علاوہ کوئی ثمرہ اور ثواب حاصل نہ ہوگا، یہی حال ہر عبادت کا ہے، یہ تشریح مشکوٰۃ شریف کی شرح میں مذکور ہے (۱)۔

تنبیہ: اس حدیث شریف میں مشکوٰۃ شریف میں ”إلا الظمأ“ (۲) مذکور ہے، ”إلا الجوع“ نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

متبرک راتوں میں عبادت کے لئے جمع ہونا

سوال [۹۳۹]: ہم لوگ اپنے محلے کی مسجد میں شب معراج کی تقریب کے سلسلے میں شب بیداری یعنی تلاوت قرآن، صلوٰۃ النفل، اوراد و وظائف میں مشغول رہتے ہیں اور شب گزارتے ہیں اور جمعہ کو روزہ رکھتے ہیں، زید کا کہنا ہے کہ قرآن و حدیث سے رجب کی ستائس تاریخ کو شب بیداری کرنا اور بطور تقریب کے ماننا ثابت نہیں ہے اور یہ بدعت کے مترادف ہے، اس بارے میں زید کا قول کیسا ہے؟

= ملیکۃ وفقہاء أهل المدينة، وأصحاب مالک وغیرہم، وقالوا: ذلک کله بدعة“۔ (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی تحیۃ المسجد وصلاة الضحیٰ وإحياء الليالي، ص: ۴۰۲، قدیمی)

(۱) ”قال الطیبی: فإن الصائم إذا لم یکن محتسباً أو لم یکن مجتنباً عن الفواحش من الزور والبہتان والغیبة ونحوها من المناہی، فلا حاصل له إلا الجوع والعطش وإن سقط القضاء وكذلك الصلوٰۃ فی الدار المغصوبة، وأدائها بغير جماعة بلا عذر، فإنها تسقط القضاء، ولا یترتب علیها الثواب اھ، قال ابن الملک: وكذا جميع العبادات إذا لم تكن خالصة“۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصوم، باب تنزیہ الصوم، قبیل الفصل الثالث: ۵۱۰/۳، ۵۱۱، رقم الحدیث: ۲۰۱۴، رشیدیہ)

(۲) (راجع، ص: ۲۷۰، رقم الحاشیۃ: ۳)

(۳) ”الجوع“ کا لفظ ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے، جیسے مرقاۃ میں ہے: قال میرک: ورواہ ابن ماجہ ولفظہ: ”رب صائم ليس له من صيامه إلا الجوع“۔ الحدیث ورواہ البیہقی ولفظہ: ”و رب صائم حظه من الصيام الجوع والعطش“۔ (المرقاۃ، المصدر السابق)

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کا قول صحیح ہے، اس طرح اس شب میں مسجد وغیرہ میں جمع ہونا اور اجتماعی ہیئت سے نوافل و تلاوت میں مشغول رہنا ثابت نہیں بلکہ مکروہ اور بدعت ہے: ”ویکرہ الاجتماع علی إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد وغيرها؛ لأنه لم يفعله النبي صلى الله عليه وسلم ولا أصحابه، فأنكره أكثر العلماء، وقالوا: ذلك كله بدعة اه“۔ مراقی الفلاح، ص: ۲۴۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غنی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غنی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۷/۸۷ھ۔

عاشورہ محرم کے خصوصی اعمال

سوال [۹۴۰]: یوم عاشورہ میں مندرجہ ذیل باتیں سنت ہیں یا نہیں؟

- ۱- خوف خدا سے رونا۔ ۲- جنازہ کی نماز پڑھنا۔ ۳- سورہ اخلاص کثرت سے پڑھنا۔
- ۴- والدین کی قبور کی زیارت کرنا اور کچھ آیتیں پڑھ کر ان کو اور تمام مردوں کو ثواب پہنچانا۔
- ۵- شہدائے کربلا کی روحوں کو ثواب پہنچانا جیسے حلیم یا کھجڑا نوح علیہ السلام کی سنت ہے یا نہیں؟
- ۶- غسل کرنا۔ ۷- سرمہ لگانا۔ ۸- کپڑے بدلنا، خوشبو لگانا۔
- ۹- نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، قرآن پاک کی دس آیتیں پڑھنا۔
- ۱۰- دس مسلمانوں سے مصافحہ کرنا۔ ۱۱- دودشمنوں میں صلح کرانا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

خوف خدا سے ہمیشہ رونا چاہئے (۲)، جنازہ جب موجود ہو اس کی نماز فرض کفایہ ہے (۳)، سورہ

(۱) (مراقی الفلاح، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی تحیۃ المسجد و صلوٰۃ الضحیٰ وإحياء الليالي، ص: ۲۰۲، قدیمی)

(۲) ”عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ما من عبد مؤمن يخرج من عينيه دموع وإن كان مثل رأس الذباب من خشية الله، ثم يصيب شيئاً من حر وجهه إلا حرمه الله على النار“۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الحزن والبكاء، ص: ۳۰۹، قدیمی)

(۳) ”والصلاة عليه فرض كفاية بالإجماع“۔ (الدر المختار، باب صلوٰۃ الجنائزۃ: ۲/۲۰۷، سعید)

اخلاص ہر روز پڑھنا چاہیے (۱)، والدین کی قبر کی بلکہ عامہ مومنین کی قبور کی زیارت ہر ہفتہ مستحب ہے (۲)، ایصال ثواب بھی مستحب ہے (۳)، ان چیزوں کو عاشورہ کے دن خاص کر دینا بلا دلیل ہے (۴)، اس دن کھانے میں کچھ وسعت کر دینا برکت کا باعث ہے (۵)، روزہ رکھنا بھی مستحب ہے، مگر ایک دن پہلے ملا لے یا بعد میں۔ بقیہ مذکورہ چیزیں اس دن صحیح روایات سے ثابت نہیں، جو چیز مستحب ہے وہ بغیر عاشورہ کے بھی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

صلوۃ العاشورہ

سوال [۹۴۱]: بعض عالم بزرگ روز عاشورہ چار رکعت نماز مع قراءت جماعت سے پڑھتے ہیں

(۱) ”عن أبی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رجلاً سمع رجلاً یقرأ: ﴿قل هو الله أحد﴾ یردّدها، فلما أصبح، جاء إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فذكر ذلك له، وكان الرجل يتقالتها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”والذي نفسي بيده! إنها لتعدل ثلث القرآن“. (صحيح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل ﴿قل هو الله أحد﴾: ۷۵۰/۲، قدیمی)

(۲) ”وتزار في كل أسبوع كما في مختارات النوازل“. (رد المحتار، باب صلوۃ الجنازۃ، مطلب فی زیارة القبور: ۲۴۲/۲، سعید)

(۳) ”إن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوۃ أو صوماً أو صدقةً أو غيرها“. (رد المحتار، باب صلوۃ الجنازۃ، مطلب فی القرآۃ للمیت الخ: ۳۴۳/۲، سعید)

(۴) قال العلامة اللکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ ”إذا كان فيه..... أو لو حظت فيه خصوصیات غیر مشروعة، أو التزم كالتزام الملتزمات، فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم، والتخصيص بغير مخصص..... مکروهاً، كما صرح به علی القاری فی شرح مشکوۃ المصابیح والحصفکی فی الدر المختار الخ“. (سباحۃ الفکر، الباب الأول فی حکم الجہر بالذکر الخ، تحت: الثانی والأربعون، ص: ۳۴، مجموعۃ رسائل عبد الحی اللکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۳/۴۹۰، ادارۃ القرآن)

(۵) ”من وسّع علی عیالہ فی یوم عاشوراء، وسّع اللہ علیہ فی سنتہ کلہا“. (الجامع الصغیر للسيوطی:

اور بڑی لمبی جماعت ہوتی ہے، کیا روز عاشورہ جماعت سے نماز ادا کرنا شرعاً ثابت ہے یا بدعت؟ اور اس کو ترک کرنا یا اس میں شامل ہونا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً یہ نماز ثابت نہیں، یہ بدعت ہے اس کو ترک کرنا لازم ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۷/ ۱۴۱۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۱۴۱۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۴/ شعبان/ ۱۴۱۱ھ۔

یوم عاشوراء کی خصوصیات

سوال [۹۴۲]: مظاہر حق، جلد دوم، ص: ۱۴۲، باب الصدقہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”یوم عاشوراء میں روزہ رکھے اور کشاوگی کرے اپنے کنبے اور اہل و عیال پر خرچ کرنے میں تو اللہ تعالیٰ کشاوگی کرے گا اس پر باقی سال کشاوگی رہے گی“ فرمایا سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے: میں نے تحقیق کیا اور ایسا ہی پایا اور بعض نے ضعیف کہا ہے، جیسے بیہقی نے (۲)۔ اس کے علاوہ ”مرقع کلیسی“ میں جو دس افعال لکھے ہیں وہ بدعت ہیں یا نہیں؟

۱- عزیزوں سے ملنا۔ ۲- قبروں کی زیارت کرنا۔ ۳- مسلمانوں سے مصافحہ و معانقہ کرنا۔ ۴- عطر و خوشبو

لگانا۔ ۵- بالخصوص میٹھا لقمہ کھانا۔ ۶- قیموں کے سر پر ہاتھ پھیرنا۔ ۷- صلح کرانا آپس میں۔ ۸- والدین کے

لئے بستر بچھانا۔ ۹- خط بنوانا، لباس بدلنا و غسل کرنا۔ ۱۰- سرمہ لگانا وغیرہ۔

(۱) (تقدم تخریجہ من مراقی الفلاح تحت عنوان: ”اعمال شب براءت“)

(۲) ”وعن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من

وسّع علی عیالہ یوم عاشوراء، وسّع اللہ علیہ سائر سنتہ“۔ قال سفیان: إنا قد جربناہ، فوجدناہ

کذلک، رواہ رزین، ورواہ البیہقی فی شعب الإیمان عنہ، وعن أبی ہریرۃ وأبی سعید، وجابر رضی

اللہ تعالیٰ عنہم، وضعفہ“۔ (مظاہر حق، کتاب الزکاة، باب أفضل الصدقة: ۲/ ۱۴۲، إدارة اشاعت

دینیات لاہور)

الجواب حامداً ومصلياً:

یوم عاشورا میں روزہ اور خرچ کی کشادگی کی فضیلت دیگر کتب میں بھی ہے (۱) اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ بہتر ہے، باقی جملہ امور مذکورہ کی خصوصیت اس روز کے ساتھ حدیث وفقہ سے ثابت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صلوة الرغائب

سوال [۹۴۳]: صوبہ گجرات کے بعض اضلاع میں مسلمانان کرام شب برأت میں خصوصاً بعد عشاء دو رکعت نفل جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور یہ عمل بالالتزام ہر سال ان کی جانب سے انجام پذیر ہوتا ہے۔ کیا ایسی نماز نفل کی جماعت کا ثبوت ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس جماعت کا کوئی ثبوت نہیں، نہ حدیث میں، نہ فقہ حنفی میں بلکہ حنفیہ کی معتبر کتب میں اس کو مکروہ لکھا ہے: ”ومن المندوبات إحياء ليلتي العيدين والنصف من شعبان والعشر الأخير من رمضان والأول من ذي الحجة، ويكون بكل عبادة تعم الليل أو أكثره اهـ“۔ در مختار (۳)۔

”ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد، قال في الحاوي القدسي: ولا يصلى تطوع بجماعة، وما روى من الصلوات في الأوقات الشريفة، تصلى فرادى، ومن سنها يعلم كراهية الاجتماع على صلوة الرغائب التي تفعل في رجب أول ليلة جمعة منه، وأنها بدعة، وما يحتاله

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: عاشورہ محرم کے خصوصی اعمال)

(۲) صاحب مظاہر حق نے لکھا ہے کہ: ”اور حدیث سرمہ لگانے کی، دن عاشورے کے جو بعضوں نے نقل کی ہے، کچھ اصل اس کی نہیں، اور اس طرح اور دس افعال جو دن عاشورے کے نقل کئے ہیں، ان کی بھی کچھ اصل نہیں، سوائے روزے کے اور وسعت کرنی کھانے کی کہ یہ ثابت ہے حدیث سے“۔ (مظاہر حق، کتاب الزکاة، باب أفضل الصدقة: ۱۴۲/۲، ادارہ

اشاعت دینیات لاہور)

(۳) (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۴۹/۲، سعید)

أهل الروم من نذرها لتخرج عن النفل والكراهة فباطل اهـ۔ بحر عن المحلى۔ طحطاوى:
۱/۲۸۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محرم کی بدعتِ شنیعہ

سوال [۹۴۲]: محرم میں تعزیہ میں قرآن پاک لگانا اور اس کو گلی گلی گھمانا، جس کو پاک، ناپاک، ہندو، مسلمان سب ہی چومتے ہیں کیا ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

نختِ معصیت ہے اور قرآن پاک کی بے حرمتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محرم کی رسوم

سوال [۹۴۵]: حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادتِ عظمیٰ پر رسم تعزیہ داری، سیاہ پوش ہونا، ننگے سر ہونا، سر میں خاک ڈالنا، سر کو پیٹنا، اور سر کو تیل وغیرہ سے خشک رکھنا، ماتم کرنا، واویلا کرنا، نوحہ کرنا، مرثیے گانا جس میں بزرگانِ دین کی توہین ہوتی ہو، چلا چلا کر رونا، علم نکالنا، بچوں کو قیدی فقیر بنانا، تعزیہ گاہ میں تلاوتِ کلام پاک کرنا اور منتیں ماننا، دُلڈل کو گائے کا دودھ اور جلیبی کھانا، ڈھول اور تاشے بجانا، اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس کی اصل کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادتِ یقیناً ایک دردناک حادثہ ہے اور خاندانِ نبوت سے عقیدت و مودت کا تعلق رکھنے والوں کے لئے روحِ فرسا واقعہ ہے، سب کو اس سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے کہ حق پر کس طرح قائم رہنا چاہیے، کسی جابر طاقت کے سامنے جھکنے سے جامِ شہادت نوش کرنے کا مقام بہت

(۱) وقال الحلبي: "إن كلاً من صلاة الرغائب ليلة أول جمعة من رجب، و صلاة البراءة ليلة النصف من شعبان، و صلاة القدر ليلة السابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة"۔ (الحلبي الكبير، تتمات من النوافل، ص: ۴۳۳، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) قال الله تعالى: ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾، تنزيل من رب العالمين، أفهذه الحديث أنتم مدهنون ﴿الواقعة: ۷۹، ۸۰، ۸۱﴾

بلند ہے (۱) لیکن یہ انتہائی بد قسمتی اور حرمان نصیبی ہے کہ جرأت اور حق گوئی کا سبق حاصل کرنے کی جگہ پر ان جاہلانہ اور زنا نہ مراسم نے قبضہ کر لیا ہے اور اب ان ہی کے ذریعہ حق وفاداری ادا کیا جاتا ہے۔ اور مذکورہ سوال میں بعض چیزیں مکروہ ہیں، بعض بدعت سیئہ ہیں، بعض حرام ہیں، بعض درجہ شرک تک پہنچی ہوئی ہیں، اہل سنت والجماعت کے مسلک سے ان کا کوئی ربط نہیں ہے، یہ روافض کا شعار ہے (۲)، ان کی صحبت کا اثر بے علم یا بے عمل اہل سنت والجماعت میں بھی پھیل گیا ہے، ان کا بند کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

محرم کا شربت

سوال [۹۴۶]: محرم کے دنوں میں جو لوگ سبیل شربت لگاتے یا کھلاتے پلاتے ہیں، وہ جائز ہے یا نہیں؟ اس میں چندہ دینا جائز ہے یا حرام؟

(۱) ”عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر“ أو ”أمير جائر“.

قال العلامة فخر الحسن الكنكوهي في التعليق المحمود على هامش أبي داود تحت الحديث المذكور: ”قال الخطابي: إنما صار ذلك أفضل الجهاد؛ لأن من جاهد العدو، وكان متردداً بين رجاء وخوف؛ لا يدرى هل يغلب أو يُغلب، ومن قال للسلطان حقاً، وأمره بالمعروف أو نهاه عن المنكر، فهو مقهور في يده، وتعرض للتلف، وأهرق نفسه للهلاك، فصار ذلك أفضل أنواع الجهاد من أجل غلبة الخوف، والله تعالى اعلم“۔ (هامش سنن أبي داود، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي: ۵۹۷/۲، مكتبة دار الحديث ملتان)

(۲) ”عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من تشبه بقوم فهو منهم“۔ (سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵۵۹/۲، مكتبة دار الحديث ملتان) قال الملا علي القاري تحت هذه الحديث المذكور: ”قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار، ولما كان الشعار أظهر في الشبه، ذكر في هذا الباب، قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير“۔ (المراقبة شرح مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۵۵/۸، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پابندی بھی غلط اور غیر ثابت ہے، اگر سردی کا موسم ہو تب بھی شربت ہی پلایا جائے۔ ایک غلط عقیدہ کو بھی اس میں دخل ہے، وہ یہ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ پیاسے شہید کئے گئے، اور یہ شربت ان کے پاس پہنچ کر ان کی پیاس بجھائے گا۔ اس عقیدہ کی اصلاح ضروری ہے، یہ شربت وہاں نہیں پہنچتا، نہ ان کو اس شربت کی ضرورت ہے، اللہ پاک نے ان کے لئے جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں عطا کر رکھی ہیں جن کے مقابلہ میں یہاں کا شربت کوئی حیثیت نہیں رکھتا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صفر کے آخری چہار شنبہ کو مٹھائی تقسیم کرنا

سوال [۹۴]: یہاں مراد آباد میں ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو کارخانہ داران ظروف کی طرف سے کاریگروں کو شیرینی تقسیم کی جاتی ہے، بلا مبالغہ یہ ہزار ہا روپیہ کا خرچ ہے، کیونکہ صد ہا کاریگر ہیں اور ہر ایک کو اندازاً کم و بیش پاؤ پاؤ بھر مٹھائی ملتی ہے، ان کے علاوہ دیگر کثیر متعلقین کو بھی کھلانی پڑتی ہے۔ مشہور یہ روایت کر رکھی ہے کہ اس دن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسلِ صحت کیا تھا، مگر از روئے تحقیق بات برعکس ثابت ہوئی کہ اس دن حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں غیر معمولی شدت تھی، جس سے خوش ہو کر دشمنان اسلام یعنی یہودیوں نے خوشی منائی تھی (۲)۔ احقر نے اس کا ذکر ایک کارخانہ دار سے کیا تو معلوم ہوا

(۱) ”عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة“۔ (مقدمة سنن ابن ماجه، فضل علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ص: ۱۲، قدیمی)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲۲/۳ - ۸۲، رقم الحديث: ۱۱۲۰۰، ۱۱۳۶۸، دار إحياء التراث، بیروت)

(والمقاصد الحسنة، ص: ۲۲۰، رقم الحديث: ۴۰۵، دار الكتب العلمية، بیروت)

(ومشکوۃ المصابیح، ص: ۵۷۱، باب مناقب أهل البيت، قدیمی)

(۲) (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۱۶۹، نقل مکتوب نمبر: ۸، قبیل کتاب التفسیر، عنوان: آخری چار شنبہ کی اصل سعید)

کہ جاہل کاریگروں کی ہوا پرستی اور لذت پروری اتنی شدید ہے کہ کتنا ہی ان کو سمجھایا جائے وہ ہرگز نہیں مانتے اور چونکہ کارخانوں کی کامیابی کا دار و مدار کاریگروں ہی پر ہے تو اگر کوئی کارخانہ دار ہمت کر کے شیرینی تقسیم نہ کرے تو جاہل کاریگر اس کے کارخانہ کو سخت نقصان پہونچائیں گے، کام کرنا چھوڑ دیں گے۔

(الف) حقیقت کی رو سے مذکورہ تقسیم شیرینی کا شمار افعال کفریہ، اسلام دشمنی سے ہونا تو عقلاً ظاہر ہے تو بلا عذر شرعی اس کے مرتکب پر کفر کا فتویٰ لگتا ہے یا نہیں؟ اگرچہ وہ مذکورہ حقیقت سے ناواقف ہی کیوں نہ ہو؟
(ب) جاہل کاریگروں کی ایذا رسانی سے حفاظت کے لئے کیا کارخانہ داروں کو فعل مذکور میں معذور مانا جاسکتا ہے؟

(ج) ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ سے متعلق جو صحیح روایات اوپر مذکور ہوئیں وہ کس کتاب میں ہیں؟
(د) حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں شدت کی خبر پا کر یہودیوں نے کس طرح خوشی منائی تھی؟

احمد حسین کھڑاؤں فروش دریہ کلاں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو خوشی کی تقریب منانا، مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً بے دلیل ہے، اس تاریخ میں غسل صحت ثابت نہیں، البتہ شدت مرض کی روایت ”مدارج النبوة“ میں ہے (۱)۔
یہود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شدت مرض سے خوشی ہونا بالکل ظاہر اور ان کی عداوت اور شقاوت کا تقاضا ہے۔

(الف) مسلمانوں کا اس دن مٹھائی تقسیم کرنا نہ شدت مرض کی خوشی میں ہے، نہ یہود کی موافقت کی خاطر ہے، نہ ان کو اس روایت کی خبر ہے، نہ یہی نفسہ کفر و شرک ہے، اس لئے ان حالات میں کفر و شرک کا حکم نہ ہوگا (۲)، ہاں یہ کہا جائیگا کہ یہ غلط طریقہ ہے، اس سے بچنا لازم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس روز غسل

(۱) (مدارج النبوة: ۲/۷۰۴، ۷۰۷، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

(۲) ”وينبغي للعالم إذا رفع إليه هذا أن لا يبادر بتكفير أهل الإسلام..... وفي الفتاوى الصغرى:

الكفر شيء عظيم فلا أجعل المؤمن كافراً متى وجدت رواية أنه لا يكفر..... وفي الخلاصة وغيرها: إذا =

صحت ثابت نہیں، کوئی غلط بات منسوب کرنا سخت معصیت ہے (۱)، بغیر نیت موافقت بھی یہود کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہئے (۲)۔

(ب) نہایت نرمی و شفقت سے کارخانہ دار اپنے کاریگروں کو بہت پہلے سے تبلیغ و فہمائش کرتا رہے اور اصل حقیقت اس کے ذہن میں اتار دے، ان کا مٹھائی کا مطالبہ کسی دوسری تاریخ میں حسن اسلوب سے پورا کر دے، مثلاً: رمضان، عید، بقرعید وغیرہ کے موقع پر دیدیا کرے جس سے ان کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ یہ بخل کی وجہ سے انکار کرتا ہے، بہر حال کارخانہ دار بڑی حد تک معذور ہے۔

(ج) مدارج النبوة میں ہے (۳)۔

(د) یہود نے کس طرح خوشی منائی اس کی تفصیل نہیں معلوم۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند ۱۹/۱۲/۹۲ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند ۱۹/۱۲/۹۲ھ

رجب کا روزہ، کنڈہ

سوال [۹۲۸]: ماہ رجب میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کنڈہ ہوتا ہے، اس کی بھی شریعت میں کوئی اصلیت ہے یا نہیں؟ اور ۷/رجب ۱۳/ و ۲۷/ کو روزہ رکھتے ہیں اور بہت ثواب سمجھتے ہیں آیا۔ حدیث شریف سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور ماہ رجب کی شرعی فضیلت کیا ہے؟ مختصر تھوڑی تحریر فرمائیں۔

= كان في المسألة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذى يمنع التكفير تحسناً للظن بالمسلم. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، مكتب رشيدية)

(۱) "قال أنس رضي الله تعالى عنه: إنه ليمنعني أن أحدثكم حديثاً كثيراً، إن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من تعد على كذباً، فليتبوأ مقعده من النار". (صحيح البخاري كتاب العلم، باب إثم من كذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۲۱، قديمي)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۲/۵۵۹، مكتبة دار الحديث ملتان)

(۳) (مدارج النبوة: ۲/۶۹۹ - ۷۰۸، مدينه پبلشنگ کمپنی کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ماہ رجب میں تو تاریخ مذکورہ میں روزہ رکھنے کی فضیلت پر بعض روایات وارد ہوئی ہیں لیکن وہ روایات محدثین کے نزدیک درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”ما ثبت بالسنة“ میں ذکر کیا ہے، بعض بہت ضعیف ہیں اور بعض موضوع ہیں۔ ایصال ثواب جس کو چاہے جب چاہے بلا کسی التزام تاریخ و مہینہ وغیرہ کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بہت بہتر ہے لیکن کندہ کرنا جیسا کہ رواج ہے بے اصل اور بدعت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ مظاہر علوم سہارنپور

۲۲/ رجب کے کونڈوں کی حقیقت

سوال [۹۴۹]: ۲۲/ رجب کو بعض جگہ کونڈا کرنے کا بڑا رواج ہے اس میں جو رسمیں کی جاتی ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ کونڈے کی اصلیت کیا ہے، کیا مسلمانان اہل سنت کو یہ رسم کرنی چاہیے؟ امید کہ شریعت کے مطابق اس رسم کی اصلیت تفصیل سے بیان فرما کر مسلمانان اہل سنت والجماعت کی رہنمائی فرمائیں گے۔ بینواتو جروا۔
محمد حمید اللہ نعمانی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کونڈوں کی مروجہ رسم مذہب اہل سنت والجماعت میں محض بے اصل، خلاف شرع اور بدعت ممنوعہ ہے کیونکہ بانیسویں رجب نہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش ہے اور نہ تاریخ وفات، حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۸/ رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں ہوئی اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی، پھر بانیسویں رجب کی تخصیص کیا ہے اور اس تاریخ کو حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کیا خاص مناسبت ہے؟ ہاں بانیسویں رجب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ وفات ہے (دیکھو تاریخ طبرانی ذکر وفات معاویہ) (۱)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لئے حضرت امام جعفر صادق کی طرف

(۱) ”وحدثني عمر قال: حدثنا علي قال: بايع أهل الشام معاوية رضي الله عنه بالخلافة في سنة: ۳۷، في

ذی القعدة وسلم له الأمر سنة: ۴۱، لخمس بقين من شهر ربيع الأول، فبايع الناس جميعاً معاوية

رضی اللہ عنہ، فقيل: عام الجماعة، ومات بدمشق سنة: ۶۰ھ، يوم الخميس لثمان بقين من رجب“۔ =

منسوب کیا گیا، ورنہ درحقیقت یہ تقریب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔ جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی، اہل سنت والجماعت کا غلبہ تھا اس لئے یہ اہتمام کیا گیا کہ شیرینی بطور حصہ علانیہ نہ تقسیم کی جائے تاکہ راز فاش نہ ہو بلکہ دشمنان حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے ہاں جا کر اسی جگہ یہ شیرینی کھالیں جہاں اس کو رکھا گیا ہے اور اس طرح اپنی خوشی و مسرت ایک دوسرے پر ظاہر کریں، جب کچھ اس کا چرچا ہوا تو اس کو حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے یہ تہمت امام موصوف پر لگائی کہ انہوں نے خود خاص اس تاریخ میں اپنی فاتحہ کا حکم دیا ہے حالانکہ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ لہذا برادران اہل سنت کو اس رسم سے بہت دور رہنا چاہیے، نہ خود اس رسم کو بجالائیں اور نہ اس میں شرکت کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

رجب کی روٹی

سوال [۹۵۰]: رجب المرجب کا جب مہینہ آتا ہے تو لوگ جمعہ کے دن کچھ میٹھی روٹی پکواتے ہیں اور اکتالیس بار سورہ ملک پڑھواتے ہیں اس کو تبارک کہتے ہیں، اور سب لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ روٹی میت کی جانب سے فدیہ یا صدقہ یا خیرات کی جارہی ہے، پھر بھی پڑھنے والے اس روٹی کو حاصل کرنے کے لئے سبقت کرتے ہیں اور جگہ جگہ سے روٹی باندھ کر لے آتے ہیں، اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ صاحب خانہ مسجد میں بھیج دیتا ہے اور سب پر تقسیم کر دیتا ہے، اس کو بھی تبرک سمجھ کر کھا جاتے ہیں، چاہے وہ صاحب نصاب ہو یا کوئی دوسرا، ہر شخص اس کو کھاتا ہے تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئلہ میں ایصال ثواب کی یہ صورت نہ قرآن سے ثابت ہے، نہ حدیث شریف سے، نہ صحابہ کرام سے، نہ فقہاء و مجتہدین کی کتب سے بلکہ من گھڑت ہے، ایسی چیز کو شریعت میں بدعت کہتے ہیں (۱)۔ اس

= (تاریخ ابن جریر الطبری، سنة ستین، وفاة معاویة بن أبي سفيان: ۲/۲۳۹، مؤسسة الأعلمی للمطبوعات بیروت)

(۱) (البدعة) "ما أحدث علی خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قوياً وصراطاً مستقيماً". (رد المحتار، باب الإمامة، =

کا ترک کرنا واجب ہے، قرآن کریم یا اس کی کوئی سورت پڑھ کر اجرت لینا جائز نہیں، پڑھنے والے کے حق میں ممانعت کی یہ مستقل وجہ موجود ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے معتمد کتب سے اس کو نقل کیا ہے، ردالمحتار میں بھی (۱)، شرح عقود رسم المفتی میں بھی (۲)، شفاء العلیل میں بھی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند

شب معراج کے اعمال مروجہ

سوال [۹۵۱]: (الف) یہاں افریقہ میں یہ التزام و رواج ہے کہ شب معراج میں عشاء کے وقت خصوصی اعلان و دعوت کے ساتھ لوگوں کو جمع کر کے وعظ، شیرینی اور نماز نوافل کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ آیا شریعت میں اس قسم کا التزام و اہتمام کہیں مشروع ہے اور اس التزام کا نہ ماننے والا گنہگار ہوگا؟

(ب) اس شب میں علاوہ فرض وقت کے آیا کوئی دوسری عبادت فرض، واجب، سنت یا نفل مشروع ہے؟

(ج) یہاں بیشتر مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد نہیں ہیں وہاں نمازی اپنے گھروں میں فرداً فرداً یا نماز باجماعت ادا کر لیا کرتے ہیں، صرف جمعہ اور عیدین کے لئے ایک خاص جگہ تجویز کر لی جاتی ہے جہاں سب مل کر خطبہ و نماز ادا کر لیتے ہیں۔ سو ایسے مقام پر جہاں مسجد بھی نہ ہو اور لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھتے ہوں وہاں ایک خاص جگہ تجویز کر کے شب معراج میں اعلان عام اور دعوت ناموں کے ذریعے لوگوں کو جمع کر کے اس مخصوص مقام

= مطلب فی أقسام البدعة: ۱/۵۶۰، سعید

(۱) ”وقد أطنب في رده صاحب تبیین المحارم مستنداً إلى النقول الصريحة: فمن جملة كلامه: قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارى وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان“۔ (رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة: مطلب في الإستيجار على الطاعات: ۲/۵۶، سعید)

(۲) (شرح عقود رسم المفتی، بعد ذکر طبقات الكتب المعتمدة وغيرها، ص: ۳۶، ۳۷، ۳۸، میر محمد کتب خانہ)

(۳) (شفاء العلیل وبل الخلیل، رسالة من مجموعة رسائل ابن عابدين، ۱/۵۲-۲۰۷، سهيل اكيڊمي، لاہر)

پرو عظ، شیرینی اور نوافل کا التزام و اہتمام کرنا کیسے مشروع ہے؟ جو شخص ان مراسم کو روکے اسے برا بھلا اور کافر و فاسق کہنا کیسا ہے؟ اور اس قسم کے غیر مشروع اور رسمی امور کو دین کے اہم امور میں شمار کرنا کیسا ہے؟ بینواتو جروا۔
المستفتی احمد گل بھائی (جنوبی افریقہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) یہ التزام و اہتمام بے دلیل، بدعت، خلاف شرع ہے، جو اس التزام کو نہ مانے وہ گنہگار نہیں بلکہ اس کو روکنے والا ماجور ہے (۱)۔

(ب) اس شب میں خصوصیت سے کوئی نماز علاوہ روزانہ کی نماز کے مسنون و مشروع نہیں۔

(ج) نفس وعظ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے جمع کرنا شرعاً درست ہے اور اس شب کو اس کے لئے مخصوص کرنا بے دلیل ہے، اسی طرح شیرینی کا اہتمام بے اصل ہے اور التزام مالا یلزم ہے (۲)۔
اس شب کے لئے نوافل خصوصی کا اہتمام کہیں ثابت نہیں نہ کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے، نہ تابعین عظام رحمہم اللہ نے کیا۔ علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ تلمیذ شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے غنیۃ المستملی، ص: ۴۱۱ میں (۳)، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحر رائق شرح کنز

(۱) ”عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”من رأى منكم منكراً، فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان“ رواه مسلم“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ص ۴۳۶، قدیمی)

وفی المرقاة: ”ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراماً وجب الزجر عنه، وإذا كان مكروهاً، ندب“۔

(کتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۲، مکتبہ حقانیہ)

(۲) قال اللکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ: ”فکم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم، والتخصيص من غير مخصص مكروهاً الخ“۔ (سبحاحۃ الفكر فی الجهر بالذکر، الباب الأول، تحت: الثاني والأربعون، ص: ۳۴، مجموعة رسائل اللکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۳/۴۹۰، إدارة القرآن)

(۳) ”واعلم أن النفل بالجماعة على سبيل التداعى مكروه على ماتقدم ما عدا التراويح و صلوة الكسوف والإستسقاء، فعلم أن كلاً من صلوة الرغائب ليلة أول جمعة من رجب، و صلوة البراءة ليلة النصف من شعبان، و صلوة القدر ليلة السابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة ولا ينبغي أن =

الدقائق: ۵۶/۲ میں (۱)، علامہ طحاوی نے مراقی الفلاح، ص: ۲۲ میں (۲)، اس رواج پر نکیر فرمائی ہے اور اس کے متعلق جو فضائل نقل کرتے ہیں ان کو رد کیا ہے، اس رواج کے روکنے والے کو کافر کہنا تو انتہائی جسارت ہے، کسی مسلمان کو بلا دلیل شرعی کافر کہنے سے کہنے والے پر کفر آتا ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واکمل۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/محرم/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/محرم/۶۸ھ۔

ایک مخصوص مشترکانہ رسم

سوال [۹۵۲]: ایسی حرکت بعض رسم کے اندر کی جاتی ہے کہ سات ماہ کی حاملہ عورت کو سہرہ سرخ کپڑوں سے آراستہ کر کے اس کے سامنے کونڈے میں چاول اُبال کر رکھتے ہیں، چراغ روشن کرتے ہیں اور عورت کو کعبہ کی طرف منہ کر کے چوکی پر بٹھا کر گود میں پھل وغیرہ رکھ دیتے ہیں، احباب دوستوں کی دعوت کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

= يتكلف لإلتزام ما لم يكن في الصدر الأول كل هذا التكلف لإقامة أمر مكروه، وهو أداء النفل بالجماعة على سبيل التداعى“ (غنية المستملی (المعروف بحلبی كبير)، ص: ۴۳۲، ۴۳۳، سهیل اکیڈمی، لاہور)

(۱) ”ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد، قال في الحاوي القدسي: ولا يسلي تطوع بجماعة غير التراويح... ومن هنا يعلم كراهة الاجتماع على صلوة الرغائب التي تفعل في رجب في أول ليلة منه، وإنها بدعة“ (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۹۳/۲، رشیدیہ)

(۲) (مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في تحية المسجد و صلوة الضحی وإحياء الليالي، ص: ۴۰۲، قدیمی)

(۳) ”عن أبي ذر رضى الله عنه أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: ”لا يرمى رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ردت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك“ (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رسم اسلامی طریقہ نہیں (۱) اس میں بعض چیزیں مشرکانہ ہیں، مثلاً: اس وقت خاص طور پر (ضرورت ہو یا نہ ہو) چراغ روشن کرنا جیسا کہ مشرکوں کا طریقہ ہے، وہ اپنے دھرم میں معتقدانہ چراغ روشن کرتے ہیں اور اس کی تعظیم بجالاتے ہیں اور دیگر مذکورہ اشیاء کی جاتی ہیں، ایسی رسم سے توبہ واستغفار لازم ہے اس کو بالکل ترک کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۸۹ھ۔

رسم پر عمل

سوال [۹۵۳]: ”رسوم کی بنا عرف پر ہے، یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ شرعاً واجب ہے یا سنت یا مستحب ہیں، لہذا جب تک کسی رسم کے متعلق یہ نہ معلوم ہو جائے کہ از روئے شرع ممنوع ہے اسے حرام نہیں کہا جاسکتا، کھینچ تان کر ممنوع قرار دینا زیادتی ہے“۔ بہار شریعت، ج: ۷۔ سائل: محمد قاسم عرف میاں صاحب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسم پر کوئی ثواب موعود نہیں، نہ ترک پر عقاب کی وعید بشرطیکہ وہ کفار و فساق کے ساتھ مخصوص نہ ہو، پھر اس کے ساتھ ایسا التزام کرنا جیسا کہ فرائض اور واجبات کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اس کے ترک سے ایسا بچنا جیسا کہ ترک فرائض و واجبات سے بچنا لازم ہے (گو اعتقاداً نہ سہی عملاً ہی سہی) تجاوز عن الحدود ہے یا نہیں، تارک فرض پر نکیر نہیں کی جاتی تارک رسم پر طعن و تشنیع کی نوبت آتی ہے۔

جن اعمال پر ثواب کا وعدہ ہے اور وہ مندوب ہیں ان پر اصرار کرنا بھی حد کراہت تک پہنچا دیتا ہے: ”الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة“ (۲) جب مندوب کا یہ حال ہے تو محض مباح کا التزام اور اصرار کیسے درست ہوگا: ”کم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم مكروها“ اھ۔ سباحة الفكر (۳)۔

(۱) (کذا فی ”بہشتی زیور، حصہ ششم، ”بچہ پیدا ہونے کی رسموں کا بیان“ ص: ۸، امدادیہ ملتان)

(۲) (ایضاً السعیاء علی شرح الوقایہ، باب صفة الصلوة، قبیل فصل فی القراءۃ: ۲/۲۶۵، امجد اکیڈمی)

(۳) (سباحة الکفر، الباب الأول فی حکم الجہر بالذکر، تحت: الحدیث الثانی والأربعون، ص: ۳۴،

مجموعۃ رسائل عبدالحی: ۳/۴۹۰، إدارة القرآن)

طیبی شرح مشکوٰۃ میں تصریح ہے کہ جو شخص عزیمت کا حد درجہ پابند ہو اور کسی رخصت پر عمل نہ کرے ”فقد أصاب الإضلال من الشيطان“ (۱)۔ تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہے کہ جس مباح مندوب پر عمل کرنے سے عوام کو اس کے وجوب کا اعتقاد ہوتا ہو اس کا ترک واجب ہو جاتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

بچہ کو چالیسویں دن مسجد میں لانے کی رسم

سوال [۹۵۴]: بچہ چالیس دن کا ہو جانے کے بعد بعض لوگ اسے مسجد میں لا کر لٹاتے ہیں اور پھر کچھ شیرینی تقسیم کرتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رسم بے اصل، لغو اور قابل ترک ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

چالیس روزہ بچہ کو مسجد میں بھیج کر سجدہ کرانا

سوال [۹۵۵]: عورتوں کا بڑا غسل بعد ولادت بچہ، چالیسواں دن لڑکے کو غسل دے کر سب سے

پہلے بچہ کو مسجد میں بھیجتے ہیں مع شیرینی وغیرہ کے کہ بچہ کو سجدہ کرا کے لاؤ اللہ کے گھر میں۔ عام طور پر ہر شخص ۴۰/ دن بعد بچہ کو مسجد میں لے جاتا ہے سجدہ کی رسم کی نیت سے، حالانکہ ظاہر ہے کہ ایسا بچہ سجدہ کیا کر سکتا ہے؟ پس ایسا کرنا چاہیے یا نہیں، کیا زمانہ سابقہ میں یہ طریقہ تھا؟

(۱) (مرقاۃ المفاتیح للقرنی، کتاب الصلوٰۃ، باب الدعاء فی التشہد، الفصل الأول: ۳/ ۳۱،

مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۲) ”کل مباح یؤدی الی زعم الجہال سنیۃ أمر أو وجوبہ، فهو مکروہ“۔ (تنقیح الفتاویٰ مسائل وفوائد

شتی من الحظر والإباحۃ، مطلب: کل مباح یؤدی الی زعم الجہال ۲/ ۳۶۷، المطبعة المیمنیۃ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس رسم کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے، یہ قابل ترک ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔ صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم ۳/ ذیقعدہ ۶۱ھ

حج کو جانے والے کو نعروں کے ساتھ رخصت کرنا

س۔ ۱۹۵۶: جب کوئی حج کو جاتا ہے تو عوام اس کے نام کے اور بھی دیگر کے نام مثلاً: مسٹر جناح

کے نعرے زندہ باد بولنا، حاجی زندہ باد وغیرہ اسٹیشن وغیرہ پر بلند آواز سے روانگی کراتے وقت، تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ایک نمائش ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/ ذیقعدہ ۶۱ھ۔

(۱) انسان کی عمر کے دو بڑے حصے ہیں: قبل البلوغ اور بعد البلوغ۔ بعد البلوغ ہر صحیح العقل شخص احکام شرع کا مکلف ہوتا ہے۔

قبل البلوغ کا دور بھی دو حصوں میں منقسم ہے: ایک وہ دور ہے کہ اس میں بندہ سیانہ ہوتا ہے، اچھے برے کی تمیز کرتا ہے، اسی وقت والدین کو تکمیل ہے کہ اپنی اولاد کو احکام شرع نماز وغیرہ کی تلقین و ترغیب دیں۔

لیکن ایک دور اس سے قبل ہے، جو پیدائش کے بعد سے اس وقت تک ہے جب کہ بندہ اچھے برے میں تمیز کرے، اس دور میں نہ تو والدین کو بچے کو تلقین کا حکم ہے اور نہ وہ اس کا متحمل ہے، بلکہ اس کو تلقین کرنا لغو ہے۔ اسی طرح جب کہ وہ عند اللہ مرفوع القلم ہے تو اس سے اس عمر میں سجدہ کرانے کا کیا مطلب ہے، بطور فال و نیک شگونی بھی نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ بندہ کی فرمانبرداری اور اطاعت اس کے والدین کی تربیت پر موقوف ہے۔ (فضل مولیٰ بن القاضی)

(۲) عموماً اس میں دکھاوا اور ریاکاری مقصود ہوتی ہے جو کہ سخت وعید کو دعوت دینا ہے:

”عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”من یسمع یسمع اللہ بہ، و من

یرآنی یرآنی اللہ بہ“ (سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الریاء والسمعة، ص: ۳۱۰، قدیمی)

کیا کسی مسجد میں ۴/ سال مغرب کی نماز پڑھنے سے حج کا ثواب ملتا ہے؟

سوال [۹۵۷]: شہر برہان پور میں حضرت شاہ نظام الدین بھکاری کے زمانہ سے مغرب کی نماز موصوف کی درگاہ کے پاس ندی کے اندر ہوتی ہے۔ خطیب، جامع مسجد مغرب کی نماز پڑھاتے ہیں، دور دراز سے لوگ اس کے لئے سفر کرتے ہیں اور یہ مشہور کر رکھا ہے کہ ۴/ یا ۷/ سال مغرب کی نماز وہاں ادا کرے تو ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔ کیا اس طرح نماز پڑھنا، پڑھانا، ایسا عقیدہ رکھنا جائز ہے؟ کیا قرآن و حدیث میں اس کی کوئی اصل موجود ہے؟ اور کیا وہاں اس مسجد میں ۴/ یا ۷/ سال مغرب کی نماز ادا کرنے سے فریضہ حج ادا ہو جائے گا؟ اور کیا اس شخص کو حاجی کہا جاسکتا ہے؟ افسوس یہ ہے کہ وہ مسجد تفریح گاہ بن گئی ہے، ہندو مسلم، مرد و زن، وقت بے وقت مسجد میں گھومتے رہتے ہیں اور مؤذن ان کو مسجد میں گھما کر رہبری کی قیمت وصول کرتا ہے۔ تو کیا مسجد کو تفریح گاہ بنانا اور مرد و عورت کا بے خطر اس میں داخل ہونا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ بے اصل ہے (۱) اس کی کوئی اصل شرع میں نہیں ہے۔ تین مساجد کے متعلق مخصوص ثواب کی تصریح احادیث میں موجود ہے۔ ۱: مسجد حرام۔ ۲: مسجد نبوی۔ ۳: مسجد اقصیٰ، ان کے علاوہ کسی اور مسجد کے لئے سفر کرنے کی ممانعت ہے: ”لا تشدوا الرجال إلا إلى ثلاثة مساجد“ (۲)۔ الحدیث۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۱۴۰۶ھ۔

(۱) یہ بدعت مردود غیر مقبول ہے:

”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منہ، فهو رد“۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/ ۳۷۱، قدیمی)

(۲) ”عن أبی ہریرۃ - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”لا تشدوا الرجال إلا إلى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، و مسجد الرسول، و مسجد الأقصی“۔ (صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب فضل الصلوة فی مسجد مکة والمدینة: ۱/ ۵۸، قدیمی)

بسم اللہ خوانی کی تقریب

سوال [۹۵۸]: یہاں پر بسم اللہ خوانی کا رواج ہے، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اس کا شمار بدعت میں ہوگا یا نہیں؟ جب کہ اس کو جزو دین نہیں سمجھا جاتا بلکہ ایک رواج اور موقع خوشی ہے کہ بچے کی تعلیم کا اب آغاز ہو رہا ہے تو ایسے موقع پر دعوت وغیرہ کی جاتی ہے، تو ایسی دعوت قبول کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

بسم اللہ خوانی کے لئے عمر کی تعیین

سوال [۹۵۹]: بعض لوگ بسم اللہ خوانی کے لئے بچے کی عمر کی تعیین کر کے یعنی (چار سال چار مہینے چار دن) بسم اللہ خوانی کرتے ہیں، آیا یہ درست ہے یا نہیں؟ اس کی اصل کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... کسی بزرگ و صالح شخص سے بسم اللہ کرا دی جائے اور کچھ غرباء و احباب کو کھلا پلا دیا جائے تاکہ بچے کی تعلیم میں برکت ہو تو درست ہے، مگر تکلفات و ریاء و فخر سے بچنا لازم ہے۔

۲..... اس کا التزام غلط ہے (۱)۔ اس عمر سے پہلے بھی بسم اللہ درست ہے، اگر بچہ ذہین و ہونہار ہو تو اس عمر کے انتظار میں اس کا وقت ضائع نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۹۴ھ۔

بچوں کی روزہ کشائی

سوال [۹۶۰]: رمضان میں اکثر چھوٹے بچے کو روزہ رکھوا کر روزہ کشائی کرواتے ہیں اور اپنے گھروں پر بہت اہتمام کرتے ہیں، ایسی جگہ روزہ کھولنے جانا چاہئے یا نہیں؟ کیا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ

(۱) قال فی ”بہشتی زیور“: ان رسوم میں سے ایک ”بسم اللہ“ کی رسم ہے..... اسم میں یہ خرابیاں ہیں: چار برس، چار مہینے، چار دن کا ہونا، اپنی طرف سے مقرر کر لیا ہے، جو محض بے اصل اور لغو ہے، پھر اس کی اتنی پابندی کہ چاہے جو کچھ ہو، اس کے خلاف نہ ہونے پائے اور ان پڑھ لوگ تو اس کو شریعت ہی کی بات سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے عقیدہ میں خرابی اور شریعت کے حکم میں ایک پتھر لگانا لازم آتا ہے“ الی آخر ما ذکرہ من المفاسد۔ (حصہ ششم، مکتب یعنی بسم اللہ کی رسوم کا بیان، ص: ۱۵، مکتبہ امدادیہ ملتان)

میں بھی ایسا رواج تھا روزہ کشائی کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ میں مشقت زیادہ ہوتی ہے۔ بچے کا دل بڑھانے کے لئے، نیز شکریہ کے طور پر اگر نسبتاً افطاری میں کچھ زیادتی کر لی جائے تو بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے، دور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اس کا پتہ نہیں چلتا، زیادہ اہتمام جس میں ریا اور نمود یا فخر ہو یا وسعت سے زیادہ قرض وغیرہ لے کر اہتمام کرنا خلاف شرع اور ناجائز ہے، ایسی حالت میں شرکت بھی منع ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲/شعبان/۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲/شعبان/۶۱ھ۔

بچہ کا دودھ بخشوانا

سوال [۹۶۱]: اگر شیر خوار بچہ کا انتقال ہو گیا تو اکثر لوگ ماں سے دودھ بخشواتے ہیں، یہ بخشوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

هذا من أغلاط العوام۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دودھ بخشنا

سوال [۹۶۲]: ادھر کہیں کہیں یہ رواج ہے کہ کمسن دودھ پیتے بچے کی وفات پر ماں مرحوم بچے کو

(۱) چونکہ مسلمان کی زندگی کا ہر پہلو رضائے خداوند کریم کا عکاس ہوتا ہے، بایں وجہ ہر لغو کام سے بچتا رہتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی کام سرزد نہ ہو جائے، لہذا ریا چونکہ ایک مذموم غیر ممدوح فعل ہے، اس سے بھی بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنا بہت اہم اور عبادت ہے۔

”عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ”من يسمع

يسمع الله به، و من يرائي يرائي الله به“۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الرياء والسمعة،

ص: ۳۱۰، قدیمی)

دودھ بخشتی ہے، اس کی اصل کیا ہے اور شرعی حقیقت کس قدر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دودھ بخشنا شرعاً بے اصل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محراب مسجد میں ایک مخصوص طغریٰ اور اس کا استلام

سوال [۹۶۳]: مکہ مسجد حیدرآباد میں مندرجہ ذیل کتبہ نصب ہے، اس طغریٰ کے سلسلہ میں چند باتیں وضاحت طلب ہیں۔

اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا إله إلا الله محمد رسول الله - أللهم صل على محمد و على آل

محمد و بارك و سلم ، أعلی سیدنا غوثنا أعظم محمد محی الدین

عبد القادر رحمہ اللہ تعالیٰ یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ.

سوال [۹۶۴]: ۲..... اس طغریٰ پر ایک پردہ پڑا رہتا ہے، نماز جمعہ کے بعد بہت سے لوگ بالالتزام پردہ

کے نیچے دونوں ہاتھ پھیر کر چہرہ پر عقیدت و احترام کے انداز میں ملتے ہیں، لوگوں کا یہ عمل شرعاً درست ہے یا نہیں؟

طغریٰ کے سامنے امام کا کھڑا ہونا

سوال [۹۶۵]: ۳..... اگر امام اس طغریٰ کے روبرو کھڑا ہو تو نماز میں کسی قسم کا حرج تو نہیں ہے؟

محراب سے طغریٰ کو ہٹانا

سوال [۹۶۶]: ۴..... طغرے کی مجموعی حیثیت و نوعیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمائیے کہ اس

کو محراب سے الگ کر دینا چاہئے یا نہیں؟

سوال [۹۶۷]: ۵..... جو امام اس طغریٰ کو حسب حال رکھنے کے حق میں ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنی

چاہئے یا نہیں؟ یا دوسری مسجد میں پڑھنا بہتر ہوگا؟

در اصل سوال تو ایک ہی ہے مگر الگ الگ شقیں نکال کر لوگوں کے لئے موضوع بحث بنی ہوئی ہیں، علماء

و مشائخ، عوام و خواص کے درمیان یہ مسئلہ زیر بحث ہے۔ گزارش ہے کہ ہر شق کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں تاکہ مسلمانوں کے لئے مشعل راہ بن سکے۔ فقط۔

نعمت اللہ جنگ لائن، عابد روڈ، حیدر آباد۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... ایسے طرز پر کوئی چیز لکھنا یا تحریر لکھنا کہ نمازی کا دھیان ادھر جائے مکروہ ہے جیسے نقش و نگار سے روکا جاتا ہے (۱)۔

۲..... یہ استلام اور پھر اس کا بھی التزام بر بنائے عقیدت و احترام موجب فساد عقائد اور خلاف طریقہ سیدالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے (۲)۔

۳..... نماز سب کی ہو جائے گی، خاص کر جب کہ اس پر پردہ پڑا ہوا ہے، نظر کے سامنے نہیں، نہ اس کی پرستش مقصود ہے نہ اس کا ایہام ہے۔

۴..... بالکل فوراً الگ کر دیا جائے، مگر ایسے طریقہ پر کہ فتنہ نہ ہو، نرمی سے مسئلہ بتا کر فہمائش کر دی

(۱) ”و لا بأس بنقشه خلا محرابه، فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي، ويكره التكلف بدقائق النقوش و نحوها خصوصاً في جدران القبلة، قاله الحلبي، وفي حظر المجتبى: وقيل: يكره في المحراب دون السقف والمؤخر، انتهى. و ظاهره أن المراد بالمحراب جدار القبلة“. (الدر المختار، أو آخر باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۱/ ۶۵۸، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، قبيل باب الوتر والنوافل: ۲/ ۶۴، ۶۵، رشيدية)

(۲) استلام کا حکم صرف طواف کے موقع پر حجر اسود اور رکین کا ہے، مذکورہ استیلام کی نہ شریعت مطہرہ میں کوئی نظیر ہے نہ اس کی اجازت ہے، بلکہ اس جیسی بدعات محرمہ غیر مرضیہ کی شدید مذمت آئی ہے:

”عن جابر بن عبد الله قال: كان رسول الله ﷺ يقول في خطبته: ”إن أصدق الحديث

كتاب الله، و أحسن الهدى هدى محمد، و شر الأمور محدثاتها، و كل محدثة بدعة، و كل بدعة ضلالة، و كل ضلالة في النار“. الحديث (سنن النسائي، كتاب العيدين، كيف الخطبة:

جائے (۱)۔

۵..... امام صاحب کی خدمت میں ادب سے درخواست کی جائے کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ اس کو علیحدہ کر دیں، یہ حکم شرعی ہے اس کے خلاف نہیں کرنا چاہئے، نماز ان کے پیچھے ترک کر کے مسجد کو ویران نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۵ھ۔



(۱) ”و شرطها (أى الأمر بالمعروف والنهي عنه) أن لا يؤدى إلى الفتنة كما علم من الحديث، و أن يظن قبوله، فإن ظن أن لا يقبل، فيستحسن إظهاراً لشعار الإسلام“. (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۵۶۲/۸، رقم الحديث: ۵۱۳۷، رشیدیہ)

دفع مصائب کے لئے بعض اعمال کا بیان

دفع مصائب کے لئے ختم بخاری شریف اور سوالا کھ کا ختم

سوال [۹۶۸]: دارالعلوم دیوبند میں جو ختم شریف ہوتا ہے خواہ کسی کی وفات پر ہو یا دفع مصائب کے لئے، اور خواہ کلمہ طیبہ پڑھا جائے یا آیۃ الکرسی مگر پڑھنے کی تعداد سوالا کھ متعین ہے، اس پر کیا دلیل شرعی ہے؟ ایک عالم اس کو بدعت کہتے ہیں جو شریک دارالعلوم دیوبند رہ چکے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نفس ایصال ثواب میں تو کوئی اشکال نہیں مگر تعداد متعین کرنا بدعت ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل سے تحریر فرمائیں حالانکہ اپنے مشائخ کی شرکت کو شہادت میں پیش کیا گیا مگر قرآن و حدیث سے ثبوت مانگتے ہیں۔

۲..... بخاری شریف پڑھ کر دعا مانگنے پر کیا دلیل ہے، ورنہ یہ بھی بدعت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... دفع مصائب کے لئے جو ختم پڑھا جاتا ہے وہ بطور علاج ہے، اس کے لئے قرآن و حدیث سے ثبوت ضروری نہیں، صرف اتنا کافی ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے منافی و معارض یعنی شرعاً ممنوع و مذموم نہ ہو، جیسا کہ غیر شرعی رقیہ ممنوع ہے، ایسے ہی ختم میں جو تعداد متعین ہے وہ ایسی نہیں جیسی رکعت نماز کی تعداد یا اشواط طواف کی تعداد ہے کہ اس کے لئے صراحۃً ثبوت ضروری ہے بلکہ وہ ایسی تعداد ہے جیسے حکیم نسخہ میں لکھتے ہیں، عنب ۵ دانہ، بادام ۷ دانہ کہ یہ تجربات سے ثابت ہیں، اس کے لئے قرآن و حدیث سے ثبوت طلب کرنا بے محل ہے، جب اس ختم کی شان معالجہ کی ہے تو بدعت کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔ تعداد کا تجربہ سے متعین کر دینا خلاف شرع نہیں، علاج کے لئے سات کنویں کا پانی سات مشکوں میں منگانا تو خود حدیث شریف سے بھی ثابت ہے (۱)۔

(۱) "قالت عائشة رضي الله تعالى عنها: فقال النبي صلى الله عليه وسلم بعد ما دخل بيتها، =

۲..... اس کی نوعیت بھی تقریباً وہی ہے: ”قرأ كثير من المشائخ والعلماء والثقات صحيح البخاري لحصول المرادات وكفاية المهمات وقضاء الحاجات ودفع البليات وكشف الكربات وصحة الأمراض وشفاء المريض عند المضائق والشدائد، فحصل مرادهم، وفازوا المقاصد، ووجدوه كالترياق مجرباً، وقد بلغ هذا المعنى عند علماء الحديث مرتبة الشهرة والاستفاضة اه“، مقدمة لأمع، ص: ۲۳ (۱)۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ طریقہ علاج ہے نہ کہ تعبد، پھر اس کو بدعت کی حد میں لانا بدعت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غنی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غنی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۸۷ھ۔

مصیبت کو دفع کرنے کے لئے صدقہ

سوال [۱۹۶۹]: کسی مصیبت کے آنے پر صدقہ کیا جاتا ہے، مثلاً: ہمارے یہاں کا دستور ہے کہ اگر بارش نہیں ہوتی ہے تو اپنے گاؤں سے، خاندان سے پیسہ، گڑ، چاول وغیرہ مانگ مانگ کر جمع کرتے ہیں، پھر اس کو پکاتے ہیں، اور گاؤں کے سب ہی بچوں کو بلا امتیاز غریب و امیر کھلاتے ہیں اور خود بھی کھاتے ہیں، لہذا یہ کھانا یا ان بچوں کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے، زیادہ تر اس سے اپنے گاؤں کی ناموری اور مفاخرت کی نیت ہوتی ہے (۲)

= واشتدبه وجعه: ”أهريقوا على من سبع قرب لم تحلل أو كيتهن، لعلى أعهد إلى الناس“، (صحيح البخاري، كتاب الطب، باب بلا ترجمه بعد باب اللدود: ۲/۸۵۱، قديمي)

(۱) (مقدمة لامع الدراري شرح صحيح البخاري، الفصل الثاني في الكتاب، وفيه أيضاً فوائد، الفائدة الثانية: ۱/۲۳، المكتبة الحيوية مظاهر علوم سہارنپور)

(۲) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”المتباريان لا يجابان، ولا يوكل طعامهما“.

قال الإمام أحمد: يعني المتعارضين بالضيافة فخرأ ورياء“، (مشکوٰۃ المصابيح، كتاب النكاح،

باب الوليمة، الفصل الثالث، ص: ۲۷۹، قديمي)

اور صدقہ تو غریبوں کا حق ہے، غریبوں کی حاجتیں مخفی طریقہ پر پوری کی جائیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۷/۹۲ھ۔

رفع و باء کے لئے اذان

سوال [۹۷۰]: وبائے بیماری و وبائے بارش کے موقعوں پر گائوں کے چاروں طرف صحیح اذان کہنے والے دس پانچ آدمی مل کر اگر ایک مرتبہ اذان دیں تو اس کی اجازت ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو سنن میں سے ہے یا بدعت حسنہ میں سے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کوئی شرعی چیز نہیں، لہذا ایسے وقت اذان کہنا سنت نہیں اور غیر سنت کو سنت سمجھنا ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= قال الملا علی القاری تحت هذا الحديث: ”(المتباریان): أى المتفاخران فى الضیافة (لا یجابان): أى لا أولهما ولا آخرهما، لفساد غرضهما، وسوء قصدهما (بالضيافة فخرا وریاء): أى لا إحساناً ابتداءً ولا مكافأة إنتهاءً“. (مرقاۃ المفاتیح، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الثالث: ۳۷۶/۲، ۳۷۷، مکتبہ حنفیہ پشاور)

(۱) قال الله تعالى: ﴿إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنَعَّمَا هِيَ، وَإِنْ تُخْفَوْهَا وَتُؤْتَوْهَا الْفُقَرَاءَ، فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ، وَيَكْفُرْ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ، وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾. (البقرة: ۲۷۱)

قال العلامة الألوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ”عن أبی أمامة أن أباذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: یا رسول اللہ! أى الصدقة أفضل؟ قال: ”صدقة السر إلى فقير، أو جهد من مقل، ثم قرأ الآية“، (روح المعانی: ۴/۲۴، دار إحياء التراث العربی)

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فى فتح الباری: ”المراد خير الصدقة ما أغنيت به من أعطيتہ عن المسألة“. (كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى: ۳/۳۷۸، قديمی)

(۲) فقہاء کرام رحمہم اللہ نے جہاں جہاں نماز کے علاوہ اذان کو جائز لکھا ہے، وہاں پر مذکورہ اور اس قسم کی دیگر کاموں میں اذان کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ظاہر عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جیسے کاموں کے لئے اذان دینا غیر مشروع ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے درمختار کے =

دفع و باوبلا کے لئے اذان

سوال [۹۷۱]: یہاں بخار، ملیریا وغیرہ کی عام شکایت ہے، مسجد یا غیر مسجد میں کسی بلا، یا بیماری کے دفع کرنے کے لئے چند آدمی مل کر یا علیحدہ علیحدہ اذانیں دیں تو شرعاً جائز ہے؟

۲..... اس قسم کی اذان کیا وقت نماز یا غیر وقت میں کہی جائے تو جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲۱..... بلا کے دفعیہ کے لئے اذان کہنا ثابت بلکہ مستحب ہے (۱) اور بخار کے دفعیہ کے لئے اذان کہنا ثابت نہیں ہے، شرعاً دفع بلا کے لئے اذان اس طرح کہی جائے کہ اذان نماز کا اشتباہ نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۵/۱۰/۶۱ھ۔

جنات کے دفعیہ کیلئے خنزیر کی بھینٹ (۲) چڑھانا

سوال [۹۷۲]: ہندہ پر بعقیدہ عوام آسب کا خلل ہے وہ وقتاً فوقتاً کھیلتی رہتی ہے، ہندہ اور اس کے گھر کے لوگوں نے مسلم عاملین کو دکھا کر ہندو اوجھا (۳) کو دکھلایا، اس نے اپنے طریقہ کار اور عقیدہ کے مطابق

=قول: "ولایسن لغيرها کعید" کے تحت لکھا ہے: "أی ووتر وجنازة وکسوف واستسقاء وتر اویح الخ"۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ جب ان مقامات میں اذان غیر مشروع ہے تو دوسرے مقامات مثل مذکورہ مواضع میں بھی غیر مشروع ہے اور غیر مشروع کو عبادت یا مشروع اور سنت سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔

(۱) "و یسن ایضاً (أی الأذان) عن الهم و سوء الخلق لخبر الديلمي عن علي رضي الله تعالى عنه: رأني النبي صلى الله تعالى عليه وسلم حزينا، فقال: "يا ابن أبي طالب! إني أراك حزينا، فمُر بعض أهلك يؤذن في أذنك، فإنه درأ لهم". قال: فجزبته فوجدته كذلك". و قال كل من رواه إلى علي: إنه جزبه، فوجدته كذلك، و روى الديلمي عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من ساء خلقه من إنسان أو دابة، فأذنوا في أذنه". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب الأذان، قبيل الفصل الأول: ۲/۳۳۰، ۳۳۱، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی المواضع التي یندب لها الأذان اهـ: ۱/۳۸۵، سعید)

(۲) "نذرونا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۴۳، فیروز سنز)

(۳) "جھاڑ پھونک کرنے والے برہمنوں کی ایک ذات"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۶، فیروز سنز)

اس کی دیکھ بھال کی، لیکن ہندہ اچھی نہیں ہوئی۔ اوجھا کے گھر آتے جاتے ہندہ نے دیکھا کہ دوسرے اس طرح کے مریض کے لئے ہندو عامل خنزیر کی بھیٹ چڑھاتا ہے اور وہ اچھے ہو رہے ہیں، لہذا یہ بات ہندہ اور اس کے گھر والوں کے ذہن میں بیٹھ گئی۔

ایک روز ہندہ نے کھیتے ہوئے اپنے گھر والوں سے کہا کہ ہم پر تم لوگ خنزیر کا بھیٹ چڑھاؤ تو چھوڑیں گے ورنہ نہیں چھوڑ دیں گے، خنزیر بھی ایک روز کا تخلیق شدہ ہو، چنانچہ ہندہ کے گھر کے لوگوں نے چار خنزیر کے بچے جو ایک روز کے تخلیق شدہ تھے چالیس روپیہ پر خرید کر لائے اور ان کا گلا دبا کر بھیٹ چڑھائے، یہ مشیت ایزدی تھی کہ ہندہ آج تک ٹھیک نہیں ہوئی۔ جب ہندہ کے برادری کے لوگوں نے یہ واقعہ سنا تو ہندہ اور اس کے گھر والوں کو برادری سے نکال دیا اور سوشل بائیکاٹ کر دیا۔

اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ برادری کے لوگوں کا ہندہ اور اس کے گھر والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا از روئے شرع کہاں تک صحیح ہے؟ کیا ہندہ اور اس کے گھر کے لوگ اس فعل کی وجہ سے خارج از ایمان تو نہیں ہو گئے، اگر ہو گئے تو ایمان اور برادری میں انھیں کس طرح واپس لایا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بھیٹ چڑھانا سخت غلطی ہوئی، خنزیر کی بیع و شراء بھی باطل ہے (۱) اور معصیت ہے، ان لوگوں کو توبہ اور استغفار لازم ہے، غیر اللہ کے نام کی نذر کو ”بحر“ میں شرک لکھا ہے (۲)، اس لئے احتیاط کا بھی تقاضا یہ ہے کہ وہ کلمہ پڑھ کر تجدید ایمان بھی کر لیں اور اپنی غلطی کا اقرار ندامت کے ساتھ کریں، پھر ان کا بائیکاٹ ختم کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۹۰ھ۔

(۱) ”وشعر الخنزیر لنجاسة عينه، فيبطل بيعه“، الدر المختار (لنجاسة عينه): أي عين الخنزير: أي

بجميع أجزاءه“۔ (رد المحتار، باب البيع الفاسد: ۵/۷۱، سعید)

(۲) ”وأما النذر الذي ينذره أكثر العوام على ما هو مشاهد كأن يكون لإنسان غائب أو مريض

فهذا النذر باطل بالإجماع، لوجود: منها أنه نذر مخلوق، والنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة

لا تكون للمخلوق، ومنها: إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى، واعتقاده ذلك

كفر“۔ (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۰، رشیدیہ)

دفع بلا کے لئے بھینٹ

سوال [۹۷۳]: ہمارے گاؤں میں مارکنڈا دریا جو کہ گاؤں سے دو چار قدم کے فاصلہ پر آگیا جس سے گاؤں کو بہت خطرہ ہے، لہذا ہمارے گاؤں میں ایک پیر جی ریڑی تاجپورہ کے آئے ہوئے تھے، انھوں نے مارکنڈہ میں دور جا کر کوئی پچاس قدم کے فاصلہ پر مارکنڈہ میں دعاء خیر کی اور یہ فرمایا کہ اس جگہ ایک بکرہ صدقہ ذبح کیا جائے اور اسی جگہ وہ پکایا جائے۔ آیا بکرہ اس جگہ ذبح کرنا مارکنڈہ میں درست ہے یا نہیں؟ اور پیر جی صاحب بے علم بھی ہیں، کچھ تعلیم نہیں، لیکن مرید پیر جی کے بہت ہیں۔ اس مسئلہ کا مفصل جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دفع بلا کے لئے صدقہ کرنا بہتر اور نافع ہے (۱)۔ اصل علاج اپنے گناہوں سے توبہ کرنا (۲) اور خدا اور مخلوق خدا کے حقوق کو ادا کرنا اور احکام شرعی کی پابندی کرنا ہے۔ خاص طور سے اسی جگہ پر جانور ذبح کرنے کی شرعاً کوئی اصل موجود نہیں، یہ ایک ٹوٹکا ہے جو بے علم اور کچے عقیدہ کے آدمی کرتے ہیں کہ دریا کی بھینٹ دیدی

(۱) "عن أنس بن مالک رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الصدقة لتطفئ غضب الرب، وتدفع ميتة السوء". (جامع الترمذی، کتاب الزکوۃ، باب فضل الصدقة: ۱۴۴/۱، سعید)

قال العلامة المناوی تحت هذا الحديث: "يمكن حمل إطفاء الغضب على المنع من إنزال المكروه في الدنيا، وخامة العقابة في العقبى... كأنه نفى الغضب وأراد الحياة الطيبة في الدنيا والجزاء الحسن في العقبى". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳/۲۷۱، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وَأَن تَسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ، يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى، وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ﴾. الآية (هود: ۳)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالى تحتها: "والمعنى كما قيل: يعشكم في أمن وراحة... قال الزجاج: المراد ببقيتكم ولا يستأصلكم بالعذاب كما استأصل أهل القرى الذين كفروا، والخطاب لجميع الأمة بقطع النظر عن كل فرد فرد". (روح المعاني: ۱۱/۲۰۸، دار إحياء التراث العربی)

جائے تو دریا نقصان نہیں پہونچاتا (۱)۔ اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۷/۶۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف ۲۰/رجب/۶۴ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ۔

دفع مشکلات کے لئے پرندوں کو دانہ ڈالنا

سوال [۹۷۴]: ایک صاحب بغرض ثواب یا اپنی مشکلات کے دفع ہونے یا اپنے کسی مقصد کی برآری کے لئے پرندوں (چڑیوں) کو دانہ چھنے کے لئے ڈالتے ہیں، چند حضرات اسے بدعت بتاتے ہیں، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چڑیوں کو دانہ ڈالنا اور نیت کرنا کہ اللہ تعالیٰ میری مشکلات دور فرمائے، گناہ نہیں، مگر ضرورت مند انسان صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں، ایک پیاسے کتے کو کسی نے پانی پلا دیا تھا تو اس کی بخشش ہو گئی تھی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

دفع بلا کے لئے چیلوں کو گوشت ڈالنا

سوال [۹۷۵]: زید کا رد بلا یا پریشان کن خواب دیکھنے کے بعد بطور صدقہ چیلوں کو گوشت دینا شرعاً کیسا ہے؟

(۱) یہ نذر غیر اللہ ہونے کی بناء پر حرام ہے۔ کما تقدم تخريجه تحت عنوان: ”جنات کے دفعیہ کے لئے خنزیر کی بھیشت چڑھانا“ (راجعہ)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب ما یلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قدیمی)

(۲) ”عن أبی هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أن رجلاً رأى كلباً يأكل الثرى من العطش، فأخذ الرجل خفه، فجعل يغرف له به حتى أرواه، فشكر الله له، فأدخله الجنة“ (صحيح البخاری، کتاب الوضوء، باب إذا شرب الكلب في الإناء: ۲۹/۱، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ردِ بلا کے لئے صدقہ کا مستحق انسان ہے، اگر کوئی انسان مستحق صدقہ نہ ملے تب جانور مستحق ہیں، انسان مستحق کے ہوتے ہوئے چیلوں کو دینا گویا ضائع کرنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

دفع وباء کے لئے تعزیہ کی نذر

سوال [۹۷۱]: احقر نماز پنجوقتہ کا پابند ہے، تہجد اور اشراق بھی ادا کرتا ہے، احقر کی بستی میں ہیضہ کی بیماری چل رہی تھی، بستی کے مسلمانوں نے ہیضہ کے دفعیہ کے لئے تعزیہ مانا، اس کے لئے عام بستی میں چندہ کیا، کبھی لوگ چندہ میں شریک ہوئے، مگر میں اور میرے چند رفقاء چندہ میں شریک نہیں اور جلوس میں شرکت نہیں کی۔ اس بناء پر بستی کے لوگوں نے احقر اور احقر کے رفقاء سے قطع تعلق کر لیا، اور حقہ پانی بند کر دیا اور کہا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور وہابی شیطان ہیں اور یہ بھی کہا کہ جو نماز زیادہ پڑھتا ہے وہ کافر وہابی شیطان ہوتا ہے۔ اور (حالانکہ) نماز کا تو ایک سجدہ بھی اگر خدا قبول کر لے تو کافی ہے۔ تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جو لوگ تعزیہ نہ بنائیں اور اس سے مرادیں نہ مانگیں اور اس کے جلوس میں شریک نہ ہوں تو کیا وہ واقعی کافر اور شیطان ہیں؟ میرا چندہ میں شرکت نہ کرنا جائز تھا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے بالکل ٹھیک کیا، ایمان کا تقاضہ یہی ہے، اللہ پاک آپ کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کرے، جو کچھ وہ لوگ کفریات کرتے اور بکتے ہیں (۱) ان سے ہرگز متاثر نہ ہوں، حق تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔



(۱) "عن ابي ذر رضى الله عنه انه سمع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "لا يرمى رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا اردت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قديمي)

کتاب العلم

ما يتعلق بطلب العلم

(طلب علم کا بیان)

علم ضروری کیا ہے؟

سوال [۹۷۷]: جس علم کو حاصل کرنے کی حدیث شریف میں تاکید فرمائی اس کی تعریف کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اس علم کی تعریف یہ لکھی ہے: ”والمراد بالعلم: العلم الشرعی الذی یفید معرفة ما یجب علی المکلف من أمر دینہ فی عباداتہ و معاملاتہ، والعلم باللہ و صفاتہ و ما یجب له من القيام بأمرہ و تنزیہہ عن النقائص. و مدار ذلك علی التفسیر والحديث والفقہ“ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ ۵۶/۱۲/۲۷ھ

کیا علم دین سیکھنے کے لئے عربی سیکھنا ضروری ہے؟

سوال [۹۷۸]: زید کہتا ہے کہ علم فقہ اور عربی ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور قرآن پاک اور اردو

مسائل کی کتب پڑھنے والا علم دین سے ناواقف ہے۔ بکر کہتا ہے کہ علم دین ہر مسلمان پر فرض ہے اور علم دین یہ ہے

(۱) (فتح الباری، کتاب العلم، باب فضل العلم: ۱/۱۴۱ رقم الحدیث: ۵۹، دار الفکر بیروت)

”قال العلامة فی فصولہ: من فرائض الإسلام تعلم ما یحتاج إلیہ العبد فی إقامة دینہ و إخلاص عملہ للہ تعالیٰ و معاشرۃ عبادہ، و فرض علی کل مکلف و مکلفۃ بعد تعلمہ علم الدین و الهدایۃ تعلم علم الوضوء والغسل“۔ (مقدمة رد المحتار، قبیل مطلب فی فرض الکفایۃ ۱/۴۲، سعید)

کہ قرآن پاک اور پانچ رکن جو بنیاد اسلام کہلاتے ہیں، ان کے مسائل جاننا ہی فرض ہیں نہ کہ فارسی عربی پڑھنا۔
الجواب حامداً و مصلیاً:

نفس علم دین کے سیکھنے کی فرضیت پر اتفاق ہو گیا، بحث صرف زبان کی رہ گئی کہ کس زبان میں سیکھے۔
تدریس میں شریعت نے کسی خاص زبان کی خصوصیت نہیں رکھی، بلکہ جس زبان سے یہ مقصد حاصل ہو سکے اور
سہولت سے سمجھ میں آجائے اس میں سیکھ لیا جائے، لیکن نماز میں قرآن کریم کو عربی ہی میں پڑھنا چاہئے، یہ نہیں
کہ اردو میں ترجمہ پڑھ لے۔ اور اس قدر قرآن کریم حفظ کرنا فرض عین ہے جس کے بغیر نماز درست
نہیں ہوتی (۱) اور بغیر عربی پڑھے قرآن اور حدیث شریف کا پورا انکشاف بھی نہیں ہوتا، حدیث شریف میں عربی
زبان کی فضیلت بھی وارد ہے، محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اہل جنت کی زبان بھی عربی
ہے (۲)۔ فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بستان العارفین میں ایک مستقل باب اس امر کے لئے منعقد
کیا ہے (۳) لہذا عربی نہ سیکھنا ایک بڑی نعمت سے محرومی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ شوال/ ۱۶۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "طلب العلم فريضة
على كل مسلم". الخ. وقال الملا على القاري رحمه الله تعالى: " (طلب العلم): أي الشرعي (فريضة):
أي مفروض فرض عين (على كل مسلم) قال الشراح: المراد بالعلم ما لا مندوحة للعبد من تعلمه
كمعرفة الصانع والعلم بوحدايته ونبوة رسوله و كيفية الصلاة، فإن تعلمه فرض عين". (مراقبة
المفاتيح: ۴/۱، كتاب العلم، رشيدية)

(کذا فی فتح الباری: ۱/۱۴۱ کتاب العلم، دار الفکر، بیروت)

(و کذا فی رد المحتار: ۴۲/۱، مطلب فرض العين افضل من فرض الکفاية، سعید)

(۲) قوله عليه الصلاة والسلام: "أحبوا العرب لثلاث: لأنى عربى، والقرآن عربى، وكلام أهل
الجنة عربى". (المستدرک للحاکم: ۸۷/۴، فضل كافة العرب، دار الفکر بیروت)

(ومجمع الزوائد: ۵۲/۱۰، باب ماجاء فی فضل العرب، دار الفکر بیروت)

(وفیض القدیر: ۳۳۹/۱، رقم الحدیث: ۲۲۵، مکتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة) =

علم باطن کیا ہے؟

سوال [۹۷۹]: علم باطن کیا ہے اور علم باطن کیا ہے نمازی کو بھی ہو سکتا ہے؟

علم باطن جب ہی نافع ہے جب کہ ظاہر شریعت پر بھی عمل ہو، جو شخص فرض نماز کو ترک کرتا ہے اس کو علم باطن سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود غفنى عنه، دار العلوم ديوبند، ۲۵/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۲/۸۸ھ۔

کثرتِ عبادت بہتر ہے یا تحصیلِ علمِ شریعت؟

سوال [۹۸۰]: کثرتِ عبادت بہتر ہے یا تحصیلِ علمِ شریعت؟ اور کیا کثرتِ عبادت سے کرامت اور تحصیلِ علمِ شریعت سے کامل ہدایت جاری ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً :

عباداتِ نافلہ کی کثرت موجب رفع درجات ہے، تحصیل علم شریعت میں جدوجہد کی کثرت کا فائدہ متعدی ہے جو کہ اعلیٰ ہے، اخلاص بہر حال ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود غفر له دار العلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۱ھ۔

= (وكذا في رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٢/٢١٩، سعيد)

(۳) (کتاب البستان لأبی الیث السمرقندی، ص: ۶۸، الباب السادس والعشرون، باب تفضیل لسان العربیة علی غیرها، مطبع فاروقی دهلی)

(۱) "فمن اعتقد في بعض الهله أو المولعين مع تركه لمتابعة الرسول في أقواله وأفعاله وأحواله أنه من أو لياء الله فهو ضال مبتدع، مخطئ في اعتقاده، ولا يقال: يمكن أن يكون هذا متعباً في الباطن وإن كان تاركاً للإتباع في الظاهر، فإن هذا خطأ أيضاً، بل الواجب متابعة الرسول صلى الله عليه وسلم ظاهراً وباطناً الخ". (مهذب شرح العقيدة الطحاوية، تحت قول الماتن: ولا تصدق من يدعى شيئاً يخالف الكتاب والسنة، ص: ۴۲۳، ۴۲۶، مكتبة الغرباء الجامعة الستارية، كراچی)

(٢) "طلب العلم والفقه إذا صحت النية أفضل من جميع أعمال البر، وكذا الاشتغال بزيادة العلم إذا =

والدین کا علم دین حاصل کرنے سے روکنا

سوال [۹۸۱]: زید تحصیل علوم دینیات کر رہا ہے اور اس کا رجحان دیوبندی کی طرف ہے اور اس کے باپ اور عزیز واقارب اس کو روکتے ہیں، ایسی حالات میں اگر زید اپنے باپ اور عزیز قریب کے حکم کی تعمیل کرتا ہے تو یہ فعل زید کا بہتر ہے یا نہیں؟ فقط والسلام راقم: راہ حق کا ایک طالب علم ایک مسلمان، مورخہ ۵/نومبر/۱۹۳۶ء۔

الجواب حامداً و مصلياً :

بقدر ضرورت تو تحصیل علم ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے (۱) اگر والدین اس سے روکتے ہیں تب

= صحت النية؛ لأنه أعم نفعاً، لكن بشرط أن لا يدخل النقصان في فرائضه“۔ (الفتاویٰ البزازیة: ۳۷۸/۶، کتاب الاستحسان، نوع، رشیدیہ)

”و قال ابن وهب: “كنت عند مالك بن أنس فجاءت صلاة الظهر أو العصر، وأنا أقرء عليه، وأنظر في العلم بين يديه، فجمعت كتيبي، وقمت لأركع، فقال لي مالك: ما هذا؟ قلت: أقوم للصلاة، قال: إن هذا لعجب، فما الذي قمت إليه بأفضل من الذي كنت فيه إذا صحت النية“۔ (جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر: ۱/۱۲۲، رقم: ۱۱۶)

و قال الشافعي: “طلب العلم أفضل من الصلاة النافلة“۔ (جامع بيان العلم وفضله: ۱/۱۲۳، رقم: ۱۱۸)

”و روى عنه بلفظ آخر: “ليس بعد أداء الفرائض شيء أفضل من طلب العلم، قيل له: ولا الجهاد في سبيل الله؟ قال: “ولا الجهاد في سبيل الله“۔ (تعليقات جامع بيان العلم وفضله: ۱/۱۲۳)

(۱) ”عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: “طلب العلم فريضة على كل مسلم“۔ (سنن ابن ماجه، ص: ۲۰، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، مير محمد کتب خانہ کراچی)

قال ابن عابدين: “قال العلامی فی فصوله: من فرائض الإسلام تعلم ما يحتاج إليه العبد في إقامة دينه و إخلاص عمله لله تعالى و معاشره عباده، و فرض على كل مكلف و مكلفة بعد تعلمه علم الدين و الهداية تعلم علم الوضوء و الغسل“۔ (ردالمحتار: ۱/۴۲۱، قبيل مطلب في فرض الكفاية و فرض العين، سعيد)

(و فتح الباری، کتاب العلم، باب فضل العلم: ۱/۱۴۱ رقم: ۵۹، دار الفكر بیروت)

تو والدین کی اطاعت زید کے ذمہ واجب نہیں بلکہ ناجائز ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں (۱) اور تجمیع علوم میں فرض کفایہ ہے، اس سے اگر روکتے ہیں تو زید کو ان کی اطاعت ضروری ہے اور بستی میں ایک عالم ہونا بھی لازم ہے، اگر کوئی اور عالم وہاں موجود ہے تب بھی زید کے ذمہ تکمیل ضروری نہیں، اگر اور عالم نہیں صرف زید ہی تعلیم حاصل کر رہا ہے اور والدین زید کی خدمت وغیرہ کے اس قدر محتاج نہیں کہ بلا زید کے گزر دشوار ہو۔ نیز زید اس قدر کم عمر اور نا سمجھ نہیں کہ اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو زید والدین کی حکم کی تعمیل نہ کرنے سے گناہ گار نہ ہوگا۔ اور اگر اس وجہ سے روکتے ہیں کہ زید فرقہ بریلویہ سے نکل کر فرقہ دیوبندیہ میں جا ملے گا تو یہ ان کی سخت غلطی ہے، اس سے ان کو خود ہی رکنا چاہئے اور اس تعمیل حکم نہ کرنے سے گناہ گار نہ ہوگا بلکہ ماجور ہوگا، کیونکہ راہ حق معلوم کرے گا، خود گمراہی سے بچے گا اور کیا عجب ہے کہ اللہ جل شانہ اس کے ذریعہ دوسرے لوگوں اور اس کے والدین و اعزہ کو بھی گمراہی سے بچالیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، یکم / رمضان / ۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم / رمضان / ۱۳۵۵ھ۔

والدین کی مرضی کے خلاف علم دین کے لئے سفر کرنا

سوال [۹۸۲]: مسمی محمد مکرم علم دین حاصل کرنے کے لئے پردیس میں جاتا ہے اور اس کے والدین چاہتے ہیں کہ محمد مکرم ہم کو چھوڑ کر پردیس میں نہ رہے، بلکہ وہ ہمارے پاس رہ کر کچھ کمانے کی کوشش کرے تاکہ ہم لوگ آخری وقت میں سہولت کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں، لیکن محمد مکرم بالکل نہیں چاہتا ہے کہ وہ حصول علم کو چھوڑ کر دنیاوی کام میں لگ کر اپنی زندگی برباد کرے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ صرف اس کے والدین نہیں ساری دنیا ناراض اور سب ان سے جدائی حاصل کر لیں جب بھی وہ حصول علم دین میں ذرا سستی نہیں کرتا ہے۔ لہذا دریافت طلب یہ ہے کہ علم دین حاصل کرنا والدین کے حکم کی نافرمانی کر کے کیسا ہے جائز ہے کہ ناجائز؟

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا طاعة لأحد في معصية الله تبارك و تعالى". (مسند

الإمام أحمد: ۵/۶۷، رقم الحديث: ۲۰۱۳۸، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً :

بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنا فرض عین ہے، لیکن تکمیل نصاب فرض عین نہیں ہے (۱)۔ اگر والدین حاجت مند ہیں، کما نہیں سکتے تو ان کی خدمت حسب وسعت لڑکے پر لازم ہے، مکان پر رہ کر آہستہ آہستہ کچھ علم بھی حاصل کرتا رہے اور ان کی خدمت بھی کرتا رہے، ان کو ناراض نہ کرے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۰ھ۔

”علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین“ کی تشریح

سوال [۹۸۳]: علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین کی تعریف کیا ہے؟ دنیا میں اللہ پاک کی ذات کے بارے میں علم الیقین کے بعد عین الیقین ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو کس طرح؟ بہر حال یہ تینوں یقین کب کب ہوں گے؟ کہاں کہاں ہوں گے؟ اور کس کس کے لئے ہوں گے؟ مہربانی فرما کر ذرا تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اس مسئلہ کو لکھیں، دلائل بھی لکھیں اور حوالہ بھی دیں۔ ایک بدعتی پیر کے ساتھ بحث ہے، اس نے لوگوں کی نماز بند کر دی ہے کہ جب تم کو عین الیقین حاصل نہیں ہے تو نماز کس کی پڑھتے ہوں؟ ۲۹ شعبان کا دن ہے، اس

(۱) ”واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين وهو بقدر ما يحتاج لدينه، وفرض كفاية وهو ما زاد عليه لنفع غيره.“ (الدر المختار: ۱/۴۲، المقدمة، سعيد)

”وقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”طلب العلم فريضة على كل مسلم.“ (سنن ابن ماجه، ص: ۲۰، باب فضائل العلم، مير محمد)

(و كذا في مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، باب فضل: ۱/۴۷۷، رشيدية)

(۲) قال العلامة الحصكفي: ”وله الخروج لطلب العلم الشرعي بلا إذن والديه“ قال ابن عابدين: ”و في الخانية: ولو أراد الخروج إلى الحج و كره ذلك، قالوا: إن استغنى الأب عن خدمته فلا بأس، وإلا فلا يسعه الخروج لأن مراعاة حقهما فرض عين.“ (الدر المختار مع رد المحتار،

كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۸، سعيد)

لئے جلد ارسال فرمائیں، اگر کسی کتاب میں اس کی تفصیل ہو تو وی پی کر دیں، میں چھڑوا لوں گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض کسی علم کی بناء پر یقین ہو، مثلاً: کسی معتقد علیہ سے سنا ”النار محرقة“ یقین کر لیا کہ آگ جلانے والی ہے (۱)، پھر اس نے دیکھا کہ کاغذ آگ میں ڈالا تھا جل گیا، یہ عین الیقین ہو گیا (۲)، پھر اپنا ہاتھ آگ میں داخل کر دیا وہ جل گیا، جس کا اثر بغیر کسی کے بتائے ہوئے خود محسوس ہوا یہ حق الیقین ہو گیا (۳)۔

اس دنیا میں ذات باری تعالیٰ کی رویت آنکھوں سے نہیں ہوتی: ﴿لَا تَدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ الایۃ (۴)، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی تھی: ﴿رَبِّ ارْنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ﴾ (۵)، جواب میں ارشاد ہوا: ﴿لَنْ تَرَانِیْ﴾ (۶)۔ نیز حدیث جبریل میں احسان کو دریافت کرنے پر فرمایا گیا ہے: ”أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَأَنَّکَ تَرَاهُ“ (۷) ”کأن“ حرف تشبیہ ہے، کیونکہ دنیا میں حقیقی رویت نہیں ہوتی اور عند الشرع مطلوب بھی نہیں، ایمان بالغیب مطلوب ہے۔ شیخ اکبر رحمہ اللہ تعالیٰ اور مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تفصیل مذکور ہے، صوفیائے کرام نے جو مقامات لکھے ہیں بندہ ان سے واقف نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۸/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۸/۹۱ھ۔

(۱) قال ابن حجر الهيتمي المكي: ”علم اليقين، وهو ما ينشأ عن النظر والاستدلال“۔ (الفتاوى

الحديثيه، ص: ۴۰۵، مطلب في الفرق بين اليقين، قديمي)

(۲) ”وعين اليقين، وهو ما يكون من طريق الكشف والنوال“۔ (الفتاوى الحديثيه، المصدر السابق)

(۳) ”و حق اليقين، وهو مشاهدة الغيب مشاهدة العيان، كما يشاهد الرائي“۔ (الفتاوى الحديثيه،

المصدر السابق)

(۴) (الأنعام: ۱۰۴)

(۵) (الأعراف: ۱۴۳)

(۶) (الأعراف: ۱۴۳)

(۷) (صحيح البخاري: ۱/۱۲، كتاب الإيمان، قديمي)

کیا عقل کو شرعی دلائل میں دخل ہے؟

سوال [۹۸۴]: عقلی دلائل کو دخل ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب حامداً و مصلیاً :

عقل صحیح شرعی احکام کے حکم و مصالح کو پہچانتی ہے اور اوامر و نواہی کے حسن و فتح یعنی مامورات کے حسن کو اور منہیات کے فتح کو جانتی ہے، جیسا کہ شرح تحریر میں موجود ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

تعلیم کا مقصد

سوال [۹۸۵]: بچہ کو کس واسطے پڑھایا جاتا ہے اور قرآن شریف کس مقصد کے لئے نازل ہوا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اس لئے پڑھایا جاتا ہے کہ حق اور ناحق کو سمجھے اور جان لے کہ اس دنیا میں اس کی ذمہ داری کیا ہے جس کے پورا کرنے سے آخرت میں راحت ملے گی اور پورا نہ کرنے سے سخت تکلیف ہوگی (۲)۔ اس مقصد کے لئے

(۱) ”العقل نور فی القلب یعرف بہ الحق والباطل اعلم أن العقل الذی هو مناط التکلیف الشرعیة مختلف أهل الشرع و الظاهر أن العقل صفة غزيرة يلزمها العلم بالضروریات عند سلامة الآلات، و هی الحواس الظاهرة والباطنة“۔ (قواعد الفقه ص: ۳۸۵، العقل، الصدف پبلیشرز)
(کذا فی شرح العقائد النسفیة ص: ۲۰، مبحث أسباب العلم، قدیمی)

”و قال بعض المحققین: العلم أفضل باعتبار أنه أقرب إلى الإفضاء إلى معرفة الله و صفاته، والعقل أفضل باعتبار أنه منبع للعلم و أصل، و حاصله أن فضیلة العلم بالذات و فضیلة العقل بالوسیلة إلى العلم“۔ (الفتاویٰ الحدیثیة، ص: ۲۴۱، قدیمی)

(۲) قال الله تبارک و تعالیٰ: ﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾ (سورة الفاطر: ۲۸)

قال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالى: ”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: ”العالم بالرحمن من عباده من لم يشرك به شيئاً، و أحل حلاله و حرم حرامه، و حفظ وصيته، و أيقن أنه ملاقيه، و محاسب بعمله، و قال الحسن البصري: العالم من خشي الرحمن بالغيب، و رغب فيما رغب الله فيه، و زهد فيما سخط الله فيه“۔ (تفسير ابن كثير: ۳/ ۷۳۰، مكتبة دار السلام، رياض)

قرآن کریم بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ابتداءً اس کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ اس کے الفاظ سے قلب میں نور پیدا ہو اور اس کی برکت سے آئندہ سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا داعیہ پیدا ہو (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۸/۱۰/۹۰ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوڑا ہاتھ میں لیکر بازار میں مسائل کی تعلیم دینا

سوال [۹۸۶]: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں کوڑا ہاتھ میں لیکر گشت کرتے تھے اور تجارت زراعت کے مسائل بیان کرتے تھے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جی ہاں، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دین کی بہت اشاعت فرمائی ہے (۲)۔ اللہ پاک ہمیں بھی ان کے اتباع کی توفیق دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۹۰ھ۔

(۱) قال الإمام شاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ: ”ومنها تلاوة القرآن واستماع المواعظ، فمن ألقى السمع إلى ذلك، وفي القرآن تطهير للنفس عن الهيات السفلية، وهو قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لكل شيء مصقلة و مصقلة القلب تلاوة القرآن“۔ (حجة الله البالغة: ۲۲۴/۱، قدیمی)

(و كذا في فتح الباری: ۹۲/۹، كتاب فضائل القرآن، دار الفكر بیروت)

(۲) ”عن سعيد بن المسيب قال: مرّ عمر بن الخطاب على حاطب بن أبي بلتعة رضى الله تعالى عنه، و هو يبيع زبيبا له فى السوق، فقال له عمر: ”إما أن تزيد فى السعر، و إما أن ترفع من سوقنا“۔

”و عن القاسم بن محمد أن عمر رضى الله تعالى عنه مرّ بحاطب يسوق المصلى و بين يديه غراتان فيهما زبيب، فسأله عن سعرهما، فسعر مدين بكل درهم، فقال له عمر: ”قد حدثت بعير مقبلة من الطائف تحمل زبيبا، و هم يعتبرون بسعر ك، فإما أن ترفع فى السعر، و إما أن تدخل زبيك البيت فتبيعه كيف شئت“، فلما رجع عمر حاسب نفسه، ثم أتى حاطبا فى داره، فقال له: إن الذى قلته ليس بعزمة و لا قضاء، و إنما هو شيء أردت به الخير لأهل البيت، فحيث شئت فبع، و كيف شئت فبع“۔ (كنز العمال: ۱۸۳، ۱۸۴، كتاب البيوع من قسم الأفعال، باب فى الاحتكار والتسعير، مكتبه التراث الإسلامى)

اجماع کی حجیت

سوال [۹۸۷]: اجماع کے حجت ہونے کی دلیل قرآن و حدیث سے ثابت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”إجماع الصحابة حجة بلا خلاف اه“۔ إرشاد الفحول، ص: ۷۲ (۱)، آیت قرآنی: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ سے بھی حجت اجماع پر استدلال کیا گیا ہے، کذا فی احکام القرآن للجصاص: ۱/۱۰۱ (۲)۔ متعدد احادیث بیان کی گئی ہیں:

”لن تجمع أمتی علی ضلالة“۔ لا تجمع أمتی علی ضلالة، وید اللہ علی الجماعة، ومن شدَّ شدَّ فی النار“ (۳)۔ ”من فارق الجماعة شبراً، فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه“ (۴)۔ وغير ذلك من الروایات والآیات۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفری عنہ۔

(۱) (إرشاد الفحول، المقصد الثالث فی الإجماع، البحث السابع، ص: ۱۴۸، مصطفى أحمد البنا، مکہ المکرمہ)

(۲) ”وفی هذه الآية دلالة على صحة إجماع الأمة من وجهين: أحدهما: وصفه إياها بالعدالة، وأنه خيار، وذلك يقتضي تصديقها والحكم بصحة قولها، ونافٍ لإجماعها على الضلال. والوجه الآخر قوله: (لتكونوا شهداء على الناس) بمعنى الحجة عليهم الخ“۔ (أحكام القرآن، باب القول في صح الإجماع: ۸۸/۱، دارالکتب العربی، بیروت)

(۳) ”عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”إن الله لا يجمع أمتي“ أو قال: ”أمة محمد“۔ على الضلالة، وید اللہ علی الجماعة، ومن شدَّ شدَّ فی النار“۔ رواه الترمذی۔

”وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”اتبعوا السواد الأعظم، فإنه من شدَّ شدَّ فی النار“۔ رواه ابن ماجه“۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۳۰ قديمی)

(۴) (المشکوٰۃ، المصدر السابق، ص: ۳۱)

فقہی جزئیات کا مقام حیثیتِ ادلہ

سوال [۹۸۸]: کتبِ اصولِ فقہ میں ادلہ شرعیہ چار بتلائے ہیں:

۱: کتاب اللہ۔ ۲: سنت رسول اللہ۔ ۳: اجماع امت۔ ۴: قیاس مجتہد۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسائلِ فقہیہ عملیہ کس دلیل شرعی کی حیثیت رکھتے ہیں، ان مسائل کو قرآنی درجہ دیا جائے، یا حدیثِ نبوی کے درجہ میں رکھا جائے، یا اجماعی کہا جائے، یا قیاسی سمجھا جائے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح ادلہ شرعیہ کی ایک حیثیت نہیں اسی طرح ان سے ثابت شدہ مسائل کی بھی ایک حیثیت نہیں، پھر لحوق ثبوت میں بھی بہت تفاوت ہے، اس لئے ان ادلہ کی تقسیمات متعددہ کر کے ہر تقسیم کے اقسام اور ان کے احکام کی تفصیلات کو اصولِ فقہ کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض مسائلِ فقہیہ درجہ قرآن کریم میں ہیں، بعض درجہ حدیث شریف میں ہیں، بعض درجہ اجماع میں، بعض درجہ قیاس میں۔

نصوص شرعیہ سے متعلق چند معلومات

سوال [۹۸۹]: قواعد شرعیہ اسلامیہ جو نصوص قطعہ کی دعوت سے مسلمانوں پر رکھے گئے ہیں وہ کسی وقت بھی قابلِ تغیر و تبدل ہیں یا نہیں؟
۲..... وہ امر جو نصوص قطعہ سے ثابت ہو، اس میں علماء میں سے کسی فرد کو ترمیم یا تنسیخ کر دینے کا شرعاً حق پہنچتا ہے یا نہیں؟

۳..... قرآن کریم قانونِ اسلامی ہے یا نہیں؟ اگر قانونِ اسلامی ہے تو یہ قانون الی یوم القیامۃ قائم رہنے کا حق کامل رکھتا ہے یا نہیں؟

۴..... قرآن کریم میں جس قدر احکامات بعبارة النص یا باشارة النص ثابت ہیں ان کی حمایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً یا فعلاً فرمائی ہے یا نہیں؟

۵..... قرآن کی تفسیر واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی علمی و عملی و قولی ہے یا نہیں؟

۶..... قرآن و حدیث دونوں نے مل کر جو راہِ عمل بتلائی، مسلمانوں کو الی یوم القیامۃ عمل کرنے کے لئے

کامل ہے یا ناقص؟

۷..... اگر کامل ہے تو موجودہ زمانے کا مسلمان اپنی ذاتی اغراض یا کسی اور مصلحت کی بناء پر اس میں اپنی مرضی سے تغیر و تبدل کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟

۸..... کیا قرآن و حدیث مع اپنی تفسیرات مشہورہ اور اپنی اپنی تنقیحات مقبولہ اور فقہیہ مسلمانوں کا قابل عمل اور حوادثِ زمانہ سے بے خوف بنادینے والا قانون ہے یا نہیں؟

سائل: علی حسن، مدرسہ جامعہ عربیہ نور الاسلام، شاہ پیر دروازہ، میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر کردہ جملہ امور اہل علم حضرات کے لئے بدیہی ہیں۔ تعارضِ اولہ کی وجہ سے یا رائج و مرجوح کے عدم تعین کی بناء پر کوئی خلجان ہو تو واضح بھی کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۴/۹۲ھ۔

مسائل فقہیہ میں تعارض کے وقت ترجیح کا طریقہ

سوال [۹۹۰]: جب فقہی مسائل میں تعارض ہو تو ان میں صورتِ تطبیق کیا ہے؟ اور جب شیخین و طرفین و صاحبین میں اختلاف ہو تو فتویٰ کس کے قول پر دیا جائے، حالانکہ ردالمحتار: ۱/۵۳، میں لکھا ہے:

”المقرر عندنا أنه لا يفتى ولا يعمل إلا بقول الإمام الأعظم، ولا يعدل عنه إلى قولهما، أو قول أحدهما إلا بضرورة كمسئلة المزارة“ (۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسم المفتی میں اصولِ تطبیق و ترجیح کو بیان کیا ہے:

وهنا صواب محررة غدت لدى أهل النهي مقررّة
فی كل أبواب العبادات رُجح قول الإمام مطلقاً مالم تصح

عنه رواية بها الغير أخذ
كل نوع بالقضاء تعلقا
وفى مسائل ذوى الأرحام قد
ورجحو استحسانهم على القياس
وظاهر المروى ليس يُعدّل
لا ينبغى العدول عن دراية
كل قول ينفى الكفرا
وكل ما رجع عنه المجتهد
وكل قول فى الممتون أثبتا
فرُجحت على الشروح والشروح
مالم يكن سواه لفظاً صحيحاً
مثل تيمّم لمن تمر انبذ
قول أبى يوسف فيه ينتقى
أفتوا بما بقوله محمد
إلا مسائل ومافيها التباس
عنه إلى خلافه إذ يُنقل
إذا أتى بوفقهها رواية
عن مسلم ولو ضعيفاً أخرى
صار كمنسوخ فغيره اعتمد
فذلك ترجيح له ضمناً أتى
على الفتاوى القدم من ذات رجوع
فالأرجح للذى به قد صرحا
(رسم المفتى، ص: ۴۳) (۱)۔

ردالمحتار کی عبارت منقولہ فی السؤال کے پس و پیش میں بھی ان ضوابط محررہ کی شرح موجود ہے، ان کے علاوہ اور بھی ضوابط ہیں جن پر علامہ شامی رحمہ اللہ نے خوب بسط سے کلام کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ذیقعدہ/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ذیقعدہ/۶۴ھ۔

مخلوق کی پیدائش کس ترتیب سے ہوگی؟

سوال [۹۹۱]: ساری مخلوق کی پیدائش کس ترتیب سے ہوئی؟

(۱) (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۱۰۹، رقم البيت: ۴۰-۵۲، الرشید (وقف))

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سلسلہ میں ایک حدیث پیش کرتا ہوں اس سے اپنا مطلب حل کر لیں:

”وعنه: أى عن أبى هريرة رضى الله تعالى عنه قال: أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدي، فقال: ”خلق الله التربة يوم السبت، وخلق فيها الجبال يوم الأحد، وخلق الشجر يوم الإثنين، وخلق المكروه يوم الثلاثاء، وخلق النور يوم الأربعاء، وبث فيها الدواب يوم الخميس، وخلق آدم بعد العصر من يوم الجمعة فى آخر الخلق وآخر ساعة من النهار فيها بين العصر إلى الليل“. رواه مسلم“ (۱) مشكوة شريف، ص: ۵۱۰ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۷/۹۵ھ۔

مسائل کے لئے استخارہ

سوال [۹۹۲]: کسی بدعتی سے کہا جائے کہ میلا کر نابدعت ہے تمہارا جی چاہے نماز استخارہ پڑھ لو، جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

مسائل کے جائز و ناجائز ہونے کا دار و مدار دلائل شرعیہ پر ہے (۳) استخارہ پر نہیں، استخارہ ایسی چیز دیکھنے کے لئے نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

(۱) (الصحيح لمسلم، كتاب صفة المنافقين وأحكامهم، باب صفة القيامة والجنة والنار: ۳۷۰/۲، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، باب بدء الخلق وذكر الأنبياء عليهم السلام، ص: ۵۱۰، قديمي)

(وأيضاً مسند الإمام أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني رحمه الله تعالى، مسند أبى هريرة - رضى الله تعالى عنه - ۶۲۷/۲، إحياء التراث العربى، بيروت)

(۳) ”فموضوعه على المختار الأدلة والأحكام جميعاً، الأول من حيث أنه مثبت، والثانى من حيث أنه مثبت (اعلم أن أصول الشرع ثلاثة) والأصول جمع أصل والمراد بها ههنا الأدلة والشرع إن كان بمعنى المشروع فاللام فيه للجنس: أى أدلة الأحكام المشروعة الكتاب

والسنة وإجماع الأمة، والأصل الرابع القياس“. (نور الأنوار: ۴، ۵، سعيد)

نہ جاننے والے قاضی کو لا علم کہنا

سوال [۹۹۳]: کیا صحیح طریقہ پر شریعت کے نہ جاننے والے کو یہ کہنا کہ آپ کو شریعت کا علم نہیں

ہے، جرم ہے؟

۲..... اگر ایسا شخص جماعت کا صدر ہے اور اس کو مشورہ دیا جائے کہ چونکہ آپ کو شریعت کا علم نہیں ہے،

اس لئے قاضی صاحب کو ساتھ لے کر فیصلہ دیں تو کیا یہ مشورہ دینا غلط ہے؟

ایضاً

سوال [۹۹۴]: ۳..... اگر جماعت کا صدر انگریزی داں وکیل ہے اور شریعت کا مکمل علم نہ رکھتا ہو

اور اس کو یہ کہا جائے کہ آپ شریعت کا علم نہیں رکھتے، اس لئے قاضی صاحب کو ساتھ لے کر فیصلہ دیں تو کیا

جماعت اور صدر جماعت کی توہین ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... شریعت سے واقف آدمی اگر کسی ناواقف کو یہ بات کہے کہ آپ کو شریعت کا علم نہیں تو یہ صحیح ہے،

جرم نہیں، جیسے کوئی قانون داں وکیل کسی ناواقف کو کہدے کہ آپ کو قانون کا علم نہیں تو یہ بات صحیح ہے، جرم

نہیں (۱)۔

۲..... جو شخص شریعت سے واقف نہیں اس کو لازم ہے کہ واقف شریعت سے علم شریعت حاصل کرے

(۱) ”وفی هذا الحديث فوائد السابعة: جواز تحدث المرء بما فيه من فضل بحسب الحاجة

لذلك عند الأمن من المباهات والتعاضم“ (فتح الباری، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”أنا

أعلمکم باللہ الخ“: ۹۸/۱، قدیمی)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (عالمگیری کتاب الکراہیۃ، باب المتفرقات: ۳۷۷/۵، رشیدیہ)

”فی الحديث: ”اللهم اهد قومی، فإنهم لا یعلمون.“ (الدر المنثور: ۲۹۸/۲، بیروت طبع جدید)

(وأيضاً فی المشکوۃ، کتاب الرقاق، باب التوکل والصبر، ص: ۴۵۴، قدیمی)

اور اس کی نگرانی میں کام کرے (۱)۔

۳..... اس مشورہ دینے میں توہین نہیں البتہ ناواقف شریعت کو شرعی جماعت کا صدر بنانے میں جبکہ فیصلہ بھی شرعی احکام کے کرنے کی نوبت آتی ہو جماعت کی توہین ہے، کیا ذمہ داری ہے کہ وہ فیصلے شریعت کے موافق ہوں گے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۳/۹۴ھ۔

عالم دین کو کوتاہی پر ٹوکنا

سوال [۹۹۵]: ایک عالم دین کی اگر فرائض و شرائط وضو میں اور شرائط نماز، فرائض نماز میں اگر عملاً کوتاہیاں ہوں تو بحیثیت عالم دین ہونے کے نہیں ٹوکنا چاہیے، چونکہ وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے یا خلاف شرع امور میں ”خطائے بزرگان گرفتن خطا است“ کا مصداق ہونے کا خطرہ تو نہیں ہوگا؟ جیسا کہ پارہ نمبر ۲۴، سورہ مومن کے رکوع: ۱ کے حاشیہ پر محشی نے ایک حدیث کی امام نووی رحمہ اللہ کی شرح لکھی ہے کہ کسی حق بات کے معلوم کرنے کی نیت سے یا صحیح مسئلہ دریافت ہو جانے کی غرض سے اختلاف ہو تو جائز ہے، شریعت میں مخالفت نہیں۔ اس میں کون سی بات درست ہے؟

(۱) ”طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة“۔

”طلب العلم فريضة بقدر الشرائع وما يحتاج إليه لأمر لا بد منه من أحكام الوضوء والصلاة وسائر الشرائع، ولأموار معاشه. وما وراء ذلك ليس بفرض، فإن تعلمها فهو أفضل، وإن تركها فلا إثم عليه.“ (الفتاوى العالمكيريّة، كتاب الكراهية، باب المتفرقات: ۵/۳۷۷، رشيدية)

(و كذا في كتاب الحظر والاباحة، باب التعليم، ص: ۷۱)

(۲) ”إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة“

(صحيح البخاري، كتاب العلم باب من سئل علماً وهو مشغول في حديثه: ۱/۱۴، قديمي)

”قال الحافظ: ”ومناسبة هذا المتن لكتاب العلم أن إسناد الأمر إلى غير أهله إنما يكون عند

غلبة الجهل ورفع العلم.“ (فتح الباري: ۱/۱۹۰، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو بات کسی عالم دین کی اپنی معلومات کے خلاف نظر آئے جس سے شبہ پیدا ہو کہ یہ عالم صاحب غلطی پر ہیں یا اپنے کو غلط علم ہے، اس کے متعلق ان عالم صاحب سے دریافت کر لیا جائے کہ زید نے یہ مسئلہ بتایا ہے، یہ صحیح ہے یا غلط، اس طرح اصل مسئلہ کی تحقیق بھی ہو جائے گی اور ان عالم صاحب پر اعتراض بھی نہ ہوگا۔ اگر وہ غلطی پر ہوں گے تو ان کی اصلاح کی طرف بھی توجہ ہو جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۶/۹۴ھ۔

جس چیز کے کئی رکن ہوں تو کیا ہر رکن کو ادا کرنا ضروری ہے؟

سوال [۹۹۶]: کیا شریعت کا کوئی ایسا عمل یا فعل یا عبادت ہے کہ اگر اس کے چند فرائض میں سے صرف ایک فرض ادا کر لیا جائے تو وہ عمل یا فعل یا عبادت عند الشریعت مکمل ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو فعل یا عبادت چند فرائض سے مرکب ہو تو اس کی ادائیگی ان تمام فرائض پر موقوف ہوگی، بعض فرائض ادا کر لینے سے اس فعل یا عبادت کی حقیقت شرعیہ وجود میں نہ آئے گی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۱ھ۔

انسان میں عناصر اربعہ

سوال [۹۹۷]: آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے عناصر اربعہ سے پیدا فرمایا ہے اور ہر عنصر کی کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلقت آدم علیہ السلام میں عناصر اربعہ ہیں، ہر عنصر کی کتنی اقسام ہیں، مجھے اس کی تحقیق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۶/۱۴۰۱ھ۔

(۱) "اعلم أن الفرض ما ثبت بدليل قطعي لا شبهة فيه كالإيمان والأركان الأربعة، وحكمه اللزوم علماً

..... أي لزوم اعتقاد حقيقية وعملاً بالبدن". (رد المحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۳/۲، سعيد)

"الركن اصطلاحاً ما يقوم به ذلك الشيء من التقويم؛ إذ قوام الشيء بركنه" (قواعد الفقه،

التعريفات الفقهية ص ۳۰۹، الصدف)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (القاموس الفقہی حرف الفاء، ص: ۲۸۲، إدارة القرآن)

قبلہ و کعبہ وغیرہ بعض خطابات کا حکم

سوال [۹۹۸]: متعلقہ خطابات جیسے: ۱: قبلہ و کعبہ۔ ۲: قبلہ عالم۔ ۳: حکیم الامت۔ ۴: حکیم الاسلام۔ ۵: کعبہ دو جہاں۔ ۶: قبلہ کونین، فلاح دارین۔ ۷: قبلہ مقصود حیات۔ ۸: اعلیٰ حضرت، یہ کہنایا خط و کتابت میں تحریر کرنا یا پتھر پر کندہ کر دینا مثلاً بزرگوں کی خاص کر ان بڑوں کے مزار پر ان کی یادگار کے لئے جو جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے بڑوں کی خاص کر ان بڑوں کی جن سے فیض پہونچا ہو تعریف فطری اور احساس شناسی ہے جو کہ موجب خیر و ترقی ہے، لیکن حد سے بڑھانا اور غلط تعریف کرنا منع ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق بھی تعریف میں مبالغہ کرنے سے منع فرمایا ہے (۱) پس۔ ۱، ۲، ۳، ۶، ۷، والے القاب سے احتراز کیا جائے، ان کی زندگی میں بھی بعد الوفا بھی، زبان میں بھی تحریر میں بھی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

(علمی اصطلاحات اور عبارات کا حل)

فرض، واجب وغیرہ کی تعریف

سوال [۹۹۹]: فرض، واجب، سنت مؤکدہ، غیر مؤکدہ، مستحب، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، بدعت کی تعریف بتلائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرض: جس کے کرنے کا حکم دلیل قطعی سے ثابت ہو (۲)۔ واجب: جس کے کرنے کا حکم دلیل ظنی

(۱) "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تفضلونی علی الأنبیاء"۔ (ابن کثیر، سورة البقرة: ۳۰۴/۱ سہیل)

(وبمعناہ فی مسند أحمد ابن حنبل عن أبی ہریرۃ: ۵۱۹/۲، دارالاحیاء التراث)

(وصحیح البخاری، کتاب الخصومات، باب ما یدکر فی الأشخاص: ۳۲۴/۱، قدیمی)

(۲) "فالفرض أعم منهما (أی من الشرط والركن) و هو ما قطع بلزومه" (الدر المختار، کتاب الصلوۃ،

أركان الوضوء: ۹۴/۱، سعید)

سے ثابت ہو (۱)۔ سنت مؤکدہ: جس پر مواظبت ثابت ہو (۲)۔ مکروہ تحریمی: جس کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہو (۳)۔ مکروہ تنزیہی: جو مستحب کے مقابلہ میں ہو یعنی جس کا نہ کرنا شرعاً پسندیدہ ہو (۴)۔ بدعت: جو

= و هو بمعنى قولهم : ما لزم فعله بدليل قطعي“. (البحر الرائق ، كتاب الطهارة : ۲۴/۱ رشیدیہ)

(و كذا في منحة الخالق على البحر الرائق : ۲۴/۱ ، رشیدیہ)

”فريضة : و هي ما لا يحتمل زيادةً ولا نقصاناً، ثبت بدليل لا شبهة فيه“. (نور الأنوار ، ص : ۱۶۶ ، سعید)

(۱) ”واجب : و هو ما ثبت بدليل فيه شبهة“. (قمر الأقمار حاشية نور الأنوار ، ص : ۱۶۶ ، سعید)

”وأما الحنفية فيقولون والواجب ، فهو ما ثبت بدليل ظني فيه شبهة“. (أصول الفقه

الإسلامي : ۴۷/۱ ، رشیدیہ)

(۲) ”والذي ظهر للعبد الضعيف أن السنة ما واطب عليه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ، لكن إن كانت لا مع الترك ، فهي دليل السنة المؤكدة ، وإن كانت مع الترك أحياناً ، فهي دليل غير المؤكدة“. (رد المحتار ، كتاب الطهارة ، أركان الوضوء : ۱۰۵/۱ ، سعید)

”وقال : سنة الهدى هي التي واطب عليها النبي صلى الله تعالى عليه وسلم تعبداً أو ابتغاء مرضات الله تعالى مع الترك مرةً أو مرتين بلا عذر ، أو لم يترك أصلاً ولكنه لم ينكر على التارك“۔ (قمر الأقمار حاشية نور الأنوار ، ص : ۱۶۷ ، سعید)

(و كذا في حاشية للكنوز رحمه الله تعالى على الهداية ، كتاب الطهارة : ۱۷/۱ مكتبة شرکت علمیه)

(و كذا في فتح القدير ، كتاب الطهارة : ۲۱/۱ ، مصطفى الحلبي مصر)

(۳) وفي البحر في مكروهات الصلوة : ”المكروه في هذا الباب نوعان : أحدهما : ما كره تحريماً و ذكر أنه في رتبة الواجب ، لا يثبت إلا بما ثبت به الواجب يعني بالظني الثبوت“۔ (رد المحتار ، كتاب الطهارة ، أركان الوضوء : ۱۳۲/۱ ، سعید)

(و كذا في البحر الرائق ، كتاب الصلوة ، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها : ۳۳/۲ ، رشیدیہ)

”المكروه تحريماً ، و هو ما طلب الشارع تركه على وجه الحتم والإلزام بدليل ظني“۔ (أصول

الفقه الإسلامي : ۸۵/۱ ، رشیدیہ)

(۴) ”المكروه تنزيهاً : و هو ما كان تركه أولى من فعله ، ويرادف خلاف الأولى“۔ (رد المحتار ، كتاب الطهارة ، أركان الوضوء : ۱۳۱/۱ ، سعید)

(و كذا في البحر الرائق ، كتاب الطهارة ، باب ما يكره في الصلوة و ما يكره فيها : ۳۳/۲ ، رشیدیہ)

”المكروه تنزيهاً : هو ما طلب الشارع تركه لا على وجه الحتم والإلزام“۔ (أصول الفقه الإسلامي : ۸۶/۱ ، رشیدیہ)

چیزیں دین نہ ہو اس کو دین سمجھنا (۱)۔ تفصیل کتب اصول میں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

فقہاء کے یہاں ”درست نہیں“ اور ”مکروہ تحریمی“ کا مطلب

سوال [۱۰۰۰]: فقہاء جب لفظ ”درست نہیں“ بولتے ہیں تو اس سے کیا مراد لیتے ہیں؟ اور مکروہ تحریمی جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی اجازت نہیں (۲)۔ مکروہ تحریمی ناجائز ہی ہے یعنی ایسا کرنا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی کرے تب یہی کہا جائے گا کہ نماز کراہت کے ساتھ ادا ہوگئی، پھر بعض صورتوں میں فرض ادا ہونے کے باوجود اس کا اعادہ لازم ہوتا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۹۲ھ۔

(۱) ”بدعة“: وہی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة“۔ (الدر المختار) و قال ابن عابدين: ”تعريف الشمنی لها بأنها ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قویمًا و صراطاً مستقیمًا“۔ (رد المحتار على الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۶۰/۱، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۶۱۱/۱، رشیدیہ)

(۲) فی الدر: ”کل ما لا يجوز ”مکروہ“۔ (الدر المختار: ۳۷۰/۱، کتاب الصلوة، سعید)

(۳) قال ابن عابدين: ”(قوله: و مکروہ) هو ضد المحبوب، قد يطلق على الحرام..... و على المکروہ تحريمًا: وهو ما كان إلى الحرام أقرب، و يسميه محمد حراماً ظنياً..... مکروہ فی هذا الباب نوعان: أحدهما ما کره تحريمًا، وهو المحمل عند إطلاقهم الکراهة..... و ذکر أنه فی رتبة الواجب لا یثبت إلا بما یثبت به الواجب، یعنی بالنهی الظنی الثبوت، فإن الواجب یثبت بالأمر الظنی الثبوت“۔ (رد المحتار: ۱۳۱/۱، مطلب فی تعريف المکروہ، سعید)

”و قد ذکر فی الإمداد: بحثاً أن کون الإعادة بترك الواجب واجبة لا يمنع أن تكون الإعادة مندوبه بترك سنة..... والحق التفصيل بین کون تلك الکراهية کراهة تحريم فتجب الإعادة أو =

صاحب ہدایہ نے ”قال العبد الضعیف“ کیوں کہا؟

سوال [۱۰۰۱]: ہدایہ فارسی کے دیباچہ ص: ۵ میں ہے:

”صاحب ہدایہ لفظ متکلم را برائے احتراز از صیغہ انانیت ذکر نہ کردہ است

واز ”قال العبد الضعیف“ خود را مراد میگرد۔“

۱..... صاحب ہدایہ نے انانیت سے کیوں احتراز کیا، اس کا کیا سبب ہے؟

۲..... اہل علم حضرات اگر اپنی تحریروں میں صاحب ہدایہ کی طرح صیغہ انانیت سے احتراز کریں تو یہ

احتراز علماء کے نزدیک کیسا ہے؟

۳..... کیا صاحب ہدایہ کے سوا متقدمین میں سے کسی اور صاحب نے بھی ایسا احتراز کیا ہے جیسا کہ

صاحب ہدایہ نے کیا؟ بینواتوجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر ”أنا“ کے بولنے اور لکھنے سے دل میں تکبر، خودی پیدا ہو، یا دوسروں کو تکبر کا گمان ہو تو ایسی صورت

میں مناسب یہ ہے کہ متکلم صیغہ ”انا“ سے احتراز کرے، اگر خالی الذہن ہو تو پھر احتراز کی حاجت نہیں۔ نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

﴿ قل إنما أنا بشر مثلكم ﴾ الاية (۱)۔

اسی طرح احادیث میں بہت جگہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو صیغہ ”انا“ سے تعبیر

فرمایا ہے (۲) بہت سے اکابر کا معمول رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو صیغہ ”انا“ سے تعبیر فرماتے تھے اور بہت سے

= تنزیہ فستحب“۔ (رد المحتار : ۱/ ۴۵۷، مطلب کل صلاة أدیت مع کراهة التحريم تجب إعادتها، سعید)

(و کذا فی فتح القدیر : ۱/ ۴۱۶، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره، مصطفى البابی الحلبي بمصر)

(۱) (سورة الکہف : ۱۱۰)

(۲) ”حدثنی یزید بن حبان التیمی قال قام رسول الله صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم يوماً خطیباً أما

بعد ! ”ألا یا أيها الناس إنما أنا“ بشر یوشک أن یأتینی رسول ربی الخ“۔ (مسند الإمام أحمد : ۴/ ۳۶۷،

= ۱/ ۴۲۰، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

دوسرے کلمات سے اور بعض حضرات کبھی صیغہ انا سے کبھی دوسرے کلمات سے۔ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱)، زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ (۳)، سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہم (۴) کی تصانیف میں ہر طرح کی نظیریں موجود ہیں۔ جس وقت یہ حضرات کسی بڑے شخص کی دلیل کا جواب دیتے ہیں اس وقت صیغہ انا سے زیادہ تراحت از کرتے ہیں کیونکہ یہ موقع ایسا ہے جس سے خود بھی طبیعت میں ایک بڑائی پیدا ہوتی ہے، اگر ایسا نہ ہو جیسا کہ اکابر کی شان اس سے بالاتر ہے تو کم از کم دوسروں کو شبہ ضرور ہوتا ہے، اس سے آپ کے ہر سہ سوالات کا جواب ہو گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۱/۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/۱/۵۹ھ۔

الفاظ: ”ثویبہ، عرب العرباء، ضرار“ کی تحقیق

سوال [۱۰۰۲]: لفظ ”ثویبہ“ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے۔ بضم ثاء مثلاً، وفتح، واو، وسکون یا مثلاً تحتانی، وفتح باء وباء ہوز، صحیح ہے یا بالفتح ثائے مثلاً، وسکون واو وکسریائے تحتانی، وفتح

= (و کذا فی المرقاة: ۲/۲۸، کتاب الإمارة والقضاء، مکتبہ حقانیہ پشاور)

”إن اتقاكم وأعلمكم بالله أنا“ (صحیح البخاری: ۷/۱، کتاب الإیمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أنا أعلمکم بالله، قدیمی)

(۱) مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں: ”إذا عرضت هذا الأصل فنقول: أقسام المملوك بحسب الزات وبحسب الأفعال غیر قناہیة“، (التفسیر الکبیر: ۱/۱۳۸، دار الکتب العلمیہ طہران)

(۲) قال المصنف: ”ویجعل السرة علی حاحبه الأيمن أو الأيسر، به ورد الأثر، قلت: یشد إلی حدیث أخرجه أو داوود فی سننه“، (نصب الراية، کتاب الصلوة: ۲/۸۳، مجلس علی)

(۳) وقد یدکر الشیخ حدیثاً فی الأول ونسبته أنا إلی غیر الشیخین“، (لمعات التنقیح، شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۲۶، مکتبہ المعارف العلمیہ، لاہور)

(۴) مثلاً: قلت: فی کأن خمس لغات، قال ابن مالک فی الکافیۃ الشافیۃ وفی کائن مثل کائن وکأن، وهکذا کسـی ء وکأین فاستبین“، (عقود الزیرجد فی أعراب الحدیث النبوی للسیوطی: ۱/۸۳، مسند

أبی بن کتب، مکتبہ دار الجلیل)

بائے مثناة، وہائے ہوز صحیح ہے، جواب ضرور دیں۔ ضرار بن ازور رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بفتح ضا و معجمہ ہے یا بکسر؟ اس کے معنی کیا ہیں؟ حضرت شہید رحمہ اللہ کے خطبہ میں لفظ ”عرب العرباء“ بکسر الراء مہملہ ہے یا بفتح الراء مہملہ، اور یہ عرب کی صفت ہے یا جمع، اور معنی کیا ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

”ثویبہ“ بضم الثاء مثله، وفتح واو، وسکون یائے مثناة تحتیہ، وفتح بائے موحده، وہاء ہوز صحیح ہے (۱)۔ ”ضرار“ بکسر الضاد بروزن کتاب صحابی کا نام ہے اور معنی نقصان پہونچانا ایک دوسرے کو (۲)۔ ”عرب“ بفتح تین بمعنی تازی مونث مستعمل ہے۔ اس کی صفت کے لئے تین صیغے مونث لائے جاتے ہیں: ایک ”عاربة“، دوسرا ”عربة“، تیسرا ”عرباء“، بفتح عین وسکون راء مہملہ، اس طرح ”عَرَبٌ عَارِبَةٌ، عَرَبٌ عَرَبِيَّةٌ، عَرَبٌ عَرَبَاءٌ“ اور ”عربات“ بھی اس کی صفت آتی ہے، اس کے معنی ہیں خالص عربی النسل (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

”حفظ الایمان“ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض

سوال [۱۰۰۳]: کیا مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے مرید سے نعوذ باللہ اپنے نام کا کلمہ پڑھوایا،

(۱) ”ثَوَيْبَةُ“: التي أرضعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وهي مولاة أبي لهب“. (الإصابة لابن حجر

العسقلاني رحمه الله تعالى، كتاب النساء، رقم الترجمة: ۱۰۹۷۰، ۶۰/۸، دار الكتب العلمية)

”وجعلها أبو إسحق من ثاب الماء يثوب، واستدل على ذلك بقولهم في تصغيرها: ثَوَيْبَةُ“

(لسان العرب، فصل: الثاء المثناة، تحت لفظ: ثبا، ۱۰۸/۱۴، دار صادر، بيروت)

(۲) ”والضرار“: فعال من الضر والضرار فعل الإثنيين وقيل: والضرار أن تضربه من غير أن

تنتفع“. (لسان العرب، فصل: الضاد المعجمة، تحت لفظ ضرر، ۳۸۲/۴، دار صادر، بيروت)

(۳) ”والعرب العاربة هم الخالص منهم، وأخذ من لفظه فأكد به كقولك: ليل لائل، تقول: عرب عاربة

وعرباء“. (لسان العرب، فصل العين المهملة، تحت لفظ عرب، ۵۸۶/۱، دار صادر، بيروت)

اگر ایسا ہے تو پھر ان کے متعلق شرعی کیا حکم ہے؟ کیا ایسی صورت میں مرید اور پیروں اسلام سے خارج نہیں ہو گئے؟ کیا کتاب ”حفظ الایمان“ کی عبارت کو دیکھ کر علماء حرمین نے ان کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا ہے؟ کیا کتاب ”حفظ الایمان“ میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے؟ ہم نے ”حفظ الایمان“ پڑھی لیکن اس کی عبارت اتنی سخت ہے کہ ہم لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، اس لئے آپ سے رجوع کیا۔

مولانا اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”صراطِ مستقیم“ کی عبارت پر اعتراض

سوال [۱۰۰۴]: کیا مولانا اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”صراطِ مستقیم“ میں یہ لکھا ہے کہ اگر نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجائے تو نماز فاسد ہو جائے گی، ایسا لکھا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے، نیز کیا علماء نے ان کے کفر کا فتویٰ دیا ہے؟ ازراہ کرم تفصیل سے جواب دیا جائے اور حق کو واضح کیا جائے۔ وودالحی، کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا القاری الحافظ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ حکیم الامت تھے، بہت بڑے بزرگ تھے، چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی نسبتوں کے جامع تھے۔ انہوں نے مدت دراز تک تدریس، تذکیر، تصنیف، تزکیہ کے ذریعہ دینی خدمات انجام دیں اور بہت بڑی جاہلوں کی جماعت کو عالم بنایا، فاسقوں کی جماعت کو متبع سنت اور صالح بنایا، غافلوں کی جماعت کو ذاکر بنایا، صحیح راہ سے بھٹکے ہوؤں کو راہ ہدایت پر چلایا، جو لوگ خدائے پاک کی معرفت سے نا آشنا تھے، ان کو عارف بنایا، قرآن کریم کی بہترین اور اپنے دور کی لا جواب تفسیر تحریر فرمائی جس کا نام ”بیان القرآن“ ہے، روزمرہ کے پیش آنے والے مسائل فقہیہ کے جوابات دیکر ”امداد الفتاویٰ“ کے نام سے بہت سی جلدیں شائع کیں۔

مبتدعین نے جو غلط باتیں بزرگان دین کی طرف منسوب کی تھیں ان کی تنقیح کر کے ایک ایک چیز کو صاف کیا، ان کیلئے مستقل کتاب ”السنة الجلیہ“ تصنیف فرمائی۔ حضرت شیخ ابن عربی پر جو اعتراضات کئے گئے تھے ان کی تردید کے لئے ”التنبیہ العربی“ تصنیف فرمائی، حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے لئے ”نشر الطیب“ تصنیف کی، درود شریف کے فضائل پر ”زاد السعید“ تصنیف کی، باطنی احوال اور ترقیات کے لئے ”الکشف“ تصنیف کی، سالکین کی اصلاح کیلئے ”تربیت السالک“ تحریر فرمائی۔

غرض ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف کی اور بہت بڑی تعداد اپنے خلفاء و مجازین کی چھوڑی جو اپنی

اپنی جگہ بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کے متعلق یہ اعتراض کہ انہوں نے اپنا کلمہ پڑھوایا اس کی تلقین کی جھوٹ اور غلط ہے، ان شاء اللہ اس کا حساب روز جزا ہوگا۔ کسی شخص نے کوئی خواب دیکھا اور وہ شخص اس وقت تک مولانا کا مرید بھی نہیں تھا، خواب میں اس نے کلمہ پڑھا جو اس کی زبان سے غلط ادا ہوا، بیدار ہونے پر اس کو سخت بے چینی لاحق ہوئی کہ خواب میں میری زبان سے کیسا غلط کلمہ نکلا، انتہائی اضطراب اور قلق کی حالت میں اس نے اس کلمہ کو درست پڑھنا چاہا مگر زبان قابو میں نہیں تھی، پھر اسی طرح سے اس کی زبان سے غلط لفظ نکلا جس پر اور زیادہ اضطراب پیدا ہوا، یہاں تک کہ جان نکلنے کا اندیشہ ہو گیا۔ اس لئے یہ سب حال لکھ کر بھیجا جس پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے شدید اضطراب اور زبان کے بے اختیار ہونے کے تحت معذور قرار دیتے ہوئے تعبیر دی کہ تم جس کی طرف متوجہ ہونا چاہتے ہو وہ متبع سنت ہے، یعنی تم کو بھی ہر چیز میں اتباع سنت لازم ہے۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل ”امداد الفتاویٰ“ اور ”بوادر“ میں موجود ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لیں، کہیں بھی یہ نہیں کہ حضرت مولانا نے اس کو غلط کلمہ یا غلط درود پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ جو لوگ اصل حقیقت کو معلوم کرنے کے باوجود حضرت مولانا تھانویؒ کو یہ بہتان لگاتے ہیں، وہ اپنی قبر کے لئے آگ جمع کرتے ہیں اس کے لئے تیار رہیں، اور جو لوگ دوسروں کو بہکاتے ہیں ان کا انجام اور بھی خطرناک ہے۔

”حفظ الایمان“ کی عبارت ترجمہ عربی میں کر کے علمائے حریمین کی خدمت میں پیش کیا جس پر انہوں نے فتویٰ دیا کہ یہ عبارت کفریہ ہے اور جس کی یہ عبارت ہے وہ کافر ہے، وہ عبارت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی نہیں تھی، ان کی عبارت اردو ہے، بلکہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی تھی، جنہوں نے عربی میں ترجمہ بھی غلط کیا تھا جو کہ بہتان تھا، لہذا آپ خود غور کریں کہ علمائے حریمین کے فتویٰ کے مطابق تکفیر کس کی ہوئی۔ جب حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس کی وضاحت کیلئے مستقل ایک کتاب لکھی اس کا نام ہے ”بسط البنان“ (۱)۔ پھر اس عبارت کو بھی اس طرح تبدیل کیا کہ مبتدعین کو کسی قسم کا موقع نہ رہے، اس کا نام ہے ”تغیر العنوان“ (۲)۔ نیز حفظ الایمان کی متعدد شروح لکھی گئیں: ”توضیح البیان، تکمیل العرفان، خلاصۃ البیان“ وغیرہ، نیز مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے صاف صاف لکھا ہے کہ ”حسام الحرمین“ میں جو خبیث مضمون میری

(۱) (بسط البنان لكف اللسان عن كاتب حفظ الإيمان، انجمن إرشاد المسلمين، لاہور)

(۲) (تغیر العنوان فی بعض عبارات حفظ الإيمان، انجمن إرشاد المسلمين، لاہور)

طرف سے منسوب کیا گیا ہے، وہ میرا عقیدہ کیا ہوتا کبھی میرے خیال میں بھی نہیں آیا، میں اس کو کفر سمجھتا ہوں۔ اس سب کے باوجود ایک غلط چیز کو مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے ان پر کفر کا حکم لگانا آپ خود غور کر لیں، کس قدر خطرناک ہے، کیونکہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی بڑا فرما چکے کہ نہ یہ میرا مقصد ہے، نہ میری عبارت سے مفہوم ہوتا ہے، میں اس کو کفر سمجھتا ہوں، پھر بھی بعض لوگوں نے اپنے ایمان کا معیار یہی قرار دے لیا ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو کافر کہتے ہیں۔ حالانکہ صحیح بخاری میں ہے کہ: ”جو شخص کسی کو کافر کہے اور وہ واقعہ کافر نہ ہو تو یہ کلمہ کفر اسی کافر کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے“ (۱)۔

”صراط مستقیم“ فارسی زبان میں تصوف سے متعلق کتاب ہے، سید احمد صاحب کی ہدایات اس میں جمع ہیں، اس میں ایک لفظ ”صرف ہمت“ (۲) جو تصوف کی اصطلاح ہے، اس کے متعلق کچھ ہدایات دی ہیں اس کا ترجمہ ”خیال“ سے کرنا غلط ہے، اصطلاحات تصوف سے ناواقفیت ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ کے متعلق ایک کتاب ”الکوکبة الشہابیۃ فی کفریات اُبی الوہابیہ“ لکھی ہے اس میں ستر دلائل لکھے ہیں مولانا اسماعیل رحمہ اللہ کی تکفیر کے لئے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ”من شک فی کفرہ وعقابه فقد کفر“ کہ جو شخص مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے کفر اور عقاب میں شک کریں وہ خود کافر ہے، دوسرے مقام میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس کا نکاح ٹوٹ گیا، اولاد حرامی ہے، مگر اسی کتاب کے آخر میں مولانا احمد رضا خان صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ محتاط علماء اس کو (یعنی مولانا اسماعیل کو) کافر نہیں کہتے ہیں، یہی مفتی بہ ہے، ہم بھی کافر نہیں کہتے۔ اب بتائیں کہ جس کے کفر پر ستر دلائل قائم کر دیئے اور ثابت کر دیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین کی اور آخر میں لکھ دیا کہ ان کو کافر نہیں کہتے، خود ان کے ایمان، ان کے نکاح اور ان کی اولاد کا کیا حال ہوگا؟

آپ کے لئے فی الحال ایک چھوٹے سے رسالہ کا مشورہ دیتا ہوں اس کا نام ہے، ”غلط فہمیوں کا ازالہ“

(۱) ”عن اُبی ذر رضی اللہ عنہ أنه سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ”لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق،

ولا یرمیہ بالكفر، إلا ارتدت علیہ إن لم یکن صاحبہ كذلك“۔ (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب

ما ینہی عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قدیمی)

(۲) (أنظر التکشف، ص: ۴۱۸، توجیہ ہمت اوست، کتب خانہ اشرفیہ دہلی)

اس میں اکابر علماء، اولیاء اللہ پر کئے گئے اعتراضات کو لکھ کر ان کے جوابات دیئے گئے ہیں اور بہت ہی بہتر طریقہ پر سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ رسالہ مکتبہ نعمانیہ دیوبند سے بھی مل جائے گا۔ اور بھی متعدد کتابیں اس سلسلہ میں لکھی گئی ہیں۔ غصہ کے جذبات سے دماغ کو خالی کر کے تحقیق حق کے واسطے مطالعہ کیا جائے۔ واللہ

یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

زبان قابو میں نہ ہونیکا واقعہ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ ایک شخص کی زبان سے نکلا کہ ”اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں“ (۱) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تکفیر نہیں فرمائی کیونکہ بے اختیار نکلا تھا۔

ہر شخص و ہر مجمع سے ایسے بات کہی جائے جس کو اس کی سمجھ برداشت کر سکے، اہل علم سے علمی باتیں کہی جاتی ہیں، اہل معرفت سے معرفت کی باتیں، عوام سے سیدھی سادی باتیں۔ اگر متکلم کے ذہن میں معرفت کے بلند خیالات و جذبات ہوں اور مخاطب ان کے سمجھنے کے اہل نہ ہوں تو ان کے سامنے ان جذبات و خیالات کے بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، بلکہ فتنہ کا اندیشہ ہوگا، اس ضابطہ کے تحت تمام اہل علم و فضل بھی ہدایات دیا

(۱) ”حدثنا عبد الله بن مسعود حدیثین، أحدهما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والآخر عن نفسه، (إلى أن قال): ثم قال: ”لله أفرح بتوبة العبد من رجل نزل منزلاً، وبه مهلكة، ومعه راحلته عليها طعامه وشرابه، فوضع رأسه فنام نومة، فاستيقظ قد ذهب راحلته حتى اشتد عليه الحر والعطش أو ما شاء الله، قال: ارجع إلى مكاني، فرجع فنام نومة، ثم رفع رأسه فإذا راحلته عنده“۔ (صحيح البخاری، كتاب الدعوات، باب التوبة، ۹۳۳/۲، قديمی)

امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں صرف اتنا ہی نقل فرمایا ہے، وہ الفاظ اس میں نہیں جن کی طرف حضرت مفتی صاحب نے اشارہ فرمایا ہے، البتہ ان الفاظ کے ساتھ امام مسلم نے نقل فرمایا ہے:

”أنس بن مالك رضى الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”لله أشد فرحاً بتوبة عبده حين يتوب إليه من أحدكم كان على راحلته بأرض فلاة، فانفلتت منه وعليها طعامه وشرابه، فأيس منها، فأتى شجرة فاضطجع في ظلها قد أيس من راحلته، فبيناهو كذلك إذ هوبها قائمة عنده، فأخذ بخطامها، ثم قال من شدة الفرح: اللهم أنت عبدى وأنا ربك، أخطأ من شدة الفرح“۔ (الصحيح لمسلم، كتاب التوبة، قبيل باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبة: ۳۵۵/۲، قديمی)

کرتے ہیں: ”کلموا الناس علی قدر عقولهم“ (۱)، ”أمرنا أن ننزل الناس منازلهم“ (۲)۔

تنبیہ: ایک بات غور طلب ہے حسام الحرمین پر علمائے حرمین کے دستخط کرا کے تو یہاں کے لوگوں کو مرعوب کیا جاتا ہے، مگر اس طبقہ کا خود یہ حال ہے کہ علمائے حرمین کو کافر کہتے ہیں، وہاں جا کر بھی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، جماعت سے محروم رہتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

”صراط مستقیم“ کی عبارت پر اعتراض کا جواب

سوال [۱۰۰۵]: حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب مسمیٰ ”صراط مستقیم“ موجود ہے، اس کی بھی ایک عبارت نے ذہن کو خلجان میں ڈال دیا ہے، ذہن میں ایک قسم کا تزلزل پیدا ہو گیا ہے کہ واقعی بریلوی جو کہا کرتے ہیں سچ یا غلط؟ اب میں پریشان ہو کہ کیا کروں عبارت صراط مستقیم کی یہ ہے:

(۱) ”(أمرنا أن نكلم الناس على قدر عقولهم)“ رواه الديلمی بسند ضعيف عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما مرفوعاً، وفي الآلي بعد عزوه لمسند الفردوس عن ابن عباس مرفوعاً قال: وفي إسناده ضعيف ومجهول انتهى. وقال في المقاصد وغيره الحافظ ابن حجر: لمسند الحسن بن سفيان عن ابن عباس بلفظ: ”أمرت أن أخطب الناس على قدر عقولهم“. قال: وسنده ضعيف جداً. رواه أبو الحسن التميمي من الحنابلة في العقل، وعن ابن عباس من طريق أبي عبد الرحمن السلمی أيضاً بلفظ: ”بعثنا معاشر الأقباء، نخطب الناس على قدر عقولهم“. وله شاهد عن سعيد بن المسيب مرسلاً بلفظ: ”أنا معتبر الأنبياء، نحدث الناس على قدر عقولهم اهـ“. (كشف الخفاء وتزيين الألباس عما اشتهر من الأحاديث على السنة الناس: ۱/ ۱۹۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) لم أجده بهذا اللفظ، وقد ذكره الإمام أبو داود بلفظ: ”عن ميمون بن أبي شبيب أن عائشة رضي الله تعالى عنها مرّ بها سائل، فأعطته، (إلى أن قال)، فقالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”أنزلوا الناس منازلهم“. (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم: ۲/ ۳۱۷، مكتبة امداديه ملتان) وقال الملا علی القاری: ”ورواه الخراطی فی مکارم الأخلاق بلفظ: ”أنزل الناس منازلهم من الخير والشر، وأحسن أدبهم على الأخلاق الصالحة“. (المرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، قبيل الفصل الثالث: ۸/ ۷۲۳، رشیدیہ)

”و صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باشند بچند این مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ و خر خود است کہ خیال آن با تعظیم و اجلال بسویدائی دل انسان می چسبد بخلاف خیال گاؤ و خر“۔ صراط مستقیم، مطبوعہ خیاتی، ص: ۹۰ (۱)۔

یعنی کہ توجہ کرنا پیر و مرشد یا ان کے مثل دوسرے بزرگوں کی طرف گو کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں اپنے گائے اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بھی بدتر ہے، ان کا خیال انسان کے دل میں تعظیم و بزرگی کے ساتھ آتا ہے بخلاف گائے اور گدھے کے خیال۔

نوٹ: جب رسول کا خیال نماز میں آنا بدتر ہوا گائے اور گدھے کے خیال کے آنے سے تو اس نماز میں تشہد پڑھا جائے گا یا نہیں جب کہ تشہد میں: ”السلام علیک ایہا النبی“ موجود ہے (اے نبی آپ پر سلام ہو) (۲) اس موقع پر کیا کیا جاوے، تشہد پڑھا جاوے اور ”السلام علیک ایہا النبی“ کو الگ کر دیا جاوے، کیونکہ جب تشہد پڑھا جائیگا تو تعظیم کا خیال فوراً ذہن میں آئے گا، جب کہ احیاء العلوم: ۱/۱۰۷، میں حضرت امام غزالی نے فرمایا ہے کہ پہلے اپنے دل میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر کرو اور آپ کی شخصیت گرامی کا تصور باندھ کر کہو ”السلام علیک ایہا النبی“ اے نبی آپ پر سلام ہو (۳) کس قدر تضاد ہے۔ امید ہے کہ ہماری دماغی الجھن کو دور فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو کتاب جس فن کی ہوگی اس کتاب میں اسی فن کے اصطلاحی الفاظ استعمال ہوں گے، ان الفاظ کو لغوی

(۱) (ملاحظہ ہو صراط مستقیم (اردو) ص: ۱۶۸، مطبوعہ اسلامی اکیڈمی لاہور)

(۲) ”فیذا جلستم فقولوا: التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیک ایہا النبی ورحمة الله وبرکاته الخ“۔ (ابن ماجہ، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی التشہد، ص: ۶۲، قدیمی)

(و کذا فی مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلاة، باب التشہد، ص: ۸۵، قدیمی)

(۳) ”و أحضر فی قلبک النبی صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم و شخصہ الکریم، و قل ”سلام علیک ایہا النبی ورحمة الله وبرکاته“۔ و لیصدق أَمَلُک فی أنه یبلغه و یرد علیک ما هو أوفی منه“۔ (احیاء علوم الدین، کتاب أسرار الصلاة، بیان الدواء النافع فی حضور القلب: ۱/۱۶۹، دار احیاء التراث العربی بیروت)

معنی یا کسی دوسرے فن کے اصطلاحی معنی میں سمجھنے سے مفہوم خبط ہو جائے گا، مثلاً: لفظ ”موضوع“ کے معنی ہیں: ”معنی دار لفظ“ جو مقابلہ میں مہمل (بے معنی لفظ) کے ہے، اب اگر اس لفظ کو منطق کی کتاب میں کوئی شخص دیکھے: ”زید قائم“ میں زید موضوع اور قائم مہمل ہے اور اس کا مطلب سمجھنے لگے معنی: ”دار لفظ“ تو وہ پریشان ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ لفظ (موضوع) فلسفہ میں مستعمل ہو، مثلاً: جدار موضوع ہے بیاض کے لئے تو وہاں بھی اس کا مطلب اگر: ”معنی دار لفظ“ کرے گا تو کچھ مطلب نہیں سمجھ سکے گا۔ اسی طرح اگر فن حدیث میں یہ لفظ مثلاً: فلاں حدیث موضوع ہے تو اس کا مطلب اگر معنی دار کر لیا تو غلط ہوگا۔

بطور مقدمہ ذہن نشین رکھیے، اب سنئے کہ ”صراط مستقیم“ فن تصوف کی کتاب ہے جس میں تزکیہ اور اصلاح نفس کے طرق بیان کئے گئے ہیں۔ جس شخص پر خیالات و وساوس کا ہجوم رہتا ہو اور ان کو دور کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو صوفیائے کرام اس کے لئے ایک علاج تجویز کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اپنے دل میں کسی ایک چیز کا تصور اس طرح جمالیا جائے کہ دوسری کسی شے کی گنجائش نہ رہے، جیسا قد آدم آئینہ بازار میں کسی دکان پر لگا ہو اس میں ہر گزرنے والے کا عکس آتا ہے، کبھی آدمی، کبھی گھوڑا، کبھی کتا، کبھی موٹر، غرض جو بھی چیز سڑک پر گزرے ان کا عکس آتا ہے، اگر مالک آئینہ چاہے کہ یہ مختلف چیزوں کا عکس اس میں نہ آئے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس آئینہ پر ایک موٹا کپڑا ڈال دیا جائے جو اس کو پوری طرح گھیر لے کہ کسی دوسری چیز کی جگہ اور گنجائش نہ رہے۔ اس طرح دل میں جب کسی ایک چیز کا تصور پوری طرح جمالیا جائے گا، کہ دوسری چیز کا خیال اور جگہ ہی نہ رہے گی تو خیالات و وساوس کا سلسلہ بالکل ختم ہو جائے گا۔ اس علاج میں خطرات بھی ہیں کیونکہ جب کسی ایک شے کا تصور تمام قلب کو گھیر لے گا اور اس کے علاوہ کسی دوسری شے کی گنجائش ہی نہیں رہے گی تو ہر چیز سے قطع نظر ہو کر ایک ہی چیز سامنے رہے گی، اس لئے یہ علاج بھی ہر ایک کے بس کا نہیں۔ اس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ”صرف ہمت“ کہتے ہیں (۱)۔

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے شیخ طریقت حضرت سید صاحب بریلوی سے نقل فرماتے ہیں کہ یہ علاج (صرف ہمت) نہیں چاہیے، اگر نماز میں صرف ہمت حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ

(۱) دیکھئے: (الکشف، ص: ۴۱۸، توجیہ ہمہ اوست، کتب خانہ اشرفیہ دہلی)

(وعمارات اکابر، ص: ۹۸، مکتبہ صفدریہ)

علیہ وسلم کی طرف کیا تو کسی دوسری چیز کی گنجائش نہیں رہے گی حتیٰ کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کا دھیان بھی نہیں آئے گا، اس لئے کہ صرف ہمت کر رہا ہے اس نے پورے قلب کو گھیر رکھا ہے تو اب نماز میں: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کہے گا، تو یہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہوگا، رکوع بھی، سجدہ بھی، قیام بھی، قعدہ بھی، سبحان ربی العظیم بھی، اور سبحان ربی الاعلیٰ بھی۔ غرض پوری نماز سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں رہے گی، حالانکہ نماز عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ جب رکوع، سجدہ سب ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے ہوگا اور صرف ہمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں رہا تو یہ بندہ مشرک ہو جائے گا (۱)۔

عبادت کے واسطے انتہائی درجہ کی محبت اور انتہائی درجہ کی عظمت و جلالت قلب میں ہونا ضروری ہے۔ ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کو ایسا ہی تعلق ہے کہ تصور مبارک بہت ہی عظمت و جلالت کے ساتھ قلب میں آتا ہے، پھر صرف ہمت کی وجہ سے اللہ کی طرف دھیان باقی نہیں رہا تو یہ پوری عبادت ہی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہوگئی تو جو نماز موجب قرب الہی اور معراج المومنین تھی اس صرف ہمت کی وجہ سے شرک ہو کر موجب نار ہوگئی۔ اگر اپنے کھیت، گھوڑے، گدھے، بیل، گائے کا خیال نماز میں آجائے اور آدمی اس خیال میں غرق بھی ہو جائے تو اس کو ان چیزوں کے ساتھ عظمت و جلالت کا تعلق نہیں ہوتا، لہذا یہاں احتمال نہیں کہ ان کے خیال کی وجہ سے نماز ان کے لئے ہو جائے گی کیونکہ انسان خود شرمندہ و نادم ہوتا ہے کہ افسوس نماز عبادت میں ان حقیر ذلیل دنیوی چیزوں کا خیال آ گیا جس سے میری نماز کی حیثیت ہی جاتی رہی۔

یہ حاصل ہے: ”صراط مستقیم“ کی عبارت کا، یہ مقصد ہرگز نہیں کہ جناب رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال مبارک قلب میں آنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، یا یہ خیال مبارک ان حقیر و ذلیل چیزوں کے خیال سے خراب ہے۔ نعوذ باللہ العظیم۔ یہ مطلب ہے مولانا شہید کا، نہ کوئی مسلمان بلکہ شریف غیر مسلم ایسا خیال کر

(۱) ”السجود لغير الله على وجه التعظيم كفر“۔ (البحر الرائق، کتاب الکراہیۃ، قبیل فصل فی البیع:

سکتا ہے۔ نماز کو تو سمجھ سمجھ کر پڑھنے کا حکم ہے جب نماز میں پڑھے گا: ﴿محمداً رسول اللہ﴾ (۱) تو خیال مبارک آئے گا، جب پڑھے گا: ﴿وما محمد إلا رسول﴾ (۲) تب خیال مبارک آئے گا۔ غرض بے شمار آیات میں ذکر مبارک ہے ایسی ہر آیت میں خیال مبارک آئے گا، تشہد میں سلام ہے اس کے بعد درود شریف ہے، ہر دفعہ خیال مبارک آ کر ایمان تازہ ہوتا رہے گا، غرض خیال سے منع نہیں کیا اور نہ اس کو مفسد نماز کہا، بلکہ ”صرف ہمت“ کو منع کیا ہے جس کی تشریح بیان کر دی گئی۔

کچھ مہربان حضرات کا یہ مستقل شیوہ ہے، مقصد زندگی ہی یہ ہے کہ ان اہل اللہ کے کلام کو لفظاً یا معنیٰ بگاڑ کر عوام کو ان کے خلاف نفرت دلا دلا کر مشتعل کیا جائے حالانکہ حدیث قدسی میں ہے کہ ”جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت کرتا ہے، میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے“ (۳)۔ اللہ پاک ہدایت دے اور صراط مستقیم پر چلائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

”حفظ الایمان“ کی عبارت پر غلط فہمی کا ازالہ

سوال [۱۰۰۶]: مرسلہ افتتاح ارسال خدمت ہے، یہ قدیم سوالات و اعتراضات ہیں، بہترین اور مدلل جوابات دئے جا چکے ہیں، آپ مہربانی فرما کر خوشخط اور بہترین مدلل تحریر کر دیں اور جواب اطمینان بخش رہے تاکہ موقع پر مناسب حکم اس کے ذریعہ سے لوگوں کو مطمئن کیا جاسکے، مکمل کر کے دفتر مرکزیہ میں ارسال کر دیں۔

سید احمد ہاشمی ناظم جمعیتہ العلماء ہند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بارہا یہ سوال آیا اور جواب لکھا گیا، بلکہ حفظ الایمان کی متعدد شروح لکھی گئیں: ”بسط البنان“، ”توضیح

(۱) (سورۃ الفتح: آیت: ۲۹)

(۲) (سورہ آل عمران آیت: ۱۴۴)

(۳) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”إن اللہ قال: من عادى لی ولیاً، فقد اذنتہ بالحرب“۔ الحدیث (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب من جاهد نفسه فی طاعة اللہ: ۹۶۳/۲، قدیمی)

(و کذا فی کنز العمال، رقم الحدیث: ۱۱۶۱)

البيان، ”تکمیل العرفان“، ”الجنة لابل السنة“، اور ”السحاب المدرار“ وغیرہ میں بڑی تفصیل سے اس پر کلام کیا گیا ہے، مگر ایک خاص شق کے تحت بریلوی طبقہ کی طرف سے آئے دن اشتہارات، رسائل، جلسے، تقریر کی بھر مار رہتی ہے۔ اب کیونکہ عوام کا بڑا طبقہ ان کے قابو سے باہر جا رہا ہے اور اصل مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے اس لئے ان کے بڑے لوگوں کو بہت تشویش و فکر لاحق ہو رہی ہے۔

دارالعلوم دیوبند سے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ذمہ دارانہ حیثیت سے تازہ کتاب شائع کی ہے، جس میں پانچ کتابوں کے متعلق اشکالات اور غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا، اس کے نمبر چار پر حفظ الایمان سے متعلق بھی غلط فہمی کو واضح کر کے صاف بیان کیا گیا ہے، آپ چاہیں تو اس کے اس حصے کو اخبار یا اشتہار کی شکل میں شائع فرمادیں، اس کے چھپنے کے انتظار میں آپ کے جوابات میں تاخیر ہوگئی، دیگر مقامات سے بھی بعینہ یہی سوال آیا تھا اس کا جواب فوراً تحریر کر دیا گیا تھا۔

اس کتاب کا نام ”مسلك علماء دیوبند سے غلط فہمیوں کا ازالہ اور ایک مخلصانہ دعوت“ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

”تقویۃ الایمان“ کی عبارت پر اعتراض

سوال [۱۰۰۷]: چمی فرماینده علماء دین درین مسئلہ کہ اہل مبتدعین کتاب ”تقویۃ الایمان“ کی اس عبارت پر اعتراض شدید کرتے ہیں، وهو کذا یعنی ”کل مخلوق کا مرتبہ عند اللہ ایسا ہے کہ جیسا ایک چمار کا عند الملک“ یہ لفظ ”کل“ سور ایجاب کلی کا ہے لہذا استفسار ہے کہ یہ کل باعتبار ایجاب کلی ہونے کے تمامی افراد انبیاء وغیرہم کو شامل ہے یا نہیں، اگر انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں تو وہ کس طرح؟ اور سلب جزئی کا ہونا ایجاب کلی کے منافی ہے، لہذا یہ کل کا لانا بیکار اور لغو ہوگا۔ لہذا اس کا جواب محققانہ اور مفصل و مدلل از آیات قرآنی و احادیث روحانی سے تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں اور عام مسلمانوں کی بدخیالی اور شکوک و شبہات قرآن و حدیث سے رفع فرمائیں۔

محمد فائق پرتاب گڑھ معلم مدرسہ ہذا، ۹/ شعبان/ ۱۳۵۵ھ۔

(۱) اسی طرح ملاحظہ کیجئے: ”عبارات اکابر“، مصنفہ ترجمان اہل سنت شیخ الحدیث سرفراز خان دامت برکاتہم العالیہ

الجواب حامداً ومصلیاً:

ملک بادشاہ کو کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ بادشاہ اور تمام رعایا ایک نوع کے افراد ہیں، کلی طبعی تمام میں مشترک ہے، نیز یہ اشتراک بطریق تواطؤ ہے نہ کہ بطریق تشکک۔ حیولی اور صورت جسمیہ میں اتحاد ہے، دونوں کے اجزائے خارجیہ اور اجزاء ذہنیہ داخل فی الماہیۃ قطعاً متحد ہیں، فرق اگر ہے تو عوارض خارجیہ اور تشخصات کا ہے، یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ کوئی امر مدار افضلیت رعایا کے کسی فرد میں اعلیٰ اور ازید ہو بادشاہ سے، کیونکہ یہ کلی مشکک ہے (وہو مشاہد)، با ایں ہمہ بادشاہ اور رعایا کے درمیان بر بنائے عوارض خارجیہ و اتحاد مابیتہ کلیہ جو فرق اور ربط ہے کسی معمولی سے معمولی ذی احساس پر مخفی نہیں اس کے بعد کل کائنات اور اللہ تعالیٰ کا فرق دیکھئے تو ممکن اور واجب کا فرق نکلے گا۔ بادشاہ کی ملک رعایا پر ناقص ہے جس شخص کو چاہے قید کر دے جس کو چاہے قتل کر دے وغیرہ وغیرہ اور اللہ تعالیٰ کی ملک ہر مخلوق پر تام، کیونکہ اللہ تعالیٰ معطی وجود ہیں، مخلوق کا وجود اور اس کی ہر صفت مستعار ہے، مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، مالک کو اپنی عطا کردہ چیز ہر وقت لینے کا اختیار ہے۔

ممکن اور مخلوق ہونے میں انبیاء اور غیر انبیاء سب مساوی ہیں، جس طرح زید اپنے وجود اور بقا میں کسی آن ذات خداوندی سے مستغنی نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کا محتاج ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی ہر سانس میں اس مالک حقیقی، معطی وجود، قادر علی الاطلاق کے محتاج ہیں اور یہ فرق بادشاہ و پچمار کے فرق سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ کوئی پچمار اپنے سانس میں، اپنی قوت میں، اپنے حسن اور دیگر صفات میں بادشاہ کے وجود کا محتاج نہیں کہ اگر بادشاہ کا وجود ہے تو اس کے اوصاف باقی ہیں ورنہ فنا ہو جائیں گے۔ و ہذا ہوالظاہر۔

اس کے بعد غور کا مقام ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پچمار کو بادشاہ کے ہم مرتبہ کہہ دے یا بادشاہ کا سامعہ پچمار کے ساتھ کرے تو بادشاہ اور اس کے ندماء کا غیرت اور غصہ سے کیا حال ہوگا۔

ان مبتدعین پر اللہ تعالیٰ کی غیرت اور جلال کا کیا حال ہوگا جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مخلوق کو شریک کر رہے ہیں (۱)، کہتے ہیں کہ مخلوق بھی خالق کی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، جمیع جزیات و کلیات کا اس کو بھی پورا پورا علم حاصل ہے اس اشتراک سے: ﴿لیس کمثلہ شیئی﴾ (۲) کی کس قدر گستاخی کرتے ہیں، نیز نص قطعی ہے: ﴿قل لا

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و تری المجرمین یومئذ مقرنین فی الأصفاد﴾ (سورہ ابراہیم، آیت: ۴۹)

(۲) (سورۃ الشوری، آیت: ۱۱)

أقول لكم عندی خزائن اللہ ولا أعلم الغیب ﴿۱﴾ ﴿وعنده مفاتيح الغیب لا يعلمها إلا هو﴾ ﴿۲﴾ کی کس قدر صریح مخالفت کرتے ہیں، سرکارِ دو جہاں فخر کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ارشاد فرماتے ہیں:

”إنما أنا بشر مثلكم أنسی كما تنسون“ (۳) ”أنتم أعلم بأمر دنیا کم“ (۴)۔

مگر یہ دشمنانِ نمد اور رسول دونوں کے امر کی مخالفت اس شدت سے کرتے ہیں کہ جو شخص اس مخالفت میں ان کا ہم نوا نہ ہو تو اس کو کافر کہتے ہیں (۵)۔ نمازیں قضا کر دیں تو اس پر کوئی ملامت نہیں کرتے، مگر میلاد کا ترک بدترین گناہ سمجھتے ہیں (۶)۔ اللہ جل جلالہ کا اسم مبارک لیا جائے تو اس کی کوئی تعظیم نہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد میں ذکر ہو تو قیام کو لازم سمجھتے ہیں۔ یہ مخلوق کا رتبہ خالق سے بڑھانا نہیں تو اور کیا ہے اور مرتبہ بڑھانا بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کیلئے نہیں بلکہ اہل حق سے عناد کی وجہ سے، اگر تعظیم مقصود ہوتی تو آپ کے فرمان مقدس کی وقعت کرتے، سنت کے تتبع ہوتے، نہ فرمانِ صریح کی مخالفت کرتے (۷)۔ فقط واللہ المستعان و ہادی کل ضال۔

حررہ، العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/شعبان/۵۵ھ۔

(۱) (سورة الأنعام آیت : ۵۰)

(۲) (الأنعام آیت : ۵۹)

(۳) (صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب التوجہ نحو القبلة : ۵۸/۱، قدیمی)

(أبو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب إذا صلی خمساً : ۱۴۶/۱، دار الحديث ملتان)

(وابن ماجہ، ص : ۱۷۸، قدیمی)

(۴) ”أنتم أعلم بأمر دنیا کم“ (الصحيح لمسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قاله شرعاً دون

ما ذكره صلى الله تعالى عليه وسلم : ۲۶۲/۲، قدیمی)

(۵) تفصیل کے لئے دیکھئے: (جاء الحق : ۶۱، دیباچہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

اور اسی طرح خالص صاحب کی تصنیف: (الکوکبة الشهابیة، ص : ۱۰، مطبع کلیسی کتک) ملاحظہ کیجئے۔

(۶) تفصیل کے لئے دیکھئے: (جاء الحق ۱/۲۳۳، میلاد شریف کا بیان، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

(۷) قال الله تعالى: ﴿قل إن كنتم تحبون الله، فاتبعوني يحبكم الله﴾ الآية. (آل عمران، آیت : ۳۱)

وقال عليه السلام ”لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به“ (شرح السنة للبغوی:

۲۱۳/۱، بیروت)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (تفسیر ابن کثیر : ۳۵۸/۱، سہیل اکیڈمی)

”تقویۃ الایمان“ کی ایک عبارت پر اشکال کا جواب

سوال [۱۰۰۸]: تقویۃ الایمان میں ایک جگہ یوں لکھا ہوا ہے، کہ ”یوں نہ کہو کہ فلاں چیز کھائی یا پی تھی نقصان کر دیا اور یہ مرض ہو گیا، ایسا کہنا شرک ہے، نفع و نقصان سب اللہ کی طرف سے ہے“ (۱)۔ مگر زید کا سینکڑوں مرتبہ کا تجربہ ہے کہ ترشی دار کوئی بھی چیز کھائے تو آنکھوں کے پپوٹوں میں سوزش ہو جاتی ہے اور آنکھ مثل دکھنے کے ہو جاتی ہے اور جب شلغم، دال، مسور، اور ارہر کھاتا ہے تو فوراً فم معدہ پر جلن ہو جاتی ہے اور جب مولی کھاتا ہے تو گردہ میں بھاری پن ہو جاتا ہے۔

زید جب ان مرضوں کی شکایت طبیب سے کرتا ہے تو طبیب غذا کھانے کے بارے میں دریافت کرتا ہے کہ کیا کھایا تھا تو اس پر زید بتاتا ہے کہ رات کو فلاں چیز کھائی تھی، اب طبیب بہت سی چیزوں کو منع کرتا ہے، اگر کھاؤ گے تو مرض بڑھ جائے گا۔ طبیب کی منع کردہ اشیا پر یقین یہ کر کے نہ کھانا کہ نقصان دیں گی اور مشاہدہ بھی ایسا ہی ہو کہ ان کے کھانے سے نقصان ظاہر ہو جاتا ہو، کیا واقعی شرک ہو جائے گا کہ اس چیز نے نقصان کر دیا، اگر شرک ہے تو پھر کیا سوچ کر طبیب کی ہدایت پر عمل کرے جو شرک نہ ہو؟

محمد فہیم الدین مدرسہ تعلیم القرآن لاہور بازار پاوڑی ضلع پوڑی گڑھوال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی چیز کی تاثیر بغیر اذن خداوندی کے اثر نہیں کر سکتی، اس لئے کوئی چیز بھی مؤثر بالذات نہیں، اگر کسی چیز کا مؤثر بالذات اعتقاد کرے گا تو یہ شرک ہوگا (۲)۔ ترشی کھانے سے اگر آنکھوں کے پپوٹوں میں سوزش کا

(۱) ”تقویۃ الایمان میں شرک کی تردید مختلف عبارتوں کے ذریعے کی گئی ہے لیکن ان الفاظ کے ساتھ کہیں یہ عبارت نہیں ملی۔

(۲) ”وعن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”لا عدوی ولا ہامة ولا نوح ولا صفر“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الطب والرقي، باب الفال والطيرة، ص: ۳۹۱، قدیمی)

قال القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ”وإنما أراد بذلك نفی ما كان يعتقده أصحاب الطبيعة، فإنهم كانوا يرون العلل المعدية مؤثرة لا محالة، فأعلمهم بقوله هذا أن ليس الأمر على ما يتوهمون، بل هو متعلق بالمشيئة إن شاء كان، وإن شاء لم يكن“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقي: ۳۲۳/۸، رشیدیہ) (و کذا فی شرح النووی علی صحیح مسلم، باب لا عدوی ولا طيرة الخ: ۲/۲۳۰، قدیمی)

ہونا ترشی کے لوازم ذاتیہ میں ہوتا تو جو شخص بھی کھاتا اس کو یہ تکلیف ضرور ہوتی، دنیا بھر کھاتی ہے اور یہ تکلیف نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ترشی مؤثر بالذات نہیں بلکہ جس کے حق میں خدائے پاک کی طرف سے جب اذن ہوتا ہے ویسی تاثیر ظاہر ہوتی ہے۔ شلغم، دال مسور، ارہر، مولیٰ وغیرہ سب کو اس پر قیاس کر لیں کہ کوئی بھی مؤثر بالذات نہیں، ورنہ اطباء سب کو ہی منع کر دیتے، تجربہ یا طبیب حاذق کی تجویز سے ایک چیز کا مضر ہونا معلوم ہو جائے تو اس سے پرہیز کرنا ہرگز شرک نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ، العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۶/۹۴ھ۔

”نور الانوار“ کی عبارت پر خلجان

سوال [۱۰۰۹]: نور الانوار کے دو مقام پر خلجان ہے:

۱- ”قال: والقضاء يجب به الأداء عند المحققين خلافاً للبعض“ قال الشارح: لأن بقاء الصلوة والصوم في نفسه للقدرة على مثل من عنده وسقوط فضل الوقت لا إلى مثل و ضمان للعجز عنه أمر معقول في نفسه“ ص: ۳۴ (۲) شارح کی دلیل سمجھ میں نہیں آئی۔

۲- ”قال: والأداء أنواع: كامل وقاصر وما هو شبه بالقضاء، وفي هذا التقسيم مسامحة؛ لأن الأقسام لا يتقابل فيما بينهما“۔ ص: ۳۶ (۳)۔

شارح یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ اقسام میں آپس میں تقابل ہے، کامل قاصر اداء، اور اداء شبیہ بالقضاء جمع نہیں ہو سکتے، جیسے کہ کلمہ کے اقسام ثلاثہ: اسم، فعل، حرف، ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ میرے نزدیک شارح کے اس قول میں مسامحت ہے۔

الجواب حامداً ومصلحاً:

۱- صوم صلوٰۃ کی فرضیت نص قطعی کے ساتھ ثابت ہے، جب وقت پر ادا نہ کر سکے تو قضا لازم ہے، وقت پر ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے فریضہ ساقط نہیں ہوتا، یہ امر معقول ہے، اس کی تسلیم من عند نفس اس طرح ہوگی کہ نفس

(۱) لہذا التقوية الايمان کی عبارت پر بے جا اعتراضات کرنا سوء فہم کا نتیجہ ہے۔

(۲) (نور الانوار، مبحث الامر: ص: ۳۴، سعید)

(۳) (نور الانوار، مبحث الامر: ص: ۳۶، سعید)

صوم و صلوٰۃ کی قضاء پیش کر دے جو کہ اصل کے مثل ہے، البتہ اب وقت کی فضیلت حاصل ہونے کی کوئی صورت نہیں، اس سے عجز ظاہر ہے جس کا آدمی مکلف نہیں، اس لئے بغیر فضیلتِ وقت کے جس قدر مثل اپنے اختیار میں ہے اسی پر کفایت کی گئی ہے اور اس کو تسلیم مثل الواجب کہا گیا ہے، پس جو نص موجب ادا نہیں وہی موجب قضاء ہے، کیونکہ فوتِ وقت کی وجہ سے وہ نص منسوخ نہیں ہوگی، نہ اس پر عمل ہوا بلکہ اس کا مطالبہ اب بھی باقی ہے، لہذا وجوبِ قضاء کیلئے کسی جدید نص کی حاجت نہیں۔ شارح کے کلام کا یہی حاصل ہے۔

۲- ماتن کے کلام میں مسامحت ہے جس کی کڑی دور تک (فخر الاسلام وغیرہ تک) چلی گئی ہے، شارح کے کلام میں مسامحت تسلیم کرنا اہون ہے بشرطیکہ تشریح شارح کا آپ جواب دیدیں جس میں وجہ مسامحت کا بیان ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ، العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۶/۲/۹۳ھ۔

۷۸۶ کا عدد تسمیہ کا قائم مقام نہیں

سوال [۱۰۱۰]: بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بدلہ ”۷۸۶“ لکھنے پر بسم اللہ کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ثواب ۷۸۶ لکھنے سے نہیں ملے گا، یہ تو بسم اللہ کا عدد ہے جن سے

اشارہ ہو سکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند

حاشیہ پر ”۱۲“ کا مطلب

سوال [۱۰۱۱]: جو کتابوں میں حاشیہ پر ۱۲ لکھا ہوتا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

”۱۲“ کا مطلب ایسے موقع پر یہ ہوتا ہے کہ یہاں پہنچ کر بات پوری ہوگئی، یہ دو حرفوں کے اعداد کا

(۱) دیکھئے: (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۸/۸، جائز و ناجائز، مکتبہ لدھیانوی)

مجموعہ: ایک ح، اس کے آٹھ عدد ہیں (۱) دوسرا حرف ”ذ“ اس کے چار عدد ہیں (۲)، ان کا مجموعہ ۱۲ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۸۷ھ۔

اللہ تعالیٰ کیلئے تعظیمی لفظ بولنے سے جمع کا شبہ

سوال [۱۰۱۲]: ایک صاحب قرآن شریف مترجم حضرت تھانوی رحمہ اللہ منگوالائے مگر جب کلام پاک منگوانے والے نے دیکھا کہ ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ہے اور بسم اللہ کا ترجمہ یہ ہے: ”شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں“ بس فوراً کہہ دیا کہ یہ ترجمہ غلط ہے، اب آپ فرمادیں کہ یہ ترجمہ غلط ہے یا صحیح؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ترجمہ صحیح ہے، مقام ادب میں اس طرح بولتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں، اس سے جمعیت یا تعدد مقصود نہیں ہوتی (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، ۲۸/۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین دارالعلوم دیوبند۔

اختتامِ مجلس کی دعا میں واحد کے صیغہ کو جمع سے پڑھنا

سوال [۱۰۱۳]: حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اختتامِ مجلس کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے: ”سبحان اللہ وبحمدہ سبحانک وبحمدک، وأشهد أن لا إله إلا أنت أستغفرک وأتوب إليك“۔

(۱) فیروز اللغات (اردو جامع) ص: ۵۶۰

(۲) (فیروز اللغات (اردو جامع) ص: ۶۰۵، فیروز سنز)

نوٹ: پہلے زمانے میں یہی ۱۲ کا عدد انتہائے کلام پر لکھا جاتا تھا اور آج کل عربی کتابت میں اس کی جگہ نکتہ لگایا جاتا ہے جس کی علامت یہ ہے: (۰)۔

(۳) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اپنے لئے جمع کے صیغے استعمال فرمائے ہیں کما قال: ﴿إِنَّا نَحْنُ

نَزَّلْنَا الذِّكْرَ، وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجرات: ۱۲، آیت: ۹)

خط کشیدہ صیغہ واحد متکلم کا ہے، اسے جمع متکلم کا پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ میری نیت یہ ہوتی ہے کہ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اختتامِ مجلس کے بعد دعا پڑھتے تھے اور جو دعاء پڑھتے وہی ہم پڑھ رہے ہیں، پھر بھی واحد کی جگہ جمع کا صیغہ پڑھنا یا پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بینواتو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے کہ اس میں اہل مجلس کی شرکت بھی ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۹۱ھ۔

لفظ ”حضور“ کا استعمال

سوال [۱۰۱۲]: لفظ ”حضور“ صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہی کے لئے مخصوص ہے، اس لئے آپ یہ بتائیں کہ اگر لفظ حضور کسی دوسرے انسان کے لئے استعمال کیا جائے تو کیا گناہ ہے۔
یار حسین، ہردوئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں، گناہ نہیں (۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

(۱) ”قال العلماء الشافعية والحنابلة يستحب للإمام أن يقول في دعاء القنوت المودى عن الحسن بن على رضى الله عنه: ”اللهم اهدنا فيمن هديت“ بجمع الضمير مع أن الرواية: ”اللهم اهدنى فيمن هديت“ بإفراد الضمير. قال الشيخ منصور بن إدريس الحنبلى فى كشف القناع فى شرح الإقناع: والرواية إفراد الضمير، وجمع المؤلف؛ لأن الإمام يستحب له أن يشارك المأموم فى الدعاء. انتهى.“ (تحفة الأحوذى، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى كراهية أن يخص الإمام نفسه بالدعاء: ۳۴۳/۲، مطبع المدنى قاهرة)
(۲) اس لئے کہ اس کا معنی علامہ ابوالفضل یوں کرتے ہیں: ”الحضور نقيض المغيب والغيبه.“ (لسان العرب، حرف الراء: ۱۹۶/۴، دار صادر، بيروت)

اور فارسی میں اس کا معنی علامہ غیاث الدین یوں بیان کرتے ہیں: ”حضور بضمین مصدر ست بمعنی حاضر شدن نقيض غيبت، و در عرف کلمه تعظیم است بلکه بر ذات مخدومان اطلاق کنند.“ (غیاث اللغات، ص: ۱۷۴، سعید)

لازم کو متعدی بنانے کا طریقہ

سوال [۱۰۱۵]: ”آدمنامہ“ میں جو طریقہ متعدی ہے، اس کا کیا مطلب ہے (۱)؟

الجواب حامد اومصلیاً:

فعل لازم کو متعدی بنانے کا طریقہ مراد ہے، یعنی جو فعل صرف فاعل پر پورا ہو جاتا ہے اس کو متعدی بنانا چاہتے ہیں تاکہ اس کا تعلق مفعول بہ سے بھی ہو۔ تو اس کی صورت یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی فعل ایک مفعول پر پورا ہو جاتا ہے اس کا تعلق دو مفعول سے ہو جائے، مثلاً: ”خوردن“ کھانا، یہ ایک مفعول پر پورا ہوتا ہے اس کو دو مفعول سے متعدی بنایا جائے تو ”خورانیدن“ بنایا جائے، ایسے ہی ”پرسیدن“ سے ”پرسانیدن“ ہوگا، ایسے ہی ”پروردن“ سے ”پروانیدن“ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

”غزیر العلم“ کے معنی

سوال [۱۰۱۶]: ”غزیر العلم“ ہے، وسیع العلم، فتویٰ صرف لفظ غزیر کا لینا ہے کہ لفظ صحیح کیا ہے؟

عزیز ہے یا غزیر، نیز غزیر کے کیا معنی ہوں گے؟ جواب سے نوازیں۔

= اور اردو میں اس کا معنی مولوی نور الحسن نیر یوں کرتے ہیں: ”حضور: حاضر ہونا، سامنے آنا، کلمہ تعظیم..... عزت کا لقب۔“

(نور اللغات: حضور: ۱۲۲۲/۲، سنگ پبلی کیشنز لاہور)

الحاصل عربی، فارسی، اردو میں سے کسی زبان میں یہ لفظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ خصوصیت کیساتھ مستعمل نہیں، اسلئے یہ لفظ دوسرے انسانوں کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے:

قال العلامة الآلوسی تحت قوله تعالى: (لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة) الآية:

”والآية وإن سبقت للاقتداء به عليه الصلاة والسلام في أمر الحرب من الثبات ونحوه، فهي

عامّة في كل أفعاله صلى الله عليه وسلم إذا لم يعلم أنها من خصوصياته كنكاح مافوق أربع نسوة“.

(روح المعاني: ۲۱/ ۱۶۷، دار إحياء التراث العربی)

(۱) ملاحظہ کیجئے: (رسالہ آدمنامہ، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبہ میں غزیر العلم ہے یعنی غین ہے نقطہ والا، عین نہیں بلا نقطہ والا، پھر ”ز“ نقطہ دار ہے، پھر ”ی“ ہے پھر ”ز“ ہے بلا نقطہ، اس کے معنی ہیں زیادہ اور گہرا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

”روشن ضمیر“ کا مطلب

سوال [۱۰۱۷]: اللہ کے بندے روشن ضمیر ہوتے ہیں تو کیا ان کو چودہ طبق کے معاملات نظر آتے ہیں اور وہ سب کچھ جانتے ہیں؟
ظہور احمد جامع مسجد کوکڑ ضلع مظفرنگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

روشن ضمیر کا مطلب یہ نہیں کہ چودہ طبق نظر آئیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایسا نور پیدا فرما دیا ہے کہ وہ سنت و بدعت، صدق و کذب، حق و باطل، طاعت و معصیت میں ایسا فرق کر لیتے ہیں کہ ہرگز بدعت و معصیت کے لئے آمادہ نہیں ہوتے کہ ان کا یہ نور سلب ہو جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۸۹ھ۔

(۱) ”الغزارة: الكثرة، وقد غزر الشيء، بالضم، يغزر، فهو غزير، ابن سيدل: الغزير الكثير من كل شيء، وأرض مغزورة: أصابها مطر غزير الدر“۔ (لسان العرب: حرف الراء، ۲۳/۵، دار صادر)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (القاموس المحيط للفيروز آبادی، باب الزاء: ۱۸۴/۲، دار الفکر)

(۲) قال الآلوسی رحمہ اللہ تحت قوله تعالى: ”أفمن شرح الله صدره للإسلام فهو على نور من ربه“:
”وهو اللطف الإلهي المشرق عليه من بروج الرحمة عند مشاهدة الآيات التكوينية والتنزيلية للاهتداء بها إلى الحق“۔ (روح المعاني سورة الزمر: ۲۳/۲۵۷، دار إحياء التراث بيروت)

قال عليه الصلاة والسلام: ”اتقوا فراسة المؤمن، فإنه ينظر بنور الله عز وجل“۔ قال المناوي في شرح هذا الحديث: ”قوله: (فإنه ينظر بنور الله عز وجل): أي يبصر بعين قلبه المشرق بنور الله تعالى، وبأستار القلب تصح الفراسة؛ لأنه يصير بمنزلة المرآة التي تظهر فيها المعلومات كما هي، والنظر بمنزلة النقش فيها. قال بعضهم: من غص بصره عن المحارم، وكف نفسه عن الشهوات، وعمر باطنه المراقبه، وتعود أكل الحلال، لم تخطئ فراسته“۔ (فيض القدير شرح الجامع الصغير، رقم الحديث: ۱۵۱، ۱/۲۶۹، ۲۷۰، مكتبة نزار مصطفى رياض)

اعلیٰ حضرت لقب کا حکم

سوال [۱۰۱۸]: احمد رضا خان صاحب مجدد بھی ہیں اور ان کا لقب ”اعلیٰ حضرت“ بھی ہے، میں نے تو کسی کتاب میں کسی پیغمبر کے لئے سوائے حضرت، اعلیٰ حضرت خطاب نہیں دیکھا، جو لقب حضرت سے بڑھ جائے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی انسان کی تعریف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہیں، آپ کے مرتبہ کو نہ فرشتہ پہنچا، نہ پیغمبر، نہ کوئی پہنچ سکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

”سید، مولیٰ، عبد“ کے معانی

سوال [۱۰۱۹]: کتاب التوحید میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا ”أنت سيدنا وأفضلنا وخيرنا“ الخ أو كما قال۔ آپ نے فرمایا: ”السيد هو الله“ (۲) ، تو اس سے سید کہنے کی ممانعت ثابت ہو رہی ہے۔ پھر دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ مالک رقبہ غلام کو ”عبدی“ نہ کہے اور غلام مالک کو ”رب“ نہ کہے بلکہ سید کہے (۳) اور سید خادم ہے، یہاں سید کہنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ یہ دونوں

(۱) ”والمعتقد المعتمد أن أفضل الخلق نبينا حبيب الحق، وقد ادعى بعضهم الإجماع على ذلك، فقد قال ابن عباس رضي الله عنهما: إن الله فضل محمداً على أهل السماء وعلى الأنبياء. وفي حديث مسلم والترمذی عن أنس رضي الله تعالى عنه: ”أنا سيد ولد آدم يوم القيمة ولا فخر الخ“۔ (شرح الفقه الأكبر، بعد قول الماتن: ”والله يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم“، ص: ۱۱۴، قديمی)

(۲) ”عن عبد الله بن الشخير رضي الله عنه، قال: انطلقت في وفد بني عامر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم: فقلنا: أنت سيدنا، فقال: ”السيد الله تبارك وتعالى“۔ الحديث۔ (فتح المجيد، شرح كتاب التوحيد، باب ما جاء في حماية النبي صلى الله عليه وسلم حماية التوحيد، وسده طرق الشرك، ص: ۴۵۶، ۴۵۷، جمعية إحياء التراث الإسلامي، الكويت)

(۳) ”فی الصحيح، عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ”لا يقل أحدكم: أطعم ربك، وضئ ربك، وليقل: سیدی ومولای، ولا يقل أحدكم: عبدی وأمتی، وليقل: فتای وفتاتی وغلامی“۔“ =

ایک دوسرے کے متضاد ہیں، کیا یہ حدیثیں صحیح ہیں، اگر صحیح ہیں تو پھر ایک دوسرے کے خلاف کیوں ہیں؟
 مزے کی بات یہ ہے کہ فاضل مصنف کتاب التوحید میں جو یہ حدیث نقل کرتے ہیں وہ خطبہ کے اندر
 خود بھی سیدنا مولانا کا لفظ استعمال فرماتے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے: ﴿أَنْتَ مَوْلَانَا﴾ (۱) اور ﴿اللَّهُ وَلِيُّ
 الَّذِينَ آمَنُوا﴾ (۲) تو کیا دوسرے کو ”مولانا“ کہنا درست ہے؟ کیا یہ حدیث درست ہے کہ: ”مَنْ لَا مَوْلَاهُ،
 فَعَلَيْ مَوْلَاهُ“۔ جب کہ مومنین کا مولیٰ اور ولی اللہ ہی ہے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیسے فرمایا گیا؟
 میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں، وضاحت فرمائیں ”علی“ اور ”علی“ میں کیا فرق ہے؟ یہ نام کیسے جائز
 رکھا گیا ویسے تو منع کرتے ہیں کہ رازق و خالق نہ کہو، عبد اللہ و عبد الخالق کہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”سید“ کے ایک معنی ایسے بھی ہیں جن کے اعتبار سے سید صرف اللہ ہے اسی اعتبار سے فرمایا ہے
 ”السید هو اللہ“۔ ایک معنی کے اعتبار سے دوسروں پر بھی اس کا اطلاق درست ہے (۳)، تضاد رفع ہو گیا۔ اسی
 طرح عبد کے ایک معنی ایسے بھی ہیں جن کے اعتبار سے اس کی اضافت غیر اللہ کی طرف نہ کی جائے، ایک معنی
 کے اعتبار سے غیر اللہ کی طرف بھی اضافت جائز ہے (۴)، جیسے عبد المطلب (۵)۔ عبد کی جمع ”عباد“ آتی ہے،

= (فتح المجید، باب لا یقول: عبدی وأمتی، ص: ۴۰۶)

(۱) (البقرة: ۲۸۶)

(۲) (البقرة: ۲۵۷)

(۳) وفي مجمع بحار الأنوار: ”(سود) فيه: قيل: أنت سيد قریش، فقال: ”السيد هو الله“: أي هو
 الذي يحق له السيادة: ”أنا سيد ولد آدم“ وهو سيدهم في الدارين لظهوره يؤمنذ،
 يبعث المقام المحمود إن ابني هذا سيد، قيل: أي حلیم انظر وا إلى سيدنا ما يقول: أي
 إلى من سؤدناه على قومه الخ“۔ (۳/۱۴۰، حیدر آباد دکن)

(۴) ”العبد: الإنسان حرّاً كان أو رقيقاً، يذهب بذلك إلى أنه مروبوب لباريه والعبد:
 المملوك خلاف الحر“۔ (لسان العرب: ۳/۲۷۰، دار صادر)

(۵) عبد المطلب آپ کے دادا کا اصل نام نہیں ہے بلکہ ان کا نام شیبہ تھا، عبد المطلب کے والد ہاشم کا شام کے سفر کے دوران
 انتقال ہو گیا تھا، ان کے بعد حجاج کی سیرابی اور مہمان نوازی کی ذمہ داری ان کے بھائی مطلب بن عبد مناف پر آئی۔ =

قرآن پاک میں ہے: ﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ﴾ الآية (۱)۔

لفظ ”مولیٰ“ کے معنی بھی متعدد ہیں: ایک معنی کے اعتبار سے ”مولیٰ“ صرف اللہ ہے جیسے ”اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم“ (۲) الحدیث۔ دوسرے معنی کے اعتبار سے غیر اللہ کو بھی مولیٰ کہنا درست ہے، صاحب ہدایہ نے ایک روایت بالمعنی نقل کی ہے جس میں ایک صحابی کو ارشاد فرمایا ہے: ”أنت مولانا“۔

”من لا مولیٰ له فمولاه علی“ کے الفاظ تو کسی حدیث میں دیکھنا یا نہیں، البتہ ایک دوسری روایت ہے: ”من کنت مولاه، فعلى مولاه“ (۳)۔

”العلی“ اللہ کا نام ہے مگر ”علی“ لفظ مشترک ہے، غیر اللہ کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ اگر یہ نام ناجائز ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ضرور بدل دیا جاتا، جس طرح کہ دوسرے ایسے نام تبدیل کر دیئے گئے (۴) اور محدثین نے ”تغییر الاسماء القبیحہ“ کا مستقل باب منعقد کیا ہے، جو لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص

= مطلب اپنے بھتیجے کو لینے مدینہ آئے تو شیبہ کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو نے بیٹے کو لے جانے سے منع کر دیا، انہوں نے سمجھایا کہ میرا بھتیجا ایک غیر قوم میں پرورش پا کر بالغ ہونے والا ہے، ہم عزت و شرافت اور سیادت والے لوگ ہیں، لوگوں کی ذمہ داریاں ہمارے اوپر ہیں، شیبہ کی پرورش کے لئے اس کی قوم، خاندان اور شہر سب کچھ یہاں بہتر ہے تو والدہ نے شیبہ کو لے جانے کی اجازت دے دی۔

مطلب جب اپنے بھتیجے کو لے کر آئے تو قریش کے لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ مطلب نے غلام خریدا، چنانچہ وہ عبدالمطلب کہنے لگے، مطلب کہتے رہ گئے کہ ”وَيَحْكُمُ! إِنَّمَا هُوَ ابْنُ أَخِي : هَاشِم“ ارے! یہ تو میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ہے، غلام نہیں، لیکن پہلے والا لقب ان کے علم پر غالب آ گیا اور عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہو گئے۔ (السيرة النبوية،

لابن هشام، ميلاد عبدالمطلب ونسبه تسميته كذلك : ۱/۱۲۵، مصطفى البابی، مصر)

(۱) (النور: ۳۲)

(۲) (صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب غزوة أحد: ۵/۵۷۹، قديمی)

(۳) (مسند الإمام أحمد، حديث البراء بن عازب: ۵/۳۵۵، دار إحياء التراث العربی)

(۴) ”عن زينب بنت أبي سلمة قالت: سُمِّيَتْ بَرَّةً، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”لا تزكوا أنفسكم، الله أعلم بأهل البر منكم، سمّوها زينب“. رواه مسلم.“

”وعن ابن عمر أن بنتاً كانت لعمر يقال لها: عاصية، فسَمَّاهَا رسول الله صلى الله عليه وسلم جميلة“. رواه مسلم. (مشکوٰۃ المصابیح، كتاب الآداب، باب الأسماء، الفصل الأول، ص: ۲۰۷، قديمی) =

ہے، اس کا اطلاق غیر اللہ پر ممنوع ہے (۱)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

معذور اور مجبور میں فرق

سوال [۱۰۲۰]: مجبور اور معذور میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامد أو مصلیاً:

یہ کس فن کے اصطلاحی لفظ ہیں؟

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

روزِ شرعی و لغوی

سوال [۱۰۲۱]: شریعت میں دن کب سے کب تک ہے، اگر صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک

کو دن شمار کیا جائے تو: ﴿أَتَمُوا الصَّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾ القرآن (۲) اور ”صلوة النهار عجماء“ الحدیث (۳)

= ”و عن عائشة قالت: إن النبي صلى الله عليه وسلم كان يغير الاسم القبيح“. رواه الترمذی.
”و عن بشير بن ميمون عن عمه أسامة بن أهدري أن رجلاً يقال له: أحرم، كان في نفر الذين أتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”ما اسمك؟“ قال: أحرم، قال: ”بل أنت زرة“. رواه أبو داود، وقال: وغير النبي صلى الله عليه وسلم اسم العاص وعزيز وعتله وشيطان والحكم و غراب و حباب و شهاب، وقال: تركت أسانيدھا للاختصار“. (المشکوٰۃ، باب الأسماء، الفصل الثانی، ص: ۴۰۸، قدیمی)

(۱) ”عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”أخني الأسماء يوم القيمة عند الله رجل يسمى ”ملك الأملاك“. رواه البخاری. وفي رواية مسلم: قال: أغیظُ رجلٍ على الله يوم القيمة وأخيشه رجلٌ كان يسمى ملك الأملاك، لا ملك إلا الله“. (المشکوٰۃ، المصدر السابق)

(۲) (البقرة: ۱۸۷)

(۳) ”وقال النبي صلى الله عليه وسلم: ”صلاة النهار عجماء“. قلت: غریب ورواه عبدالرزاق فی =

میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟ جب آیت کے مطابق مغرب رات میں داخل ہے اور حدیث کے مطابق فجر دن میں داخل ہے تو فجر کی نماز بالجہر نہیں ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعی نہار صبح صادق سے شروع ہو کر غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے: ”اليوم الشرعی من طلوع الفجر إلى الغروب اه“۔ شامی: ۲/۸۰ (۱)۔ عرفی نہار طلوع شمس سے شروع ہو کر غروب پر ختم ہوتا ہے۔ بعض مواقع پر شریعت نے اس کا بھی اعتبار کیا ہے، مسئلہ قرآنہ بالجہر میں بھی ایسا ہی ہے۔
”صلوة النهار عجماء“ حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ ہو سکے تو اس متن کو مع سند نقل فرمادیں (۲)۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

عبادت و اطاعت میں فرق

سوال [۱۰۲۲]: آیت: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ کے سلسلہ میں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عبادت انسان و جنات کی امتیازی خصوصیت ہے اور باقی مخلوقات اطاعت کرتے ہیں۔ تو کیا عبادت و اطاعت کی حقیقت الگ الگ ہے؟ دونوں کا مفہوم جدا جدا ہے یا ایک ہے؟ کیا دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

عبادت غایت تذلل کے ساتھ تعظیم حسب الامر صرف اللہ تعالیٰ کی کی جاتی ہے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ

= مصنفہ من قول مجاہد وأبی عبیدة، فقال: أخبرنا معمر عن عبد الكريم الجزري قال: سمعت أبا عبیدة يقول: ”صلاة النهار عجماء“۔ انتہی۔

”أخبرنا ابن جريح قال: قال مجاهد: ”صلاة النهار عجماء“۔ انتہی۔ وقال النووي في الخلاصة: حديث ”صلاة النهار عجماء“ باطل لا أصل له۔ انتہی۔ (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الحديث الثالث والخمسون: ۲/۴، مكتبة حقانيه، پشاور)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصوم: ۲/۳۷۱، سعيد)

(۲) عبد الرزاق وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث باطل ہے، کما مرّ فلیراجع، ص: ۳۴۸، الحاشیہ رقم: ۳)

وإياك نستعين ﴿الآية (۱)﴾ - اطاعت (بات ماننا) دوسروں کی بھی کی جاتی ہے: ﴿أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم﴾ الآية (۲) - عبادت اخص مطلق ہے اور اطاعت اعم مطلق ہے (۳) - فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۹۲ھ۔



(۱) (الفاتحة: ۴)

”العبادة لا تقوم إلا بقطب رحاها الذي لا تدور إلا عليه، وذلك غاية الدلّ في غاية المحبة“.
(تيسير العزيز الحميد، شرح كتاب التوحيد، باب ما جاء في حماية النبي صلى الله عليه وسلم اهـ، ص: ۷۳۲، المكتب الاسلامي)

(۲) (النساء: ۵۹)

(۳) ”ذكر شيخ الإسلام زكريا أن الطاعة فعل مایثاب عليه، توقف علی نية أولا، عرف من يفعله لأجله أولا..... والعبادة مایثاب علی فعله، ويتوقف علی نية الخ.“ (رد المحتار، کتاب الطهارة، مطلب الفرق بین الطاعة والقربة والعبادة: ۱/۱۰۶، سعید)

فتویٰ کا بیان

قاضی اور مفتی میں فرق

سوال [۱۰۲۳]: مفتی اور قاضی میں کیا فرق ہے؟

المرسل بندہ محمد قطب الدین مہتمم مدرسہ رنگپور بنگال۔ ۶/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳۷۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مفتی اور قاضی کے احکام میں متعدد طرق سے فرق ہے، نفس منصب کے اعتبار سے ایک اہم فرق ہے کہ مفتی مخبر ہے اور قاضی ملزم ہے: ”لا فرق بین المفتی والقاضی إلا أن المفتی مخبر عن الحكم والقاضی ملزم اھ۔“ در مختار۔ قال الشامی: ”(قوله: لا فرق الخ): أي من حیث أن کلاً منهما لا يجوز له العمل، بل علیه اتباع ما رجحوه فی کل واقعة وإن کان المفتی مخبراً والقاضی ملزماً، وليس المراد حصر عدم الفرق بينهما من کل جهة، فافهم اھ۔“ ردالمحتار (۱)۔

ترجمہ: مفتی اور قاضی میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ مفتی حکم کی خبر دینے والا ہے اور قاضی (حکم کو) لازم کرنے والا (اس پر عمل درآمد کرنا والا ہے) در مختار، شامی نے کہا کہ (اس کا قول کوئی فرق نہیں) کہ دونوں (مفتی و قاضی) میں سے کسی کو عمل کرنا جائز نہیں بلکہ ہر ایک پر اس کا اتباع لازم ہے جس کو انہوں (اصحاب ترجیح) نے ترجیح دی ہے ہر واقعہ میں، اگرچہ مفتی خبر دینے والا اور قاضی عمل درآمد کرنے والا ہے، دونوں کے درمیان ہر جہت سے عدم فرق کا حصہ مراد نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۵/ ۱۳۷۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳۷۷ھ۔

(۱) دیکھئے: (رد المحتار علی الدر المختار، المقدمة: ۷۴/۱، مطلب إذا تعارض التصحیح، سعید)

(و کذا فی مجموعة رسائل ابن عابدین: ۱/۱، سہیل اکیڈمی)

(و کذا فی إعلام الموقعین: ”فالحاکم مخبر منفذ و المفتی مخبر غیر منفذ“: ۱۳۳/۴، دارالکتب

ظاہر الروایۃ کے خلاف فتویٰ

سوال [۱۰۲۲]: فقہاء رحمہم اللہ کا قاعدہ صریح ہے کہ ظاہر الروایۃ ہوتے ہوئے دوسری روایت پر فتویٰ نہیں ہوگا، پھر اس کے خلاف اکثر مسائل میں کیوں فتویٰ دیا جاتا ہے؟ بینوا تو جروا۔ بندہ نور محمد غفرلہ الصمد برسپال
الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کے خلاف کرنے کی بھی فقہاء نے تصریح کی ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں دو قول ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے لئے وجہ ترجیح کی ضرورت ہے اور وجوہ ترجیح مختلف ہیں، اسی طرح ان کے الفاظ بھی مختلف ہیں، اگر کسی ایک قول کی فقہاء نے صراحۃً ترجیح بیان کر دی ہو تو وہ دوسرے قول پر مقدم ہوگا اگرچہ وہ دوسرا قول ظاہر روایت ہی کیوں نہ ہو، اگر دونوں میں سے کسی ایک کو صراحۃً ترجیح نہیں اور ایک ان میں ظاہر الروایت ہے تو یہ ظاہر الروایۃ ہونا بھی اس کے لئے مرجح ہوگا۔ شرح عقود رسم المفتی میں ہے۔

وإن تجد تصحيح قولين ورد	فاختر لما شئت فكل معتمد
إلا إذا كان صحيحاً وأصح	أو قيل: ذا يفتى به فقد رجع
أو كان في المتن أو قول الإمام	أو ظاهر المروى أو جل العظام
قال به أو كان الاستحسانا	أو زاد للأوقاف نفعاً بآنا
أو كان ذا أوفق للزمان	أو كان ذا أوضح في البرهان
هذا إذا تعارض التصحيح	أو لم يكن أصلاً به تصريح
فتأخذ الذي له مرجح	مما علمته فهذا الأوضح

شرح المنظومة المسماة بعقود رسم المفتی مجموعۃ رسائل ابن عابدین (۱)۔ فقط واللہ
سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۲/رجب/۵۷ھ۔

(۱) (شرح عقود رسم المفتی فی ضمن مجموعۃ رسائل ابن عابدین : ۱/۳۹، سہیل اکیڈمی لاہور)

وفی الدر: "وإذا كان في المسئلة قولان مصححان، جاز الإفتاء والقضاء بأحدهما،

بحر ومصنف".

شامی دیکھ کر فتویٰ دینا

سوال [۱۰۲۵]: شامی کا کتب فقہ میں کیا درجہ ہے، آیا فقط شامی دیکھ کر فتویٰ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

افتخار حسین کاندھلہ، ۲/ رجب/ ۶۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شامی جامع ہے اور مجموعی حیثیت سے معتبر ہے، صاحب اتقان کے لئے صرف شامی دیکھ کر فتویٰ دینا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ رجب/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، ۶/ رجب/ ۶۶ھ۔

= وفي رد المحتار: "(قوله: قولان مصححان): أي وقد تساوى في لفظي التصحيح، وإلا فالأولى الأخذ بما هو آكد في التصحيح كما لو كان أحدهما بلفظ: الصحيح والآخر بلفظ: عليه الفتوى، فإن الثاني أقوى، وكذا لو كان أحدهما في المتن أو ظاهر الرواية أو كان عليه الأكثر أو كان هو الأوفق، فإنه إذا صح هو ومقابله كان الأخذ به أولى الخ". (رد المحتار: ۳/ ۳۶۳، مطلب فيما إذا كان في المسألة قولان مصححان، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۲/ ۵۳۹، كتاب الوقف، دار المعرفة، بيروت)

(۱) قال أحمد النقيب: "يعتبر هذا الكتاب "خاتمة التحقيقات والترجيحات في المذهب الحنفى" لتأخر جامعته وسعة إطلاعه واضعه وتحريره ما اعتمده المتأخرون الثقات، ولأنه أجمع كتاب في الفقه الحنفى من كتب الفتوى والترجيح، ويعتبر لدى علماء الحنفية منحل المذهب فيما عليه الفتوى، ولا يكاد يفتى في الفقه الحنفى دون الرجوع إليه، وكان وما يزال أهم كتب الفتوى التي انحضرت جهد الفقهاء المتأخرين على قراتها، وقد جمع فيه ابن عابدين (رحمه الله) "حصى كتب المذهب، مع التحرير للنقول وموازنة بعضها ببعض والاستمداد من الكتب الأصلية بدقة وعناية الخ". (المذهب الحنفى: ۲/ ۵۸۳، مكتبة الرشد، رياض)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (مقدمة في الفقه، ص: ۱۱۹، للدكتور سليمان أياخيل، دار العاصمة، رياض)

(ورد المحتار: ۱/ ۸۴، ۱۳۲، دار الفكر بيروت)

جاہل مفتی

سوال [۱۰۲۶]: ایک صاحب میرے یہاں ہیں ان کا نام خدا بخش ہے اور وہ فتویٰ دیتے ہیں حالانکہ وہ عربی جانتے بھی نہیں ہیں، ہر سال بچوں کے اسکول کا روپیہ کھا جاتے ہیں اور اپنی برادری میں ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ بھائیو! میں نے اسکول کا روپیہ اپنے خرچ میں لے لیا ہے اور میں ادا نہیں کر پاؤں گا اس کو آپ لوگ معاف کر دیجئے۔ وہ بے چارے مجبور ہو کر معاف کر دیتے ہیں کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ یہ دے نہیں پائے گا۔ اور نماز میں تہجد ادا کرتا ہے اور ٹی شاعر عام پر پھرتا ہے، راستہ چلنے والی عورتیں اور آدمی اپنے منہ پھیر لیتے ہیں مگر ان کو شرم نہیں لگتی۔ ایک مرتبہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ میدان میں ایک باغ ہے اس کے پیڑ کے نیچے بیٹھا پانچنا نہ پھر رہا تھا۔ یہ فعل اس مفتی جاہل کے لئے کب روا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاہل آدمی کا بلا تحقیقی علم حاصل کئے فتویٰ دینا فتویٰ نہیں بلکہ ضلالت اور گمراہی ہے (۱) اور ایسے شخص کو مفتی کہنا بھی جہالت اور ضلالت ہے، سب کے سامنے ستر کھولنے والے پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۱۵/۱/۹۰ھ۔

(۱) ”و عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من أفتى بغير علم كان اثمه على من أفتاه“۔ (سنن أبي داود، باب التوقي في الفتيا: ۱۵۹/۲، امدادیہ ملتان)

”من أفتى الناس و ليس بأهل للفتوى، فهو اثم و عاص“۔ (إعلام الموقعين: ۱۶۲/۴، دار الكتب العلمية، بيروت)

(ومسند الإمام أحمد: ۳۶۵/۲، رقم الحديث: ۸۵۵۸، دار إحياء التراث العربی)

(۲) ”عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: اتقوا الله و استحيوا و تواروا، و لا يغتسل أحد منكم إلا و عليه ستره، و يستره أخوه و لو بشوبه“۔ قال: و نا ابن وهب أخبرني عبد الرحمن بن سلمان عن عمرو مولى المطلب عن الحسن قال: و بلغني أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”لعن الله الناظر والمنظور“۔ (شعب الإيمان للبيهقي: ۱۶۲/۶، باب الحياء، دار الكتب العلمية) =

غیر مستند عالم کا فتویٰ دینا

سوال [۱۰۲۷]: کوئی غیر مستند عالم یا غیر مستند مفتی جس نے کسی ادارے سے سند حاصل نہ کی ہو ایسا شخص تحریری یا زبانی فتویٰ دے سکتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ اکثر جماعت اسلامی کے افراد جو کہ اکثر عالم نہیں ہوتے اور نہ مفتی ہوتے ہیں وہ فتویٰ دیتے ہیں لہذا ایسے غیر مستند مفتیوں کے فتاویٰ کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مسئلہ کی پوری تحقیق کر لی ہو خواہ استاذ سے پڑھ کر ہو یا اہل علم سے سن کر ہو اس کو پوری احتیاط کے ساتھ نقل کرنا درست ہے، از خود کتاب دیکھ کر بسا اوقات سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے، اس لئے محتاط حضرات ہمیشہ فتویٰ دینے سے بچتے ہیں، جب تک کہ اس فن کو باقاعدہ حاصل نہ کیا ہو وہ ہرگز جسارت نہیں کرتے، اس کی اجازت بھی نہیں (۱)۔ عقود رسم المفتی میں ہے ۔

فلیس یجراً علی الأحکام سوی شقی خاسر المرام (۲)

بغیر تحقیق کے اگر فتویٰ دیا تو اس کا وبال فتویٰ دینے والے پر ہوتا ہے (۳)

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ”میں نے فتویٰ دینے کی غلطی کبھی نہیں کی“ ایک دفعہ ان سے فتویٰ دریافت کیا گیا تو جواب دیا کہ ”فتویٰ کسی مفتی سے پوچھو دین کی بات میں بتاتا ہوں“ او

= (ومشکوۃ المصابیح: ۱۳/۲، باب النظر إلى المخطوبة، کتاب النکاح، المکتب الاسلامی)

(۱) قال العلامة ابن عابدين: ”رأيت في فتاوى العلامة ابن حجر سئل في شخص يقرأ، و يطالع في الكتب الفقهية بنفسه، و لم يكن له شيخ، و يفتي، و يعتمد على مطالعته في الكتب، فهل يجوز له ذلك أم لا؟ فأجاب بقوله: لا يجوز له الإفتاء بوجه من الوجوه الخ“ (مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱/۱۵، سهيل اكيڊمي)

(۲) (شرح عقود رسم المفتی فی ضمن مجموعة رسائل ابن عابدين: ۳۳/۱، سهيل اكيڊمي)

(۳) ”و عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من أفتى بغير علم كان اثمه على من أفتاه“ (سنن أبي داود، باب التوقي في الفتيا: ۱۵۹/۲، مکتبه امدادیہ ملتان)

”من أفتى الناس و ليس بأهل للفتوى فهو اثم و عاص“ (إعلام الموقعين: ۲/۱۶۶، دار

الكتب العلمية، بيروت)

کما قال، پھر جماعت اسلامی والے کیا فتویٰ دیکر غلطی میں مبتلا ہوتے یا کرتے ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

غیر مجتہد اور غیر مفتی کا فتویٰ دینا

سوال [۱۰۱۸]: عالم مجتہد کون ہے؟ اگر کوئی ناظرانہ قرآن شریف پڑھ کر چند کتب فقہ کی پڑھ لے، وہ عالم مجتہدین میں داخل ہے کہ نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ عالم مجتہد نہیں، اجتہاد تو بڑا درجہ ہے، ایسے شخص کے لئے تو یہ بھی حق نہیں کہ معمولی مسائل روزمرہ میں فتویٰ بتا سکے کہ کس قول پر فتویٰ ہے:

”سئل فی شخص یقرأ، و یطالع فی الکتب الفقہیۃ بنفسہ، ولم یکن لہ شیخ، ویفتی، و یعتمد علی مطالعۃ فی الکتب، فهل یجوز لہ ذلک أم لا؟ فأجاب بقولہ: لا یجوز لہ الإفتاء بوجه من الوجوه؛ لأنه عامی جاهل لا یدری ما یقول، بل الذی يأخذ العلم عن المشایخ المعتبرین، فلا یجوز لہ أن یفتی من کتاب ولا من کتابین، بل قال النووی ولا من عشرة، فإن العشرة والعشرون قد یعتمدون کلهم علی مقالة ضعيفة فی المذهب، فلا یجوز تقلیدهم فیہا، بخلاف الماهر الذی أخذ العلم عن أهلہ وصارت لہ فیہ ملکہ نفسانیۃ، فإنه یمیز الصحیح من غیرہ، و یعلم المسائل وما یتعلق بها علی الوجه المعتمد بہ، فهذا هو الذی یفتی الناس، و یصلح أن یکون واسطۃً بینہم و بین اللہ تعالیٰ، و أمّا غیرہ فیلزمہ إذا تسور هذا المنصب الشریف التعزیر البلیغ والزجر الشدید الزاجر ذلک الأمثال عن هذا الأمر القبیح الذی يؤدي إلى مفساد لا تحصی اہ۔“ شرح عقود رسم المفتی عن الفتاویٰ الکبریٰ (۱)۔

(۱) (شرح عقود رسم المفتی : ۱/۵، فی ضمن مجموعۃ رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی)

”وروی الطبرانی عن معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: مرفوعاً: ”یأیہا الناس! تعلموا، إنما العلم بالتعلم،

والفقہ بالتفقہ، و من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین“۔ (فتح الباری : ۱/۱۶۱، کتاب العلم، دار الفکر، بیروت)

(کذا فی تعلیق التعلیق لابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ : ۲/۷۹، المکتبہ الإسلامی)

مجتہدین کے طبقات متعدد و متفاوت ہیں، ہر طبقہ کی تعریف علیحدہ ہے، تفصیل مطلوب ہو تو ردالمحتار (۱)، النافع الكبير (۲) عقود رسم المفتی (۳) وغیرہ مطالعہ کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/محرم/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/محرم/۶۷ھ۔

بغیر علم کے مسئلہ بتانا اور حدیث کی طرف منسوب کرنا

سوال [۱۰۲۹]: اگر کوئی شخص قرآن شریف پڑھ کے ایک مسجد کا امام بن گیا پھر وہ لوگوں کو مسئلہ بتانے کے وقت کہتا ہے کہ یہ مسئلہ حدیث کا قول ہے حتیٰ کہ ہر ایک مسئلہ میں کہتا ہے۔ تو اگر حدیث کا قول نہ ہو تو اس امام کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص خود واقف نہ ہو اس کے لئے مسئلہ بتانے کی اجازت نہیں (۴) اور جو شخص اپنی طرف سے بات بنا کر کہہ دے کہ حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے تو وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

”من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار“۔ رواہ البخاری (۵)، ”وعن سمرة بن جندب، والمغيرة بن شعبة رضی اللہ تعالیٰ عنہما، قالاً: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

(۱) (رد المحتار: ۱/۷۷، المقدمة، مطلب فی طبقات الفقہاء، سعید)

(۲) (النافع الكبير شرح الجامع الصغير، ص: ۷-۱۱، ادارة القرآن)

(۳) (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۴، ۵، دار الاشاعت)

(۴) (سیاتی تخریجہ تحت عنوان: ”غیر عالم کا مسئلہ بتانا“ رقم الحاشیة: ۱)

(۵) (صحیح البخاری: ۱/۲۱، کتاب العلم، قدیمی)

”وقال ابن حجر رحمه الله تعالى، في شرحه: وقد فرق النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بين الكذب عليه وبين الكذب على غيره كما سيأتي في الجنائز في حديث المغيرة حيث يقول: ”إن كذباً على ليس ككذب على أحد“۔ (فتح الباری: ۱/۳۰۲، باب إثم من كذب على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، دار الفكر بیروت)

وسلم: ”من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين“۔ رواہ مسلم اہ۔
مشکوۃ (۱)۔

ایسا شخص فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ اس سے بہتر امامت کے لائق دوسرا آدمی موجود ہو:

”لو قدموا فاسقاً یا ثمناً بناءً علی أن کراهیة تقدیمہ کراهیة تحریم لعدم اعتنائہ بأمر دینہ و تساهلہ فی الإلتیان بلوایہ، فلا یبعد منه الإخلال ببعض شروط الصلوۃ وفعل ما ینافیہا، بل هو الغالب بالنظر إلی فسقه اہ۔“ کبیری (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۶۱/۲/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۸ھ۔

غیر عالم کا مسئلہ بتانا

سوال [۱۰۳۰]: قاضی صاحب جنہوں نے کسی دینی درسگاہ میں تعلیم نہیں پائی بلکہ رڑکی انجینئرنگ اسکول میں تعلیم پا کر بوجہ جعلی سند پیش کرنے ملازمت سے محروم رہ کر عطاری کی دوکان کرتے ہیں، شرعی فتویٰ دے سکتے ہیں؟ اور وہ کہاں تک شرعاً درست ہے؟
۲..... ایسے شخص کی نسبت جو بلا سند شرعی فتویٰ دے کر فساد برپا کرے شرع شریف میں کوئی حکم ہے کہ نہیں؟

نیازمند: عبدالہادی قریشی، ساکن شاہ آباد ضلع کرنال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... بلا علم کے مسئلہ بتانا شرعاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے، لیکن اگر مسئلہ معلوم ہو تو مسئلہ بتلانے کے لئے سند کا ہونا ضروری نہیں (۳)۔

(۱) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۳۲، کتاب العلم، الفصل الأول، قدیمی)

(۲) (الحلی الكبير، ص: ۵۱۳، فصل الأولى بالإمامة، سہیل کیڈمی)

(۳) قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: ”وقد رأيت في فتاوى العلامة ابن حجر: سئل في شخص يقرأ، =

۲..... اگر معتبر عالم اس کے بیان کردہ مسئلہ کو غلط قرار دیں تو اس کو اپنی غلطی سے رجوع کرنا چاہئے اور باوجود مسئلہ کے غلط ثابت ہونے کے اس پر جمار ہنا اور اصرار کرنا گناہ ہے (۱)۔

ہاں اگر اس کے پاس دلیل ہے یا مسئلہ کسی خاص وجہ سے اختلافی ہے تو اس کے لئے رجوع ضروری نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۰/۵۴ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

غیر عالم کو مسائل بتانے سے روکنا

سوال [۱۰۳۱]: صرف اردو داں حضرات کو فقہی مسائل (نماز وضو وغیرہ کے علاوہ) بتلانے سے اگر روکا جائے کہ آپ مسئلہ نہیں بتلائیں تو یہ اقدام غلط ہوگا یا صحیح، جب کہ عالم دین موجود ہیں؟ بعض تو اردو سمجھ لیتے ہیں اور بعض اردو بھی نہیں سمجھ پاتے، دونوں کو روکا جائے کہ حرام و حلال والے مسائل نہ بتائیں تو اس رکاوٹ کی اجازت ہے یا نہیں؟ رکاوٹ میں سختی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک فقہ کے مسائل باقاعدہ معتمد استاذ سے حاصل نہ کئے ہوں کچھ اعتما نہیں کیا جاسکتا کہ صحیح طور پر

= ويطالع في الكتب الفقهية بنفسه، ولم يكن له شيخ، يفتي، ويعتمد على مطالعته في الكتب، فهل يجوز له ذلك أم لا؟

فأجاب بقوله: "لا يجوز له الإفتاء". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۱۵، ۱۶، من مجموعة رسائل ابن عابدين،، سهيل اكيڊمي)

"و عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من قال على ما لم أقل، فليتبوأ مقعده من النار، و من أفتى بفتيا بغير علم كان إثم ذلك على من أفتاه الخ". (مسند الإمام أحمد: ۳۶۵/۲، رقم الحديث: ۸۵۵۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(و كذا في تغليق التعليق، لابن حجر: ۷۹/۲، المكتب الإسلامي)

(۱) "و لا ينبغي له أن يحتج للفتوى إذا لم يسأل عنه، وإذا أخطأ، رجع و لا يستحي و لا يأنف، كذا في النهر الفائق". الفتاوى العالمكيرية: ۳۰۹/۳، كتاب أدب القاضي، رشيدية)

سمجھ کر صحیح طور پر ان کو بیان کیا جائے گا، اس لئے اس کی عام اجازت نہیں دی جائے گی، اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ صحیح سمجھ کر صحیح بیان کر دے، اس لئے پہلے کسی واقف کار مستند عالم کو پہلے وہ مسائل سنا دیئے جائیں جب وہ تصویب کر دے تو پھر ان کو بیان کرنے کی بھی گنجائش ہے مگر ان کی اپنی طرف سے مزید تشریح نہ کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غلط فتویٰ دینا اور فتویٰ کو نہ ماننا

سوال [۱۰۳۲]: اگر شرعاً ہندہ کو زید کے مال و متاع سے کچھ حصہ اور مہر بھی ملتا ہے اور پھر کوئی شخص اس کا انکار یا رد کر دے یا اس کے خلاف اپنی خواہش نفسانی کے واسطے فتویٰ دے تو شرعاً ایسے آدمی پر کیا جرم عائد ہوتا ہے؟ اور کیا ایسے آدمی کے پیچھے نماز جائز ہے؟ ان تینوں سوالوں کا جواب بحوالہ لکھیں۔

المستفتی احقر عبد الکریم۔ قوم بلوچ مقیم چک ریاست بہاولپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

شرعی فتویٰ کو بلا دلیل رد کرنا اور نہ ماننا سخت گناہ ہے، اگر کوئی اس فتویٰ شرعیہ کا استخفاف کر کے توہین و تحقیر کرے گا تو یہ کفر ہے کہ تحقیر شریعت کو بھی مستلزم ہے۔ اور جان بوجھ کر خواہش نفسانی کی وجہ سے خلاف شرع فتویٰ دینا اور مستحق کو محروم کرنا بڑا ظلم اور کبیرہ گناہ ہے۔ جو ناواقف اس خلاف شرع فتویٰ پر عمل کریں گے اس کا

(۱) قال الشامی رحمہ اللہ: ”و قد رأیت فی فتاوی العلامۃ ابن حجر سئل فی شخص یقرأ، و یطالع فی الكتب

الفقهیۃ بنفسه، و لم یکن له شیخ، و ینفی و یعتمد علی مطالعته فی الكتب، فهل یجوز له ذلک أم لا؟

فأجاب بقوله: لا یجوز له الإفتاء بوجه من الوجوه: لأنه عامی جاهل، لا یدری ما یقول، بل الذی

یأخذ العلم عن المشایخ المعتبرین، لا یجوز له أن ینفی من کتاب، و لا من کتابین، بل قال النووی رحمہ

اللہ: و لا من عشرة، فإن العشرة والعشرین قد یعتمدون کلهم علی مقالة ضعیفة فی المذهب، فلا یجوز

تقلیدهم فیها“۔ (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۵۶، ۵۷، مطلب: لا یجوز الإفتاء لمن طالع الكتب

بنفسه، الرشید (الوقف) کراچی)

گناہ بھی فتویٰ دینے والے پر ہوگا اور ایسے شخص کو امام بنانا بالکل ناجائز ہے، تاوقتیکہ وہ توبہ کر کے حق بات کو ظاہر نہ کر دے لیکن اس کا فیصلہ بھی معتبر علماء سے کرایا جائے کہ فتویٰ موافق شرع ہے یا خلاف شرع کسی غیر عالم کا از خود فیصلہ کرنا درست اور معتبر نہیں:

”رجل عرض علیہ خصمه فتویٰ الأئمة فردھا وقال ”چہ بارنامہ فتویٰ آوردہ“ قیل: یکفر؛ لأنه رد حکم الشرع. وكذا لو لم يقل شيئاً لكن ألقى الفتوى على الأرض وقال: ”ایں چہ شرع است“ کفر. إذا جاء أحد الخصمين إلى صاحبه بفتوى الأئمة فقال صاحبه: ليس كما أفتوا، أو قال: لا نعمل بهذا، كان عليه التعزير۔ کذا فی الذخیرہ اھ۔“ ہندیہ: ۲/۲۷۲ (۱)۔

”فليس يجسر على الأحكام سوى شقى خاسر المرام، وإن كان المفتى مقلداً غير مجتهد يأخذ بقول من هو أفقه الناس عنده و يضيف الجواب إليه، فإن كان أفقه الناس عنده في مصر اخر يرجع إليه بالكتاب، و يكتب بالجواب، و لا يجازف خوفاً من الافتراء على الله تعالى بتحريم الحلال و ضده اھ۔“ شرح عقود رسم المفتی (۲)۔

”و يحجر على المفتى الما جن هو الذى يعلم الناس الحيل الباطلة بأن علم المرأة الارتداد لتبين من زوجها، و بأن علم الرجل أن يرتد لتسقط عنه الزكوة ثم يسلم، و لا يبالي أن يحرم حلالاً و يحل حراماً اھ۔“ (مجمع الأنهر) قلت: ”ویدخل فيه المفتی الفاسق كما فى الملتقط: و الذى يفتى عن جهل كما فى الخانية اھ۔“ (سكب الأنهر) (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۶/۹۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/جمادی الثانیہ/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲/۲۷۲، الباب التاسع أحكام المرتدين، رشیدیہ)

(۲) (شرح عقود و رسم المفتی ۱/۳۳، من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی)

(۳) (مجمع الأنهر: ۲/۴۴۱، کتاب الحجر، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

غلط واقعہ بیان کر کے فتویٰ لینا

سوال [۱۰۳۳]: زید کی لڑکی کا نکاح بالغ ہونے سے پہلے لڑکی کے والدین نے کرادیا تھا مگر جب کہ لڑکی بلوغ کو پہنچی تو اس وقت باہم فریقین میں رضا مندی نہ رہی اور نہ لڑکی کو طلاق ہی ہوئی، لڑکے کے والدین نے ایک مولوی صاحب سے اصلیت کو چھپاتے ہوئے یہ بیان کیا کہ نکاح لڑکی کا مجھے بیہوشی کی دوا لگا کر کر دیا تھا، اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ میں نے بیہوشی کی حالت میں اجازت دی یا نہیں دی، نکاح جائز ہے یا نہیں؟ یہ لڑکی کے والدین نے مولوی صاحب سے زبانی بیان کیا، مولوی صاحب نے سن کر والدین کو یہ کہہ دیا کہ نکاح ناجائز ہے، دوسرا نکاح کرادیا جاوے۔

مولوی صاحب کے تحریری فتویٰ دینے پر قاضی صاحب نے لڑکی کا نکاح دوسرا پڑھ دیا، اس کے بعد جب مولوی صاحب مذکور پر اعتراض ہوا تو انہوں نے اپنا تحریری فتویٰ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ مولوی صاحب نے رمضان المبارک نماز جمعہ میں یہ کہا کہ قاضی صاحب تکبیر نہ کہیں۔ اب اس میں کون قابل اعتراض ہے آیا مولوی صاحب یا قاضی صاحب؟ لہذا اس کا جواب بہت جلد تحریر فرمایا جائے عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

مولوی صاحب جب کہ خود اصل واقعہ سے ناواقف تھے اور لڑکی کے والد نے غلط واقعہ بیان کیا اور مولوی صاحب نے اس کو صحیح سمجھتے ہوئے فتویٰ دیا تو اس میں مولوی صاحب کا قصور نہیں، لیکن جس وقت ان کو صحیح واقعہ کا علم ہوا اور لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تو ان کو اپنا فتویٰ چھپانا نہیں چاہیے تھا بلکہ ان کے ذمہ لازم تھا کہ لوگوں سے نیز قاضی صاحب سے ظاہر کرتے کہ لڑکی کے والد نے مجھ سے یہ بیان کیا تھا یعنی اس بیان پر فتویٰ دیا۔ اور قاضی صاحب جب کہ مسائل سے خود ناواقف تھے انہوں نے مولوی صاحب کا تحریری فتویٰ دیکھ کر دوسرا نکاح پڑھایا ہے تو قاضی صاحب کا بھی قصور نہیں، لیکن قاضی صاحب کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ پہلے اور دوسرے نکاح والوں کو اس کی اطلاع کر دیں کہ لڑکی کے والد نے غلط واقعہ بیان کر کے فتویٰ حاصل کیا ہے (۱)، لہذا دوسرا

(۱) "إذا أفتى بشئ ثم رجع، فإن علم المستفتي برجوعه وكذا إن نكح بفتواه، واستمر على

نكاح بفتواه ثم رجع، لزم مفارقتهما أما إذا لم يعلم المستفتي برجوع المفتي يلزم

المفتي إعلامه قبل العمل وكذا بعده اهـ". (باب منقول عن شرح المذهب في بداية شرح العقود، فصل

في أحكام المفتين، ص: ۹، الثانية، مير محمد کتب خانہ)

(کذا فی رد المحتار: ۱/۷۴، مطلب إذا تعارض التصحيح، سعيد)

نکاح صحیح نہیں بلکہ پہلا ہی نکاح بدستور صحیح اور قائم ہے، اپنی حالت میں مولوی صاحب کو تکبیر کہنے سے روکنا بے جا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذیقعدہ/ ۱۴۰۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذیقعدہ/ ۱۴۰۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذیقعدہ/ ۱۴۰۰ھ۔

کیا عالم کے ذمہ ہر سوال کا جواب ضروری ہے؟

سوال [۱۰۳۲]: اگر کوئی کسی کو مولوی عالم اور واقف اسرار شریعت سمجھ کر اس سے کوئی مسئلہ دریافت کرے اور وہ اس خیال سے کہ اس کے جواب سے کسی عزیز و دوست کا نقصان ہوگا عمداً اس کا جواب نہ دے اور اس کے سوال کو گزشتہی اور اس کو جاہل جان کر ”جواب جاہلاں باشد خموشی“ پر عمل کرے تو کیا اس نے خدا کے اس حکم کے خلاف ورزی نہیں کی کہ جو تم کو معلوم ہو صاف صاف ظاہر کر دو اور کچھ نہ چھپاؤ اگرچہ اس میں تمہارا یا تمہارے عزیز دوست کا نقصان ہی کیوں نہ ہو، کیا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے خلاف کرنے والے کی قیامت میں خدا کی طرف سے باز پرس نہیں ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسئلہ شرعیہ بوقت ضرورت ظاہر کرنا واجب ہے اور محض اس خیال سے کہ میرے کسی عزیز کو نقصان پہونچے گا چھپانا جائز نہیں (۱)، لیکن ہر سوال کا جواب دینا بھی واجب نہیں اور ضرورت کا مدار جواب دینے والے کے احساس پر ہے یعنی بسا اوقات سائل کے نزدیک اس سوال کا جواب ضروری ہوتا ہے اور مجیب کے نزدیک

(۱) ”من سئل عن علم فکتمہ، ألجمہ اللہ بلجام من النار يوم القيامة“۔ (جامع الترمذی، رقم الحدیث:

۶۶۴۹، کتاب العلم، باب ما جاء فی کتمان العلم، دار إحياء التراث العربی)

(و أخرجه أبو داؤد فی سننه فی کتاب العلم، باب کراهية منع العلم، رقم الحدیث: ۳۶۵۸، دار إحياء

التراث العربی)

(وابن ماجه فی سننه، فی المقدمة، باب من سئل عن علم فکتمہ، رقم: ۲۶۱، من حدیث أبی هريرة

رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ضروری نہیں ہوتا بلکہ بیکار اور مضر ہوتا ہے (۱)، یا مجیہ۔ کو پورے طور پر اس کا جواب معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”جو شخص ہر سوال کا جواب خواہ وہ قابل جواب ہو خواہ نہ ہو، لوگوں کو دیتا ہے وہ دیوانہ ہے“، کذا فی الدارمی (۲)۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ: ”جس شخص کو بلا تحقیق فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے“۔ کذا فی سنن الدارمی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۲/۶۰ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ذی الحجہ/۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ذی الحجہ/۶۰ھ۔

لامذہب کے سوال کا جواب

سوال [۱۰۳۵]: ایک لامذہب کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت: ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا﴾ میں فرشتوں کو خطاب کیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو اور شیطان اس آیت کی رو سے مستثنیٰ ہوا تو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون کیوں قرار پایا؟
احقر بشیر احمد کمہار ہیڑہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لامذہب کا جواب دینا بیکار ہے کیونکہ وہ کسی دلیل کو تسلیم نہیں کرے گا بلکہ شیطان کا وجود ہی نہ مانے گا، اگر آپ کو شبہ ہو تو فرمائیے جواب دے دیا جائے گا۔ بیضاوی شریف، ص: ۴۴۷ پر نہایت تفصیل سے اس کا جواب لکھا ہے (۴) اور لامذہب سے مناظرہ کرنا فروعی امور میں قطعی مفید نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/محرم/۵۴ھ۔

(۱) ”و لا یجب الإفتاء فیما لم یقع و یحرم التساہل فی الفتوی و اتباع الحیل إن فسدت الأغراض و سوال من عرف بذلك“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳/۳۰۹، کتاب أدب القاضی، رشیدیہ)

(۲) ”عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال: ”إن الذی یفتی الناس فی کل ما یستفتی لمجنون“۔ (سنن الدارمی: ۱/۷۳، باب فی الذی یفتی الناس فی کل ما یستفتی، قدیمی)

(۳) (سنن الدارمی: ۱/۶۹، باب الفتیا و ما فیہ من الشدة، قدیمی)

(۴) ”وإن إبلیس کان من الملائکة و إلا لم یناولہ أمرهم و لم یصح استثناءہ منهم، و لا یرد علی ذلک“

اگر امام عالم نہ ہو تو مسئلہ کس سے پوچھیں؟

سوال [۱۰۳۶]: زید سے الفاظ قرآن بھی اکثر صاف نہیں نکلتے، ایسے شخص کی امامت کیسی ہے؟
اور ایسے شخص سے آئندہ مسئلہ دریافت کرنا کیسا ہے؟
الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر امام عالم نہیں تو مسئلہ کسی عالم سے پوچھا جائے (۱)۔ وہ الفاظ قرآن میں کیا غلطی کرتا ہے، تشریح کے ساتھ لکھیں تو حکم معلوم ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۶/۹۲ھ۔

جہاں سے سہولت متوقع ہو وہاں سے فتویٰ پوچھنا

سوال [۱۰۳۷]: بعض مسائل ایسے ہیں کہ اس میں احناف کے علماء مثلاً: علماء دیوبند، سہارنپور،

= قوله تعالى: ﴿إِلا ابليس كان من الجن﴾ لجواز أن يقال: إنه كان من الجن فعلاً و من الملائكة نوعاً، و لأن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما روى: "إن من الملائكة ضرباً يتوالدون، يقال لهم: الجن، و منهم إبليس" و لمن زعم أنه لم يكن من الملائكة أن يقول: أنه كان جنياً نشأ بين أظهر الملائكة، و كان مغموراً بالألوف منهم، فغلبوا عليه، أو الجن أيضاً كانوا مأمورين مع الملائكة لكنه استغنى بذكر الملائكة عن ذكرهم فإنه إذا علم أن الأكابر مأمورون بالتدليل لأحد والتوسل به، علم أن الأصاغر أيضاً مأمورون به اهـ". (تفسير البيضاوي، ص: ۶۴، مير محمد کتب خانہ)

(۱) کسی کو مسئلہ بتانے کے لئے لازم ہے کہ وہ عالم، صاحب بصیرت، کثیر المطالع و وسیع النظر اور احوال زمانہ سے واقف ہو جس شخص میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ مسئلہ بتانے کا اہل نہیں:

"لا ينبغي لأحد أن يفتي إلا من كان هكذا، و يريد أن يكون المفتي عدلاً عالماً بالكتاب و السنة و اجتهاد الرأي إلا أن يفتي بشيء قد سمعه". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۳۰۸، الباب الأول في تفسير الأدب و القضا، رشيدية)

"أن المفتي في الوقائع لا بد له، من ضرب اجتهاد و معرفة بأحوال الناس". (رد المحتار، باب

ما يفسد الصوم و ما لا يفسده، مطلب مهم: ۳۹۸/۲، سعيد)

(و كذا في إعلام الموقعين: ۳/۱۶۶، دار الكتب العلمية، بيروت)

وہلی مختلف ہیں، کسی کے نزدیک حلت ہے کسی کے نزدیک حرمت ہے تو کیا ایسی صورت میں جس جگہ سہولت ملے استفتاء کر سکتے ہیں یا نہیں؟ درآنحالیکہ قابل اعتماد اور دیندار ہر ایک ہیں، یعنی اتباع ہوا میں تو داخل نہیں ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب سب اداروں پر یکساں اعتماد ہے تو محض سہولت کے لئے انتخاب کرنا کہ فلاں مسئلہ میں فلاں جگہ سے سہولت ملے گی اور فلاں مسئلہ میں فلاں جگہ سے سہولت ملے گی، اگر کامل اتباع ہو انہیں تو اتباع ہوا کے قریب قریب ضرور ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۶ھ۔

مباہلہ

سوال [۱۰۳۸]: آج کل اہل بدعت کی طرف سے گجرات بھر میں ایک بہت بڑا شور ہے اور جاہلوں کو بہکا پھسلا کر سر توڑ پھوڑ کرنے کی تجویز ہو رہی ہے۔ سوال کا مقصد صرف یہ ہے کہ جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کا اعلان کر کے ان کو زیر کیا، اس طرح اہل حق میں سے کوئی خدا کا بندہ تیار ہو کر مباہلہ کرنا چاہے تو آیا شریعت اس بارے میں اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ اگر اجازت دیتی ہے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟ چونکہ نومبر میں بڑودہ میں اجتماع ہونے والا ہے اس کو نا کام بنانے کے لئے اہل بدعت نے ایک قسم

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (الشوری: ۶)

”الکيس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت، والعاجز من اتبع نفسه هواها و تمنى على الله“. رواه الترمذی و ابن ماجه۔ (مشکوۃ المصابیح، ص: ۴۵۱، باب استحباب المال و العمر للطاعة، الفصل الثانی، قدیمی)

قال ابن عابدين: ”إذا كان في المسئلة قولان مصححان، جاز الإفتاء والقضاء بأحدهما“۔ (الدر المختار) وقال ابن عابدين: ”(قوله: قولان مصححان): أي و قد تساوى في لفظي التصحيح كما لو كان أحدهما بلفظ: الصحيح، والآخر بلفظ: عليه الفتوى الخ“۔ (رد المختار: ۳۶۳/۲، مطلب فيما إذا كان في المسئلة قولان مصححان، سعيد)

(کذا فی شرح عقود رسم المفتی، ص: ۳۸، من رسائل ابن عابدين، سہیل اکیڈمی)

(و کذا حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۵۳۹/۲، کتاب الوقف، دار المعرفۃ بیروت)

کا شور اور ہنگامہ برپا کیا ہے اور نت نئے جھگڑے کر رہے ہیں اور خاص کر بڑودہ میں جھگڑے بھی ہو گئے، جس میں جماعت والوں کو بدنام کیا اور دفعہ نمبر: ۱۴۴، بھی لگوانے کی کوشش جاری ہے، لہذا مناسب جواب تحریر فرمائیں۔

احقر حاجی عبدالرحیم۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مبالغہ کرنے کی اب نہ ضرورت ہے نہ اجازت ہے، دین مکمل ہو چکا ہے، ہر چیز کے دلائل تفصیل سے موجود ہیں، جو گفتگو کی جائے دلائل کی روشنی میں کیجائے (۱)، اور ان لوگوں سے تعرض کی ضرورت نہیں، ان کے اتہامات اور بہتانوں کی طرف کوئی توجہ نہ کریں، زیادہ سے زیادہ اتباع سنت میں مشغول رہیں، اسی کی اشاعت کریں (۲)۔

جس قدر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہر مجلس میں ہوگا اور آپ کے اخلاق فاضلہ کا بیان ہوگا اور آپ کے حقوق کی ادائیگی کی سعی ہوگی، اس قدر فتنے ختم ہوں گے، باطل مضحل ہوگا، حق بلند ہوگا۔ بڑے اجتماع سے پہلے اہل اللہ کے وعظ ہوں، جگہ جگہ گشت کئے جائیں اور مخالفین کی مخالفتوں کا تذکرہ نہ اجتماعات میں ہونہ اپنی نجی مجلسوں میں ہو بلکہ زبانیں اللہ کے ذکر سے تر رہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہو، اسی سے دعاء کریں، ہر معاملہ میں اسی کی طرف التجا ہو، اسی کو فریادرس یقین کریں، اس کے قبضہ و قدرت میں

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾
(المائدہ، پ: ۶، آیت: ۳)

”(اليوم اكملت لكم دينكم) بالنصر والإظهار على الأديان كلها أو بالتنصيص على قواعد العقائد والتوقيف على أصول الشرع وقوانين القياس“۔ (التفسيرات الأحمدية، ص: ۳۳۵، مكتبہ حقانیہ پشاور)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (احسن الفتاویٰ ۸/۲۴۶، کتاب الحظر والاباحہ، باب المتفرقات، سعید)
(۲) ”صل من قطعك، وأحسن إلى من أساء إليك“ قال المناوی رحمہ اللہ: ”قوله: ”صل من قطعك الخ“ بأن تفعل معه ما تعد به واصلًا..... فإنك إن فعلت ذلك انقلب عدوك المشاق مثل الولي الحميم“۔ (فيض القدير شرح الجامع الصغير، رقم الحديث: ۵۰۰۴/۷: ۳۷۱۹، نزار مصطفى رياض)

سب کے دلوں کو سمجھیں، انشاء اللہ تعالیٰ پوری نصرت ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۸۸ھ۔

اختلاف کے وقت کس قول پر عمل ہو؟

سوال [۱۰۳۹]: فقہ حنفی کی جتنی درسی کتب ہیں ان میں تقریباً سب میں احناف کا آپس میں اختلاف ہوتا ہے، آیا اختلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ ہر عمل جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کس بات پر عمل ہو، امام صاحب کے مسلک، یا امام ابو یوسف اور امام محمد کے مسلک پر ہم فیصلہ کس طرح کریں؟

۲..... احناف کی وہ کوئی کتاب ہے کہ جس کے تمام مسائل بطور فیصلہ اور فتوے کے ہوں تاکہ وہ خرید کر ہر وقت مسئلہ دیکھ لیں اور وہ کتاب اوروں سے جامع بھی ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... کیف ما اتفق کسی قول پر عمل کرنا درست نہیں بلکہ اس کے لئے کچھ قواعد و ضوابط ہیں جن کی پابندی ضروری ہے، اگر کسی مسئلہ میں چند اقوال ہوں اور اصحاب ترجیح نے کسی قول کی ترجیح صراحۃً بیان کی ہے تو رائج پر عمل کیا جائے گا اور اگر صراحۃً ترجیح بیان نہیں کی تو ضمنی ترجیح کو تلاش کیا جائے (۱) مثلاً: ایک قول متون میں ہے، دوسرا شروح میں تو قول اول کو ترجیح ہوگی (۲)، یا ایک قول قیاس ہے، دوسرا استحسان تو ثانی کو ترجیح ہوگی (۳)

(۱) ”ومن هذا تراهم قد يرجحون قول بعض أصحابه على قوله، كما رجحوا قول زفر وحده في سبع عشرة مسألة، فنتبع ما رجحوه؛ لأنهم أهل النظر في الدليل“۔ (رد المحتار، المقدمة، مطلب: إذا تعارض التصحيح: ۷۱/۱، سعید)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۱۱۰، مطلب فی قواعد الترجیح، الرشید الوقف)
(۲) ”وكذا لو كان أحدهما في الشروح والآخر في الفتاوى، لما صرحوا به من أن ما في المتون مقدم على ما في الشروح“۔ (رد المحتار، مطلب: إذا تعارض التصحيح: ۷۲/۱، سعید)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۱۱۵، المتون مقدم علی الشروح، الرشید الوقف)
(۳) ”وكذا لو كان أحدهما استحساناً والآخر قياساً؛ لأن الأصل تقديم الاستحسان إلا فيما استثنى“
(رد المحتار، المقدمة، مطلب: إذا تعارض التصحيح: ۷۲/۱، سعید)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۱۱۲، يرجح الاستحسان على القياس، الرشید الوقف)

الانی مسائل معدودة۔ اور اگر ترجیح ضمنی بھی حاصل نہ ہو تو پھر اس کے لئے ابواب کی تفصیل اس طرح کی ہے:

”قد جعل العلماء الفتوى على قول الإمام الأعظم في العبادات مطلقاً، وقد صرحوا بأن الفتوى على قول محمد في جميع مسائل ذوى الأرحام۔ وفي قضاء الأشباه والنظائر: الفتوى على قول أبى يوسف فى ما يتعلق بالقضاء كما فى القنية والبرازية“۔ رد المحتار: ۱/۵۰ (۱)۔

اس مسئلہ کی تفصیل مطلوب ہو تو علامہ شامی کا رسالہ شرح عقود رسم المفتی دیکھئے (۲)۔ فقط واللہ

سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

غیر مفتی بہ قول کو اختیار کرنا

سلام مسنون!

سوال [۱۰۴۰]: محترم المقام!

رویت ہلال سے متعلق تیرہ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء بھیجا تھا جس کا جواب آپ کے یہاں یکم ذی قعدہ ۶۹ھ کو مکمل ہوا اور آخر ذی قعدہ میں یہاں پہونچا ہے، اس کے جواب نمبر: ۳ میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ”جب ایک شہر میں دو قاضی ہوں تو مراسلت ان کے درمیان جائز ہے“۔ میں نے یہ لکھا تھا کہ مفتی بہ مذہب امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا ہے لہذا مسافت مقرر کردہ امام ابو یوسف سے کم کی صورت میں کیا صورت اختیار کی جائے۔ مثلاً: سیتاپور یہاں سے پانچ میل ہے وہاں اگر شہادت گذر جائے تو خیر آباد میں مراسلت کیسے کی جائے۔ امام محمد صاحب رحمہ اللہ کی روایت ”نوادر“ کی ہے اور فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ جس قول پر فتویٰ کی صراحت ہو اس سے عدول نہیں جائز ہے۔ تو خصاف سے جو امام محمد صاحب کا قول تحریر فرما کر عمل کی گنجائش تحریر فرمائی ہے وہ کس طرح ممکن ہوگی؟ ذیل میں وہ عبارتیں درج کی جاتی ہیں جن میں غیر مفتی بہ قول پر عمل کرنا ناجائز بتایا گیا ہے جب کہ دوسرے قول کے لئے فتویٰ کی صراحت موجود ہو:

۱- عقود رسم المفتی، ص: ۱۶، میں ہے: ”معناه أن ما كان من المسائل فى الكتب

التى رويت عن محمد بن الحسن رواية ظاهرة يفتى به وإن لم يصرحوا بتصحيحه، نعم لو

(۱) (رد المحتار، مطلب إدار التصحيح: ۱/۷۱، سعید)

(۲) (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۱۱۰، الرشید الوقف)

صححوارواية من غير كتب ظاهر الرواية يتبع ما صححوه. قال العلامة الطرطوسي في أنفع الوسائل في مسألة الكفالة إلى شهر: إن القاضي المقلد لا يجوز له أن يحكم إلا بما هو ظاهر الرواية لا بالرواية الشاذة، إلا أن ينصوا على أن الفتوى عليها“ (۱)۔

۲- ”فما فيه لفظ الفتوى يتضمن شيئين: أحدهما الاذن بالفتوى به، والاخر صحته؛ لأن الإفتاء به تصحيح له“۔ عقود، ص: ۳۹ (۲)۔

۳- ”وإذا ذيلت بالصحيح، أو المأخوذ به، أو به يفتى، أو عليه الفتوى، لم يفت بمخالفتها“۔ ص: ۳۸ عقود (۳)۔

عبارات مذکورہ بالا سے صاف واضح ہے کہ جس امر پر فتویٰ کی صراحت ہو اس کے خلاف عمل نہیں جائز ہے۔

الجواب وهو الموفق للصواب:

یہاں کے جواب میں روایت امام محمد ”نوادر“ کو مفتی بہ نہیں کہا گیا، بلکہ مفتی بہ حسب تصریح فقہاء قول ابو یوسف رحمہ اللہ ہی ہے، لیکن جیسے کہ آج کل کے قاضی شرعی قاضی نہیں، ان پر فقہاء کی بیان کردہ تعریف صادق نہیں آتی (۴) ان کو قدرت الزام حاصل نہیں، بلکہ تسامحاً مفتی یا عالم پر قاضی کے احکام جاری کر دیئے جاتے ہیں، اسی طرح قبول کتاب قاضی کے شرائط میں بھی تسامح سے کام لیا جاتا ہے، خاص کر ایسے مسائل میں جن میں عوام کے فتنہ کا مظنہ ہو۔

(۱) (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۴۴، میر محمد کتب خانہ آرام باغ)

(۲) (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۸۸، میر محمد کتب خانہ آرام باغ)

(۳) (شرح العقود، المصدر السابق)

(۴) ”القاضي: هو الذي تعين ونصب من جهة من له الأمر لأجل القضاء: أي فصل الخصومات وحسم الدعاوى والمنازعات وغير ذلك، وقال النسفي: القاضي الحاكم المحكم: أي المنفذ المتقن وفي رد المحتار: ثم القاضي تنقيد ولايته بالزمان والمكان والحوادث“۔ (كتاب القضاء: ۳۵۴/۵، سعيد)

(و کذا فی قواعد الفقہ، ص: ۴۲۰، حرف: القاف، الصدف پبلشرز)

مواقع ضرورت میں بعض غیر مفتی بہ اقوال کو اختیار کرنے کی فقہاء نے گنجائش تحریر فرمائی ہے جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے نواقض وضو کی بحث میں ”کسی الحمصہ“ کا حکم ذکر فرماتے ہوئے خارج و مخرج کے ذیل میں بعنوان ”تنبیہ“ ایک قول کو صحیح کہا ہے اور پھر بحوالہ حلوانی اسی صحیح کے مقابل قول پر عمل کی گنجائش نقل کی ہے (۱)، بلکہ اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بھی تالیف کیا ہے (۲)۔

نیز احکام حیض میں بھی مواضع ضرورت میں کسی ایک قول کو اختیار کرنے بلکہ فتویٰ دینے کی اجازت نقل کی ہے (۳) اگرچہ وہ قول مفتی بہ نہ ہو۔ امسال عید کے موقع پر بعض دیار میں اس قدر خلفشار رہا کہ جس کی حد نہیں، ایک ہی شہر میں کچھ آدمی صائم رہے کچھ نے نماز عید ادا کی، بعض نے محض افواہ پر روزہ افطار کیا بعض نے شرعی شہادت کے باوجود روزہ پورا کیا وغیرہ وغیرہ۔ پھر نااہل لوگوں نے مسائل فقہ پر زبان محض دراز کی، اس کے بعد فتویٰ کا سلسلہ چلا، جواب تک ختم نہیں ہوا یعنی افطار کر دینے والوں پر قضاء و کفارہ کا کیا حکم ہے اور جنہوں نے افطار نہیں کیا وہ صوم منہی عنہ سے عاصی ہوئے یا نہیں۔ پس اگر ایسے خلفشار اور فتنہ عوام سے بچنے اور عوام کو بچانے کے لئے قول امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ پر عمل کی گنجائش تحریر کر دی جائے تو یہ اصول افتاء کے خلاف نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ محرم/ ۱۴۰۰ھ۔

شیعہ کے سوال کا جواب کس طرز پر ہونا چاہیے؟

سوال [۱۰۴۱]: اگر کوئی حنفی، سنی، مفتی شیعوں کے مسائل میراث سے واقف ہو تو وہ استفتاء جس میں مورث اعلیٰ شیعہ ہو اور باقی مورث و وارث سنی ہوں یا مورث اعلیٰ سنی ہو اور بقیہ مورث و وارث خواہ کل شیعہ

(۱) ”والصحيح الأول، كما ذكره قاضيخان، لكن في الثانية توسعة لمن به جدري أو جرب كما قاله الإمام الحلواني، ولا بأس بالعمل به هنا عند الضرورة“۔ (رد المحتار: ۱/ ۱۳۹، کتاب الطهارة، مطلب في كى الحمصه، سعيد)

(۲) الرسالة الثالثة: (الفوائد المخصصة بأحكام كى الحمصه، من رسائل ابن عابدين: ۱/ ۵۴، قاسميه كوئثه)

(۳) ”لو أفتى بشيء من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلباً للتيسير، كان حسناً اهـ“۔ (رد المحتار: ۲۸۹/۱، باب الحيض، مطلب لو أفتى مفت الخ، سعيد)

ہوں و بعض شیعہ و بعض سنی، پس ایسی صورت میں سنی مفتی ایسے استفتاء کا جواب اس طرح لکھے، آیا ہر اصل میں اپنے اصول کے موافق لکھے یا مورث شیعہ کے ترکہ و حصے کو اصول تشیع کے موافق اور مورث حنفی اور سنی کے ترکہ و حصہ کو اصول حنفیت کے موافق، یا کیا صورت ہوگی؟ جو صورت ہو مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو فرقہ شیعہ کا کافر ہے اُس کی رعایت کرتے ہوئے جواب دینا شرعاً درست نہیں، بلکہ جو اسباب میراث اہل اسلام کے نزدیک معتبر ہے انہی اسباب کے ماتحت ان کو ہی جواب دیا جائے گا:

”الكفار يتوارثون فی ما بینہم بالأسباب التي يتوارث بها أهل الإسلام فی ما بینہم من النسب والسبب“۔ عالمگیری، الباب السادس فی میراث أهل الكفر: ۶/۴۵۴ (۱)۔

اور جو فرقہ کافر نہیں بلکہ مسلم ہے اس کو بھی حنفی، سنی اپنے اصول کے مطابق جواب دے گا، جیسا کہ اگر کوئی شافعی المذہب کسی مفتی حنفی سے امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق کوئی مسئلہ دریافت کرے تو حنفی مفتی اس وقت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق جواب نہیں دے گا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے موافق جواب دے گا۔ علامہ حنفی رحمہ اللہ نے ”در مختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع“ میں ”کتاب إحياء الموات“ سے کچھ پہلے لکھا ہے: ”فروع: ”کتاب إما قول الشافعی رحمہ اللہ: یکتب جواب أبی حنیفة رحمہ اللہ“۔

اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں: ”(قوله کتب الخ)، مثل الكتابة السؤال بالقول، ومثل الشافعی وغیره من أصحاب المذاهب اھـ“۔ رد المحتار: ۵/۹۹ (۲)۔

پس مذہب شیعہ کے مطابق سوال کرنے سے مفتی سنی کو بطریق اولیٰ مذہب اہل سنت کے مطابق جواب دینا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

فتویٰ کی تائید میں کسی مولوی کا جھوٹ موٹ نام

سوال [۱۰۴۲]: مفتی صاحب نے اپنے دیئے ہوئے فتوے کی تائید میں جھوٹ موٹ ایک مولوی

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض: ۶/۴۵۴، رشیدیہ)

(۲) (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة: ۶/۴۲۱، سعید)

صاحب کا نام شائع کر دیا، اب مولوی صاحب منکر ہیں کہ میرا نام جھوٹ شائع کیا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے مفتی کی شرعاً قدر و منزلت کیا ہوگی؟ اور ان کا فتویٰ شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اصل فتویٰ مفتی صاحب سے پوچھا گیا ہے تو یہ بھی ان ہی سے پوچھا جائے، وہی اپنے فتوے کے ماخذ کی صحیح نشاندہی کریں گے۔ تصحیح نقل مفتی کے ذمہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۹۴ھ۔

اپنی ذات سے متعلق سوال سے مفتی کا جواب سے معذرت کرنا

سوال [۱۰۴۳]: ایک وقف کی آمدنی جو کہ مخصوص ادارہ کے لئے خاص ہے لہذا اس کے علاوہ پھر وقف کی آمدنی کو دوسرے مصرف میں صرف کی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی وقف کے منشاء کے خلاف صرف کرے تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب بعون الملک:

مدرسہ عالیہ جامع مسجد کا صدر مدرس ہی مفتی ہے، اس لئے اس کے متعلق کسی دوسرے دارالافتاء سے فتویٰ حاصل فرمائیں۔ اختلافی مسائل کا جواب دینے کی وقف بورڈ کی جانب سے ممانعت ہے، اس لئے معذوری ہے۔ فقط عبدالقدوس رومی

نوٹ: عبدالقدوس رومی مفتی شہر نے جو جواب دیئے ہیں وہ کہاں تک درست ہیں؟ کیا کسی کے متعلق خود اس کی ذات سے متعلق بات دریافت کرنا شرعاً ممنوع ہے اور اس کے جواب دینے کا حق نہیں ہے؟ کیا کسی مفتی کو یہ کہنے کی مجال ہے کہ وہ سنی وقف بورڈ کی وجہ سے امر حق کو ظاہر نہ کرے اور معذوری پیش کر کے جواب دینے سے اعراض کرے، ایسے مفتی کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ نیز سوال اول کا جواب ندارد ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مفتی کی ذات سے متعلق سوال ہو وہ اگر خود ہی جواب دے کر اپنی پوزیشن کو صاف کر لے تو مظنہ

تہمت ہے جس سے بچنے کا حکم ہے (۱)، اس بناء پر اگر انہوں نے جواب دینے سے معذرت کر دی تو یہ طریقہ مناسب ہے۔ اگر کسی مفتی کو پابند کر دیا جائے کہ فلاں فلاں مسئلہ کا جواب دیں اور فلاں فلاں مسئلہ کا جواب نہ دیں پھر وہ اس پابندی کی رعایت رکھے تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے، مثلاً پہلے زمانہ میں قاضی کے نام منشور آتا تھا کہ قول راجح اور قول مختار پر فیصلہ کر سکتا ہے تو وہ اس کا پابند ہوتا ہے، یا مثلاً قول امام ابو حنیفہ پر فیصلہ کرے تو وہ اس کا پابند ہوتا تھا اگرچہ دوسرے قول بھی غلط نہیں لیکن اس کو اختیار کرنے کا حق نہیں (۲)، یا جیسے ایک طبیب ہے کہ امراض چشم کا علاج کرتا ہے دوسرے امراض کا علاج نہیں کرتا تو اس پر کیا اعتراض ہے، دوسرے امراض کے علاج کے لئے دوسرے طبیب موجود ہیں۔ لہذا آپ کے لئے مناسب طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے سوالات دوسری جگہ حل کر لیں، ان سے ہی دریافت کرنے پر اصرار نہ کریں، نہ ان کے یا کسی کے درپے ہوں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۹۶ھ۔



(۱) ”(ویتیقی مواضع التہم تحذراً سؤظنہم) ای بالریبۃ (ووقعہم فی الغیبۃ) وعن أنس أنه عليه السلام كلم إحدى نسائه، فمر به رجل، فدعاه، فقال: ”يا فلان! هذه زوجتي صفية“، فقال: يا رسول الله! من كنت أظن فيه؟ فإني لم أظن فيك، فقال: ”إن الشيطان يجري من ابن آدم مجرى الدم“. رواه مسلم..... ”وعن عمر رضي الله عنه ”من أقام نفسه مقام التهمة فلا يلومنّ بالذرة، فقال: يا أمير المؤمنين! إنها امرأتی، قال: فهلا تكلمت بحيث لا يراک الناس“. (عين العلم لملا علی القاری، الباب الثامن فی الصحبة: ۳۷۴/۱، مکتبہ القدس کوئٹہ)

(۲) ”القضاء مظهر لا مثبت، ويتخصص بزمان ومكان وخصومة“. (الدرا لمختار، کتاب القضاء، فصل فی الحبس، مطلب القضاء یقبل التقييد والتعليق: ۴۱۹/۵، سعید)

تعلیم نسواں کا بیان

تعلیم نسواں

سوال [۱۰۴۴]: تعلیم نسواں کے سلسلہ میں اسلام سے احکام کے مطلع فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

سائل شفیع الدین معرفت حفیظ الدین صاحب، جامن والی مسجد، شوراب گیٹ، میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کو بھی ضرورت کے مطابق دینی تعلیم اور دنیوی تعلیم نہ صرف جائز بلکہ لازم ہے (۱)، البتہ حدود شرع کی پابندی ضروری ہے، دنیاوی اعلیٰ تعلیم کا طریقہ مروجہ حدود شرع اور حدود اخلاق سے متجاوز ہے، بے شمار مفاسد اور فتنے اپنے اندر لئے ہوئے ہے، کورس میں بھی فتنے ہیں کہ اسلامی عقائد، اخلاق، معاشرہ ہر چیز پر اثر انداز ہیں، جن کا مشاہدہ ہے۔ اس تعلیم کا مقصد بھی عام طور پر سرکاری ملازمتیں اور عہدے حاصل کرنا ہے جن کی مروجہ طریقہ شرعاً کوئی گنجائش نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۴ھ۔

(۱) ”عن أنس بن مالک رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”طلب العلم

فريضة على كل مسلم“۔ (سنن ابن ماجہ، ص: ۲۰، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، قديمی)

(ومشكاة المصابيح، ص: ۳۴، کتاب العلم، قديمی)

وقال العلامة القاری: ”أی و مسلمة، كما فی رواية“۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۲۸۴/۱، کتاب العلم، امدادیہ)

(۲) ”وسئل رحمه الله تعالى: ما حکم تعلیم النساء الكتابة..... اھ؟ فأجاب..... فقد روى الحاكم

وصححه عن البيهقي ”عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”لا تنزلوا هن

في الغُرف ولا تعلّموهن الكتابة“۔ یعنی النساء..... وحينئذ فيكون فيه إشارة إلى علة النهي عن

الكتابة، وهي أن إذا تعلّمتهن، توصلت بها إلى أغراض فاسدة، وأمكن توصل الفسقة إليها على وجه

أسرع وأبلغ وأخدع من توصلهم إليها بدون ذلك اھ“۔ (الفتاویٰ الحديثية، ص: ۱۱۹، مطلب يكره

تعليم النساء الكتابة، قديمی)

کیا تعلیم لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے ہے؟

سوال [۱۰۴۵]: لڑکا تعلیم یافتہ ہے، لڑکی کے والدین قرآنی تعلیمات سے بے خبر ہیں، لڑکا شریعت کا پابند ہے مگر اس کی شادی کی کوئی پرواہ نہیں کرتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

دینی تعلیم لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے ضروری ہے (۱) اور اس کی ضرورت پوری زندگی کے لئے ہے، صرف شادی کے لئے نہیں، لہذا ایک کی تعلیم کا خیال کرنا دوسرے کی تعلیم کا خیال نہ کرنا غلط ہے۔ جو لڑکا شریعت کا پابند ہے اس کی شادی نہ کرنا ظلم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ۔

بے پردگی کی حالت میں عورتوں کو تعلیم دینا

سوال [۱۰۴۶]: ایک مولوی صاحب ہائی اسکول میں عورتوں کو تعلیم دیتے ہیں اور پردہ کا کوئی خاص انتظام نہیں ہے، اتنا ہے کہ عورت کے اعضاء ڈھکے رہتے ہیں مگر چہرہ کھلا رہتا ہے۔ ایسی صورت میں مولوی صاحب کو تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۱) ”عن أنس بن مالک رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”طلب العلم فريضة على كل مسلم“۔ (ابن ماجہ، ص: ۲۰، باب فضائل العلم، میر محمد)
وقال الملا علي القاري في شرحه: ”طلب العلم“: أي: الشرعي ”فريضة“: أي مفروض فرض عين ”على كل مسلم“: أو كفاية والتاء للمبالغة: أي و مسلمة، كما في رواية“۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴۷۷/۱، رقم الحديث: ۲۱۸، کتاب العلم، رشیدیہ)

(وکذا فی رد المحتار: ۴۱/۱، مطلب الفرق بین المصدر والحاصل بالمصدر، سعید)
(۲) ”وعن أبي سعيد و ابن عباس رضي الله عنهما قالا: قال رسول الله ﷺ: ”من ولد له ولد، فليحسن اسمه و أدبه، فإذا بلغ فليزوجه، فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثمًا، فإنما إثمہ على أبيه“۔ قال الطيبي رحمه الله تعالى: أي جزاء الإثم عليه حقيقة، ودل هذا الحصر على أن لا إثم على الولد مبالغة؛ لأنه لم يتسبب لما يتفادى ولده من إصابة الإثم“۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۳۰۰/۶، کتاب النکاح، باب الولی فی النکاح واستیذان المرأة، الفصل الثالث، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح تعلیم دینے کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۲ھ۔

لڑکیوں کی تعلیم

سوال [۱۰۴]: کوئی شخص اپنے محلہ کی غیر محرم عورتوں کو پردہ میں رکھ کر حیض و نفاس کا مسئلہ و

نماز، روزہ پاکی، ناپاکی کے بارے میں وعظ و نصیحت سنائے اور بتلائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

۲..... قریب البلوغ لڑکیوں کو مکتب و مدرسہ میں پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو کیسا گناہ

ہے؟ بدلیل شرعی مع حوالہ جات کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جائز ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بکثرت ثابت ہے، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر

احتیاط چاہئے، خاص کر حیض و نفاس کے مسائل اپنی محرم عورتوں کو سمجھا دے اور پھر وہ عورتیں دوسری عورتوں کو

سمجھا دیں، جیسا کہ ازواج مطہرات سمجھایا کرتی تھیں (۲)۔ یا مردوں کو سمجھا دے اور وہ اپنی عورتوں کو سمجھا دیں،

غیر محرم عورتوں کے ساتھ خلوت ہرگز نہ کرے کہ یہ ممنوع ہے۔

۲..... دینی مسائل کی تعلیم جس طرح لڑکوں کے لئے ضروری ہے لڑکیوں کے لئے بھی ضروری ہے، جو

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾ الآية (النور: ۳۰)

و قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ﴾ الآية (النور: ۳۱)

و قال تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجَكُمْ وَبَنَاتِكُمْ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ

جَلَابِيبِهِنَّ﴾ (الأحزاب: ۵۹)

(۲) ”أن فاطمة بنت أبي حبيش رضى الله تعالى عنها أستحيضت، فأمرت أم سلمة رضى الله تعالى عنها

أن تسأل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: فقال: ”تدع الصلاة أيام أقرائها، ثم تغتسل و تستدفر

بثوب و تصلى“۔ (والسنن الكبرى للبيهقي: ۱/۳۲۶، بيروت)

(و كذا فى نصب الرأيه، كتاب الطهارة: ۱/۲۰۶، المكتبة الاسلاميه)

لڑکی مراہقہ ہو وہ بالغہ کے حکم میں ہے اس کے لئے پردہ ضروری ہے، اس کو مکتب یا مدرسہ میں بھیجنا فتنہ سے خالی نہیں، لہذا ایسی لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام خود ان کے مکانات پر ہونا چاہئے، جیسا کہ نمبر: ۱ میں گزرا:

”قال عليه الصلوة والسلام: ”المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان“۔ رواہ

الترمذی (۱) مشکوٰۃ شریف (۲)۔ ”طلب العلم فريضة على كل مسلم: أي ومسلمة كما في رواية اهـ“۔ هامش المشکوٰۃ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/محرم/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/محرم/۶۱ھ۔

لڑکیوں کے لئے تعلیم

سوال [۱۰۲۸]: قریب البلوغ لڑکیوں کو مکتب یا مدرسہ میں پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں

تو کیسا گناہ ہے بدلیل شرعی مع حوالہ جات کتب تحریر فرمادیں!

الجواب حامداً ومصلیاً:

دینی مسائل کی تعلیم جس طرح لڑکوں کے لئے ضروری ہے اسی طرح لڑکیوں کے لئے بھی ضروری

ہے (۴)۔ جو لڑکی مراہقہ ہو وہ بالغہ کے حکم میں ہے، اس کے لئے پردہ ضروری ہے، اس کو مکتب یا مدرسہ میں بھیجنا فتنہ سے خالی نہیں، لہذا ایسی لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام خود ان کے مکانات میں ہونا چاہئے: لأن المرأة عورة، فإذا خرجت من بيتها، استشرفها الشيطان“۔ رواہ الترمذی مشکوٰۃ (۵) ”طلب العلم فريضة على

(۱) (جامع الترمذی، کتاب الطلاق، باب (بلا ترجمہ): ۲۲۲/۱، سعید)

(۲) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب النظر إلى المخطوبة و بيان العورات: ۲۶۹/۲، قدیمی)

(۳) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی: ۳۴/۱، رقم الهامش: ۱۱، قدیمی)

(۴) ”واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين: وهو بقدر ما يحتاج لدينه“۔ قال العلامة ابن عابدين: ”قال العلامة في فصوله: من فرائض الإسلام تعلم ما يحتاج إليه العبد في إقامة دينه وإخلاص عمله لله تعالى و معاشرته عباده، و فرض على كل مكلف و مكلفة بعد تعلمه علم الدين و الهداية تعلم علم الوضوء والغسل“۔ (مقدمة رد المحتار: ۴۲/۱، قبيل مطلب في فرض الكفاية و فرض العين، سعید)

(۵) (مشکوٰۃ المصابیح: ۲۶۹/۲، کتاب النکاح، قدیمی)

کل مسلم: آی و مسلمة كما في الرواية اهـ“ هامش مشکوة (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مدرسہ میں لڑکیوں کی تعلیم

سوال [۱۰۴۹]: ہمارے گاؤں میں ایک مدرسہ ”باب العلوم“ کے نام سے چل رہا ہے اس میں اکثر طالبات ہیں اور لڑکے کم ہیں، ان طالبات اور طلباء کو مرد اساتذہ ہی تعلیم دیتے ہیں، اس مدرسہ کے صدر مدرس کے بڑے طلباء بعض بالغ بھی ہیں اور بعض طالبات بھی قریب البلوغ ہو گئی ہیں اور بعض طالبات ایسی ہیں جن کی عمر کم ہے، لیکن بہت سے قابل پردہ معلوم ہوتی ہیں۔ مدرس صاحب ان طالبات کو یکے بعد دیگرے تعلیم دیتے ہیں، اور اکثر وقت ایک ورائڈے میں ایک صف طالبات کو بٹھاتے ہیں اور دوسری صف میں طلباء بالغ کو بٹھاتے ہیں اور غیر بالغ بھی موجود ہوتے ہیں غرض کہ دونوں کا اختلاط ایک دوسرے سے ہوتا رہتا ہے۔ مدرسہ کے اوقات میں مدرس نگرانی کرتے رہتے ہیں اور بوقت آمد و رفت اختلاط ہوتا رہتا ہے اور بچیاں گھر سے آتے وقت بلا برقع کے آتی ہیں، حالانکہ ہر طالبہ جو قابل پردہ ہیں ان کا قرآن صحیح ہو گیا ہے، اگر منتظمین چاہیں تو ان کے سر پرستوں کو بلا کر اخراج کر سکتے ہیں یا پردہ کی طرف توجہ دلا سکتے ہیں، لیکن ان تمام امور کی انجام دہی کو مصالح مدرسہ کے خلاف سمجھ کر عند الشرع ان کے لئے جو منتظم ہیں، کیا ضروری ہے؟ بینوا تو جروا

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی جب بالغ ہو جاوے یا بلوغ کے قریب ہو جاوے تو اس کو پردہ کی تاکید لازم ہے ورنہ وہ عمر بھر بے پردہ رہے گی۔ دینی مدرسہ میں صرف تعلیم ہی مقصود نہیں ہوتی ہے بلکہ اخلاقی تربیت اور عملی پابندی کی بھی مشق کرائی جاتی ہے۔ سیانے لڑکوں اور لڑکیوں کا اس طرح بے پردہ اختلاط باعثِ فتنہ بھی ہو سکتا ہے جس کے شواہد اسکولوں اور کالجوں میں بے شمار ملیں گے، اگر ابھی سے احتیاط نہ کی گئی تو اندیشہ ہے کہ کہیں دینی مدارس کا بھی وہی حال نہ ہو (۲)۔ حدیث شریف میں ہے کہ ”عورت تو چھپانے کی چیز ہے، جب وہ اپنے مکان سے نکلتی ہے تو

(۱) (مرقاۃ المفاتیح : ۲۸۴/۱ ، کتاب العلم ، مکتبہ امدادیہ ، ملتان)

(۲) قال الإمام شاد ولی اللہ : ”اعلم أنه لما كان الرجال يهيجهم النظر إلى النساء على عشقهن والتوجه بهن، و يفعل بالنساء مثل ذلك، و كان كثيراً ما يكون ذلك سبباً لأن يبتغى قضاء الشهوة منهن علم =

شیطان ان کو جھانکتا اور تاکتا ہے“ (۱)۔ ایک حدیث میں ہے کہ ”نظر شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے جو سیدھا دل پر جا کر لگتا ہے“ (۲)۔ اور بھی احادیث ہیں، اس لئے بہت زیادہ احتیاط ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۹۰ھ۔

کتنی عمر کی بچی مدرسہ میں پڑھ سکتی ہے؟

سوال [۱۰۵۰]: کتنی عمر تک کی بچیوں کو مکاتب یا عربی مدارس میں دینی تعلیم دی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھ سات سال تک کی بچیوں کے لئے تو کچھ مضائقہ نہیں وہ بھی جب کہ بد اخلاقی نہ سیکھیں، ان کی پوری نگرانی کی جائے (۳)۔ آٹھ نو سال کی بچیوں کو لڑکوں کے مکتب مدرسہ میں آنے سے روک

= غیر السنۃ الراشدۃ، کاتباع من ہی فی عصمة غیرہ، أو بلا نکاح، أو غیر اعتبار کفائۃ، والذی شوہد من هذا الباب یغنی عما سطر فی الدفاتر، اقتضت الحکمة أن یسد هذا الباب۔ (حجة الله البالغة: ۲/۳۳۲، ذا العورات، قدیمی)

(۱) ”المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان“ و فی رواية ”المرأة عورة مستورة“۔ نصب الراية لأحادیث الهدایة: ۱/۲۹۸، المكتبة المکیة جدة)

(و کذا فی الفتاویٰ الحدیثیۃ، ص: ۱۱۹، مطلب: یکرہ تعلیم النساء الکتابۃ، قدیمی)

(۲) قد وجدت هذا الحديث فی كشف الخفاء بهذا اللفظ: ”قال رسول الله ﷺ عن ربه عز وجل: ”النظرة سهم مسموم من سهام إبليس، من تركها من مخالفتي أبدلته إيماناً يجد حلاوته في قلبه“۔ (كشف الخفاء: ۲/۳۲۸، حرف النون، بحوالہ طبرانی، رقم الحديث: ۲۸۶۴، دار إحياء التراث العربی)

(و کذا فی المستدرک للحاکم: ۴/۳۱۴، کتاب الرقاق، النظرة سهم من سهام إبليس مسمومة، دار الفکر بیروت)

(ومجمع الزوائد: ۸/۶۳، باب غص البصر، کتاب الأدب، دار الفکر بیروت)

(والدر المنثور للسيوطی: ۵/۴۱، تحت قوله تعالى: ﴿قل للمؤمنين﴾ مؤسسة الرسالة الناشر محمد امين دمج بیروت)

(۳) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾۔ (سورة التحريم: ۶) =

دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۹۲ھ۔

لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دلانا

سوال [۱۰۵۱]: لڑکیوں کو اعلیٰ انگریزی تعلیم دلا کر سرکاری مدارس میں ملازم کرانے کے متعلق شرع اسلامیہ کا کیا ارشاد ہے، کیا ایسا شخص مسلمانوں کا مذہبی امام یا پیشوا بن سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفس زبان سیکھنا فی حد ذاتہ شرعاً ممنوع نہیں، لیکن آج کل انگریزی پڑھنے والوں پر ماحول کا اتنا برا اثر پڑتا ہے کہ وہ اپنے اقوال، افعال، وضع قطع کو بالکل شریعت کے خلاف کر لیتے ہیں حتیٰ کہ ان کے عقائد تک مسخ ہو جاتے ہیں۔ مسائل شرعیہ: نماز، روزہ، تلاوت قرآن وغیرہ کا مذاق اڑاتے ہیں، بہت سے لاندہب مادہ پرست ہو کر قادر مطلق کی ذات و صفات کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اس لئے ان مفاسد کے پیش نظر شرعی نقطہ نظر سے

= قال الحافظ ابن کثیر فی تفسیرہ: "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قولہ تعالیٰ: ﴿قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ يقول: أدبهم وعلموهم، و قال قتادة: تأمرهم بطاعة الله وتنہاهم عن معصية الله، وأن تقوم عليهم بأمر الله وتأمرهم به الخ". (تفسیر ابن کثیر: ۵۰۲/۴، سورة التحريم، مکتبہ دارالسلام ریاض)

وقال الإمام أحمد: "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ والرجل راع علی أهل بيته، و هو مسئول عنهم الخ". (مسند الإمام أحمد: ۵۵/۲، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(۱) اس میں بہت سے مفاسد ہیں جیسا کہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"أن فيها خشية مفسدة، و درء المفساد مقدم علی جلب المصالح". (الفتاویٰ الحدیثیہ،

ص: ۱۱۹، قدیمی)

(کذا فی حجة الله البالغة: ۳۳۳/۲، قدیمی)

(و فتاویٰ رحیمیہ: ۴۱/۱۰، کتاب العلم، دارالاشاعت کراچی)

انگریزی تعلیم کو مخرب عقائد اور مفسد اعمال کہا جاتا ہے۔

لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دلانے میں مفسد مذکورہ کے علاوہ کچھ اور بھی شرمناک اور ناقابل بیان خرابیاں موجود ہیں (۱) جو کہ اہل زمانہ پر بخوبی روشن ہیں، اس لئے اس سے کلی اجتناب لازم ہے (۲) خصوصاً مذہبی مقتداء کو کہ ایسے شخص کے فعل سے عوام استدلال کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/ذیقعدہ/۵۶ھ۔

لڑکے اور لڑکیوں کا ہندی، انگریزی تعلیم کا ممبر بننا

سوال [۱۰۵۲]: شبلی کالج جس میں انگریزی اور ہندی کی ہی تعلیم ہوتی ہے اسی طرح نسواں ہائی

(۱) (سیاتی تخریجہ تحت عنوان: کتابۃ النساء، رقم الحاشیہ: ۱)

(۲) قال ابن حجر الهيتمي المكي رحمه الله تعالى: "روى الحكيم الترمذي عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا تسكنوا نساءكم الغرف ولا تعلموهن الكتابة". وأخرج الترمذي الحكيم عن ابن مسعود أيضاً -رضي الله تعالى عنه- أنه صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "مرّ لقمان على جارية في الكتاب، فقال: لمن يصقل هذا السيف؟" أي حتى يذبح به، وحينئذ فيكون فيه إشارة إلى علة النهي عن الكتابة، وهي أن المرأة إذا تعلمتها توصلت بها إلى أغراض فاسدة، وأمكن توصل الفسقة إليها على وجه أسرع وأبلغ وأخدع من توصلهم إليها بدون ذلك؛ لأن الإنسان يبلغ بكتابته في أغراضه إلى غيره ما لم يبلغه برسوله، ولأن الكتابة أخفى من الرسول، فكانت أبلغ في الحيلة وأسرع في الخداع والمكر، فلأجل ذلك صارت المرأة بعد الكتابة كالسيف الصقيل الذي لا أمر على شيء إلا قطعه بسرعة، فكذلك هي بعد الكتابة..... اهـ.

واعلم أن النهي من تعليم النساء للكتابة لا ينافي طلب تعلمهن القرآن والعلوم والآداب؛ لأن في هذه مصالح عامة من غير خشية مفسد تتولد عليها بخلاف الكتابة؛ فإنه وإن كان فيها مصالح إلا أن فيها خشية مفسدة، ودرء المفسد مقدم على جلب المصالح. (الفتاوى الحديثية، ص: ۱۱۹، مطلب يكره تعليم النساء الكتابة، قديمي)

اسکول میں انگریزی اور ہندی کی تعلیم دی جاتی ہے اس کا ممبر بننا فتویٰ اور تقویٰ کی رو سے کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کالج یا اسکول میں خلاف اسلام تعلیم ہوتی ہے، عقائد، اعمال، اخلاق سب غلط ذہن نشین کرائے جاتے ہیں اس کا ممبر بننا اور تقویت پہنچانا ہرگز جائز نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۸۸ھ۔

کتابت النساء

سوال [۱۰۵۳]: بہشتی زیور کے ایک حصہ پر بریلوی حضرات کو یہ اشکال تھا کہ خواتین کو لکھنا جائز نہیں ہے، ہاں علوم شرعیہ حاصل کرنے کی یقیناً اجازت ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں ممانعت کی ایک حدیث انہوں نے بھی نقل کی ہے۔ علی گڑھ کے مفتی اعظم مولانا حافظ حفیظ اللہ صاحب قدس سرہ سے اس ناکارہ نے خود سنا کہ لڑکیوں کو لکھنا شرعاً جائز نہیں ہے، حدیث پاک میں صریح اس کی ممانعت ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اس ناکارہ نے حضرت مولانا مظفر حسین صاحب سہارنپوری سے رجوع کیا تو موصوف نے بھی بہشتی زیور کی تائید کی۔ بریلوی حضرات کی کتاب اس وقت سامنے نہیں ہے ورنہ حوالہ بھی نقل کرتا۔

میں گزشتہ چوبیس سال سے مخلوط تعلیمی ادارے سے منسلک ہوں اور گزشتہ تیرہ سال سے ایم، اے کی سطح پر لڑکیوں کو بھی پڑھا رہا ہوں، میرے تجربات اس سلسلہ میں نہایت تلخ ہیں، اس وجہ سے اپنی بچی کو مولوی محمد اسماعیل مرحوم کی کتاب تو پڑھاتا ہوں مگر لکھنا نہیں سکھاتا۔ کیا واقعی شرعاً لڑکیوں کو لکھنے کی اجازت نہیں تاکہ اپنے بچوں کے بارے میں اتباع سنت کا اہتمام کروں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث پاک میں ایک مقام پر عورت کو لکھنا سکھانے کی ممانعت آئی ہے اور ایک مقام پر ترغیب آئی ہے (۱)، اس لئے شراح حدیث (نبوی علی صاحبہ الف الف صلوٰۃ و سلام) نے لکھا ہے کہ جہاں فتنہ کا خطرہ ہو

(۱) ”عن شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: دخل علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وأنا عند حفصة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فقال لی: ”ألا تعلمین هذه رقیة النملة کما علمتیہا الکتابۃ“۔ (سنن أبی داؤد: ۱۸۶/۲، باب ما جاء فی الرقی، سعید) =

وہاں سکھانے سے اجتناب چاہئے (۱)، جہاں نہ ہو وہاں بقدر ضرورت گنجائش ہے کہ امور خانہ داری میں بعض مرتبہ اس کی حاجت پیش آ جاتی ہے۔

جوڑکیاں اپنے مکان میں والد، بھائی، چچا، دادا، نانا سے لکھنا سیکھے اور ان کی دینی تربیت کی جائے، ماحول صالح ہو تو اجازت ہے۔ اس مقصد کے لئے بہشتی زیور کی تصنیف کی گئی ہے اور اس سے نفع بھی بے حد ہوا اور جوڑکیاں اسکول میں جائیں اور پردے کا اہتمام نہ ہو، نامحرموں سے احتیاط نہ ہو، ان کو اس سے روکنا ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۹۲ھ۔

= قال الشيخ في بذل المجهود : "فيه دليل على جواز كتابة النساء، و أما حديث : "لا تعلموهن الكتابة". محمول على من يخشى عليها الفساد". (۵/۸۰، معهد الخليل الإسلامي كراچی) (ومسند الإمام أحمد ابن حنبل: ۳/۲۷۲، رقم الحديث: ۲۶۵۵۵، حديث شفاء بنت عبد الله، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"لا تسكنوهن الغرف، و لا تعلموهن الكتابة، و علموهن الغزل و سورة النور". من حديث عائشة، و من حديث ابن عباس بلفظ: "لا تعلموا نساء كم الكتابة، و لا تسكنوهن العلالی". و عن مجاهد مرسلاً: "علموا رجالكم سورة المائدة، و علموا نساء كم سورة النور". أخرجه سعيد بن منصور في سننه. و روى البيهقي في الشعب عن أبي عطية الهمداني كتب عمر بن الخطاب: تعلموا سورة برأة و علموا نساء كم سورة نوح". (تنزيه الشريعة المرفوعة: ۲/۲۰۸، ۲۰۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "واعلم أن النهي عن تعليم النساء الكتابة لا ينافي طلب تعلمهن القرآن والعلوم والآداب؛ لأن في هذه مصالح عامة من غير خشية مفسد تتولد عليها بخلاف الكتابة، فإنه وإن كان فيها مصالح إلا أن فيها خشية مفسد، و درء المفسد مقدم على جلب المصالح". (الفتاوى الحديثية، ص: ۱۱۹، مطلب: يكره تعليم النساء الكتابة، قديمی)

(و كذا في حجة الله البالغة: ۲/۳۳۲، قديمی)

(۲) "وعن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله ﷺ: "إن الدنيا حلوة خضرة، و إن الله مستخلفكم فيها، فينظر كيف تعملون، فاتقوا الدنيا و اتقوا النساء، فإن أول فتنة بني إسرائيل كانت في النساء". رواه مسلم =

نیم عریاں لباس اسکول میں لڑکیوں کو تعلیم دینا

سوال [۱۰۵۴]: ہمارے اطراف میں عموماً بے پردگی ہے، جو ان لڑکیاں بے محاباں عریاں لباس پہن کر اسکول کالج میں آتی جاتی رہتی ہیں، بعض خال خال گھرانوں ہی میں کچھ پردہ کا رواج ہے۔ ایسی حالت میں ایک عالم صاحب نے اسکول میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ موجودہ دور کے تقاضہ کے مطابق مسلمان لڑکیوں کو بھی ایس، سی، سی (یعنی اسکول کالج میں جو نیم فوجی تربیت دی جاتی ہے) سکھانا جائز ہے۔ ان کا یہ فرمانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ آج کل جو برادران وطن اسکول کالج میں سرسوتی پوجا وغیرہ کرتے ہیں، اس میں مسلمان طلباء کا چندہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ مولانا موصوف کی اس تقریر سے دیندار عوام میں شک و تردد پیدا ہو گیا ہے اور غیر دیندار مسلمانوں کے رجحان کی تائید ہوتی ہے جس سے عوام میں کچھ کشمکش پیدا ہو گئی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

جو بات انہوں نے فرمائی ہے وہ موجودہ دور کی سیاسی بات ہے شرعی حکم نہیں ہے، شریعت نے تو عورتوں کو بے پردگی اور عریانی سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے (۱) بلکہ پردہ کے ساتھ خوشبو لگا کر مکان سے نکلنے کو بھی منع کیا ہے، اس کو زنا کی دعوت دینے والی قرار دیا گیا ہے، یہ حدیث صحاح میں موجود ہے (۲)۔

اگر چندہ نہ دینے میں خطرہ ہو تو چندہ مانگنے والے کو دینے کی نیت سے دیدیا جائے، پھر وہ جس کام میں چاہیں گے خرچہ کریں گے، وہ ان کا فعل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

= قال العلامة على القارى: "وهو تخصيص بعد التعميم إشارة إلى أنها أضرم ما فى الدنيا البلايا، وقد جاء

فى رواية الديلمى عن معاذ: "اتقوا الدنيا واتقوا النساء، فإن إبليس طلاع رصاد، وما هو بشىء من فخوخه بأوثق

لصيده فى الانقياد من النساء". (مرقاة المفاتيح: ۲۶۷/۶، كتاب النكاح، الفصل الأول، رشيدية)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ (سورة الأحزاب: ۳۳)

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أَيُّمَا امْرَأَةٍ اسْتَعْطَرَتْ، فَمَرَّتْ عَلَى قَوْمٍ لِيَجِدُوا مِنْ =

پردہ نشین لڑکی کے لئے طبیہ کالج میں داخلہ

سوال [۱۰۵۵]: میری ہمشیرہ مذہبی خاندان سے نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ صوم و صلوٰۃ کی پابند اور غیر شادی شدہ خوبصورت اور پردہ نشین ہے جو بمبئی میں مقیم ہے، پھر یہ اعلیٰ تعلیم کے لئے طبیہ کالج اسپتال میں حکمت کے کورس میں داخلہ لینا چاہتی ہے۔ طبیہ کالج میں اکثر اساتذہ مرد ہیں اور طلبہ میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں تعلیم حاصل کرتے ہیں، لڑکیاں کلاس میں برقعہ اوڑھ کر بیٹھیں تو سختی نہیں ہے مگر نقاب نہیں ڈال سکتیں، چہرہ کھلا رہے گا۔ بعد میں دو سال تک مریضوں پر عمل تشخیص بھی کرائی جائے گی، جہاں مرد مریضوں کا معائنہ کرنا ضروری ہوگا کیونکہ یہ کورس کا عمل ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ کافی بے پردگی ہے اور لڑکی یہ کورس حاصل کرنے کے لئے مجبور نہیں ہے، مقصد صرف ڈاکٹری حاصل کر کے اچھی جگہ شادی کرنی ہے، یہ دنیاوی حسن حاصل کرنا ہے۔ لہذا اس لڑکی کا کالج میں داخلہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ رہا شادی کا معاملہ تو وہ قسمتی معاملہ ہے جو صرف خدا کے ہاتھ میں ہے، یہ ہمارا عقیدہ ہے بس ترک اسباب نہ ہو۔

نیز یہ بھی ارشاد فرمادیں کہ گورنمنٹ کے میڈیکل کالج میں جہاں اکثر اساتذہ اور طلبہ غیر مسلم ہیں اور تعلیم مخلوط ہے وہاں پر بے پردگی کے ساتھ لڑکیوں کو تعلیم دلوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے دیگر ڈگری کالجوں میں جہاں ایم اے وغیرہ کی ڈگری دی جاتی ہے، لڑکیوں کو تعلیم دلوانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

طریقہ مذکورہ پر داخلہ لے کر تعلیم اور ڈگری حاصل کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے (۱) یہی حکم

= ریحہا فہی زانیۃ“ (سنن النسائی، رقم الحدیث: ۲۸۲/۲، کتاب الزینۃ، باب ما یکرہ للنساء من الطیب، قدیمی)

(و جامع الترمذی، رقم الحدیث: ۱۰۷۷/۲، کتاب الأدب، باب ما جاء فی کراہیۃ خروج المرأة متعطرة، سعید)

(و سنن الدارمی: ۳۶۲/۲، باب فی النهی عن الطیب إذا خرجت، قدیمی)

(۱) قال العلامة ابن حجر المکی رحمہ اللہ تعالیٰ: ”اعلم أن النهی من تعلیم النساء للكتابة لا ینافی طلب تعلمهن القرآن والعلوم والآداب؛ لأن فی هذه مصالح عامة من غیر خشية مفسد تتولد علیها بخلاف الكتابة، فإنه وإن کان فیها مصالح إلا أن فیها خشية مفسدة، و درء المفسد مقدم علی جلب المصلح“ =

دیگر میڈیکل کالجوں کا ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم اور بے پردہ ملاقات، بود و باش، مرد اساتذہ کا ان کو تعلیم دینا، ان کا مریض مردوں پر عمل تشخیص کرنا یہ سب چیز غلط ہے، ان سے پورا پرہیز لازم ہے۔ شادی کا معاملہ جس طرح خدا کے ہاتھ میں ہے اسی طرح ہر معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۰ھ۔

عورتوں کو پردہ میں رکھ کر حیض و نفاس کے مسائل بتانا

سوال [۱۰۵۶]: اگر کوئی شخص اپنی محلہ کی غیر محرم عورتوں کو پردہ میں رکھ کر حیض و نفاس کا مسئلہ اور نماز و روزہ اور پاکی و ناپاکی کے بارے میں وعظ و نصیحت سنانا اور بتلانا چاہے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت ثابت ہے، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر احتیاط چاہیے، خاص کر حیض و نفاس کے مسائل اپنی محرم عورتوں کو سمجھا دے اور پھر وہ عورتیں دوسری عورتوں کو سمجھا دیں، جیسا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سمجھایا کرتی تھیں (۱)، غیر محرم عورتوں کے ساتھ خلوت ہرگز نہ کرے، یا مردوں کو سمجھا دے اور وہ اپنی عورتوں کو سمجھا دیں، غیر محرم عورتوں کے ساتھ خلوت ممنوع ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (الفتاویٰ الحدیثیہ، ص: ۱۱۹ مطلب: یکرہ تعلیم النساء الکتابۃ، قدیمی)

(کذا فی حجة الله البالغة: ۲/۳۳۳، قدیمی)

(و کذا فی مرقاة المفاتیح: ۸/۳۶۲، باب الرقی، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۱) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: دخلت أسماء علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت: یا رسول اللہ! - صلی اللہ علیہ وسلم - کیف تغتسل إحدانا إذا طهرت من المحيض؟ قال: تأخذ سدرها وماءها فتوضا ثم تغتسل رأسها وتدلكه حتى تبلغ الماء أصول شعرها، ثم تفيض علی حدها، ثم تأخذ فرصتها فتطهر بها، قالت: یا رسول! کیف! تطهر بها؟ قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: فعرفت الذی یکنی عنه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقلت: لها تتبعن بها أثار الدم“۔ (أبو داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الإغتسال من الحيض: ۵۰/۱، إمدادیہ)

(۲) ”وفی الأشباه: الخلوة بالأجنبية حرام.....“۔ (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی =

دنیوی تعلیم کے نتائج

سوال [۱۰۵۷]: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بی، اے۔ ایم، اے پڑھ کر اکثر لڑکے بگڑ جاتے ہیں، کیا ان کے کہنے سے شریعت اسلامی یہ بتلاتی ہے کہ اسے اعلیٰ تعلیم نہ دی جائے یا دنیوی تعلیم نہ دی جائے، اگر دی جائے تو کس طریقہ سے؟

۲..... اس نازک دور میں دنیوی تعلیم دلوانا جائز ہے یا ناجائز؟ ان تمام سوالوں کے جدا جدا جواب دے کر اس کا کوئی نیک حل نکالا جائے، خدا تعالیٰ آپ کے عظیم ارادوں کو دائمی قائم رکھے اور علماء دین کی اللہ تعالیٰ ہر طرح سے امداد فرمائے۔ آمین! ان سوالوں کے جواب آسان اردو میں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ایسی تعلیم دلانا جس کے اثر سے بچے بگڑ جائیں اور دین سے بے تعلق ہو کر بے دین بن جائیں (عقائد، اخلاق، اعمال خراب ہو جائیں) جائز نہیں، یہ ان کے ساتھ خیر خواہی نہیں بلکہ ان کو تباہ اور برباد کرنا ہے، اس بگاڑ سے حفاظت کا انتظام ہو جائے تو دنیوی تعلیم بھی درست ہے (۱)۔ اول عقائد و اخلاق و اعمال شرعیہ کی تعلیم دی جائے، بزرگوں کی صحبت میں رکھا جائے، دینی کتب کا مطالعہ ہمیشہ کرتے رہیں تو حفاظت ہو سکتی ہے۔

۲..... نمبر: ۱ سے نمبر: ۲ کا جواب واضح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غنی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۱ھ۔

= اللبس والنظر : ۶/۳۶۸، سعید

(۱) ”زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : أمرني رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ، أن أتعلم السريانية ، و في رواية : أنه أمرني أن أتعلم كتاب يهود ، وقال : إني ما من يهود على كتاب ، قال زید بن ثابت ، فما مر بي نصف شهر ، حتى تعلمت فكان إذا كتب إلى يهود كتبت ، وإذا كتبوا إليه قرأت له كتابهم“ . (صحيح البخاري : ۲/۶۸۱ ، باب ترجمة الحكام ، قديمي)

(کذا فی امداد الفتاوی : ۶/۱۸۵ ، مکتبہ دارالعلوم)

معلمین کے ساتھ معلمات کا تقرر اور سیانے بچے بچیوں کی مخلوط تعلیم

سوال [۱۰۵۸]: ایک اسلامیہ اسکول جس کا سارا انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، اس میں معلموں کے ساتھ معلمات کا تقرر درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح دس سال یا زائد عمر کے بچے بچیوں کی یکجائی تعلیم کا کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلامیہ اسکول میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو معلمہ کی حیثیت سے مقرر کرنا شرعاً درست نہیں، اسی طرح سیانی لڑکیوں کو لڑکوں کے اسکول میں داخل کرنا جائز نہیں، دس سال کی لڑکی (حسب سوال سائل) کو ہرگز ایسے اسکول میں داخل نہ کیا جائے اس میں سخت فتنہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۸/۹۴ھ۔

نرسری اسکول اور عیسائی معلمات

سوال [۱۰۵۹]: محترم جناب مفتی صاحب! سلام مسنون!

سائلہ کی استدعاء ہے کہ امور مندرجہ ذیل میں شریعت حقہ کی روشنی میں رائے عالی سے مطلع فرمائیں:
برائے بنات ایک قومی تعلیمی ادارے کی خدمت انتظامیہ ایک نسواں کمیٹی کے سپرد ہے جس کی خدمت صدارت میں اٹھارہ سال سے انجام دے رہی ہوں اور پورے زمانہ خدمت میں ادارہ کے تمام امور متعلقہ حدود

(۱) قال الشيخ ولي الله المحدث الدهلوي: "اعلم انه لما كان الرجال يهيجهم النظر الى النساء على عشقهن والتوجه بهن، ويفعل بالنساء مثل ذلك، وكان كثيراً ما يكون ذلك سبباً لأن يتغى قضاء الشهوة منهم على غير السنة الراشدة كاتباع من هي في عصمة غيره، أو بلا نكاح، أو غير اعتبار كفاءة، والذي شوهد من هذا الباب يغني عما سطر في الدفاتر، اقتضت الحكمة أن يسد هذا الباب". (حجة الله البالغة: ۳۳۳/۲، ذكر العورات، قديمي)

"(و تمنع) المرأة الشابة (من كشف الوجه بين رجال) لا لأنه عورة، بل (لخوف الفتنة) كمسه وإن أمن الشهوة الخ". (الدر المختار: ۱/۶۰۶ باب شروط الصلاة، سعيد)
(و كذا في فتاوى ابن حجر رحمه الله تعالى، ص: ۱۱۹، قديمي)

شریعت پاک کی روشنی میں ترک و اختیار کرنے کی کوشش کی گئی، ادارہ مذکور سے متعلق شعبہ تربیت گاہ اطفال بھی قائم ہے جس میں ۳ تا ۶ سال کے بچوں کو ابتدائی معلومات دین و دنیا کی بابت کھیل ہی کھیل میں ضروری امور ذہن نشین کرادیئے جاتے ہیں۔

نصاب تربیت پوری چھان بین کے بعد سائلہ مرتب کرتی ہے اور روز کا کارِ خدمت مشاہدہ میں رہتا ہے، شعبہ مذکور کی خدمت تربیت کے لئے معلمہ ادارہ مذکور کی تعلیم پائی ہوئی اور دوسری عیسائی لیڈی انجام دے رہی ہے، دوسری مسلم معلمہ باوجود تلاش و کوشش کے میسر نہ ہوئی، جو ملیں وہ انتہائی آزاد خیال، بے پردہ ہندو اداروں کی سند یافتہ، ناجرہ کار لڑکیاں تھیں، اس لئے عیسائی معلمہ کو ترجیح دی گئی کہ وہ نسبتاً بہتر اخلاق، پرورش اطفال سے واقف، ماہر نفسیات خانہ داری اور سن رسیدہ ہیں۔

مقصود تقرر یہ بھی ہے کہ ادارے کی معلمات دوسرے اداروں میں جا کر طریقہ تربیت سیکھنے کے بجائے اپنے ادارے میں رہ کر ضروری باتیں سیکھ لیں اور کام خود سنبھال سکیں، مختصر یہ کہ عیسائی قطعاً آزاد نہیں ہیں، بلکہ حدود متعین کے اندر کام کر رہی ہیں۔ ایسی صورت میں احکام شریعت کیا ہیں؟ مطلع فرمائیے یعنی ان سے خدمت لی جاسکتی ہے یا نہیں؟ (سائلہ کا نام مصلحتاً درج نہیں کیا گیا)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس سے بڑی مسرت ہوئی کہ اس ادارہ کے تمام امور متعلقہ حدود شریعت پاک کی روشنی میں ترک و اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ اور زیادہ پابندی کی توفیق دے۔ معلمہ موصوفہ عیسائی کے تقرر کے وقت بھی تو اولاً یہی کوشش کی گئی ہو، اب کیا وجہ پیش آئی کہ اس کے متعلق استفسار کیا جا رہا ہے، کیا وقت تقرر اس مسئلہ کی تحقیق نہیں کی گئی اور بلا تحقیق معصوم بچوں کی تربیت و تعلیم کو معلمہ موصوفہ کے سپرد کر دیا گیا، مسلم معلمہ جو ملیں تو وہ بے پردہ، انتہائی آزاد خیال ملیں، کیا معلمہ موصوفہ پردہ نشین اور پابند خیال ہیں؟

جناب نے معلمہ موصوفہ کے اخلاق کو بہتر فرمایا ہے تو کیا کفر کے ساتھ بہتر اخلاق جمع ہو سکتے ہیں؟ شاید اخلاق سے مراد شرعی اخلاق نہیں بلکہ عرفی اخلاق ہیں، سب سے ہنس بول کر ملنا، چکنی چڑی باتیں بنالینا مراد ہے، ورنہ شریعت مقدسہ میں اخلاق نام ہے اتباع سنت کا یعنی اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی پیروی کرنا۔ تو یہ چیز کسی غیر مسلم سے نہیں ہو سکتی کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس کا ایمان ہی نہیں تو پیروی کا کیا محل ہے؟

فطری بات ہے کہ استاد کے جذبات و خیالات شاگردوں کے دلوں پر اثر انداز ہوا کرتے ہیں جیسا کہ ہندو اداروں کی سند یافتہ معلمات کے متعلق آپ کو خود شکایت ہے۔ انگریز استاد کے اثرات بھی جو کچھ طلباء پر پڑتے ہیں وہ آج کسی سے مخفی نہیں حتیٰ کہ اگر کوئی ہندو یا عیسائی خالص مذہب اسلام کی تعلیم دے اور اس کو آزادانہ چھوڑا جائے، بلکہ اس کے حدود متعین کر دی جائیں جیسا کہ معلمہ موصوفہ کے متعلق ادارہ موصوفہ میں کیا گیا ہے تب بھی اس کے قلبی اور دماغی اثرات ضرور پڑیں گے۔ جن عیسائیوں نے قرآن پاک کی تفسیر یا حدیث شریف کی تشریح کی وہ ان کے اندرونی اثرات سے خالی نہیں، بلکہ جو دشمنی لکھی اس میں بھی وہ اثرات موجود ہیں۔ بڑے سمجھدار آدمی کو استاد کے جذبات سے متاثر ہوئے بغیر بچنا دشوار ہوتا ہے اور یہ کوئی ایسی حقیقت نہیں جس کو ثابت کرنے کے لئے دلائل کی حاجت ہو، بلکہ اس کا مشاہدہ سب کو ہے۔ اپنے دین کی حقیقت سے ناواقفیت یا تاثر سے بچے رہنے کے زعم باطل میں گرفتار ہونے کی وجہ سے کوئی انکار کرے تو اس سے وہ اصل حقیقت باطل نہیں ہوگی۔

نصاب تربیت اگر محض اپنی رائے اور بصیرت سے چھان بین کر کے تجویز و متعین کیا جاتا ہے تو اس کے متعلق اتنی گزارش ہے کہ اپنی رائے کو معیار حق نہ بنایا جائے، بلکہ جو حضرات کتاب و سنت کے ماہر ہیں کہ انہوں نے سب طرف سے کٹ کر کتاب و سنت ہی کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کر دیا ہے اور ہر حکم کے درجہ کو پہچانتے ہیں اور حدیث پاک کے متن اور شروح پر نظر رکھتے ہیں، قرآن شریف اور اس کی تفسیر سے خوب واقف ہیں اور آثار صحابہ ان کے سامنے ہیں، ائمہ مجتہدین کے تخریج کردہ مسائل کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں اور ان کے طرق استنباط و استدلال کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور ان کی تمام تر جدوجہد اعتقادی، عملی، اخلاقی، معاشرتی زندگی کی آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے تحت اصلاح کرنا ہے اور اتباع سنت، مسائل فقہ پر عمل، تزکیہ، اصلاح باطن کی بدولت اللہ پاک نے ان کو خشیت، تقویٰ، احسان کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے، ان کے مشورہ سے استفادہ کی بے حد ضرورت ہے۔ یہ چند سطور تحریر سے ضمناً متعلق تھیں اب اصل سوال کا جواب عرض ہے:

قرآن پاک میں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ﴾ (۱): ”أَي لَا تَعْتَمِدُوا عَلَيْهِمْ، وَلَا تَعَاشِرُوهُمْ مَعَاشِرَةَ الْأَحْبَابِ (بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ) إِيْمَاءٌ إِلَىٰ عِلَّةِ النَّهْيِ يَعْنِي أَنَّهُمْ مُتَّفِقُونَ عَلَىٰ خِلَافِكُمْ وَإِضْرَارِكُمْ، وَتَوَالِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا لِاتِّحَادِهِمْ فِي الدِّينِ. (وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ) يَعْنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي، فَإِنَّهُ مِنْهُمْ يَعْنِي كَافِرٌ وَفَاسِقٌ۔ عَنْ عِيَاضٍ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَمَرَ أَبَا مُوسَى الْأَشْعَرِيَّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنْ يَرْفَعَ إِلَيْهِ مَا أَخَذَ وَمَا أُعْطِيَ فِي أُدِيمٍ وَاحِدٍ، وَكَانَ لَهُ كَاتِبٌ نَصْرَانِيٌّ، فَرَأَى إِلَيْهِ ذَلِكَ، فَعَجِبَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: وَقَالَ: ”إِنْ هَذَا الْحَفِيزُ هَلْ أَنْتَ قَارِي، لَنَا كِتَابًا فِي الْمَسْجِدِ جَاءَ مِنَ الشَّامِ“؟ فَقَالَ: هُوَ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ، قَالَ عُمَرُ: ”أَجْنَبٌ“؟ قَالَ: بَلِ نَصْرَانِيٌّ، قَالَ: قَهْرَنِي، وَضَرَبَ فِخْذِي، ثُمَّ قَالَ: أَخْرِجْهُ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ﴾ أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ وَابْنُ بَيْهَقٍ فِي شُعْبِ الْإِيْمَانِ، وَجَازَ أَنْ يَكُونَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ مَبْنِيًّا عَلَى التَّجْوِيزِ: أَيُّ مَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَهُوَ فَاسِقٌ، وَالْفَاسِقُ يَشَابُهُ الْكَافِرُ، وَالْغَرَضُ مِنْهُ التَّشْدِيدُ فِي مَجَانِبَتِهِمْ اهـ“۔ تَفْسِيرُ مَظْهَرِي (۲)۔

”إِنْ هَذَا الْعِلْمُ دِينٌ، فَانْظُرُوا عُمَرَ تَأْخِذُونَ دِينَكُمْ اهـ“۔ :أَيُّ الدِّينِ لَا يُؤْخَذُ إِلَّا مِنْ أَوْتَمَنِ عَلَى دِينِهِ اهـ“۔ (شرح مسلم) (۳)۔

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ عیسائی کو ولی بنانا جائز نہیں یعنی اس پر اعتماد کرنا اور اس کے ساتھ احباب جیسا معاملہ کرنا درست نہیں۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عیسائی سے خط پڑھوانا بھی گوارہ نہیں کیا اور جب تک کسی شخص پر دینی اعتماد نہ ہو یعنی شریعت مقدسہ کے نزدیک اس کا دین قابل اعتماد نہ ہو اس سے علم نہیں حاصل کرنا چاہئے، اس

(۱) (المائدہ : ۵۱)

(۲) (التفسیر المظہری : ۱۲۵/۳ ، سورة المائدہ ، حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

(و تفسیر ابن کثیر : ۹۶/۲ ، دار السلام ریاض)

(۳) (شرح الکامل للنووی علی الصحیح لمسلم : ۱/۱۱ ، باب أن الإسناد من الدین ، قدیمی)

سے صاف ظاہر ہے کہ معصوم بچوں کو معلمہ موصوفہ کے سپرد کرنا اس بناء پر کہ وہ تربیت کا سلیقہ رکھتی ہیں اور بچوں کو صاف ستھرا رہنے اور مکان پر جا کر سب کو جداگانہ سلام کرنے کا طریقہ بتا دیتی ہیں درست نہیں اور یہ چیز بچوں کے حق میں زہر قاتل ہے، گو وہ زہر ابھی ہر ایک کو نظر نہیں آتا مگر اس کے جراثیم ابھی سے بچوں میں پیدا ہو کر پرورش پاتے ہیں اور غیر شعوری طور پر ان کے قلب و دماغ اثر قبول کرتے ہیں۔ پھر جب کہ معلمہ موصوفہ پر سب سے زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے اور وہ ماہر نفسیات بھی ہیں تو اگر وہ اپنے مذہب کی پابند ہیں تو ان کی دوڑ دھوپ زیادہ سے زیادہ اس لئے ہوگی کہ آہستہ آہستہ بچوں پر بلکہ تمام ادارے پر اپنا مذہبی رنگ جمائیں۔

اگر وہ اپنے مذہب کی پابند نہیں تو غور کریں کہ جو اپنے مذہب سے آزاد ہے وہ دوسروں کے مذہب کا خیال کیا کرے گی؟ بلکہ وہ تو چاہے گی کہ میری طرح سب ہی آزاد ہو جائیں۔ میڈیکل کالج کی نرسیں بھی بہت سلیقہ شعار اور ماہر نفسیات ہوتی ہیں، مریضوں کو ان کے حوالہ کر دیا جاتا ہے، وہ بہت ہوشیاری اور اخلاص کے ساتھ مریضوں کی خدمت کرتی ہیں، لیکن کئی سے پہلے کی بات ہے کہ لدھیانہ میڈیکل کالج سے ایک ہزار سے زائد لڑکیاں عیسائی بنا کر فرار کرادی گئیں کہ ان کے ورثاء باپ شوہر وغیرہ ملنے کے لئے گئے تو کہہ دیا کہ وہ تو یہاں سے صحت یاب ہو کر چلی گئیں (اخبارات میں تفصیل آئی تھی)۔ اس لئے اللہ ان معصوم بچیوں پر رحم کیجئے۔

فقط والسلام۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

باسمہ و بحمدہ :

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترم المقام جناب مفتی صاحب!

جواب استفتاء موصول ہوا اللہ تعالیٰ حسن خاتمہ کی سعادت عطا فرمائے اور ہم سب کو راہ حق پر چلنے کی توفیق و استقامت کے ساتھ آسانیاں بھی عطا فرمائے (آمین) جناب کی حتمی تحریری کے ذیل میں کچھ باتیں جواب طلب محسوس ہوئیں اس لئے دوبارہ عریضہ ارسال خدمت کر رہی ہوں، متوقع ہوں کہ آپ اسے گستاخی پر محمول نہ فرمائیں گے۔

..... شعبہ تربیت گاہ اطفال قائم کرنے کی ضرورت کا احساس اس وجہ سے ہوا کہ قریبی عزیز واقارب

نیز بیشتر مسلم گھرانوں کے بچے عیسائی تربیت گاہوں یا ہندو نرسری اسکولوں میں بھیجے جا رہے تھے، جہاں کا پورا نظام تعلیم و تربیت انہیں کے عقائد اور ذوق کے مطابق ہے، لہذا معاونین کا رکو مذکورہ نقصان کی نشاندہی کرتے ہوئے شعبہ تربیت گاہ اطفال قائم کرنے کی ضرورت پر متوجہ کیا اور آمادگی بھی حاصل ہو گئی۔

تقرر معلمہ کے ذیل میں انتہائی کوشش کی گئی کہ وہ مسلم اور کار منصب کی اہل بھی ہو مگر جو مسلم لڑکیاں ملیں ان میں اتنی لچک بھی نہ پائی گئی کہ وہ ڈانس، ساز، گانے وغیرہ کا طریقہ بھی چھوڑ دیں اور دوسرے لادینی طریقوں میں ترمیم کر سکیں۔ عیسائی معلمہ ہماری زیر ہدایت کا خدمت انجام دینے پر آمادہ ہو گئیں، گمان ہوا کہ ان کے پیش نظر حصول زر ہے اور شعبہ تربیت گاہ اطفال کی مسلم معلمہ کے لئے ایک تجربہ کار مددگار کی ضرورت ہے، لہذا اپنے اس ادارے میں رہتے ہوئے چھوٹے بچوں پر قابو حاصل کرنے کا طریقہ سیکھ کر آئندہ خود کام سنبھال سکیں، اگر محض ناواقف کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے تو داخلے نہ ہوتے۔ بہر صورت مقصود مسلم بچوں کو لادینی اثرات سے بچانا ہے، اللہ تعالیٰ کو میری نیت کا بخوبی علم ہے۔

سیرت النبی جلد اول زیر عنوان ”مذہبی انتظامات“ کے ذیل میں دیکھا کہ اسیران بدر میں جو لوگ فدیہ ادا نہ کر سکے ان کو حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شرط پر رہا فرما دیا کہ وہ مدینہ میں رہ کر لوگوں کو لکھنا سکھا دیں، نیز علمائے کرام کا حکومت سے یہ مطالبہ بھی پیش نظر تھا کہ غیر دینی تعلیم اور لادینی نصاب والی درس گاہوں (جبر یہ تعلیم) میں کچھ وقت دینی تعلیم کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

اب میرے علم میں یہ چیز لائی گئی کہ کسی صاحب کو عیسائی معلمہ کے تقرر پر دینی اعتراض ہے تو میں نے استفتاء روانہ خدمت کر دیا، تاکہ احکام حق کی روشنی میں یا تو اپنے غلط انتخاب کی اصلاح کر سکوں یا معترض صاحب کو مطمئن کر سکوں۔

۲..... نصاب تعلیم مرتب کرنے کی چھان بین سے میری مراد مشہور و معروف امور کے علاوہ اجتہادی مسائل میں اخلاص اور دینی بصیرت رکھنے والے علمائے کرام کی تحقیق و تفتیش سے فائدہ اٹھانا ہے، اپنی رائے کو معیار حق ماننے سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ

دینی تحقیق کے سلسلہ میں اللہ جل شانہ کی مرضی کا دریافت کرنا اور اس پر عمل کرنا ہر ایک کے ذمہ ضروری ہے، اس کو گستاخی پر کیوں محمول کیا جائے۔ تربیت اطفال کی ضرورت بدیہی ہے اور لادینی اداروں کی مضرت بھی بالکل واضح ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلم معلمہ دینی تربیت کے لئے دستیاب نہیں ہوتی جس کی جناب کو بھی شکایت ہے۔ اس پر بھی تعجب ہے کہ ۱۸ سال سے خدمت صدارت جناب کے سپرد ہے مگر اس مدت میں پوری جدوجہد کے باوجود ایسی دو معلمہ بھی اس ادارہ میں کامیاب نہیں ہو سکیں، جن سے اس ادارہ میں کام لیا جاسکے۔ عدم جواز کی دلیل احقر گذشتہ تحریر میں قرآن پاک و حدیث شریف، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے پیش کر چکا، لہذا اس کے متعلق تو اب کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں، البتہ جواز کے لئے گنجائش جناب نے جس دلیل سے نکالی ہے اس کا حاصل دو چیزیں ہیں: ایک اسیران بدر کا واقعہ، دوم موجودہ علماء کی سعی اور حکومت سے مطالبہ۔

امراول کے متعلق غور کریں کہ اسیران بدر سے جو فدیہ لیا گیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے کیا اس کو پسند فرمایا، یا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس پر کوئی دوسری چیز ارشاد فرمائی (۱) اور خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا کہ ”عذاب بالکل قریب آگیا تھا، اگر عذاب ہوتا تو عمر کے علاوہ کوئی اور نہ بچتا“ (۲)، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے فدیہ لینے کی نہ تھی بلکہ قتل کر دینے کی تھی (۳)۔ ایسے واقعہ سے استدلال کرنا کہاں تک بر محل تھا؟ نیز وہاں رسم الخط سیکھنا تجویز کیا گیا تھا (۴) جیسے اور دوسری صنعتیں: نجاری، حدادی وغیرہ نہ کہ

(۱) اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يَشْتَرِ فِي الْأَرْضِ، تَرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يَرِيدُ الْآخِرَةَ، وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْ لَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (سورة الأنفال: ۶۷، ۶۸)

(۲) (ذرقانی: ۴۴۲/۱، بحوالہ سیرۃ مصطفیٰ: ۱۱۴/۲، وزرقانی: ۴۴۲/۱، بحوالہ سیرۃ مصطفیٰ:

۱۱۴/۲، مولانا ادريس كاندھلوی، مكتبه عثمانیہ لاہور)

(۳) (البداية والنهاية: ۲۹۷/۳، أبو الفداء ابن كثير، مكتبه المعارف بيروت)

(۴) دیکھئے: (طبقات ابن سعد: ۲۲/۲)

دینی تربیت معصوم بچوں کی، جن کو رسم الخط سیکھنا تھا وہ اپنا دین براہ راست آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھ کر اتنے پختہ ہو چکے تھے کہ ان پر کسی کے اثر کا خطرہ نہیں تھا بلکہ کچھ مدت دینی ماحول میں رہ کر اسیرانِ بدر خود بھی مسلمان ہی ہو گئے تھے۔

یہاں معصوم بچوں کی دینی تربیت ایک دشمنِ دین کے سپرد ہے وہ بچے خود دین سے ناواقف ہیں ان کے دین کا سنگِ بنیاد دشمنِ دین کے قبضہ میں ہے، بچوں کے دلوں میں اس کی دینی عزت ہے، سب ادارہ اس کی دینی تربیت و واقفیت سے متاثر و مرعوب ہے، تحصیل زر کے ساتھ اس کے اعزاز و اکرام ترقی پر ہے، بچے سمجھتے ہیں کہ ہم کو دین اس نے سلھایا ہے یہ دین کی بڑی ماہر ہے، اخلاق اس نے ہم کو سکھائے ہیں یہ اخلاق کی بڑی ماہر ہے حالانکہ وہ دین کی بھی دشمن ہے اور اخلاق کی بھی دشمن ہے، اس کے نتائج جو کچھ ہوں گے وہ نہایت خطرناک اور بچوں کے لئے بلکہ تمام ادارہ کے لئے بڑے مہلک ہوں گے۔

امردوم: علماء کی جدوجہد یہ نہیں ہے کہ مسلمان بچوں کو ہندو دینی تعلیم دیں، بلکہ جبر یہ تعلیم کے پیش نظر جب بچے اسکولوں میں داخل ہونے پر مجبور ہیں اور اپنا ادارہ کوئی قابلِ اطمینان نہیں اور وہاں کا سارا ماحول غیر ہے تو کوشش کی گئی کہ اس مجموعی لادینی ماحول میں مسلمان بچوں کے لئے دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے کہ جس قدر بھی مسلم معلم ان کے دین کی حفاظت کر سکیں غنیمت ہے، آپ کے ادارے میں سب کچھ دین ہی دین ہے تو وہاں عیسائی معلم کو لا کر دین کی تربیت اس کے سپرد کرنا اور معصوم بچوں کا اس کو دینی استاد بنادینا ان بچوں کے دلوں میں بددینی کی بنیاد قائم کرنا ہے۔ فقط والسلام۔

احقر محمود عفی عنہ، ۲۳/ربیع الاول/۱۴۱۸ھ۔

اسکول میں ترانہ

سوال [۱۰۶۰]: اسکولوں میں آج کل شرعی لباس نہیں ہے اور صبح کو پرارتھنا میں ”رگھوپتی راگھوراجہ رام“ ترانہ مسلمان، ہندو، سکھ سب مل کر گاتے ہیں، اگر مسلمان بچے اور استاذ شریک نہ ہوں تو ان پر ناحق ظلم کیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں مسلمان بچوں اور استاذوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرک اور معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں: ”لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق“۔
الحديث (۱)۔ ایسی چیزوں سے بچنے کے لئے آئینی تدابیر اختیار کی جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۸ھ۔

دوسرے سے سرٹیفکٹ حاصل کرنا

سوال [۱۰۶۱]: اگر ایک لڑکے نے ٹیکنیکل کورس کیا مگر اس کے پاس سرٹیفکٹ نہیں ہے، تو کہیں سے سرٹیفکٹ لیکر نوکری حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں جبکہ وہ لڑکا تجربہ کار بھی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قانوناً سرٹیفکٹ حاصل کرنا ضروری ہے بغیر اس کے ملازمت حاصل کرنا جرم ہے تو قانون کی پابندی لازمی ہے کہ اس میں جان و مال کی حفاظت بھی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۸۷ھ۔



(۱) (فیض القدیر ۱۲/۱۴۸۶ ط: مکتبہ نزار مصطفیٰ ریاض)

(ومشکوۃ المصابیح، کتاب الإمارة والقضاء الفصل الثانی، ص: ۳۲۱، قدیمی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ﴾. (سورة الأنفال،

پ: ۹، آية: ۲۷)

”طاعة الإمام فی غیر معصية واجبة“۔ (رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام

واجبة: ۵/۴۲۲، سعید)

ما يتعلق بالقرآن الكريم (تفسير کا بیان)

شُرَاطُ تَفْسِيرِ

سوال [۱۰۶۲]: قرآن پاک کی تفسیر کے لئے کیا شرائط ہیں؟

الجواب حامداً ومصلحاً :

لفظ کو معنی حقیقی یا مجاز متعارف پر حمل کرنا، سیاق و سباق کے خلاف نہ ہونا، شاہد ان وجہ کی شہادت سے مؤید ہونا۔ تفسیر فتح العزیز (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تفسیر و تاویل میں فرق

سوال [۱۰۶۳]: تفسیر و تاویل میں کیا فرق ہے؟

(۱) قال الإمام جلال الدين السيوطي رحمه الله تعالى: "و منهم من قال: يجوز تفسيره لمن كان جامعاً للعلوم التي يحتاج المفسر إليها، وهي خمسة عشر علماً: أحدها: اللغة، الثاني: النحو، الثالث: التصريف، الرابع: الاشتقاق، الخامس والسادس والسابع: المعاني والبيان والبديع، العاشر: أصول الفقه، الحادي عشر: أسباب النزول والقصص، الثاني عشر: النسخ والمنسوخ، الثالث عشر: الفقه، الرابع عشر: الأحاديث المبيّنة لتفسير المجمل والمبهم، الخامس عشر: علم الموهبة".

قال: فهذه العلوم التي هي كالألة للمفسر، لا يكون مفسراً إلا بتحصيلها، فمن فسر بدونها كان مفسراً بالرأى المنهى عنه". ملخصاً. (الاتقان: ۳۵۹/۲، النوع الثامن والسبعون في معرفة شروط المفسر و آدابه، دار ذوی القربی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (الاتقان: ۳۵۱/۲ - ۳۷۰، فی معرفة شروط المفسر، دار ذوی القربی)

(و روح المعانی: ۶/۱، دار احیاء التراث)

(و فتح الباری: ۱۵۵/۸، دار الفکر)

الجواب حامداً ومسانداً :

اگر جملہ امور مذکورہ بالا (سوال گذشتہ کے تحت) ملحوظ ہوں تو تفسیر ہے، اگر بعض مفقود ہوں تو تاویل ہے۔ تفسیر فتح العزیز (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کیا قرآن کریم میں نسخ و منسوخ ہیں؟

سوال [۱۰۶۴]: زید و بکر کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ زید کا قول ہے کہ متقدمین علماء بھی اس امر کے قائل رہے ہیں کہ قرآن شریف میں بعض منسوخ الحکم آیات شریفہ موجود ہیں اور ان کی نسخ آیات شریفہ بھی اور علماء متاخرین کا بھی یہی مذہب ہے اور اکثر کتب اہل سنت والجماعت مثلاً: بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث میں بھی یہی امر موجود ہے اور کتب تفاسیر اہل سنت میں بھی یہی ہے کہ منسوخ الحکم آیات شریفہ قرآن مجید میں موجود ہیں، ایسی آیات کی تعداد کے متعلق تو علماء

(۱) قال العلامة السيوطي رحمه الله تعالى: واختلف في التفسير والتأويل؛ فقال أبو عبيد و طائفة هما بمعنى، وقد أنكر ذلك قوم، حتى بالغ ابن حبيب النيسابوري، فقال: قد نبغ في زماننا مفسرون، لو سئلوا عن الفرق بين التفسير والتأويل، ما اهتموا إليه.

وقال الراغب: التفسير أعم من التأويل، وأكثر استعماله في الألفاظ ومفرداتها، وأكثر استعمال التأويل في المعاني والجمل، وأكثر ما يستعمل في الكتب الإلهية، والتفسير يستعمل فيها وفي غيرها.

وقال غيره: التفسير بيان لفظ لا يحتمل إلا وجهاً واحداً، والتأويل: توجيه لفظ متوجه إلى معان مختلفة إلى واحد منها، بما ظهر من الأدلة.

وقال غيره: التفسير يتعلق بالراوية والتأويل يتعلق بالدراية“ (الإتقان في علوم القرآن:

۳۴۶/۲، في معرفة تفسيره وتاويله، دار ذوى القربى)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (البرهان في علوم القرآن: ۱/۱۳، دارالمعرفة، بيروت)

(و روح المعانى: ۱/۱۳ دار الفكر)

(و فتح الباری: ۸/۱۵۵، دار الفكر)

کرام اہل سنت میں ضرور اختلاف پایا جاتا ہے، کسی نے ان کی تعداد کم بتلائی ہے کسی نے زیادہ، لیکن ان آیتوں کے موجود فی القرآن ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، علمائے متقدمین و متاخرین سب کا اتفاق ہے، موجودۃ الوقت علمائے اہل سنت بھی یہی فرماتے ہیں کہ منسوخ الحکم آیات شریفہ قرآن شریف میں موجود ہیں۔ کتاب مستطاب اتقان میں ایسی آیتوں کی تعداد بیس لکھی ہے اور امام الہند حجۃ اللہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی تعداد پانچ سے زیادہ نہیں اور یہ دونوں باتیں تفسیر فوز الکبیر کے، ص: ۱۸، ص: ۲۰ میں موجود ہیں۔ غرض کچھ منسوخ الحکم آیات کے قرآن شریف میں موجود ہونے کے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے جلیل القدر عالم اہل سنت بھی فائل ہیں اور معتبر و مسلم علماء میں سے ایک ایسا نہیں جو اس امر کا قائل نہ ہو کہ قرآن شریف میں کوئی منسوخ الحکم آیت موجود نہیں۔ کتب حدیث بخاری شریف وغیرہ اور کتب تفسیر مسلم اہل سنت والجماعت میں ہرگز یہ نہیں ہے کہ قرآن شریف میں ایک آیت بھی منسوخ الحکم آیت موجود نہیں۔ برخلاف اس کے بکر کہتا ہے کہ قرآن شریف میں ایک آیت بھی منسوخ الحکم نہیں اور بکر کے ہم خیالوں میں سے ایک شخص یہ بھی کہتا ہے کہ ہم شاہ ولی اللہ کے پیرو نہیں، ہمارے سامنے ان کے اقوال کا ذکر فضول ہے، ہم تو امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پیرو ہیں، ہم کو آنجناب اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف و امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھنا چاہئے کہ ان میں سے کس نے فرمایا ہے کہ قرآن شریف میں منسوخ الحکم آیت موجود ہیں۔ اب ارشاد فرمائیں کہ زید کا قول مطابق مذہب علمائے کرام اہل سنت کے ہے یا بکر کا قول؟ اور بکر کے ہم خیال نے حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان میں جو خیال کیا ہے وہ مناسب اہل سنت علماء کرام کے مطابق ہے یا نامناسب اور علماء اہل سنت کے خلاف؟ والسلام مع الاکرام۔

المستفتی: خاکسار عبد اللہ عفا اللہ عنہ از محلہ بہاری پور شہر بریلی

الجواب حامداً و مصلیاً :

آپ نے سوال میں طرفین کے حوالجات کو بہت ہی مجمل و مبہم طور پر ذکر کیا ہے اور خصوصیت سے بکر کا حوالہ تو اکثر ابہاماً ہے، اگر کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے یعنی ہر کتاب کی عبارت نقل فرمادیتے کہ زید اس عبارت سے استدلال کرتا ہے اور بکر اس عبارت سے تو پھر بھی آسان ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک اور طرفین کے نزدیک صرف کتاب کا نام تحریر کرنا اور بہت سے بہت صفحہ کا حوالہ دینا کافی ہوتا ہے، احقر بھی

جواب میں اسی طریق کو اختیار کرے گا۔

تفسیر مفتاح الغیب، ۴۴۳/۱ میں اس امر پر اتفاق نقل کیا ہے کہ قرآن کریم میں نسخ واقع ہوا ہے، صرف ابو مسلم بن بحر کی رائے یہ ہے کہ نسخ واقع نہیں ہوا ہے (۱)، جمہور کی طرف سے استدلال میں چند آیات نقل کی ہیں:

قال الله تعالى: ﴿ما ننسخ من آية﴾ (الاية) (۲)

ترجمہ: ”ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت کو فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کی مثل لے آتے ہیں، کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتے ہیں۔“ (بیان القرآن)

﴿وإذا بدلنا آية مكان آية﴾ (الاية) (۳)۔

(۱) (المسألة السادسة) اتفقوا على وقوعه (أى النسخ) فى القرآن و قال أبو مسلم بن بحر: إنه لم يقع، واحتج الجمهور على وقوعه فى القرآن بوجوه: أحدها هذه الآية، وهى قوله تعالى: ﴿ما ننسخ من آية أو ننسها نأت بخير منها﴾ الحجة الثانية للقائلين بوقوع النسخ فى القرآن: أن الله تعالى أمر المتوفى عنها زوجها بالاعتداد حولا كاملاً ثم نسخ ذلك بأربعة أشهر و عشر أمر الله بتقديم الصدقة بين يدى نجوى الرسول بقوله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا إذا ناجيتم الرسول فقدموا بين يدي نجواكم صدقة﴾ ثم نسخ ذلك اهـ. (التفسير الكبير (مفتاح الغيب) ۳/ ۲۲۹، ۲۳۱، سورة البقرة: ۲۲، دار الكتب العلمية طهران)

”واتفقت أهل الشرائع على جواز النسخ ووقوعه، وخالفت اليهود غير العيسوية فى جوازه، وقالوا: يمتنع عقلاً وأبو مسلم الأصفهاني فى وقوعه فقال: إنه وإن جاز عقلاً لكنه لم يقع.“ (روح المعاني: ۳۵۲/۱، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

(وكذا فى تفسير ابن كثير: ۱/ ۱۳۴، دار القلم)

(والإتقان فى علوم القرآن: ۲/ ۴۱، ذوى القربى)

(۲) (سورة البقرة: ۱۰۶)

(۳) (سورة النحل: ۱۰۱)

ترجمہ: ”اور جب ہم کسی آیت کو بجائے دوسری آیت کے بدلتے ہیں اور حالانکہ اللہ تعالیٰ جو حکم بھیجتا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ افتراء کرنے والے ہیں بلکہ انہیں میں اکثر لوگ جاہل ہیں۔“ (بیان القرآن)

﴿يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ﴾ (الاية) (۱)۔

ترجمہ: ”خدا تعالیٰ جس حکم کو چاہیں موقوف کر دیتے ہیں اور جس حکم کو چاہیں قائم رکھتے ہیں اور اصل کتاب انہیں کے پاس ہے۔“ (بیان القرآن) وغیرہ۔

پھر، ص: ۴۴۴ پر وہ آیات درج کی ہیں جو منسوخ الحکم ہیں اور قرآن کریم میں موجود ہیں مثلاً: متوفی عنہا زوجہا کی عدت اولاً ایک سال تھی جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَتُوفُونَ مِنْكُمْ وَيُذَرُونَ أَزْوَاجاً وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعاً إِلَى الْحَوْلِ﴾ (۲) (الاية)۔

ترجمہ: ”اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی بیبیوں کے واسطے ایک سال منقطع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جاویں، ہاں اگر خود نکل جاویں تو تم کو کوئی گناہ نہیں اس قاعدہ کی بات میں جس کو اپنے بارہ میں (تجويز) کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔“ (بیان القرآن) (۳)۔

پھر منسوخ ہو کر چار ماہ دس روز عدت باقی رہ گئی، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَتُوفُونَ مِنْكُمْ وَيُذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِمْ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ

وَعَشْرًا﴾ (الاية)۔ (۴)

ترجمہ: ”اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو روکے رکھیں چار مہینہ اور دس دن۔ پھر جب اپنی میعاد ختم کر لیں تو تم کو کچھ گناہ نہیں ہوگا ایسی بات میں کہ وہ

(۱) (سورة الرعد: ۳۹)

(۲) (سورة البقرة: ۲۴۰)

(۳) (بیان القرآن: ۱/۱۴۲، میر محمد کراچی)

(۴) (سورة البقرة: ۲۳۴)

عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کاروائی کریں قاعدہ کے موافق اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں۔ (بیان القرآن) (۱)۔

دیکھئے قرآن شریف میں نسخ اور منسوخ دونوں آیتیں موجود ہیں اور ہر دو کی تلاوت ہوتی ہے۔ اسی طرح:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ، فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ﴾۔ (الایۃ (۲)۔

ترجمہ: ”اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے، پھر اگر تم کو مقدور نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔ (بیان القرآن) (۳)۔

یہ آیت بھی مابعد کی آیت سے منسوخ ہے (۴) اسی طرح:

﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ﴾۔ (۵)۔ (الایۃ بھی ﴿الْآن خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ﴾ (۶) الایۃ سے منسوخ ہے (۷)۔

(۱) (بیان القرآن: ۱/۱۳۹، میر محمد کراچی)

(۲) (المجادلة: ۱۲)

(۳) (بیان القرآن: ۲/۱۱۶، میر محمد کراچی)

(۴) ”نسخ وجوب ذلك عنهم، وقد قيل: إنه لم يعمل بهذه الآية قبل نسخها سوى على رضي الله عنه وقال ليث بن أبي سليم عن مجاهد: قال على رضي الله عنه: آية في كتاب الله عز وجل لم يعمل بها أحد قبلي ولا يعمل بها أحد بعدي، كان عندي دينار فصرفته بعشرة دراهم، فكنت إذا ناجيت رسول الله ﷺ تصدقت بدرهم، فسخت ولم يعمل بها أحد قبلي ولا يعمل بها أحد بعدي، ثم تلا هذه الآية: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ، فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ﴾. (تفسير ابن كثير: ۴/۳۱۸، سورة المجادلة: ۱۲، دار الفحاء دمشق)

(و كذا في روح المعاني: ۳۱/۲۸، سورة المجادلة: ۱۲، دار إحياء التراث العربي)

(۵) (الأنفال: ۲۵)

(۶) (الأنفال: ۲۶)

(۷) ”الآن خفف الله أخرجه البخاري وغيره عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لما نزلت: ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ﴾ شق ذلك على المسلمين إذ فرض عليهم أن لا يفر واحد من عشرة، فجاء =

ترجمہ: ۱- ”اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب آ جاویں گے اور اگر تم میں کے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آ جاویں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔“ (بیان القرآن)۔

۲- ”اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کردی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے، سو اگر تم میں سے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب آ جاویں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آ جاویں گے اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں۔“ (بیان القرآن) (۱)۔

”إفادة الشيوخ“ میں اول قرآن سے لے کر اخیر تک ہر سورت کے متعلق بحث کی ہے اور نسخ و منسوخ کو شمار کیا ہے (۲)۔ تفسیر احکام القرآن میں حافظ ابو بکر حنفی رازی نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ قرآن شریف میں آیات منسوخ موجود ہیں (۳)۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ابو مسلم کے قول کی تردید کر کے آیات منسوخہ کو گنایا ہے (۴)۔

= التخفيف و هل يعد ذلك نسخاً أم لا؟ قولان و ذهب الجمهور إلى الأول، وقالوا: إن الآية ناسخة“۔ (روح المعاني: ۳۲/۱۰، سورة الأنفال: ۶۶، دار إحياء التراث العربی)

(۱) (بیان القرآن: ۸۶/۱، میر محمد کراچی)

(۲) (لم أظفر على هذا الكتاب)

(۳) قال أبو بكر: ”زعم بعض المتأخرين من غير أهل الفقه أنه لا نسخ في شريعة نبينا محمد ﷺ، وأن جميع ما ذكر فيها من النسخ، وإنما المراد به نسخ شرائع الأنبياء المتقدمين فارتكب هذا الرجل في الآي المنسوخة والناسخة وفي أحكامها أموراً خرج بها عن أقاويل الأمة مع تعسف المعاني واستكراهها، وأكثر ظني فيه أنه إنما أتى به من قلة علمه بنقل الناقلين لذلك و استعمال رأيه فيه من غير معرفة منه“۔

(أحكام القرآن للجصاص، باب في نسخ القرآن بالسنة وذكر وجوه النسخ: ۵۹/۱، ۸۰، دار الكتاب العربي)

(۴) قال ابن كثير رحمه الله تعالى: ”والمسلمون كلهم متفقون على جواز النسخ في أحكام الله تعالى لمآله في ذلك من الحكمة البالغة، و كلهم قال بوقوعه، وقال أبو مسلم الأصبهاني المفسر: لم يقع شيء من ذلك في القرآن، وقوله ضعيف مردود مردوول، وقد تعسف في الأجوبة عما وقع من النسخ، فمن ذلك قضية العدة بأربعة أشهر وعشر بعد الحول لم يجب على ذلك بكلام مقبول“۔ (تفسير ابن كثير: ۱۳۴/۱، دار القلم)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (تفسیر القرطبی: ۵۵/۱، دار الكتب العلمیہ بیروت)

اگر بکر کا ہم خیال کوئی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو تسلیم نہیں کرتا اس بنا پر کہ وہ اس کا اجتہاد اور ذاتی قول ہے اور اس کے پاس ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا صریح جزئیہ اس قول کے معارض ہے تب تو اس کو حق ہے کہ یہ کہہ دے کہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا معتقد و مقلد ہوں ان کے مقابلہ میں شاہ صاحب کا قول حجت نہیں، لیکن اگر شاہ صاحب امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ نقل کرتے ہوں اور صراحتاً امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہ کرتے ہوں مگر تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ صراحتاً امام صاحب سے یہی منقول ہے یا ان کے اصول پر متفرع ہے، خلاف نہیں پھر نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔

آج امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف و محمد و زفر رحمہم اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے موجود نہیں ان میں سے بعض کی تصانیف موجود ہیں، پس زید کے قول کی تردید بکر اس صورت میں کر سکتا ہے کہ ان اکابر کی تصانیف سے جزئیات یا کلیات و نظائر مقابلہ میں پیش کرے، محض اتنا کہہ دینا کہ میں شاہ ولی اللہ کا پیروں نہیں، کافی نہیں، کیونکہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ان اکابر کے خلاف نہیں فرمایا، بلکہ ان حضرات کی تصانیف میں جزئیات و کلیات و نظائر سے ہی بیان فرمایا ہے جیسا کہ دیگر کتب سے ہی اتفاق جمہور نقل کیا گیا ہے۔ دیکھئے اصول فقہ کی کتاب ”المنار“ اس کی شرح ”نور الانوار“، ص: ۲۱۱ (۱) و ”حسامی“، ص: ۸۹ (۲)۔ دوسرے علماء نے مستقل کتابیں اس مسئلہ پر تصنیف فرمائی ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

(۱) ”وہو جائز عندنا بنص الذی تلونا قبل ذلک: ﴿مانسخ من آية أو نساها﴾ خلافاً لليهود لعنهم الله، فإنهم يقولون: تلزم منه سفاهة الله تعالى والجعل بعواقب الأمور وهو لا يصلح للألوهية، وغرضهم من ذلك أن لا تنسخ شريعة موسى عليه السلام أحد، ويكون دينه مؤبداً، ونحن نقول: إن الله تعالى حكيم يعلم مصالح العباد وحوادثهم، فيحكم كل يوم على حسب علمه و مصلحته كالطبيب اه“۔ (نور الأنوار على المنار، مبحث أقسام البيان: ۲۰۸، ۲۱۲، رشیدیہ)

(۲) (الحسامی: ۱/۱۷۶، ۱۸۵، کتب خانہ مجیدیہ ملتان)

(۳) دیکھئے: (البرهان فی علوم القرآن للزركشي: ۳۳/۲، دار المعرفہ، بیروت)

(والإتقان فی علوم القرآن: ۲/۴۰، ذوی القربی)

نیز دیکھئے: (النامی شرح الحسامی: ۱۸۳، کتب خانہ مجیدیہ ملتان)

الجواب صحیح : جمہور کا مسلک یہی ہے کہ قرآن شریف میں بعض آیات ایسی موجود ہیں جو منسوخ الحکم ہیں اگرچہ بعض علماء ان کو منسوخ نہیں کہتے اور یہ بحث کتب تفسیر و اصول فقہ میں تفصیل سے مذکور ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے اجمالی حوالہ لکھ دیا ہے۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارن پور۔ صحیح: عبد اللطیف، ۱۲/ شعبان/ ۱۳۶۰ھ۔

کیا حکم قرآنی حدیث سے منسوخ ہو سکتا ہے؟

سوال [۱۰۶۵]: ایک شخص جس کا عقیدہ یہ ہے کہ حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن پاک کے واسطے ہرگز نسخ نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی حدیث ایسی ہو جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث بھی قرآن مجید کے لئے نسخ بن سکتی ہے تو ہم ایسی حدیث کو کسی انسان کا کلام نہیں سمجھیں گے بلکہ ہم اسے شیطان کا کلام سمجھیں گے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اہل حق کا ایسے نسخ کے متعلق کیا عقیدہ ہے اور اگر اس میں اختلاف ہو تو رائج اور مفتی بہ مذہب کیا ہے۔

نیز وہی شخص یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ نہیں اٹھائے گئے بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح ان کی وفات ہو چکی ہے اور ان کی روح اٹھائی گئی۔ ایسے شخص کا جس کا مذکورہ بالا عقیدہ ہو شرعاً کیا حکم ہے مؤمن رہایا کافر ہو گیا اور عامۃ المسلمین کو اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

نسخ الکتاب بالسنة میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، شافعیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ”إنما يجوز النسخ بالكتاب والسنة متفقاً ومختلفاً، فيجوز نسخ الكتاب بالكتاب والسنة، وكذا يجوز نسخ السنة بالسنة والكتاب، فهي أربع صور عندنا خلافاً للشافعي رحمه الله تعالى في المختلف، فلا يجوز عنده إلا نسخ الكتاب بالكتاب والسنة بالسنة اهـ“۔ نور الأنوار (۱)

امام فخر الدین رازی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ”جواز نسخ الکتاب بالسنة“ جمہور کا قول ہے اور عدم جواز نسخ الکتاب بالسنة امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ پھر طرفین کے دلائل بیان کر کے جمہور کی

طرف سے امام شافعی کے دلائل کا جواب دیا ہے (۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی جمہور کے قول کو رائج سمجھتے ہیں، جو شخص اس نسخ کے انکار میں اس قدر متشدد ہے وہ جاہل بلکہ معاند ہے۔

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ احادیث شریفہ میں احکام بیان فرماتے ہیں وہ بھی بذریعہ وحی ہوتا ہے، اگر کوئی حکم اجتہاداً فرمایا تو اس کو بھی وحی کے ذریعہ تائید ہوگئی (۲) ورنہ تبدیلی ہوگئی: ﴿وَمَا يَنْطِقُ

(۱) ”(المسألة الثالثة) قال الشافعي رضي الله عنه : الكتاب لا ينسخ بالسنة المتواترة ، واستدل عليه بهذه الآية من وجوه : أحدها : أنه تعالى أخبر أن ما ينسخه من الآيات يأت بخير منها ، و ذلك أنه يأتي بما هو من جنسه و إذا ثبت أنه لا بد و أن يكون من جنسه فجنس القرآن قرآن ، و ثانيها : أنه قوله تعالى : ﴿ نأت بخير منها ﴾ يفيد أنه هو المنفرد بالإتيان بذلك الخير ، و ذلك هو القرآن و ثالثها : أن قوله : ﴿ نأت بخير منها ﴾ يفيد أن المأتى به هو خير من الآية والسنة لا تكون خيراً من القرآن ، و رابعها : أنه قال : ﴿ ألم تعلم أن الله على كل شيء قدير ﴾ دل على الاتي بذلك الخير هو المختص بالقدرة على جميع الخيرات و ذلك هو الله تعالى .

والجواب عن الوجوه الأربعة بأسرها : أن قوله تعالى : ﴿ نأت بخير منها ﴾ ليس فيه أن ذلك الخير يجب أن يكون ناسخاً ، بل لا يمتنع أن ذلك الخير شيئاً مغايراً للناسخ ، و الذي يدل على تحقيق هذا الاحتمال أن هذه الآية صريحة في أن الإتيان بذلك الخير مرتب على نسخ الآية الأولى ، فلو كان نسخ الآية الأولى مرتباً على الإتيان بهذا الخير لزم الدور وهو باطل .

ثم احتج الجمهور على نسخ الكتاب بالسنة ؛ لأن آية الوصية للأقربين منسوخة بقوله عليه السلام : ”ألا لا وصية لوارث“ و بأن آية الجلد منسوخة بخبر الرجم اهـ . (التفسير الكبير للإمام الرازي : ۲۳۲/۳ ، ۲۳۳ ، سورة البقرة : ۱۰۶ ، دار الكتب العلمية طهران)

(۲) قال العلامة الألوسي : ”وإذا جاز ذلك فيجوز أن يكون الناسخ سنة ، والمأتى به الذي هو خير أو مثل آية أخرى ، وأيضاً السنة مما أتى به سبحانه لقوله تعالى : ﴿ و ما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحى يوحى ﴾ و ليس المراد بالخيرية والمماثلة في اللفظ حتى لا تكون السنة كذلك ، بل في النفع والثواب ، فيجوز أن يكون ما اشتملت عليه السنة خيراً في ذلك “ . (روح المعاني : ۳۵۳/۱ ، دار إحياء التراث العربی)

عس الهوى ان هو الا وحى يوحى ﴿ (۱) ، اگر حدیث شریف کے ذریعہ کسی حکم قرآن کو منسوخ قرار دینا بالکل محال ہے تو ﴿ ما آتاكم الرسول فخذوه ، و ما نهاكم عنه فانتهوا ﴾ الایہ (۲) اور ﴿ اطيعوا الله و اطيعوا الرسول ﴾ الایہ (۳) . ﴿ قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني ﴾ الایہ (۴) ﴿ و من يطع الرسول فقد اطاع الله ﴾ (۵) وغیرہ آیات میں تخصیص کے بغیر چارہ نہ ہوگا یعنی یہ کہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ قابل قبول اور واجب العمل ہے جس میں قرآن کریم کی کسی آیت کا منسوخ ہونا نہ بتایا گیا ہو، اگر بتایا گیا ہے تو وہ قابل قبول نہیں، حالانکہ آیات مذکورہ عام ہیں کسی جگہ سے تخصیص کا ثبوت نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ موجود ہیں، جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح وفات پا گئے اور ان کا جسم زمین میں مدفون ہو گیا اور روح آسمان پر اٹھائی گئی وہ شخص خلاف اسلام عقیدہ رکھتا ہے، وہ اسلام سے خارج ہے (۶)۔

(۱) (سورة النجم : ۳)

(۲) (سورة الحشر : ۷)

(۳) (النساء : ۵۹)

(۴) (آل عمران : ۳۱)

(۵) (النساء : ۸۰)

(۶) نص قرآن سے ثابت ہے کہ کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید نہیں کر سکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھایا لیا۔ قال الله تعالى: ﴿ و ماقتلوه و ما صلبوه ولكن شبه لهم ، وإن الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ، ما لهم به من علم إلا اتباع الظن ، و ماقتلوه يقيناً بل رفعه الله إليه ، و كان الله عزيزاً حكيماً ﴾ (النساء : ۱۵۷ . ۱۵۸)

وقال العلامة الألوسی البغدادی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ”لما أراد ملك بنی اسرائیل قتل عیسی علیہ السلام، دخل خوخة و فیها کوة، فرفعه جبرئیل علیہ السلام من الکوة إلى السماء، فقال الملك لرجل منهم خبیث: أدخل علیہ فاقتله، فدخل الخوخة، فألقى الله تعالیٰ علیہ شبه عیسی علیہ السلام، فخرج إلى أصحابه یخبرهم أنه لیس فی البیت، فقتلوه و صلبوه و ظنوا أنه عیسی فلما صلب شبه عیسی و أتى علی ذلك سبعة أيام، قال الله تعالیٰ لعیسی: اهبط علی مریم، ثم لتجمع لك الحواریین و بثهم فی الأرض دعاة، فهبط علیہا و اشتعل الجبل نوراً فجمعت له =

اس مسئلہ میں مستقل کتابیں تصنیف کی گئی ہیں (۱)، دلائل اور تفصیل کی ضرورت ہو تو ان کا مطالعہ کریں، ایسا عقیدہ رکھنے والے سے تعلق ممنوع ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

آیت منسوخہ کی تلاوت کا حکم

سوال [۱۰۶۱]: کیا کلام مجید میں ایسی آیت بھی ہے جس کا حکم منسوخ ہو چکا ہو مگر صرف تلاوت کی جاتی ہو؟

۲..... کیا بعض آیات ایسی بھی ہیں جو موجودہ قرآن مجید میں درج نہیں ہیں مگر ان کا حکم جائز اور باقی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس مسئلہ میں مستقل کتابیں تصنیف کی گئی ہیں جن میں نسخ کی تعریف، منسوخ کے اقسام، نسخ کی

= الحواریین، فبثهم فی الأرض دعاة، ثم رفعه الله سبحانه. و تلك الليلة هي الليلة التي تدخن فيها النصارى، فلما أصبح الحواریون، قصد كل منهم بلدة من أرسله عيسى إليهم. (روح المعانی: ۳/۱۷۷، ۱۷۸، دار احیاء التراث العربی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (صحیح البخاری: ۱/۴۹۰، باب نزول عیسیٰ بن مریم، قدیمی)

(و البحر المحيط: ۲/۴۷۲ دار الفکر)

(و تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۱۵. دار الفکر)

(والدر المنثور: ۳/۲۰۷. موسسہ الرسالہ)

(و تفسیر ابن جریر: ۳/۲۰۷. دار المعرفة)

(و مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵/۱۹۸، دار السلفیہ، بمبئی)

(۱) مثلاً حضرت نور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف بزبان عربی ”عقیدۃ الإسلام فی حياة عيسى عليه السلام“۔ حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی کی کتاب (اردو) ”حیات عیسیٰ علیہ السلام“۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب کی تصنیف ”حیات مسیح علیہ السلام“۔ اور حضرت کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی جمع کردہ سواحدیث کا مجموعہ ”التصريح بماتواتر في نزول المسيح“۔

اقسام، منسوخ کے احکام درج ہیں (۱) بطور مثال ایک آیت درج کرتا ہوں:

﴿كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خيراً الوصية للوالدين والأقربين﴾ - الآية (۲)

پہلے والدین کے حق میں مال کی وصیت کی جاتی تھی پھر وہ وصیت منسوخ ہو گئی اور والدین کا حصہ بطور میراث متعین کر دیا گیا، اس کے باوجود یہ آیت باعتبار تلاوت منسوخ نہیں ہوئی، بلکہ تلاوت باقی ہے۔

۲۔ (الشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموهما نكالا من الله) - الآية (۳) اس آیت کی

تلاوت منسوخ ہو گئی مگر حکم باقی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غنی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غنی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۸۸ھ۔

نسخ کی تفصیل اور حکمت

سوال [۱۰۶۷]: (الف) نسخ آیات قرآنی کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے اور اکابرین کا اس کے

بارے میں کیا خیال ہے؟

(ب) کتنی اور کون کونسی آیتیں منسوخ ہیں؟

(ج) کیا نسخ آیات سے حکمت باری تعالیٰ میں نقص یا اس کی حکمت میں کسی قسم کا الزام عائد ہوتا ہے؟

(د) نسخ آیات قرآنی کی تعداد کے بارے میں علماء اسلام بتدرج کمی کی طرف مائل نظر آتے ہیں،

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے غالباً پانچ آیتیں منسوخ مانی ہیں۔ آخر یہ کس خیال کے

ماتحت ایسا ہو رہا ہے؟ اگر چندے یہی رہا تو وہ دن دور نہیں جب کہ نسخ کا مسئلہ ختم ہو جاوے۔

(۱) دیکھئے: (تفسیر قرطبی: ۵۵/۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(والفوز الكبير، ص: ۴۰، ۴۶، قدیمی)

(الإتقان فی علوم القرآن: ۲/۴۰، ۵۴، ذوی القربی بیروت)

(۲) (سورة البقرة: ۱۸۰)

(۳) دیکھئے: (نور الأنوار، مبحث أقسام البیان: ۲۱۲، مکتبہ حقانیہ ملتان)

(و کذا فی التفسیر الكبير: ۳/۲۳۰، سورة البقرة: ۱۰۶، دار الکتب العلمیہ، طهران)

(۵) نسخ کی کتنی صورتیں ہیں اور وہ کیا کیا؟

(۶) منکرین نسخ کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

(الف) نسخ جائز ہے عقلاً، اور واقع ہے سمعاً بلا اختلاف، صرف ابو مسلم اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ

منقول ہے کہ نسخ واقع نہیں: ”النسخ جائز عقلاً واقع سمعاً بلا خلاف فی ذلك بین المسلمین إلا ما

یروی عن أبی مسلم الأصفهانی، فإنه قال: أنه جائز غیر واقع“۔ (إرشاد الفحول) (۱)۔

(ب) اس میں مختلف اقوال ہیں، اس مختصر تحریر میں تفصیل کی گنجائش نہیں، الفوز الکبیر (۲) وغیرہ (۳)

کا مطالعہ کیجئے۔

(ج) نہیں (۴)۔

(د) بالکل مسئلہ نسخ کو ختم کرنا نص قرآنی، اجماع امت کے خلاف ہے اس لئے وہ ہرگز قابل قبول

نہیں (۵)، تقلیل نسخ کی مصلحت ظاہر ہے، نفس نسخ کی مصلحت بتدریج و تدرین و عرف تعلیم احکام ہے۔ کما

(۱) (إرشاد الفحول، الباب التاسع فی النسخ، ص: ۳۱۳، المكتبة التجارية، مكة المكرمة)

(۲) دیکھئے: (الفوز الکبیر: ۴۰، ۴۶، قدیمی)

(۳) دیکھئے: (الاتقان فی علوم القرآن: ۲/۴۰، ۵۴، ذوی القربی)

(۴) ائمہ اسلام کے نزدیک نسخ بالا جماع احکام سماویہ میں جائز ہے، فخر الإسلام بزدوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ”والنسخ فی

أحكام الشرع جائز صحيح عند المسلمين أجمع“۔ (أصول فخر الإسلام علی هامش كشف الأسرار:

۱۵۷/۳، صدف پبلشرز، کراچی)

وقال ابن كثير: ”والمسلمون كلهم متفقون على جواز النسخ في أحكام الله، لما فيه من

الحكمة البالغة“۔ (تفسير ابن كثير: ۱/۲۱۰، دار الفیحاء دمشق)

(۵) ”أنكر طوائف من المنتمين للإسلام المتأخرين جوازہ (أى النسخ) وهم محجوجون باجماع

السلف على وقوعه في الشريعة“۔ (تفسير القرطبي: ۲/۴۴، سورة البقرة: ۱۰۶، دار الكتب

العلمية بيروت)

صرح به علامه رازی رحمه الله تعالى في المطالب العاليه (۱)۔

(۵) علامہ نسفی نے منار میں یہ صورتیں ذکر کی ہیں:۔ ”التلاوة والحکم جميعاً، الحکم دون

التلاوة، التلاوة دون الحکم“ (۲)۔

(و) سب سے پہلے اور سب کے خلاف اصفہانی ہے جس نے نسخ کا انکار کیا ہے۔ امام رازی، ابواسحاق

شیرازی، سلیم رازی، ابن دقیق العید وغیرہ نے اس کے انکار کی توجیہ کی ہے (۳) اور علامہ شوکانی نے لکھا ہے:

”وإذا صح هذا عنه فهو دليل على أنه جاهل بهذه الشريعة جهلاً قطعاً“ (۴)۔ فقط واللہ

سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود وغفر له۔

(۱) لم أجده في المطالب العالية و ذكره الشوكاني بلفظ: ”فإن قلت: ما الحكمة في النسخ؟ قلت: قال الفخر الرازي في المطالب العالية: إن الشرائع قسمان: منها ما يعرف نفعها بالعقل في المعاش والمعاد، ومنها سمعية لا يعرف الانتفاع بها إلا من السمع، فالأول يمتنع طرؤ النسخ عليه كمعرفة الله و طاعته أبداً..... والثاني: ما يمكن طريان النسخ والتبديل عليه، وهو أمور تحصل في كيفية الطاعات الفعلية والعبادات الجسمية، وفائدة نسخها: أن الأعمال البدنية إذا تواطأوا عليها خلفاً عن سلف صارت كالعادة عند الخلق..... وقيل: الحكمة حفظ مصالح العباد، فإذا كانت المصلحة لهم في تبديل حكم بحكم و شريعة بشريعة. كان التبديل لمراعاة هذه المصلحة اهـ“ (إرشاد الفحول، الباب التاسع في النسخ، ص: ۳۱۴، مصطفى أحمد الباز مكة المكرمة)

(۲) (المنار، ص: ۲۱۱، مكتبه حقایقہ ملتان)

نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: (الإتقان: ۳۸/۲، ذوی القربی)

(۳) ”وقد أول جماعة خلاف أبي مسلم الأصفهاني المذكور سابقاً بما يوجب أن يكون الخلاف لفظياً، قال ابن دقيق العيد: نقل عن بعض المسلمين إنكار النسخ لا بمعنى أن الحكم الثابت لا يرتفع بل بمعنى أنه ينتهي بنص دل على انتهائي، فلا يكون نسخاً. و نقل عنه أبو اسحاق الشيرازي والفخر الرازي، وسليم الرازي إنما أنكر الجواز و أن خلافه في القرآن خاصة لا كما نقل الآمدي وابن الحاجب أنه أنكر الوقوع“ (إرشاد الفحول، الباب التاسع في النسخ، ص: ۳۱۳، المكتبة التجارية مكة المكرمة)

(۴) (إرشاد الفحول، الباب التاسع في النسخ، ص: ۳۱۳، المكتبة التجارية، مكة المكرمة)

آیت قطب

سوال [۱۰۶۸]: قرآن پاک میں آیت قطب کونسی آیت ہے، اس کو پڑھنے کا طریقہ اور اس کے

اثرات کیا ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پارہ ۴ میں ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ (۱) کو آیت قطب کہتے ہیں، ہر نماز کے بعد سات سات مرتبہ درود شریف کے ساتھ اول آخر پڑھنا بعض اکابر سے منقول ہے۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۸۹ھ۔

سبع آیات

سوال [۱۰۶۹]: سورہ فاتحہ میں سبع آیات تحریر ہیں جن کے معنی سات آیات، مگر سورہ فاتحہ میں شمار کرنے سے صرف چھ آیات ہیں جیسے سورہ اخلاص پر چار آیات لکھی ہیں اور ”لم یلد“ کے بعد بھی بنا ہے، اگر اس کو شمار کیا جائے تو پانچ آیات ہیں۔ اگر سورہ فاتحہ کو بسم اللہ کا جز قرار دیا جائے اور بسم اللہ کی آیت کو بھی شمار کیا جائے، مگر نماز میں اگر بسم اللہ کوئی مصلیٰ نہ پڑھے تو نماز تو ہو جاتی ہے اور اگر سورہ فاتحہ نہ پڑھے، محض کوئی سورت پڑھے تو نماز ناقص رہتی ہے۔ قرآن کو دیکھ کر بالتفصیل جواب تحریر فرمائیے کہ سورہ فاتحہ پر ساتھ آیات لکھی ہوئی ہیں مگر شمار میں صرف چھ آیات ہیں۔ ایسا کیوں اور کیا وجہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک بسم اللہ جزء فاتحہ نہیں بغیر اس کے بھی سات آیات ہیں (۲)۔ سورہ اخلاص میں خود

(۱) (سورۃ آل عمران : ۱۲۶)

(۲) قال الحافظ العینی: ”قوله: ”الحمد لله رب العالمين“ هذا صريح في الدلالة على أن البسملة ليست من الفاتحة، قوله: ”وفى السبع المثاني“ أما السبع فلأنها سبع آيات بلا خلاف إلا أن منهم من عد ”أنعمت عليهم“ دون التسمية، ومنهم من مذهبه على العكس، قاله الرمخشري. قلت: الأول قول الحنفية والعكس قول الشافعية، فإنهم يعدون التسمية من الفاتحة ولا يعدون ”أنعمت عليهم“ آية، ولكل فريق حجج وبراهين“. (عمدة القاری : ۸۱/۸، باب ما جاء فاتحة الكتاب، إدارة الطباعة المنيرية) =

اختلاف ہے، بعض چار آیات مانتے ہیں بعض پانچ۔ کذا فی الجلالین (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

آیۃ الکرسی کہاں تک ہے؟

سوال [۱۰۷۰]: آیۃ الکرسی کہاں تک ہے اور کتنی آیتیں ہیں اپنے حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تو انہوں نے تین آیت فرمائی یعنی ”خالدون“ تک۔ اب ایک صاحب فرماتے ہیں کہ صرف ایک آیت ہے، اس کے بارے میں فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آیۃ الکرسی، ”العلی العظیم“ تک ہے، شرح حصن حصین اور شروح بخاری شریف میں اس کی تصریح ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۸۷ھ۔

= وقال السيوطي: ”سورة الفاتحة مكية، سبع آيات بالبسملة إن كانت منها، والسابعة ”صراط

الذين“ إلى آخرها، وإن لم يكن منها فالسابعة ”غير المغضوب“ إلى آخرها الخ“.(تفسير

الجلالين، ص: ۲، سورة الفاتحة، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(و كذا في أحكام القرآن للجصاص: ۳۳/۱، قديمی کراچی)

(۱) ”سورة الإخلاص، مكية أو مدنية، و آياتها أربعة أو خمسة“.(جلالين، ص: ۸۱۴، سورة

الإخلاص، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(۲) ”روح المعاني میں بھی اس کی تصریح موجود ہے: قال العلامة الآلوسی: ”لا إكراه في الدين“ قيل: إن هذه إلى

قوله سبحانه ”خالدون“ من بقية آية الكرسي، والحق أنها ليست منها، بل هي جملة مستأنفة جيء بها

إثر بيان دلائل التوحيد الخ“.(تفسير روح المعاني: ۱۲/۳، دار إحياء التراث العربی)

(وتفسير ابن كثير: ۴۰۹/۱-۴۱۶، دار الفیحاء، دمشق)

(صحيح البخاری، كتاب الوكالة، باب إذا وكل رجلاً فترك الوكيل شيئاً الخ فأقرأ آية

الكرسي (الله لا إله إلا هو الحي القيوم) حتى تختتم الآية الخ: ۳۰۱/۱، قديمی)

دیکھئے: (صحيح البخاری: ۳۱۰/۱، كتاب الوكالة، باب وكالة المرأة الإمام في النكاح، قديمی)=

پانچ وقت کی نماز کا حکم کس پارے میں ہے؟

سوال [۱۰۷۱]: پانچ وقت کی نماز کا حکم کس پارے میں ہے؟ ایک گروہ کہتا ہے کہ پانچ وقت کی نماز کا حکم کسی پارے میں نہیں۔ براہ کرم جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم میں کوئی بات صاف صاف موجود ہے، کوئی ایسے طریقے پر ہے جس کو ہر آدمی نہیں سمجھ سکتا بلکہ بڑے علم والے سمجھ سکتے ہیں، اس لئے آپ کو خود تلاش کرنا مشکل ہوگا۔ آپ بہار میں حضرت مولانا منت اللہ صاحب کی خدمت میں جا کر سمجھ لیں، وہ انشاء اللہ تعالیٰ تشفی کر دیں گے، وہ آپ سے قریب ہیں۔ پانچ وقت کی نماز قرآن شریف میں ایک جگہ نہیں بلکہ مختلف جگہ ہے مثلاً: پندرہویں پارہ میں ہے: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لَدُلُوكَ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ﴾ (۱) اور ستائیسویں پارہ میں سورہ والطور کے ختم پر ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۵ھ۔

= "قوله : آية الكرسي (الله لا إله إلا هو الحي القيوم) حتى تختتم الآية."

وفى رواية النسائي والإسماعيلي: "الله لا إله إلا هو الحي القيوم من أولها حتى تختتمها" (عمدة القارى: ۱۲/۱۴۶، باب وكالة المرأة الإمام فى النكاح، دار إحياء التراث العربى) (وكذا فتح البارى: ۲/۲۸۸ كتاب الوكالة، باب وكالة المرأة الإمام فى النكاح، دار الفكر، بيروت) (۱) (سورہ بنی اسرائیل: ۷۸)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وسبح بحمدك ربك حين تقوم ومن الليل فسبحه وادبار النجوم﴾. (الطور: ۲۸، ۲۹) ان کے علاوہ مندرجہ ذیل آیتوں میں نماز کا ذکر آیا ہے:

قال الله تعالى: ﴿وأقم الصلوة طرفى النهار وزلفاً من الليل، إن الحسنات يذهبن السيئات، ذلك ذكرى للذاكرين﴾ (هود: ۴۱۴)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (روح المعانى: ۱۲/۱۵۶، دار إحياء التراث العربى بيروت)

قال الله تعالى: ﴿فاصبر على ما يقولون و سبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب﴾ الخ (ق: ۳۹، ۴۰)

حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق دو آیتوں میں تعارض

سوال [۱۰۷۲]: خدا تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ، لَوْ جَدُوا فِيهِ اخْتِلَافاً كَثِيراً﴾ (۱)۔ لیکن ان دو آیتوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے، وہو هذا: ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ، فَنَسَىٰ وَلَمْ نُجِدْ لَهُ عِزْماً﴾ (۲)۔ ﴿قَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَينَ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ، وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِّنَ النَّاصِحِينَ﴾ رکوع: ۹، پارہ: ۸ (۳)۔

آیت نمبر ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم کو دونوں باتیں یاد تھیں، کیونکہ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے دو باتیں فرمائی تھیں: ایک یہ کہ اس درخت کے قریب نہ جاؤ، دوسری یہ کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اور شیطان نے دونوں باتیں بتا دیں کہ اس درخت کے کھانے سے یہ یہ فوائد ہیں اور دوسرے یہ کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں بلکہ تمہارا دوست ہوں تو صاف ظاہر ہے کہ دونوں باتیں یاد تھیں، ان دونوں میں سے بھولے ایک بھی نہیں تھے، خدا کو جھوٹا سمجھا اور شیطان کو سچا اور دوست مان کر درخت ممنوعہ چکھ لیا۔ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت آدم علیہ السلام کو جس وقت شیطان نے اکل شجرہ کی ترغیب دی تو اس وقت یہ باتیں دونوں یاد تھیں: ممانعت بھی، عداوت شیطان بھی، لہذا اس کے کہنے کو قبول نہیں فرمایا، جس پر شیطان نے وجہ ممانعت

= تفصیل کے لئے دیکھئے: (روح المعانی: ۲۶/۱۹۳، دار احیاء التراث)

(وجلالین: ۲/۴۳۱، تفسیر کبیر: ۶۴۵/۷)

وقال الله تعالى: ﴿فَسَبِّحْنا الله حين تمشون و حين تصبحون، و له الحمد في السموات

والارض و عشياً و حين تطهرون﴾ (روم: ۱۷، ۱۸)

دیکھئے: (جلالین: ۲/۳۴۲، قدیمی)

(روح المعانی: ۲۸/۲۱، دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۱) (سورة النساء الآية: ۸۲)

(۲) (سورة طه الآية: ۱۱۵)

(۳) (سورة الاعراف الآية: ۲۰، ۲۱)

اپنی خیر خواہی کو بیان کیا اور قسم کھائی مگر اس کی قسم کی بھی تصدیق نہیں فرمائی حتیٰ کہ زمانہ دراز گزر گیا اور ممانعت کو بھول گئے، اتنی بات ذہن میں ضرور رہ گئی کہ ملائکہ کو بہت سی فضیلتیں حاصل ہیں، مثلاً: ہر وقت عبادت میں مناجات کی لذت میں مشغول رہتے ہیں، ضعف و تکان نہیں ہوتا، نوم، مرض، ہرم وغیرہ سے محفوظ ہیں، اس لئے اکل شجرہ کا میلان طبیعت میں پیدا ہوا اور اس کو چکھ لیا، چھکنے کے واقعہ کو آیت نمبر: (۱) میں بیان فرمایا کہ ایسا بھول کر کیا اور ابتداء ترغیب اور قسم کے واقعہ کو آیت نمبر: (۲) میں بیان فرمایا۔ ان دونوں کے درمیان ایک لمبا زمانہ ہے، اگر ایک ہی وقت کے متعلق دونوں باتیں ہوتیں تو تعارض ہوتا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت صفی اللہ علیہ السلام نے اللہ جل شانہ کی تکذیب نہیں فرمائی کہ یہ معمولی درجہ کے مسلم عاقل سے بالکل بعید ہے: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾ (۳) اور اللہ پاک کے مقابلہ میں ابلیس لعین کی تصدیق نہیں کی اور اس کو اپنا خیر خواہ نہیں سمجھا: ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾ (۴) اور قرآن کریم کی دو آیتوں میں تعارض یا اختلاف بھی نہیں کہ اس کا ”مَنْ عِنْدَ اللَّهِ“ ہونا لازم آئے۔ جواب مذکور کی اگر تفصیل مطلوب ہو تو شیخ زادہ علی البیضاوی دیکھئے: ۱/۲۷۸ (۵)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۶/۱۱/۵۹ھ۔

صحیح: سعید احمد مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی نافرمانی میں فرق

سوال [۱۰۷۳]: آج ایک واعظ صاحب نے یہ کہا کہ ابلیس اور آدم دونوں مرتکب حرام ہیں، دونوں سے غلطی ہوئی ہے۔ میری معلومات یہ ہے کہ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں، میں اس کی تشریح چاہتا ہوں۔

(۱) (آیۃ سورة طه: ۱۱۸)

(۲) (سورة الأعراف: ۲۰، ۲۱)

(۳) (سورة النساء: ۱۲۲)

(۴) (سورة يوسف: ۵)

(۵) (حاشیۃ محی الدین شیخ زادہ، علی تفسیر البیضاوی: ۱/۵۳۸-۵۳۳، عباس أحمد الباز، مکة

الجواب حامداً ومصدلاً :

حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا گیا تھا: ﴿و لا تقربا هذه الشجرة﴾ (۱) اس درخت کے پاس نہ جانا، مگر اس کی پابندی نہ ہو سکی، بھول ہوئی۔ ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور تکبر کیا، خدائے پاک کا مقابلہ کیا ﴿أبى واستكبر﴾ (۲) و ﴿قال أنا خير منه، خلقتنى من نار و خلقتہ من طين﴾ (۳) اس لئے ابلیس اس تکبر اور مقابلہ کی وجہ سے کافر ہوا اور توبہ کی توفیق ہی سلب ہو گئی، بخلاف آدم علیہ السلام کے کہ وہ اپنی بھول پر ساری عمر روئے اور توبہ فرماتے رہے:

﴿ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين﴾ (۴)۔

اور ابلیس کا عمل اس کے مقابلہ میں یہ ہوا:

﴿قال فبما أغويتنى لأقعدن لهم صراطك المستقيم، ثم لا تينهم من بين أيديهم و من خلفهم و عن أيمانهم و عن شمائلهم، و لا تجد أكثرهم شاكرين﴾ (۵)۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کو مغفرت سے نوازا گیا اور ابلیس کی سرکشی پر لعنت اور جہنم کی وعید ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی حالت

سوال [۱۰۷۴]: قصص الانبیاء (اردو) میں حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم الطہر میں کیڑے ہو جانے کا واقعہ درج ہے، حالانکہ تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک اور کشاف اور دیگر مستند تفاسیر میں اس قسم کے واقعہ کا ذکر نہیں۔ اکابر علماء حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اس کی تردید فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو

(۱) (البقرة: ۳۵)

(۲) (البقرة: ۳۴)

(۳) (سورہ ص: ۷۶)

(۴) (الأعراف: ۲۳)

(۵) (الأعراف: ۱۷)

ترجمہ قرآن پاک حضرت شیخ الہند و فوائد از شیخ الہند اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ، ص: ۵۹۲ ﴿واذکر عبدنا یوب إذ نادى ربه﴾ الخ (۱)۔

فائدہ (تنبیہ) ”واضح رہے کہ قصہ گویوں نے حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کی بیماری کے متعلق جو افسانے بیان کئے ہیں اس میں مبالغہ بہت ہے، ایسا مرض جو عام طور پر لوگوں کے حق میں تنفر اور استغفار کا موجب ہو، انبیاء علیہم السلام کے منصب کے منافی ہے، کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تكونوا کالذین اذوا موسیٰ فبرآه﴾ الخ (۲) (سورہ احزاب) (۳) لہذا اسی قدر بیان قبول کرنا چاہئے جو منصب نبوت کے منافی نہ ہو۔ آیت مبارکہ کے فوائد میں اسی ترجمہ کے، ص: ۵۵۳-۵۵۴، میں یوں ارشاد فرمایا ہے: ”لہذا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر ان کی قوم نے برص وغیرہ جسمانی مرض کا عیب لگایا تھا، اللہ تعالیٰ نے بطور خرق عادت ظاہر کر دیا کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جسمانی طور پر بے عیب ہیں۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انبیاء علیہم السلام کو جسمانی اور روحانی عیوب سے پاک ثابت کرنے کا کس قدر اہتمام ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف سے تنفر و استخفاف کے جذبات پیدا ہو کر قبول حق میں رکاوٹ نہ ہو“ (۴)۔ اسی طرح حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کے جسم اقدس میں کیڑے پڑنے کی تردید حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب نے بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب قصص القرآن، و حال ایوب علیہ الصلاۃ والسلام (۵)۔ ایسی صورتوں میں قصص الانبیاء وغیرہ معمولی کتاب کے بیان کو من جملہ خرافات اسرائیلی سمجھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قصص الانبیاء اردو میں دیر سے ہندوستان میں چھپی ہوئی موجود ہے اور عوام کے لئے کافی جاذب

(۱) (سورہ ص: ۴۱)

(۲) (تفسیر عثمانی، ص: ۶، ۷، حاشیہ: ۲، پ: ۲۳ حاشیہ: ۲)

(۳) (سورہ احزاب: ۶۹)

(۴) (تفسیر عثمانی، ص: ۵۶۹، حاشیہ: ۲، سورۃ الأحزاب)

(۵) (قصص القرآن لحفظ الرحمن سیوہاروی، حضرت ایوب علیہ السلام اور قرآن عزیز: ۲/۱۸۷، ۱۸۸، دار

کتاب ہے، بعض جگہ مجلس منعقد کر کے اس کتاب کو پڑھا اور سنا جاتا ہے، مگر سند اور حجت کے اعتبار سے یہ اس پایہ کی نہیں کہ اس پر کلی اعتماد کر لیا جائے، اس میں بہت سی غیر معتبر، ضعیف، مرجوح روایتیں موجود درج ہیں بلکہ موضوع اور صریح غلط باتیں بھی درج ہیں، اسرائیلیات بھی درج ہیں۔ تبصر عالم ہی اسکی صحیح اور غلط بات کا پتہ چلا سکتا ہے عوام کو پتہ نہیں چل سکتا، اس میں بہت سی باتیں صحیح اور کارآمد بھی ہیں۔

حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیمار ہونے کے متعلق بعض کتابوں میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے، البدایہ والنہایہ میں کیڑے پڑنے کا تو ذکر نہیں اور دوسری حالت اس سے زیادہ موجب لکھی ہے (۱)۔ چیچک کا نکلنا بھی بعض کتب میں مذکور ہے، بعض کتب میں لکھا ہے کہ سر اور تمام جسم میں زخم ہو گئے تھے۔ مستند چیز تو وہی ہے جو کتاب و سنت سے ثابت ہو اور جس چیز کی قرآن و سنت میں نفی کردی گئی ہو وہ قابل اعتبار نہیں بلکہ قابل رد ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ شانہ، متنفر اشیاء سے یقیناً محفوظ رکھتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۷ھ۔

استخلاف فی الأرض کا وعدہ

سوال [۱۰۷۵]: سورہ نور میں ”استخلاف فی الأرض“ کا وعدہ ہے، یہ وعدہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم جو احکام خداوندی کو پورا پورا بجالاتے ہیں، ان کے ساتھ ہے یا کوئی بھی امت ہو جو احکام خداوندی کو پورا پورا بجالاتے ہوں ان کے ساتھ رہا ہے، یعنی یہ آیت تعیم کا حکم رکھتی ہے یا مقید کا اس شرط کے ساتھ جو قوم رائج الوقت احکام خداوندی کو پورا پورا بجالائیں گی اس کو تمکن فی الأرض حاصل ہوگا، یا صرف امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟

(۱) ”وكان له أولاد وأهلون كثير، فسلب من ذلك جميعه، وابتلى في جسده بأنواع البلاء، ولم يبق منه عضو سليم سوى قلبه ولسانه..... و طال مرضه حتى عافه الجليس، وأوحش منه الأنيس، وأخرج من بلده، وألقى على مزبلة خارجها، وانقطع عنه الناس الخ.“ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر:

۱/۲۲۱، مکتبۃ ریاض الحدیثہ)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر: ۲/۵۲، دارالسلام ریاض)

الجواب حامداً ومصلحاً:

اس آیت میں جو مخصوص وعدہ ہے (۱) وہ اکثر مفسرین کے قول کے موافق شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں پورا ہو چکا (۲) جیسا کہ خطاب ”منکم“ اس پر شاہد ہے اور ﴿کما استخلف الذین من قبلهم﴾ سے اشارہ ہے اس طرف کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کو بھی استخلاف فی الارض، جبارین کے مقابلہ میں حاصل ہوا تھا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۱۹/ شعبان/ ۱۴۵۲ھ۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿وعد الله الذين امنوا منكم و عملوا الصالحات ليستخلفنهم في الارض كما استخلف الذين من قبلهم، و ليتمكن لهم دينهم الذي ارتضى لهم﴾ الخ (سورة النور: ۵۵)

(۲) ”فاستخلف الله ابا بكر و عمر (رضی اللہ عنہما)، و أنجز وعده حين قاتل أبو بكر بنی حنیفہ و من ارتد من العرب، و فتح الشام في خلافة عمر حين غزاهم في السنة التاسعة من غلبة الروم الذي كان يوم الحديبية في سنة ست من الهجرة، و كون الوعد منجزاً في خلافة عمر مروى عن علي (رضی اللہ عنہ) حين استشار عمر أصحاب النبي ﷺ في المسير إلى العراق للجهاد، فأشار علي بالجهاد متمسكاً بهذه الآية اهـ“۔ (التفسير المظهری: ۶/ ۵۵۱، سورة النور: ۵۵، حافظ كتب خانہ کوئٹہ)

(و بمعناه في تفسير ابن كثير: ۳/ ۴۰۲، ۴۰۳، سورة النور: ۵۵، دار الفحاء بيروت)

(و كذا في روح المعاني: ۱۸/ ۲۰۱، ۲۰۲، سورة النور: ۵۵، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في معارف القرآن للمفتي محمد شفيع رحمه الله تعالى: ۶/ ۴۴، سورة النور: ۵۵، ادارة المعارف)

(۳) ”(كما استخلف الذين من قبلهم) و هم بنو إسرائيل استخلفهم الله عز وجل في الشام بعد إهلاك الجبابرة، و كذا في مصر على ما قيل من أنها صارت تحت تصرفهم بعد هلاك فرعون وإن لم يعودوا إليها أو هم و من قبلهم من الأمم المؤمنة الذين أسكنهم الله تعالى في الأرض بعد إهلاك أعدائهم من الكفرة الظالمين“۔ (روح المعاني: ۱۸/ ۲۰۳، سورة النور: ۵۵، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(و كذا في تفسير ابن كثير: ۳/ ۴۰۲، ۴۰۳، سورة النور: ۵۵، دار الفحاء)

وعید کی آیتیں زیادہ ہیں یا وعدہ کی بشارتیں؟

سوال [۱۰۷۶]: اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنے قہر کا ذکر زیادہ فرمایا ہے یا رحمت کا؟ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنے غصہ و غضب کا ذکر زیادہ فرمایا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا نہیں ہے، بلکہ رحمت کے وعدے اور بشارتیں زیادہ ہیں، عذاب و غضب کے لئے تو نافرمان کی قید ہے اور ثواب و رحمت کے لئے اعمالِ صالحہ کی قید نہیں، مثلاً: معصوم بچے کچھ کئے بغیر ہی بخشے جائیں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۰ھ۔

”أطيعوا الله وأطيعوا الرسول“ کا مطلب

سوال [۱۰۷۷]: ”أطيعوا الله وأطيعوا الرسول“ کا کیا مطلب ہے؟ اور اگر کوئی شخص اس پر عمل نہ کرے تو وہ کیا کہلاتا ہے؟

(۱) ”عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فی تفسیر قوله تعالیٰ: ﴿كل نفس بما كسبت رهينة إلا أصحاب اليمين﴾ (سورة المدثر: ۳۸) قال: هم أطفال المسلمين“. زاد الترمذی: ”لم یکتسبوا فیرتھنوا بکسبھم“..... وروی بقیة بن الولید عن محمد بن یزید الألمعانی قال: سمعت عبد الله بن قیس یقول: سمعت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، سألت رسول اللہ ﷺ عن ذراری المسلمين فقال: ”هم مع آبائهم“ قلت: فلا عمل؟ قال: ”واللہ أعلم بما كانوا عاملین“. الحديث (التذكرة فی أحوال الموتى وأمور الآخرة، ص: ۵۹۱، ۵۹۲، باب ما جاء فی أطفال المسلمين والمشرکین، مکتبه أسامة الإسلامية)

”ومنها الآية الآتية: حيث أفادت أن لا تعذيب قبل التكليف، ولا يتوجه على المولود التكليف، ويلزمه قول الرسول عليه السلام حتى يبلغ“. (روح المعاني: ۳۶/۱۵، تحت قوله تعالیٰ: ﴿ولا تنزر وازرة وزر أخرى﴾ اهـ، دار إحياء التراث العربی)

الجواب حامداً ومصلياً :

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت لازم ہے (۱) اور ہر ایک کی اطاعت پر مقدم ہے۔ جس آیت کا مطلب دریافت کرنا ہو اس کو قرآن کریم میں دیکھ کر صحیح لکھیں اور سورت کا حوالہ دیں، سوال میں آیت صحیح نہیں لکھی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۹۲ھ۔

”اسجدوا لآدم“ کا خطاب کیا شیطان کو بھی ہے؟

سوال [۱۰۷۸]: جب ابلیس مطابق آیت ﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَ مِنْ طِينٍ﴾ قوم جن

سے ہوا تو ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ﴾ کا مخاطب ہو کر کیسے خاطی بنا؟

الجواب حامداً ومصلياً :

اس آیت کی متعدد تفسیریں ہیں اور ابلیس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ ابلیس قوم جن سے ہے، پھر خاطی کیوں ہوا؟ جواب یہ ہے کہ سجدہ کا حکم جنات کو بھی تھا اور ملائکہ کی تخصیص خطاب میں شرافت کی وجہ سے تھی۔ یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی کی تعظیم کے لئے حکم کیا جاتا ہے تو بڑوں کو خطاب کیا جاتا ہے اور چھوٹے تبعاً اس میں داخل ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو تعظیم کے لئے بڑوں کا خود بخود مامور سمجھتے ہیں اگرچہ خصوصیت سے چھوٹوں کو خطاب نہ کیا جاوے جیسا کہ: ﴿أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ (۱) وغیرہ مذکر کے صیغے ہیں حالانکہ حکم عورتوں کو بھی ہے۔ بیضاوی مطبوعہ نظامی دہلی (۲)۔ اگر وہ ملائکہ میں سے ہے تو

(۱) قال العلامة الألوسی البغدادی: ”قل أطيعوا الله والرسول“: أي في جمع الأوامر والنواهي، ويدخل في ذلك الأمر السابق دخولاً أولاً، وإيثاراً لإظهار على الإضمار بطريق الالتفات لتعيين حيثية الإطاعة والإشعار بعلتها الخ“۔ (روح المعاني: ۳/۱۳۰، دار احیاء التراث العربی)

(و کذا فی عمدة القاری: ۱۸/۱۷۶ المطبعة المنيرية بیروت)

(وتفسیر کبیر: ۱۰/۱۲۸ مکتبہ الاعلام الاسلامیہ ایران)

(وأحكام القرآن لابن العربي: ۱/۴۵۱، دار المعرفه بیروت)

(۱) (البقرة: ۴۳)

(۲) قال العلامة البيضاوی: ”وإن ابليس كان من الملائكة وإلا لم يتناول أمرهم، ولم يصح استنأؤه =

”واسجدوا“ کا مخاطب ہونا ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
 حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
 صحیح: عبد اللطیف، عبد الرحمان، ۱۸/۱/۵۲ھ۔

”یسبح لله ما فی السموات وما فی الأرض“ کی تفسیر

سوال [۱۰۷۹]: قرآن پاک کی آیت: ﴿یسبح لله ما فی السموات وما فی الأرض﴾ (۱) ہے اور اس (ارض) کے اندر بول و براز بھی ہے، تو کیا یہ بھی تسبیح کرتے ہیں؟ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ان کی تسبیح ان کی شان کے مناسب ہے، تو بہر حال تسبیح کی نسبت ان کی طرف کرنا ذرا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سور (خنزیر) بھی تسبیح کرتا ہے یا نہیں؟ اس کی طرف تسبیح کی نسبت کرنے کے متعلق کیا خیال ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۹۵ھ۔

= منهم ولا یرد علی ذلک قوله تعالیٰ: ﴿إلا إبلیس کان من الجن﴾ لجواز أن یقال: إنه من الجن فعلاً ومن الملائكة نوعاً، ولأن ابن عباس روی أن من الملائكة ضرباً یتولدون: یتوالدون یقال لهم: الجن، ومنهم إبلیس. ومن زعم أنه لم یکن من الملائكة أن یقول: إنه کان جنیاً نشأ بین أظهر الملائكة، وکان مغموراً بالألوف منهم فغلبوا علیہ، أو الجن أيضاً کانوا مأمورین مع الملائكة، لکنہ استغنی بذكر الملائكة عن ذكرهم، فإنه إذا علم أن الأكابر مأمورون بالتذلل لأحد والتوسل به، علم أن الأصاغر أيضاً مأمورون به. (بیضاوی: ۶۴/۱، نور محمد کراچی)

(و کذا فی تفسیر ابن کثیر: ۴۳/۴، سہیل اکیڈمی لاہور)

(وامداد الفتاوی: ۱۲/۵، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(و تفسیر معارف القرآن کاندھلوی: ۹۲/۱، عثمانیہ لاہور)

(۱) (سورة الجمعة: آية: ۱)

(۲) قال ابن کثیر فی تفسیر هذه الآية: ”یخبر تعالیٰ أنه یسبح له ما فی السموات وما فی الأرض: أى من جمیع المخلوقات ناطقها وجامدھا، کما قال تعالیٰ: ﴿وإن من شیء إلا یسبح بحمده﴾ (تفسیر ابن کثیر: =

”من لم يحكم بما أنزل الله“ کی تشریح

سوال [۱۰۸۰]: اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یہ فرماتا ہے کہ جو اس کے اتارے ہوئے کلام کے مطابق عمل نہیں کرتا ہے وہ کافر ہے، ظالم ہے، فاسق ہے۔ قرآن پاک میں ”کافرون، ظالمون، فاسقون“ ہی عام طور سے کافر کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ خدا کا قرآن کی روشنی میں منکر ہوتا ہے، رسالت کا منکر ہوتا ہے، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ اللہ کے احکام کے تابع نہیں رہیں گے۔ مگر جو ایمان لا چکے ہیں اگر وہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق عمل نہیں کرتے ہیں تو وہ ظالم اور فاسق ضرور ہیں، جو ایمان ہی نہیں لایا وہ احکام خداوندی کے تابع کیونکر ہوگا، اس کے لئے قیامت کے دن عذاب ہے جس کا وعدہ ہے۔ بات یہاں اس لئے میرے نزدیک دشوار ہو گئی ہے کہ جو ایمان لانے کے بعد اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق عمل نہیں کرتا ہے کیا وہ بھی کافر ہے؟

امید ہے کہ آپ مجھے خط کے ذریعہ روشنی بخشیں گے۔ جہاں تک میں نے قرآن کے مطالعہ سے سیکھا ہے کہ ایمان لانے کے بعد اگر وہ احکام خداوندی اور طریقہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لیتا ہے تو اللہ کے یہاں اس کی قدر و منزلت ہے نہیں تو پھر اس کا شمار کافروں، فاسقوں، ظالموں میں ہی ہونا چاہئے، پھر بھی اپنے علم کی کمی کی بنا پر مجھے یہ جرأت نہیں ہوتی کہ ایسے شخص کو کافر کہوں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

اللہ تعالیٰ نے کتنی جگہ پر فرمایا ہے کہ جو اس کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق عمل نہیں کرتا ہے وہ کافر ہے، اس آیت کو اصل الفاظ میں لکھیں، اگر آپ کی مراد: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ، فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ ہے (۱) تو اس کا مطلب مفسرین نے متعدد طریقہ پر بیان کیا ہے (۲)، ایک مطلب یہ ہے کہ جو

= ۴۶۵/۴، ۴۶۶، دار السلام، ریاض)

(کذا فی روح المعانی: ۱۵ / ۸۴، دار إحياء التراث العربی)

(۱) (المائدة: ۴۴)

(۲) قال ابن كثير عن الحسن البصري وغيرهم: ”نزلت في أهل الكتاب، زاد الحسن البصري، وهي علينا واجبة..... و عن علقمة و مسروق أنهما سألا ابن مسعود عن الرشوة، فقال: من السحت. =

(۱) ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ، فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (۱)۔

(۲) ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمَوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (۲)۔

(۳) ﴿مَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ، فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (۳)۔

(۴) ﴿إِنَّ الْحَكَمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (۴)۔

(۵) ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا﴾ (۵)۔

سائل منیر احمد مدرسہ عربیہ عین العلم ٹانڈہ ضلع فیض آباد، یوپی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اس آیت میں ﴿فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ہے ”ورسولہ“ نہیں، پوری آیت اس طرح ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ، فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (۱) ﴿إِنَّ كُنْتُمْ تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (۲)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور جو تم میں اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کی طرف حوالہ کر لیا کرو، اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ امور سب بہتر ہیں اور ان کا انجام خوش تر ہے۔

۲..... ترجمہ پوری آیت کا یہ ہے: ”پھر قسم ہے آپ کے رب کی! یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو، اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرادیں۔ پھر آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور پورا پورا تسلیم کر لیں۔“

شبہ: ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دوسرے قانون کی طرف اس کو باطل سمجھ کر رجوع

(۱) (سورة النساء : ۵۹)

(۲) (سورة النساء : ۶۵)

(۳) (سورة المائدة : ۴۵)

(۴) (سورة يوسف : ۴۰)

(۵) (سورة المائدة : ۵۰)

(۶) (سورة النساء : ۵۹)

کرے وہ مسلمان نہیں، حالانکہ حرام کا مرتکب جب کہ اعتقادِ حلت نہ رکھا ہو، مومن ہے گو فاسق ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے دل میں شرعی فیصلہ سے تنگی پیدا ہو مگر اس فیصلہ کو حق سمجھے وہ بھی مسلمان نہیں ہونا چاہیے، حالانکہ تنگی پر انسان کا اختیار نہیں ہے اور غیر اختیارات کی تکلیف نہیں۔ اسی طرح اگر اس فیصلہ پر کوئی عمل نہ کرے تو یہ عدم تسلیم ہے تو وہ بھی مسلمان نہیں رہے، حالانکہ ترکِ عمل سے ایمان نہیں جاتا۔ ان شبہات کا جواب یہ ہے کہ تحکیم اور عدمِ حرج اور تسلیم کے مراتب تین ہیں: اعتقاد سے اور زبان سے اور عمل سے۔

اعتقاد سے یہ کہ قانونِ شریعت کو حق اور موضوع للتحکیم جانتا ہے اور اس میں مرتبہ عقل میں ضیق نہیں اور اس مرتبہ اس کو تسلیم کرتا ہے۔ اور زبان سے یہ کہ ان امور کا اقرار کرتا ہے کہ حق اس طرح ہے۔ عمل سے یہ کہ مقدمہ لے بھی جاتا ہے اور طبعی ضیق بھی نہیں اور اس فیصلہ کے موافق کارروائی بھی کر لی۔

سواول مرتبہ تصدیق و ایمان ہے، اس کا نہ ہونا عند اللہ کفر ہے اور منافقین میں خود اس کی کمی تھی، چنانچہ تنگی کے ساتھ لفظِ انکار اس کی توضیح کے لئے ظاہر کر دیا ہے۔ اور دوسرا مرتبہ اقرار کا ہے، اس کا نہ ہونا عند الناس کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ تقویٰ و اصلاح کا ہے، اس کا نہ ہونا فسق ہے اور طبعی تنگی معاف ہے۔

پس آیت میں بقرینہ ذکر منافقین مرتبہ اولیٰ مراد ہے۔ اب کوئی اشکال نہیں رہا (۱)۔

۳..... جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے موافق حکم نہ کرے بلکہ غیر حکم شرعی کو قصداً حکم شرعی بتلا کر اس کے موافق حکم کرے، ایسے لوگ بالکل ستم ڈھارے ہیں۔

۴..... حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ”اے قید خانہ کے رفیقو! متفرق معبود عبادت کے واسطے اچھے ہیں یا ایک معبود برحق جو رب ہے، زبردست ہے وہ اچھا ہے؟ تم لوگ خدا کو چھوڑ کر صرف چند بے حقیقت ناموں کی عبادت کرتے ہو، جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے آپ ہی ٹھہرا لیا ہے، خدا تعالیٰ نے تو ان کے معبود ہونے کا کوئی دلیل عقلی یا نقلی نہیں بھیجی اور حکم دینے کا اختیار صرف خدا ہی کا ہے اور اس نے یہ حکم دیا کہ بغیر اس کے کسی اور کی عبادت مت کرو۔ پس اس حکم پر عمل کرنا چاہیے، یہی توحید اور عبادت میں حق تعالیٰ کی تخصیص سیدھا طریقہ ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے“ (۲)۔

(۱) تحکیم، عدم حرج اور تسلیم کے تینوں درجات کے لئے ملاحظہ کیجئے: (بیان القرآن للتھانویؒ، ص: ۱۳۰، ۱۳۱، میر محمد کتب خانہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَا صَاحِبِي السَّبْحَنَءُ أَرْبَابٌ مَتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمْ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا =

۵..... یہ آیت بھی آیت نمبر: ۳ کے ساتھ مسلسل و مربوط ہے اور اس کے مضمون کو ادا کر رہی ہے، جیسا کہ: ﴿أفحکم الجاهلیة یغون﴾ سے مستفاد ہے۔ مزید تفسیر و تشریح مطلوب ہو تو روح المعانی (۱)، مظہری (۲)، مفاتیح الغیب (۳) وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۸/۹۳ھ۔

تفسیر ”استوی“

سوال [۱۰۸۲]: عرض می دارم کہ در معنی ”استواء“ اختلاف شدید واقع شدہ است: ﴿الرحمن علی العرش استوی﴾ (۱) جمہور علماء می گویند کہ استوی بمعنی غلبہ و قدرت باشد، و ملا عبد الکریم می گویند کہ استوی بمعنی سکونت باشد، یعنی -نعوذ باللہ- معنی آیت مذکورہ بقرار ذیل می کند کہ خداوند تعالیٰ بر عرش مبارک نشستہ باشد۔ فلہذا جمہور علماء بر ملا عبد الکریم فتویٰ کفر کردند، از جماعت خود او را خارج نمودند۔ فی الحال از علمائے دارالعلوم دیوبند درخواست است کہ اصل معنی استوی مدلل بحوالہ کتب بیان کنند۔ بینوا توجروا
الجواب حامداً و مصلياً:

تفسیر استوی باستیلاء نیز کردہ شدہ است، و لکن دریں مسئلہ مسلک اہل
= أسماء سمیتموھا أنتم وأباؤکم، ما أنزل اللہ بها من سلطان، إن الحکم إلا للہ، أمر ألا تعبدوا إلا إياه،
ذلک الدین القیم، ولكن أكثر الناس لا یعلمون﴾ (سورۃ یوسف: ۱۲/۲۰)
(۱) (أفحکم الجاهلیة یغون) إنکار و تعجیب من حالہم و تویح لہم..... ای ایتولون عن قبول حکمک بما أنزل إلیک، فیغون حکم الجاہلیة..... (ومن أحسن من اللہ حکماً) إنکار لأن یكون أحد حکمہ أحسن من حکم اللہ تعالیٰ أو مُساوِلہ؛ کما یدل علیہ الاستعمال اہ۔ (روح المعانی:
۲۲۸/۳، ۲۲۹، دار الکفر، بیروت)

(۲) (التفسیر المظہری: ۱۲۵/۳، حافظ کتب خانہ)

(۳) (تفسیر القرطبی (مفاتیح الغیب): ۱۳۹/۳، ۱۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۴) (سورۃ طہ: ۵)

حق این است کہ استوی حق است، و ایمان بر آن لازم است، و کیفیت آن غیر معلوم است، و سوال و تفتیش آن بدعت است، و انکار آن گمراہی است. کذا فی تفاسیر الایة (۱) و کتب العقائد و (۲) صرح بہ الإمام مالک و غیرہ (۳). فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۹/۹۱ھ۔

تشریح ”اقراء“

سوال [۱۰۸۳]: ”اقراء“ قرآن مجید کے ۳۰/ویں پارے سے لیا گیا ہے، اس کی تشریح کیجئے، کس علم سے تعلق رکھتا ہے؟

۲..... ”اقراء“ یہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ ہے، جو بھی صورت ہو، اس کی آواز کس کو بلند کرنی چاہئے اور اس کا انتظام کس کو کرنا چاہئے، اقرأ کا امام اور مقتدی سے کیا تعلق ہے؟

(۱) ”حکى الاستاذ أبو بكر بن فورك عن بعضهم أن (استوى) بمعنى علا، ولا يراد بذلك العلو المسافة والتميز والكون في المكان متمكناً فيه، ولكن يراد معنى يصح نسبته إليه سبحانه، وهو على هذا من صفات الذات، وكلمة (ثم) تعلقت بالمستوى عليه لا بالاستواء، أو أنها للفتاوت في الرتبة وهو قول متين. وأنت تعلم أن المشهور من مذهب السلف في مثل ذلك تفويض المراد منه إلى الله تعالى، فهم يقولون: استوى على العرش على الوجه الذي عناه سبحانه منزهاً عن الاستقرار والتمكن، وأن تفسير الاستواء بالاستيلاء تفسير مردول، إذ القائل به لا يسعه أن يقول: كاستيلاءنا، بل لا بد أن يقول: هو استيلاء لائق به عز وجل، فليقل من أول الأمر: هو استواء لائق به جل وعلا“۔ (تفسير روح المعاني: ۱۳۶/۸، دار إحياء التراث العربی)

(و کذا فی معارف القرآن: ۵۰۲/۴، سورة یونس، ادارة المعارف)

(۲) ”الاستواء معلوم والكيف مجهول، والسؤال عنه بدعة، والإيمان به واجب، وهذه طريقة السلف، وهي أسلم، والله أعلم“۔ (شرح الفقه الأكبر لملا علی القاری، ص: ۳۸، قدیمی)

(۳) ”و هذا كما روى عن مالک رحمه الله تعالى أن رجلاً سأله من قوله تعالى: ﴿الرحمن على العرش المستوى﴾ (طه: ۵) قال مالک: الإستواء غير مجهول، والكيف غير معقول، والإيمان به واجب، والسؤال عنه بدعة، وأراک رجل سوء“۔ (تفسير القرطبي: ۱/۱۷۶، سورة البقرة الآية: ۲۹، دارالکتب العمیة بیروت)

”إذا قرأ فأَنْصَتُوا“ (۱) جب امام قرأت کرے تو اس کے پیچھے مقتدی خاموش رہیں۔ کسی خارجی رعایت سے حدیث شریف کی مخالفت کرنا جائز نہیں، اگر امام کا مطلب کچھ اور ہے تو واضح کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تفسیر ”لا یمسہ إلا المطہرون“

سوال [۱۰۸۴]: زید کا کہنا ہے آیت کریمہ: ﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ، فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ، لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ، تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ میں جملہ ”لا یمسہ“ کے متعلق مفسرین کے دو قول ہیں: پہلا قول جو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جملہ لا یمسہ، کتاب مکنون کی صفت ہے اور کتاب مکنون سے مراد لوح محفوظ ہے اور مطہرون سے مراد ملائکہ ہیں۔ یہی تفسیر حضرت انس، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک، جابر بن زید، عبد الرحمن ابن زید ابونہیک ابوالعالیہ، قتادہ وغیرہم سے منقول ہے۔ اس تاویل کا حاصل یہ ہے کہ لوح محفوظ کو سوائے ملائکہ کے اور کوئی نہیں چھوتے، اس تفسیر و تاویل کے لحاظ سے مصحف مجید کو بے وضو اور جنابت والا بغیر غلاف چھونے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ فقہائے حنبلیہ اسی تفسیر و تاویل کو اختیار کر کے کہتے ہیں کہ مصحف مجید کو بے وضو اور جنابت والے کو بغیر غلاف کے چھونا جائز ہے۔

دوسرا قول جو عطاء، طاؤس، سالم، قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ جملہ لا یمسہ قرآن کریم کی صفت ہے اور قرآن کریم سے مراد مصحف مجید ہے اور مطہرون سے مراد وہ مومنین ہیں جو با وضو غسل ہوں۔ اس

(۱) ”وفی حدیث جریر عن سلیمان عن قتادہ من الزیادۃ: ”وإذا قرأ فأَنْصَتُوا“... فحدیث أبی ہریرۃ فقال: هو صحیح یعنی: ”وإذا قرأ فأَنْصَتُوا“ فقال: هو عندی صحیح، فقال: لَمْ لَمْ تَضَعْهَا هُنَا؟ قَالَ: لَيْسَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدِي صَحِيحٌ وَضَعْتَهَا هُنَا، إِنَّمَا وَضَعْتُهَا هُنَا مَا أَجْمَعُوا عَلَيْهِ“ (الصحیح لمسلم، کتاب الصلوۃ، باب التشہد فی الصلاۃ: ۱/۱۷۴، قدیمی)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصَتُوا﴾ لعلکم ترحمون ﴿﴾ (سورۃ الاعراف آیت: ۲۰۴ پارہ: ۹)

”وعن أبی موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ، فليؤمكم أحدكم، وإذا قرأ الإمام فأَنْصَتُوا“ رواه أحمد ومسلم، وهو حدیث صحیح“ (آثار السنن، باب فی ترک القراءة خلف الإمام فی الجہریۃ الخ، ص: ۱۰۹، مکتبہ امدادیہ ملتان)

تفسیر و تاویل کے لحاظ سے مصحف مجید کو بے وضو اور جنابت والے کے لئے بغیر غلاف چھونے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ فقہائے حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اسی تفسیر و تاویل کو اختیار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ مصحف مجید کو بے وضو اور جنابت والے کو چھونا بغیر غلاف جائز نہیں صحیح ہے، یا نہیں؟ بحوالہ تفسیر معتبرہ بیان فرماویں۔

حاجی قاضی محمد زماں قاضی ایٹھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: اول یہ کہ ضمیر منصوب ”لا یمسہ“ میں راجع ہے ”کتاب مکنون“ کی جانب اور ”مطہرون“ سے مراد ملائکہ ہیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر منصوب قرآن کریم کی طرف راجع ہے اور ”مطہرون“ سے وہ لوگ مراد ہیں جو باغسل اور باوضو ہوں (۱) تفسیر مدارک التنزیل میں ہے:

﴿لا یمسہ إلا المطہرون﴾ من جمیع الأدناس أدناس الذنوب و غیرہا إن جعلت الجملة صفةً ”لکتاب مکنون“ و هو اللوح، وإن جعلتها صفةً للقرآن فالمعنى: لا ینبغی أن یمسہ إلا من هو علی الطہارة من الناس اھـ“ (۲)۔

تفسیر بیضاوی، میں: ﴿لا یمسہ إلا المطہرون﴾ لا یطلع علی اللوح إلا المطہرون من الكدورات الجسمانية و هم الملائكة، أو لا یمس القرآن إلا المطہرون من الأحداث، فیکون نفياً بمعنی النهی اھـ“ (۳)۔

(۱) ”وقال العوفي عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: ”لا یمسہ إلا المطہرون“، یعنی الملائكة، وعن قتادة ”لا یمسہ إلا المطہرون“ قال: لا یمسہ عند الله إلا المطہرون الخ، وقال ابن زيد: زعمت كفارقريش أن هذا القرآن نزلت به الشياطين، فأخبر الله تعالى أنه لا یمسہ إلا المطہرون. وقال الآخرون: (لا یمسہ إلا المطہرون): أي من الجنابة والحدث“. (تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۹۸، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) دیکھئے: (مدارک التنزیل: ۲/۶۴۲، قدیمی)

(۳) دیکھئے: (تفسیر بیضاوی: ۳۴۵، نور محمد کتب خانہ کراچی)

(و کذا روح المعانی: ۲۷/۱۵۴، دار احیاء التراث العربی)

اکثر کا قول یہ ہے کہ ضمیر منصوب قرآن کریم کی طرف راجع ہے:

”والضمير في ”لا يمسه“ إن عاد إلى ”الكتاب المكنون“ كان المعنى لا يمسه الكتاب المكنون في اللوح المحفوظ إلا الملائكة المطهرون من الأدناس والكدورات. وإن عاد إلى القرآن كان نهياً معنئياً: أي لا يمسه القرآن إلا المطهرون من الأحداث (إلى أن قال): والمقصود أن قوله: (لا يمسه إلا المطهرون) وإن كان يحتمل المعاني - ولذا تركه صاحب الهداية - ولكن الأكثر على أنه نفى بمعنى النهي، وأن الضمير المنصوب راجع إلى القرآن، وأن الطهارة هو الطهارة عن الأحداث: أي لا يمسه هذا القرآن إلا المطهرون من الأحداث، فلا يمسه المحدث والجنب ولا الحائض ولا النفساء. وقد اشتهر في كتب أبي حنيفة أنه لا يجوز للمحدث والحائض والنفساء مس المصحف إلا بغلاف متجاف منفصل عنه، وأما قرأته فيجوز للمحدث فقط إن كان حافظاً لا لغيره، وإن كان ناظراً فلا يجوز القراءة للمحدث إلا إذا قلبت الأوراق بقلم أو سكين مع الكراهة، هكذا في القنية. وذكر في الحسيني: أن الشافعي ومالك لا يجوز أن يمسه للمذكورين ولا حملته، والحنابلة يجوزونها جميعاً للمحدث والجنب دون الحائض والنفساء، وأبو حنيفة لا يجوز مسه للمذكورين إلا بغلاف متجاف. وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أنه قال: أحب إلي أن لا يقرأ القرآن إلا المطهرون. وقد قيل: لا يمسه: أي لا يقرأه.“ (تفسيرات أحمدية) (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۱۸/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مظاہر علوم، ۱۹/ذی قعدہ/۵۳ھ۔

”ليس للإنسان إلا ما سعى“ الآية

سوال [۱۰۸۵]: قولہ تعالیٰ: ﴿لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ الآية “اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ

جس کام میں خود انسان کی سعی نہ ہو، اس کا ثواب نہیں پہنچتا۔ کیا یہ آیت منسوخ ہے یا کسی حدیث سے تحقیق کی گئی ہے؟

(۱) (التفسيرات الأحمديه، ص: ۶۸۳، سورة الواقعة، المطبع الكريمي الواقع في بمبئي)

الجواب حامداً ومصلحاً:

معتزلہ کا مذہب یہی ہے اور وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں (۱)۔ حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح ہدایہ میں اس کے آٹھ جوابات لکھے ہیں (۲) اور ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الروح میں بہت تفصیل سے معتزلہ پر رد کیا ہے (۳)۔ اموات کو احیاء کے افعال: دعاء، صوم، صلوٰۃ، صدقہ وغیرہ سے نفع پہنچنا، خود قرآن

(۱) ”ويعلم من مجموع ما تقدم أن استدلال المعتزلة بالآية على أن العبد إذا جعل ثواب عمله أي عمل كان لغيره لا ينجعل ويلغو جعله غير تام“۔ (روح المعاني: ۶۷/۲۷ دار إحياء التراث العربي)

(۲) ”وأما الجواب عن الآية فبشمالية أوجه: الأول: أنها منسوخة بقوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِمَا كَانُوا يُعْمَلُونَ﴾ أدخل الأبناء الجنة بصلاح آبائهم، قاله ابن عباس رضي الله عنهما، الثاني: خاصة بقوم إبراهيم وقوم موسى عليهما السلام، يعني في صحف إبراهيم وموسى عليهما السلام: ﴿أن لا تزر وازرة وزر أخرى﴾، وأن ليس للإنسان إلا ما سعى ﴿للعطف﴾، فهذا في صحيفتهما مختص بهما، فأما هذه الآية فلقد ما سعت وما سعى لها غيرها، قاله عكرمة، الثالث: أن المراد بالإنسان الكافر هنا، وأما المؤمن فله ما سعى وما سعى له، قاله الربيع بن أنس، الرابع: (أن ليس للإنسان إلا ما سعى) من طريق العدل، وأما من طريق الفضل فجاز أن يزيد الله تعالى من فضله ما يشاء، قاله الحسن بن الفضل، الخامس: أن معنى ما سعى ما نوى، قاله أبو بكر الرازي، السادس: أن ليس للإنسان الكافر من الخير إلا ما عمله في الدنيا حتى لا يبقى له في الآخرة خير ألبتة، ذكره الأستاذ أبو اسحق الثعلبي، السابع: اللام بمعنى ”على“: أي ليس على الإنسان إلا ما سعى كقوله تعالى: ﴿وإن أسأتم فلها﴾: أي فعلها، كقوله تعالى: ﴿وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾: أي عليهم، الثامن: ليس له إلا سعيه، غير أن الأسباب مختلفة، فتارة يكون سعيه في تحصيل الشيء بنفسه، وتارة لتحصيل سببه كسعيه في تحصيل ولد أو صديق يستغفر الله، وتارة يسعى في خدمة الدين والعبادة، فيكسب منه أهل الدين والصلاح، فيكون ذلك سبباً حصل بسعيه اهـ“۔ (البنية في شرح الهداية للحافظ العيني، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مسألة: إيصال الثواب للأحياء والأموات: ۳۹۶/۵، مكتبة حقايق ملتان)

(۳) ”أما قوله تعالى: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾، فقد اختلف طرق الناس في المراد بالآية، فقالت طائفة: المراد بالإنسان هنا الكافر، وأما المؤمن فله ما سعى وما سعى له بالأدلة ذكرناها وقالت طائفة: في الآية إخبار بشرع من قبلنا، وقد دل شرعنا على أن له ما سعى وما سعى له =

کریم اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ - الآية (۱)

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ - الآية (۲)

صلوٰۃ جنازہ کی مشروعیت اسی غرض کے لئے ہے: ”مَنْ سَنَّ سَنَةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا“۔ الحديث (۳)۔

قبرستان میں جا کر ”قل هو اللہ“ شریف پڑھ کر ثواب پہنچانا، صدقہ جاریہ کا ثواب پہنچتے رہنا وغیرہ وغیرہ بہت سی احادیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ اور عمل بھی تھا کہ وہ ثواب پہنچایا کرتے تھے (۴)۔ آیت ﴿لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ - الآية کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

= وقالت طائفة: اللام بمعنى ”على“: أى وليس على الإنسان إلا ما سعى وقالت طائفة أخرى: الآية منسوخة بقوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ، أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ و هذا منقول عن ابن عباس رضي الله عنهما هـ. (كتاب الروح، (المسئلة السادسة عشرة) و هي: هل تنفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا: ۲۰۱، ۲۱۰، دار الكتاب العربي)

(۱) (سورة الحشر: ۱۰)

(۲) (سورة الطور: ۲۱)

قال الإمام أحمد: ”أبنا العلاء عن أبيه، عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”إذا مات الإنسان، انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو“۔ (مسند الإمام أحمد: ۳/۶۵، رقم الحديث: ۸۶۲۷، دار إحياء التراث العربی)

”وعنه: (عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه) أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”من دعا إلى هدى، كان له من الأجر مثل أجور من تبعه، لا ينقص ذلك من أجورهم شيئاً الخ“۔ (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳/۱۰۹، رقم الحديث: ۸۹۱۵، دار إحياء التراث العربی، بيروت)

(۳) (الصحيح لمسلم: ۲/۳۲۱ كتاب العلم، باب من سن سنة، قديمی کراچی)

(۴) ”عن عائشة رضي الله عنها أن رجلاً أتى النبي ﷺ، فقال: يا رسول الله! إن أمي افلنت نفسها ولم توص و أظنها لو تكلمت تصدقت، أفلها أجر إن تصدقت عنها؟ قال: ”نعم“۔ قال النووي تحته: ”وفي هذا الحديث: أن الصدقة عن الميت تنفع الميت ويصل ثوابها، وهو كذلك بإجماع العلماء، وكذا =

فرماتے ہیں کہ: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ سے منسوخ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

”ضربت عليهم الذلة والمسكنة“ کا مطلب

سوال [۱۰۸۶]: قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے: ﴿ضربت عليهم الذلة والمسكنة﴾

= أجمعوا على وصول الدعاء وقضاء الدين بالنصوص الواردة، (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الزكاة، باب وصول ثواب الصدقة عن الميت إليه: ۳۲۴/۱، قديمي)

قال العلامة الكاساني رحمه الله تعالى: ”فإن من صام أو تصدق أو صلى و جعل ثوابه لغيره من الأموات أو الأحياء، جاز، و يصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة، و قد صح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه ضحى بكبشين أملحين: أحدهما عن نفسه والآخر عن أمته ممن آمن بواحدنية الله تعالى و برسالته صلى الله عليه وسلم، و روى أن سعيد بن أبي وقصاص رضى الله عنه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن أمي كانت تحب الصدقة أفأتصدق عنها؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ”تصدق“، و عليه عمل المسلمين من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى يومنا هذا من زيارة القبور و قراءة القرآن عليها و التكفين، و الصدقات، و الصوم، و الصلوة، و جعل ثوابها للأموات“۔ (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل: الحج عن الغير: ۲۷۰/۳، ۲۷۱، دار الكتب العلمية بيروت)

قال الحصكفي رحمه الله: ”كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها“۔ ويقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، و إنا إن شاء الله بكم لاحقون، و يقرأ يس، و في الحديث: ”من قرأ الإخلاص أحد عشرة مرة، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات“۔ قال الشامي رحمه الله: ”صرح علمائنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها..... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، و لا ينقص من أجره شيء، هو مذهب أهل السنة والجماعة اهـ“۔ (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الجنائز، مطلب في القراءة للميت و إهداء ثوابها له: ۲۴۲/۲، ۲۴۳، سعيد)

(۱) قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالى: ”و عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما أن الآية منسوخة

بقوله تعالى: (وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ)“۔ (روح المعاني: ۲۷/۲۶، دار إحياء التراث العربی)

(و كذا في تفسير ابن كثير: ۳۳۰/۴، دار الفیحاء دمشق)

السخ، یہود کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہیں گے ان کو کبھی اقتدار حاصل نہیں ہوگا۔ میرا ایمان یہی ہے اور یقین بھی ہے، لیکن آج جب کہ ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ جناب والا ان کی آج حکومت ہے، فلسطین پر قابض ہیں، عرب مسلمان پریشان ہیں۔ یہ اعتراض سن کر میں تو بغلیں جھانکنے لگا اور پسینہ آ گیا۔ میں کم علم کیا، کچھ پڑھا لکھا ہی نہیں، صرف مولوی نما ہوں، کیا جواب دیتا، وہی سبق کا سنا ہوا ایک جواب کہ ان کی حکومت مستقل نہیں بلکہ امریکہ کے رحم و کرم پر ہے اور یہاں بالذات حکومت کی نشی ہے۔ لیکن عیسائی معترض نے کہا کہ یہ بتائیے کہ حکومت کوئی مستقل ہے، سب ایک دوسرے کے تعاون سے چلتی ہیں، کوئی بھی بالذات نہیں، آج پاکستان کا ساتھ امریکہ چھوڑ دے تو ہندوستان اسے ہڑپ کر جائے اور ہندوستان کا ساتھ روس چھوڑ دے تو چین اسے جینے نہ دے، سعودی عرب، مصر، اردن وغیرہ جتنی حکومتیں ہیں سب پر ایک دوسرے کا سایہ ہے، اسی طرح کا تعاون امریکہ بھی اسرائیلیوں کا کر رہا ہے۔ اسرائیلی نمائندہ ہر عالمی میٹنگ میں موجود ہوتا ہے ان کو سب تسلیم کر رہے ہیں، آخر یہ بھی انسان ہیں، ان کا بھی حق ہے، یہ بھی اپنے لئے کوئی مستقل جائے قیام چاہتے ہیں، اس کے لئے انہوں نے اپنی پرانی جگہ تجویز کی اور عربوں کو بھگا کر فلسطین پر قابض ہو گئے، آج ان کی حکومت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا قرآن کی پیشین گوئی درست ثابت نہیں ہوئی۔ برائے مہربانی جلد جواب سے نوازیں تاکہ ان معترض صاحب کو بتایا جاسکے اور مسلمانوں کو اطمینان دلایا جاسکے؟

نجم الرحمن قاسمی چلکانہ سہارنپور

الجواب حامداً ومصلیاً :

﴿ضربت علیہم الذلة والمسکنة الخ﴾ (۱) میں سلطنت کی نفی کہاں ہے کہ موجودہ حالات سے معارضہ کیا جائے، جب تک کسی آیت یا قوی روایت سے سلطنت یہود کی ہمیشہ کے لئے نفی ثابت نہ ہو قرآن و حدیث کی تکذیب نہیں کی جاسکتی (۲)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت میں جو یہودی تھے اول

(۱) (سورة البقرة: ۶۱)

(۲) تفسیر جلالین میں ہے: "الذلة الذل، والهوان والمسکنة: أى أثر الفقر، من السكون، والخزى، فہی

لازمة لهم وإن كانوا أغنياء لروم الدرهم المضروب لسكنه" (جلالین: ۱/۱، قدیمی کراچی)

تفسیر ابن کثیر میں ہے: "لا يزالون مستذلین، من وجدہم استذلہم و ضرب علیہم الصغار" =

ان کو معاہدہ میں شریک کیا گیا، مگر ان کی کمینہ حرکات ختم نہ ہوئیں۔ دو قبیلے: بنو نضیر، بنو قریظہ تھے، ان میں آپس میں بھی سخت اختلاف تھا، ایک قبیلہ خزرج کا سہارا لیتا تھا اور دوسرا اوس کا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کرنے کے باوجود چپکے چپکے قریش مکہ سے ساز باز کی اور ان کو مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور اپنے مسلک کے بالکل خلاف بعض یہود نے مکہ معظمہ پہنچ کر مشرکین کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے بت کو سجدہ بھی کیا (۱)۔ ادھر کعب بن اشرف نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی (۲)۔ نیز ابورافع

= (تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۲۶، المكتبة دار الفیحاء دمشق)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اخیر میں جو بات تحریر فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ کچھ یہودیوں کا کہیں تھوڑا بہت اقتدار حاصل ہو جانا پوری قوم یہود پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھوپی ہوئی دائمی ذلت کے منافی نہیں جیسا کہ حضرت تحریر فرماتے ہیں: ”یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں میں سب سے پہلے یہود ہیں، ان کی شریعت ان کی تہذیب سب سے پہلی ہے، اگر پوری دنیا میں فلسطین کے ایک چھوٹے سے قصبے پر ان کا تسلط کسی طرح ہو بھی گیا تو پوری دنیا میں یہ حصہ ایک نقطہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے، اس کے بالمقابل نصاریٰ کی سلطنتیں اور مسلمانوں کے دور تنزل کے باوجود ان کی سلطنتیں بت پرستوں کی سلطنتیں، لاد مذبیوں کی حکومتیں جو جگہ جگہ مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہیں ان کے مقابلے میں فلسطین اور وہ بھی آدھا اور اس پر بھی امریکہ و برطانیہ کے زیر سایہ کوئی تسلط یہودیوں کا ہو جائے تو کیا اس سے پوری قوم یہود پر اللہ کی طرف سے لگائی ہوئی دائمی ذلت کا کوئی جواب بن سکتا ہے“۔ (تفسیر معارف القرآن: ۱/۱۸۴، ادارة المعارف کراچی)

(و کذا فی التقرير الحاوی فی حل تفسیر البیضاوی: ۳/۱۴۴، اداره تالیفات اشرفیہ)

(۱) ان تمام حالات کے لئے دیکھئے: ”وہم قبیلۃ من یهود المدینۃ، وکان بینہم و بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقد موا دعة الخ“۔ (عمدة القاری، کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر: ۱۶۸/۱۷۰-۱۷۱، رقم الحدیث: ۴۰۲۸، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) ”فخرج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إلى بنی النضیر مستعیناً بہم فی دية القتیلین فقالوا: إنکم لن تجدوا الرجل (یعنون بالرجل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) علی مثل حالہ ہذا، و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إلى جنب جدار من بیوتہم قاعد، فمن رجل یعلو علی ہذا البیت فیلقی علیہ صخرة فیریحنا منه و ہذا معنی قولہ: ”و ما أرادوا“ ای و فی بیان ما أراد بنو النضیر من الغدر برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اھ“۔ (عمدة القاری، کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر: ۱۶۸/۱۷۱، ۱۶۹، دارالکتب العلمیۃ)

نے بہت ہی کمینہ حرکات کیں، نتیجہ یہ ہوا کہ کعب بن اشرف قتل ہوا، ابورافع قتل ہوا (۱)۔
 اوس و خزرج کی نگاہوں سے بھی گر گئے، عہد شکنی کی بنا پر بنو قریظہ قتل کئے گئے، بنو نصیر کو جلا وطن کیا گیا۔
 سورہ حشر میں ان کے حالات پڑھیے کس طرح اپنے گھروں کو اجاڑ کر نکلے ہیں، یہ ان کی ذلت و مسکنت سب کی نظروں میں تھی (۲)، ہو سکتا ہے آیت مذکورہ میں اسی کو بیان کیا گیا ہو (۳) نہ کہ آئندہ کے حالات کو جیسا کہ مکہ مکرمہ کو (وادِ غیر ذی زرع) قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی ذریت کو لیکر وہاں تشریف لائے اس وقت اس مقام پر یہی حال تھا، آج وہاں باغات، درخت، سب چیز موجود ہے جو کہ آیت کے منافی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

(۱) ”فلما استمكن منه، قال: دونكم، فقتلوه، ثم اتوا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فأخبروه۔“
 (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن اشرف: ۵۷۷/۲، قدیمی)

”عن البراء بن عازب: قال: ”بعث رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم رهطاً إلى أبي رافع، فدخل عليه عبد الله بن عتيك بيته ليلاً وهو نائم، فقتله۔“ (صحیح البخاری، باب قتل أبي رافع: ۵۷۷/۲)
 (۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: روح المعانی: ۳۹/۲۸، ۴۰، ۴۱، ۴۲، دار احیاء التراث العربی

(و کذا فی تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۲۳، دار الفیحاء بیروت)

(۳) یہود کی موجودہ حالت اور اسرائیلی حکومت کا قیام، یہ بھی نہ صرف قرآن کریم کے قطعی ارشادات کے منافی نہیں بلکہ قرآن کریم کے قطعی ارشادات کے عین مطابق ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿ضربت عليهم الذلة أين ما

ثقفوا إلا بحمل من الله وحمل من الناس﴾ الخ (سورۃ آل عمران: ۱۱۲)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ”بہت سے حضرات مفسرین نے اس کو استثنائے منقطع قرار دیا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اپنی ذات اور اپنی قومی حیثیت سے تو ذلیل و خوار رہیں گے، گو قانون الہی کی وسعت میں آ کر ان کے بعض افراد اس سے محفوظ ہو جائیں گے، یا دوسرے لوگوں کے سہارے لے کر ذلت و خواری پر پردہ ڈال دیں۔“ (معارف القرآن: ۱/۱۸۴، ادارۃ المعارف)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۲۶، دار الفیحاء دمشق)

(و کذا فی تفسیر روح المعانی: ۴/۱۹، دار احیاء التراث العربی بیروت)

(و کذا فی تفسیر جلالین: ص: ۵۸، قدیمی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۵/۳۶۸، مادہ ”ف، فلسطین“ دانش گاہ لاہور)

”إن الذين آمنوا والذين هادوا والذين نصارى“ پر اشکال اور اس کا جواب

سوال [۱۰۸۷]: مومن ہونے کے لئے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول دونوں ضروری ہیں، اللہ و رسول میں سے اگر کسی ایک پر بھی ایمان نہ لائے تو مومن نہیں ہو سکتا لیکن آیت: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا، فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ، وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ، وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ میں ایمان بالرسول کا کہیں ذکر تک نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بالرسول ضروری نہیں، اگر ضروری ہے تو عدم ذکر کی وجہ تحریر فرمائی جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایمان بالرسول کے ساتھ ایمان بالملائکہ اور ایمان بالکتاب بھی ضروری ہے، نیز ایمان بالقدر بھی ضروری ہے (۱) لیکن ہر آیت میں تمام چیزوں کو بیان نہیں کیا گیا، موقع اور مقام کے لحاظ سے کہیں تمام چیزوں کا ذکر کر دیا گیا، کہیں بعض کا، اسی طرح یہاں بھی بعض کے بیان پر اکتفا کیا گیا جس کی حکمت بیان کی جاسکتی ہے، مثلاً: یہ کہ جتنے فرقے اس آیت میں بیان کئے گئے ہیں وہ سب ایمان بالرسول رکھتے تھے، یہود و نصاریٰ کا حال تو ظاہر ہے، صابئین کے متعلق بھی ایک قول یہی ہے (۲)۔ جس طرح عدم ذکر سے ایمان بالکتاب، ایمان بالملائکہ، ایمان بالقدر کی ضرورت کی نفی کرنا صحیح نہیں اسی طرح ایمان بالرسول کی ضرورت کی نفی کرنا بھی درست نہیں۔ ایک کلیہ یاد رکھئے کہ عدم ذکر، ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) وفي حديث جبريل "قال: فأخبرني عن الإيمان قال: أن تؤمن بالله و ملائكته و كتبه و رسله و اليوم الآخر و تؤمن بالقدر خيره و شره". (المشكوة: ۱/۱۱، كتاب الإيمان، قديمي كراچی)

(و كذا في الصحيح لمسلم: ۱/۲۷، كتاب الإيمان، قديمي)

(و كذا في سنن أبي داود، كتاب السنة، باب في القدر: ۲/۲۹۷، امدایہ ملتان)

(۲) قال العلامة الألوسي: "الإمام أبو حنيفة رضى الله تعالى عنه يقول: إنهم (الصابئين) ليسوا بعبداء أوثان، وإنما يعظمون النجوم كما تعظم الكعبة، وقيل: هم قوم موحدون يعتقدون تأثير النجوم و يقرّون ببعض الأنبياء كيحيى عليه السلام، وقيل: إنهم يقرّون بالله تعالى، و يقرّون الزبور، و يعبدون الملائكة، و يصلون إلى الكعبة و ... و في جواز مناكتهم و أكل ذبائحهم كلام للفقهاء". (روح المعاني ۱/۲۷۹، دار إحياء التراث العربی)

(والفقه الإسماعيلي وأدلته: ۸/۶۲۲۰، رشيدية)

﴿جاعل الذین اتبعوك﴾ کی تفسیر

سوال [۱۰۸۸]: ﴿و جاعل الذین اتبعوك فوق الذین كفروا الى يوم القيامة﴾ میں ”الذین اتبعوا“ سے مراد تقریباً سارے مفسرین نے عیسائی اور مسلمان لئے ہیں، لیکن آج کل قرآن کی یہ حقیقت اپنی صداقت کھو بیٹھی ہے اور سیاق و سباق میں ”الذین كفروا“ سے اسرائیل ہی کی تخصیص کر دیا ہے۔ اگر کافرین سے مطلق مراد لیا جائے تو عالمگیر پیانہ پر مسلمانوں کی پستی مسلم ہے نہیں تو بعداً تخصیص اسرائیل سے مسلمانوں کی پستی واضح ہے۔ مفسرین ”الذین كفروا“ سے عیسائی بھی مراد لیتے ہیں۔ یہ بات سمجھ نہیں آتی ہے کہ آج کل عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے کیسے متبع مانے جاسکتے ہیں جب کہ وہ تثلیث پرستی اور مختلف گمراہ کن نظریات و عقائد کی دنیا میں گم نظر آتے ہیں تو پھر مفسرین کا یہ خیال کیسے صحیح مانا جاسکتا ہے؟

فوق سے کیا مراد ہے؟ اور حکومت کے معاملہ میں یا کسی اور چیز میں آیت مذکورہ ”الذین اتبعوك“ سے مسلمان مراد لئے جائیں تو ”حبیل من اللہ و حبیل من الناس“ کی آیت اس کے لئے ناخمانی جاسکتی ہے یا نہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد شادی کریں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر مفسرین کی لکھی ہوئی کوئی بات آپ کی سمجھ میں نہ آئے یا آپ کی معلومات پر منطبق نہ ہو تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ”آج کل قرآن کی حقیقت اپنی صداقت کھو بیٹھی ہے“ کہاں تک درست ہے اور آپ غور کریں کہ اس سے ایک مؤمن کا ایمان کس حد تک مجروح ہو جاتا ہے، قرآنی صداقت جس قلب سے کھو جائے کیا وہ قلب بھی مسکن ایمان رہے گا؟ ایسے کلمات کے کہنے اور لکھنے سے کلی اجتناب لازم ہے، یہود و نصاریٰ کے واقعات کی خاطر اپنے ایمان کو ضائع نہ کیا جائے، تحقیق کے لئے دوسرا عنوان بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

اتباع ایک حقیقی ہوتا ہے، ایک ادعائی ہوتا ہے یعنی دعویٰ یہ ہے کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے متبع ہیں اگرچہ اعتقاداً و عملاً بے شمار امور میں مخالفت کرتے ہیں، مگر ادعاء سب ہی نصرانی ہیں جیسے کہ اسلام کے مدعی بھی دونوں قسم کے ہیں۔ اگر یہاں یہ مراد ہو کہ جو لوگ نصرانی ہونے کے مدعی ہیں، ان کو غلبہ ہوگا اس جماعت پر جو ان پر ایمان نہیں رکھتی بلکہ ان کا منکر ہے یعنی یہود پر تو آپ کا اشکال ختم ہو جائے گا، یہ قول بھی تفسیر

مظہری، ص: ۵۷ میں موجود ہے (۱) وقیل: ”أراد بهم النصارى فهم فوق اليهود إلى يوم القيامة“۔ (۲)۔ اور فوق کی تفسیر کی ہے۔ بالحجة والسيوف في غالب الاحوال۔ اب ”جبل من الله جبل من الناس“ (۳) سے تعرض کی بھی حاجت نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد نزول شادی کریں گے: ”فیتزوج بعد النزول و يولد له، ويمكث أربعين سنة، ثم يتوفى“ إلى آخره (۴)۔ عقیدۃ الاسلام (۵)۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مستقل رسالہ ہے جس میں انہوں نے اتباع کی مذکورہ دونوں صورتیں بیان کی ہیں جن کا خلاصہ فتح البیان میں بھی ہے (۶)۔

(۱) ”(و جاعل الذين اتبعوك) الخ يعنى يعلنونهم بالحجة والسيوف في غالب الأحوال و متبعوه الحواريون، و من كان من بنى إسرائيل على دينه الحق قبل مبعث النبي صلى الله تعالى عليه وسلم والمسلمون من أمة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم الذين صدقوه و اتبعوا دينه في التوحيد، و وصيته باتباع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم حيث قال: (و مبشراً برسول يأتي من بعدى اسمه أحمد) وقيل: أراد بهم النصارى، فهم فوق اليهود إلى يوم القيامة إلى الآن، لم يسمع غلبة اليهود عليهم“۔ (التفسير المظہری: ۵۷/۲، حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

(۲) (التفسير المظہری: ۵۷/۲)

(۳) (سورة آل عمران: ۱۰۳)

(۴) ”عن عبد الله بن عمرو رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ينزل عيسى بن مريم إلى الأرض فيتزوج، و يولد له، و يمكث خمساً و أربعين سنة، ثم يموت فيدفن معى فى قبرى، فأقوم أنا و عيسى بن مريم فى قبر واحد بين أبى بكر و عمر“۔ رواه ابن الجوزى فى ”كتاب الوفاء“۔ (مشکوٰۃ المصابيح، ص: ۲۸۰، کتاب الفتن، باب نزول عيسى، قدیمی کراچی)

(۵) (عقیدۃ الاسلام لشيخ أنور شاه الكاشميرى، ص: ۴۵، ۴۶، ادارة القرآن)

(۶) ”وعلى كل حال فغلبة النصارى لطائفه الكفار أو لكل طوائف الكفار لا ينافى كونهم مقهورين مغلوبين لطوائف المسلمين، كما يفيد الآيات الكثيرة بأن هذه الملة الإسلامية ظاهرة على كل الملل، قاهرة لها، مستعلية عليها..... ثم بعد البعثة المحمدية لا شك أن المسلمين هم المتبعون لعيسى لإقراره لنبوۃ محمد ﷺ و تبشيره بها كما فى القرآن الكريم و الإنجيل، بل فى الإنجيل: الأمر لاتباع عيسى باتباع محمد ﷺ“۔

حافظ ابن حجر (۱) ابن کثیر (۲) ابن تیمیہ (۳)، علامہ آلوسی (۴) وغیرہ کی کتابوں میں سیر حاصل بحث موجود ہے۔
حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کا بھی ایک مضمون مفصل رسالہ دارالعلوم میں اسی سال شائع ہوا ہے، فقط واللہ سبحانہ
تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۹ھ۔

= فالمتبعون لعيسى بعد البعثة المحمدية هم المسلمون في أمر الدين ، ومن بقى على
النصرانية بعد البعثة المحمدية، فهو وإن لم يكن متبعاً لعيسى في أمر الدين و معظمة، لكنه متبع له
في الصورة، وفي الاسم، وفي الجزئيات من أجزاء الشريعة العيسوية ، فقد صدق عليهم أنهم متبعون
له في الصورة وفي الاسم وفي شيء مما جاء به. وإن كانوا على ضلال و وبال و كفر، فذلك لا
يوجب خروجهم عن العموم المذكور في القرآن الكريم..... والأولون هم الأتباع حقيقة،
وغيرهم الأتباع في الصورة“. (تفسير فتح البيان : ۲/۶۸، سورة آل عمران : ۵۵، مطبعة العاصمة،
شارع الفلكي بالقاهرة)

(۱) دیکھئے: (التلخيص الحبير للحافظ ابن حجر رحمه الله تعالى، ص : ۳۱۹، دار نشر الكتب الإسلامية
لاهور)

(۲) دیکھئے: (تفسير ابن كثير : ۱/۳۸۷، ۳۹۳ دار الفحاء دمشق)

(و الطبقات الكبرى للشعراني : ۱/۲۶ دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) ”و أما قوله تعالى ﴿يا عيسى إني متوفيك﴾..... و جاعل الذين اتبعوك فوق الذين كفروا إلى
يوم القيامة﴾ فهو حق كما أخبر الله تعالى به ، فمن اتبع المسيح عليه، جعله الله فوق الذين كفروا إلى يوم
القيامة، و كان الذين اتبعوه على دينه الذي لم يبدل قد جعلهم الله فوق اليهود ، و أيضاً فالنصارى فوق
اليهود الذين كفروا به إلى يوم القيامة، و أما المسلمون فهم مؤمنون به ليسوا كافرين به، بل لما بدل
النصارى دينه و بعث الله محمداً ﷺ بدين الله الذي نزل به المسيح وغيره من الأنبياء جعل الله محمداً
(ﷺ) و أمته فوق النصارى إلى يوم القيامة اهـ“. (التفسير الكبير لابن تيمية، فصل : موقف الأمم من
الرسول : ۳/۱۸۸، ۱۹۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) (روح المعاني : ۱/۵۹۵ و ۳/۱۸۳ دار إحياء التراث العربي)

(و كنز العمال : ۱۲/۶۱۸ مكتبة التراث الإسلامي حلب)

(و تفسير الحازن لعلی بن محمد خازن : ۱/۲۳۳ دار المعرفة بيروت)

﴿إن الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾ کا مطلب

سوال [۱۰۸۹]: ﴿إن الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾ الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز منع کرتی ہے تب تو کوئی اشکال نہیں، اگر یہ ہے کہ روک دیتی ہے تو کیا اس سے مقبول نماز مراد ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پورے خشوع سے اس کے اوپر ثواب کا تصور کرتے ہوئے اور تاثیرات کا استحضار کر کے پڑھی جائے تو روک بھی دیتی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

﴿وما تشائون إلا أن يشاء الله﴾ کا مطلب

سوال [۱۰۹۰]: ﴿وما تشائون إلا أن يشاء الله﴾ کا کیا مطلب ہے (۲)؟ اور پھر یہ بھی ارشاد ہے: ﴿فمن شاء فليؤمن، ومن شاء فليكفر﴾ الخ (۳) پھر جزاء و سزا کیوں مرتب ہوتی ہے؟ جب کہ سب کچھ مشیت ایزدی ہی سے ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ تقدیر ہے، اس پر ایمان لانا فرض ہے، بحث و تفتیش کی اجازت نہیں (۱) کہہ دامن ترممکن

(۱) وقال ابن كثير أبى العلية : فى قوله تعالى : (إن الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر) ، قال : إن الصلاة فيها ثلاث خصال ، فكل صلاة لا يكون فيها شيء من هذه الخصال فليست بصلاة : الإخلاص والخشية و ذكر الله ، فالإخلاص يأمره بالمعروف ، والخشية تنهاه عن المنكر ، و ذكر الله القرآن يأمره و ينهاه . (تفسير ابن كثير : ۳/ ۵۵۰ ، ۵۵۱ ، المكتبة الفيحاء دمشق)

(و كذا فى روح المعانى : ۲۰/ ۱۶۳ ، دار إحياء التراث العربى)

”حدثنا وكيع أخبرنا الأعمش قال : أخبرنا أبو صالح عن أبى هريرة رضى الله تعالى عنه قال : ”جاء رجل إلى النبى صلى الله تعالى عليه وسلم : فقال : إن فلاناً يصلى بالليل ، فإذا أصبح سرق ، فقال : إنه سينهاه ما تقول“ . (مسند الإمام أحمد : ۳/ ۱۹۸ ، رقم الحديث : ۹۴۸۶ ، المكتب الإسلامى بيروت)

(۲) (الدهر : ۳۰) (۳) (الكهف : ۲۹)

(۴) ”قال فى شرح السنة : الإيمان بالقدر فرض لازم الخ“ . (مرقاة ، كتاب الإيمان ، باب الإيمان بالقدر :

ہشیار باش۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

﴿لئن شکرتم لأزیدنکم﴾ کا مطلب

سوال [۱۰۹۱]: قرآن پاک کی آیت ﴿لئن شکرتم لأزیدنکم﴾ ہے اور آدمی کو جب تکلیف ہوتی ہے تو وہ بھی ایک نعمت خداوندی ہے، اس پر اگر شکر کرے گا تو اس کے اندر زیادتی ہوگی حالانکہ انسان یہ نہیں چاہتا کہ میں ہر وقت تکلیف میں مبتلا رہوں، اس صورت میں اس آیت شریفہ کا کیا مطلب ہوگا؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل نعمت اجر و ثواب ہے تکلیف، رنج، مرض، مشقت پر صبر بھی اس کا ذریعہ ہے، راحت، صحت، شادمانی، عافیت پر شکر بھی اس کا ذریعہ ہے۔ ایک ذریعہ سے بچ کر دوسرا ذریعہ اختیار کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک مقصد تک پہنچنے کے دو راستے ہوں ایک آسان دوسرا دشوار، دشوار کو چھوڑ کر آسان اختیار کرنا مذموم نہیں (۱)،

= "عن أبی ہریرۃ - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - قال : خرج علينا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن ننازع فی القدر، فغضب حتی احمر وجهه حتی كأنما فقی فی وجنتیه حب الرمان، فقال : "أبهذا أمرتم، أم بهذا أرسلت إلیکم؟ إنما هلك من كان قبلکم حين تنازعوا فیہ". رواہ الترمذی، وروی ابن ماجہ نحوه عن عمر وبن شعيب عن أبيه عن جده". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر، الفصل الثانی، ص: ۲۲، قدیمی)

"وأصل القدر سر اللہ تعالیٰ فی خلقہ، لم یطلع علی ذلک ملک مقرب ولا نبی مرسل، والتعمق والنظر فی ذلک ذریعة الخزلان، وسلم الحرمان، ودرجة الظغیان، فالحذر کل الحذر من ذلک نظراً وفکراً ووسوسة الخ". (شرح العقیدۃ الطحاویہ، أصل القدر سر اللہ، ص: ۱۸۰ - ۱۹۲، مکتبہ الغرباء، الجامعۃ الستاریہ، کراتشی)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعها﴾ (البقرہ: ۲۸۶)

قال العلامة الآلوسی فی شرحہ: "(الوسع) ما تسعه قدرة الإنسان أو ما یسهل علیہ من المقدور، =

لہذا تکلیف کا علاج بھی مشروع بلکہ مسنون ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۵ھ۔

حضرت مسیح کی فضیلت ”کلمتہ“ اور ”روح منہ“ سے

سوال [۱۰۹۲]: قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ، وَرَسُولُ

اللَّهِ، وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ، وَرُوحٌ مِنْهُ﴾ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو ایک تو ”کلمہ“ کہا گیا ہے یہ تو اس معنی کر کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ”کن“ کہہ کر پیدا فرمایا ہے اور ”کن“ اللہ تعالیٰ کا کلمہ تخلیقی ہے، دوسری بات یہ کہ آپ کے بارے میں یہ ”روح منہ“ فرمایا گیا ہے۔ اس جملہ سے دو باتیں مفہوم ہوتی ہیں: ایک تو یہ کہ روح بدن کا ایک حصہ ہوا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے شایان شان بدن فرض کر کے اس سے روح کو اگر مانا جائے تو شاید یہ۔ نعوذ باللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی ابنیت کی طرف مشیر ہوگا اور یہ بولا بھی جاتا ہے اردو میں بیٹے کے لئے کہتے ہیں کہ یہ میری روح رواں ہے یا پھر حد درجہ قریب والے کے لئے کہتے ہیں جیسے بیوی کو کہتے ہیں میری روح، میری روح کی تسکین وغیرہ۔

= وهو مادون مدى طاقته: أي سنته تعالى أنه "لا يكلف نفساً" عن النفوس إلا ما تطيق وإلا ما هو دون ذلك كما في سائر ما كلفنا به من الصلاة و الصيام مثلاً، فإنه كلفنا خمس صلوات والطاقة تسع ستاو زيادة، و كلفنا صوم رمضان والطاقة تسع شعبان معه، و فعل ذلك فضلاً منه و رحمةً بالعباد أو كرامةً و منةً على هذه الأمة خاصة". (روح المعاني: ۶۹/۳، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(و کذا فی تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۵۷، دار الفیحاء دمشق)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ما أنزل الله داءً إلا أنزل له شفاءً" قال العلامة العيني تحتہ: "وفيه إباحة التداوي و جواز الطب". (عمدة القاری، کتاب الطب، باب ما أنزل الله داءً إلا أنزل له شفاءً: ۳۴۲/۲۱، رقم الحديث: ۵۶۷۸، دار الكتب العلمية بیروت)

"وعن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لكل داء دواء، فإذا أصيب دواء الداء برأ بإذن الله". قال القاری رحمه الله تعالى تحتہ: "فيه إشارة إلى استحباب الدواء، و هو مذهب السلف و عامة الخلف..... و حاصله أن رعاية الأسباب بالتداوي لا ينافي التوكل". (مرقاۃ

المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الأول: ۲۸۹/۸، رقم الحديث: ۴۵۱۵، رشیدیہ)

دوسری بات یہ ہے کہ روایت ہے: ”جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا فرمایا تو تمام ارواح کی آپ کو صلب میں ڈال دیا اور پھر آپ کی صلب سے تمام ارواح پیدا کی گئیں، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح اللہ تعالیٰ نے الگ رکھ لی تھی، جو کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلب سے نہیں نکالی گئی۔“ اس معنی کو لے کر یہ کہا جائے گا کہ آپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے پیدا شدہ ہیں، اللہ کی روح سے ہیں یا روح ہیں۔

بہر صورت اس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ سے خاص گہرا جزء کا سا لگاؤ اور ساتھ ہے، تمام مخلوق پر فضیلت حاصل ہے، غیر انسان پر تو انسان کو فضیلت ہے ہی، غیر انسان چاہے فرشتہ ہی کیوں نہ ہو اور پھر جب کہ انسان نبی اور جلیل القدر نبی ہو تو اس کی فضیلت میں کیا شک ہے، لیکن یہاں سے یہ آگ سلگتی ہوئی آقائے مدنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی پہونچتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی فضیلت ہے، کیونکہ آپ نے اپنی فضیلت ابن آدم پر بتائی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ابن آدم نہیں، اس لئے اس طرح تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے۔

اب رہ جاتی ہے یہ حدیث قدسی کہ آپ باعث تخلیق کون و مکان ہیں تو اس سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے کیونکہ ایسا ہوا کرتا ہے کہ جیسے ہم نے کوئی کارخانہ لگایا اور وہ اپنے دوست کی وجہ سے لگایا یعنی اسے اس کا منیجر یا نگران بنانے کے لئے تاکہ اس کی عزت اس طرح دوبالا ہو اور دوست کا خرچ پانی بھی نکلتا رہے، لیکن اس کی تمام آمدنی کس کے لئے، بیٹے کے لئے ہے، تو قرب زیادہ بیٹے کو ہوگا اور محبت بھی اس سے زیادہ ہوگی اور فضیلت بھی زیادہ بیٹے ہی کو ہوگی، تو اس معنی کو لے کر خاص لگاؤ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روح ہونے کے ناطے مانا جائے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا نگران، یا منیجر ہونے کے ناطے سے اوروں پر فضیلت کہی جاسکتی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفاعت کا بھی حق حاصل ہوگا، اس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فضیلت حاصل ہے تو اس کو یوں سمجھئے کہ جب دوست کا رخانہ کا منیجر ہے تو کسی کو ملازم رکھے یا اگر مالک کسی سے ناراض ہے تو اس کی سفارش بیٹا یا بیوی یا اور کوئی خاص رشتہ دار تو کرنے سے رہا، یہ کام منیجر ہی کرے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی چونکہ کارخانہ میں فضیلت کے اعتبار سے آقائے مدنی صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم بڑے ہوئے ہیں، اس لئے آپ گناہ گاروں کی سفارش کریں گے کارخانہ کے منیجر کی حیثیت سے، لیکن جو منشاء مبنی فضیلت، بڑائی، اشرفیت کا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہے۔ غرض کہ آیت مذکورہ سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افضلیت پر طرح طرح سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ برائے کرم جلد جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

اگر یہ تقریر عیسائی معترض کی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن کریم و حدیث شریف کو بھی مانتا ہے، پھر اس نے مجتہدانہ استنباط سے اشکال کیا ہے تو اس کو چاہئے کہ قرآن کریم کی جو تفصیل و تشریح حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور حضرت نبی اکرم کے افضل الرسل ہونے کی جو روایات حدیث میں موجود ہے (۱) ان سب کے ہوتے ہوئے ہرگز ہرگز استنباط و اجتہاد سے کام نہ لے، کیونکہ نص صریح کے مقابلہ میں اجتہاد کی گنجائش نہیں (۲)۔ یہ بات کوئی روایت میں ہے کہ صلب آدم میں ارواح ڈالتے و نکالتے وقت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح علیحدہ محافظ خانہ میں رکھ لی تھی۔

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم : أنا سيد ولد آدم يوم القيامة، وأول من ينشق عنه القبر، وأول شافع، وأول مشفع". (الصحيح لمسلم : ۲/۲۴۵، كتاب الفضائل، قديمی کراچی)

"قوله: "أنا سيد ولد آدم يوم القيامة" قال النووي رحمه الله تعالى: "قال الهروي: السيد: هو الذي يفوق قومه في الخير..... وأما قوله صلى الله تعالى عليه وسلم "يوم القيامة" مع أنه سيد هم في الدنيا والآخرة الخ". (تكملة فتح الملهم : ۴/۴۷۳، دار العلوم کراچی)

(و کذا فی شرح مسلم للنووی علی هامش مسلم : ۲/۲۴۵، کتاب الفضائل، قديمی کراچی)

(وفیض الباری : ۴/۱۹۸، خضر راہ بکڈپو دیوبند)

(۲) "أما ما لا يجوز الاجتهاد فيه: فهو الأحكام المعلومة من الدين بالضرورة والبداهة، أو التي تثبت بدليل قطعي الثبوت، قطعي الدلالة، مثل وجوب الصلوة الخمس والصيام والزكاة والحج..... فإنه لا مجال للاجتهاد فيها". (أصول الفقه الإسلامي، المبحث الثالث: مجال الاجتهاد:

معراج میں جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو وہاں بیت المقدس میں تمام انبیاء کو نماز کس نے پڑھائی (۱)، کیا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے پڑھائی اور حدیث میں ہے: ”آدم من دولہ تحت لوائی“ (۲)۔

نیز بغیر باپ کے پیدا ہونے پر اشکال کیا گیا تھا تو اس کا قرآن کریم میں جواب دیا گیا کہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا کیا گیا، مگر آدم علیہ الصلاۃ والسلام بغیر ماں باپ کے پیدا کئے گئے (۳)۔ نیز عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے جو بشارت دی: ﴿مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ أحمد﴾ (۴) اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت نبی اکرم کے مناقب و فضائل معلوم ہونے پر درخواست کی کہ یا اللہ مجھے ان کی امت میں بنادے مگر چونکہ وہ نبی تھے امتی کا درجہ نبی سے کم ہوتا ہے، اس لئے ان کو یہ اعزاز بخشا گیا کہ زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا اور زمانہ اخیر میں بطور مہمان آسمان سے نازل ہوں گے کہ ان کی

(۱) قال الحافظ ابن کثیر: ”عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ”لما کان لیلة أسری برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إلی بیت المقدس، أتاه جبریل بدابة فوق الحمار دون البغل، حملة جبریل علیہا ینتھی خفها حیث ینتھی طرفها، فلما بلغ بیت المقدس و بلغ المكان الذی یقال له: باب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، أتى إلی الحجر الذی ثمة..... ثم انصرفت فلم ألبث إلا یسیراً حتی اجتمع ناس کثیر، ثم أذن مؤذن وأقیمت الصلاة، قال: فقمنا صفوفاً ننتظر من یؤمنا، فأخذ یدی جبریل علیہ الصلاة والسلام، فقدمنی فصلیت بهم، فلما انصرفت، قال: جبریل: یا محمد! أتدری من صلی خلفک؟ قال: ”قلت: لا، قال: صلی خلفک کل نبی بعثه اللہ عزوجل“۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳/۱۰، ۱۱، سورة الإسراء، مکتبه دار الفیحاء دمشق)

(۲) (مسند الإمام أحمد: ۱/۴۶۳، ۴۶۴، رقم الحدیث: ۲۵۴۲، دار إحياء التراث العربی بیروت)
(۳) قال الشیخ محمد أنور شاه کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ ”وإن قالوا: خلق عیسیٰ علیہ الصلاة والسلام من غیر ذکر، فقد خلق آدم من تراب بتلك القدرة من غیر أنثی ولا ذکر، فكان کما کان عیسیٰ لحماً و دماً و شعراً و بشراً، فلیس خلق عیسیٰ من غیر ذکر بأعجب من هذا“۔ (عقیدۃ الإسلام: ۱۳۶، إدارة القرآن کراچی)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿إن مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقه من تراب، ثم قال له کن فیکون﴾ (آل عمران: ۵۹)
(۴) (سورة الصف: ۶)

خواہش بھی ایک معنی کو لے کر پوری ہو جائے گی کہ وہ امت میں آ کر شامل ہو جائیں گے اور ان کی نبوت بھی برقرار رہے گی، اس کو ان سے سلب نہیں کیا جائے گا اور جس حدیث میں ان کے نزول من السماء کی بشارت ہے، اس میں یہ بھی ہے ”إمامکم منکم“ کہ ان کے آنے کے باوجود امامت کی فضیلت اسی امت کو حاصل ہوگی (۱)۔

اس سب کے علاوہ غور طلب یہ بات ہے کہ جس عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے، عیسائی تو اس کے قائل ہی نہیں، ان کو جانتے ہی نہیں بلکہ وہ تو عیسیٰ کو ”الہ“ مانتے ہیں، ”ابن اللہ“ مانتے ہیں، ایسے عیسیٰ کا تذکرہ تو قرآن و حدیث میں کہیں نہیں بلکہ اس کی پوری پوری تردید موجود ہے جس عیسیٰ کو ”الہ“ اور ”ابن اللہ“ کہا جاتا ہے ان کا جب وجود ہی نہیں تو اس کی فضیلت کا کیا سوال، ان عیسائیوں کا تو ایمان ہی نہیں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر اور جس عیسیٰ پر ایمان ہے اس کا وجود نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

”قال ہی عصای“ کی عجیب تشریح و تفسیر

سوال [۱۰۹۳]: واعظ زید نے وعظ کرتے ہوئے حسب ذیل آیت: ﴿وَمَا تَلَكَ بِيْمِينِكَ يَا مُوسَى﴾ قال ہی عصای، اتوکأ علیہا، وأهش بها علی غنمی، ولی فیہا مارب أخرى۔ تا۔ سیرتہا الأولى ﴿طہ﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ایک جلیل القدر نبی کے ساتھ ناشائستہ لفظوں کو منسوب کر دیا

(۱) ”ذکر الملا علی القاری: فی المرقاة: ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”واللہ! لینزلن ابن مریم حکماً عادلاً، فلیکسرن الصلیب، ولیتقتلن الخنزیر، ولیضعن الجزیۃ، ولیترکن القلاص، فلا یسعی علیہا احد“۔ رواہ مسلم، وفی رواۃ لہما: قال: ”کیف أنتم إذا نزل ابن مریم فیکم وإمامکم منکم؟“

قال القاری فی شرحہ ”وإمامکم منکم“: ”أی من أهل دینکم، وقیل: من قریش و هو المہدی۔ والحاصل أن إمامکم واحد منکم دون عیسی، فإنه بمنزلۃ الخلیفۃ..... و یحتمل أن یکون معنی ”إمامکم منکم“ کیف حالکم وأنتم مکرمون عند اللہ تعالیٰ، والحال أن عیسی ینزل فیکم وإمامکم منکم و عیسی یقتدی بإمامکم تکرمةً لدينکم، و یشہد لہ الحدیث الآتی الخ“۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ

المصابیح: ۴۴۰/۹، کتاب الفتن، حقانیہ پشاور)

(وایضاً فی عقیدۃ الإسلام للشیخ انور شاہ کشمیری: ۸۲، ۸۳، ادارۃ القرآن کراچی)

کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ”موسیٰ تیرے واسطے ہاتھ میں کیا ہے؟“ موسیٰ نے کہا عہ سا۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ”داوا ہو، دادا گیری کرتے پھرتے ہو“۔ ایسا بہتان عظیم ذات باری تعالیٰ پر باندھنے اور اس طرح تفسیر بالرائے کرنے والے کے متعلق از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ اور اس واعظ کو اس کے رد عمل کے طور پر کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوابات اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بڑی غلطی و جرأت ہے (۱) بہتان ہے، آئندہ ہرگز ایسا نہ کیا جائے، بغیر علم کے وعظ ہرگز نہ کیا جائے، ہاں کوئی معتبر کسی عالم حقانی کی کتاب ہو جس کے مضامین بیان کرنے اور سنانے کی واعظ میں صلاحیت ہو اور مجمع میں سننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہو اس کتاب کے سنانے میں مضائقہ نہیں، مگر اس کی کوئی تشریح بغیر علم کے اپنی طرف سے نہ کی جائے، ورنہ غلطی کا اندیشہ ہے جس سے نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۹۲ھ۔

”ارض“ کی جمع قرآن کریم میں کیوں نہیں؟

سوال [۱۰۹۲]: قرآن مجید کے اندر جمع کا لفظ ”ارض“ یعنی زمین کے متعلق وارد نہیں ہوا بلکہ واحد آیا ہے اور آسمان کے لئے جمع کا لفظ آیا ہے جیسے آیۃ الکرسی میں ہے ”لہ ما فی السموات وما فی الارض“ کیا زمین کے طبقات نہیں ہیں جیسے سات طبق آسمان کے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زمین صرف ایک اور جز سات ہیں یا علیحدہ علیحدہ سات طبق ہیں مثل آسمان کے؟ شعراء و عوام عام طور سے چودہ طبق کہتے ہیں مثلاً:۔
کئے چودہ طبق پیدا خدانے دکھائے معجزے خیر الوری نے

اور احادیث میں ہے کہ سات دوزخیں زمین میں ہیں اور سات جنت آسمان میں۔

(۱) احادیث میں اس کی سخت وعید آئی ہے، چنانچہ مسند احمد میں ہے: ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من قال فی القرآن بغیر علم، فلیتبوأ مقعده من النار“۔ (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۸۵/۱، رقم الحدیث: ۲۰۷۰، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(و کذا فی مرقاة المفاتیح: ۳۸۹/۱ کتاب العلم، رشیدیہ)

(و جامع الترمذی: ۹۵/۲، کتاب العلم، سعید)

الجواب حامداً ومصلحاً :

سات زمین ہونا حدیث سے صراحتاً ثابت ہے (۱) اور قرآن کریم میں بھی سورہ طلاق کے آخر میں ہے: ﴿وَاللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَ مِنْ اَرْضٍ مِّثْلِهِنَّ﴾ (۲)، اس کی تفسیر جلالین شریف میں ہے: ”سبع ارضین“ سات اجزاء نہیں بلکہ سات طبق آسمانوں کی طرح ہیں (۳)۔

بعض روایات میں ہر زمین کے کچھ حالات بھی علیحدہ منقول ہیں، کذا فی الطرائس (۴)،

(۱) قال الإمام أحمد: ”حدثنا عبد الله، حدثني أبي، ثنا يحيى عن هشام وابن نمير، ثنا هشام، حدثني أبي عن سعياء بن زيد بن عمرو رضى الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: قال ابن نمير: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، طوّقه يوم القيامة إلى سبع ارضين“ (مسند الإمام أحمد: ۱/۸۸ دار إحياء التراث العربى، بيروت)

(۲) (سورة الطلاق: ۱۲)

(۳) (جلالین، ص: ۴۶۴)

”وعلى الهامش قوله: يعنى سبع ارضين اعلم أن العلماء أجمعوا على أن السموات سبع طباق بعضها فوق بعض، و أما الأرضون فالجمهور على أنها سبع كالسموات بعضها فوق بعض، وفى كل أرض سكان من خلق الله، و عليه فدعوة الإسلام بأهل الأرض العليا؛ لأنه الثابت والمنقول، ولم يثبت أنه صلى الله تعالى عليه وسلم ولا أحد ممن بعده نزل إلى الأرض الثانية ولا غيرها من باقى الأرضين و بلغهم الدعوة“، (هامش الجلالین، ص: ۴۶۴، قديمی)

(۴) یہ کتاب نہیں ملى البتہ روح المعانی وغیرہ میں ایسی روایات موجود ہیں:

”أى و خلق من الأرض مثلهن والمثلية تصدق بالإشتراك فى بعض الأوصاف، فقال الجمهور: هى ههنا فى كونها سبعاً و كونها طباقاً بعضها فوق بعض بين كل أرض و أرض مسافة كما بين السماوات والأرض، و فى كل أرض سكان من خلق الله عز وجل، لا يعلم حقيقتهم إلا الله تعالى. و عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما: أنهم إما ملائكة أو جن، و أخرجه ابن جرير و ابن أبى حاتم أنه قال فى الآية: سبع ارضين، فى كل أرض نبي كنبیکم، و آدم كآدم، و نوح كنوح، و إبراهيم كإبراهيم، و عيسى كعيسى و أخرج ابن أبى حاتم و صححه عن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما مرفوعاً: ”أن بين كل أرض و التى تليها خمس مائة عام، و العليا منها على ظهر حوت قد التقى طرفاه فى =

وبدائع الظهور (١) ومجموعة الفتاوى (٢) -

= السماء، والحوث على صخرة، والصخرة بيد ملك، والثانية سجن الريح، والثالثة: فيه حجارة، والرابعة فيها كبريتها، والخامسة فيها حياتها، والسادسة فيها عمارتها، والسابعة فيها صقر وفيها إبليس مصغر بالحديد، يذ أمامه ويذ خلقه، يطلقه الله تعالى لمن يشاء اهـ" (روح المعاني: ١٢٢/٢٨، ١٢٣، سورة الطلاق: ١٢، دار إحياء التراث)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ٣/٢٩٣، ٢٩٥، سورة الطلاق: ١٢، دار الفحاء)

(١) "قال وهب بن منبه: لما فتق الله الأرض وجعلها سبعاً كان اسم الطبقة الأولى أديماً، والثانية بسيطاً، والثالثة ثقيلاً، والرابعة بطيحاً، والخامسة حيناً، والسادسة مسكة، والسابعة الثرى، وفي بعض الروايات تختلف أسمائها. قال الشعبي: إن الأرض الثانية تخرج منها الريح، وسكانها أمم يقال لهم: الطمس، وطعامهم من لحومهم، وشرابهم من دمائهم، والطبقة الثالثة: سكانها أمم وجوهم كوجوه بنى آدم، وأفواههم كأفواه الكلاب، وأيديهم كأيدي بنى آدم، وأرجلهم كأرجل البقر، وآذانهم كأذان البقر، وعلى أبدانهم شعر كصفوف الغنم وهو منهم ثياب. ويقال: إن ليلنا نهارهم ونهارهم ليلنا، والطبقة الرابعة: سكانها أمم يقال لهم: الحلهم، وليس لهم أعين ولا أقدام، بل لهم أجنحة مثل أجنحة القطا، والطبقة الخامسة: بها أمم يقال لهم: الخشن وهم كأمثال البغال، ولهم أذنان كل ذنب نحو ثلثمائة ذراع، وفي هذه الأرض حيات كأمثال النحل الطوال، ولهم أنياب مثل الجمال، والطبقة السادسة: بها أمم يقال لهم الحثوم وهو سود الأبدان، ولهم مخالب كمخالب السباع، ويقال: إن الله تعالى يسلطهم على يأجوج ومأجوج حين يخرجون على الناس اهـ". (بدائع الزهور في وقائع الدهور، ذكر مبدأ خلق الأرض، ص: ٨٤، مكتبة الساميه ميزان ماركيت كوثه)

(٢) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه في قوله تعالى: ﴿وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ قال: سبع أرضين في كل أرض نبي كنبيكم، و آدم كآدمكم، ونوح كنوح، وإبراهيم كإبراهيم، وعيسى كعيسى". هذا حديث صحيح الإسناد.

وفي الدر المنثور: "أخرجه ابن أبي حاتم سبع أرضين وفي أجوبة الأسئلة

للزرقاني: السؤال الخامس والسادس والأربعون: هل الأرض سبع طبقات كالسماء، وهل فيهن خلق الله؟ الجواب: قال الله: (وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ) وقال في آية أخرى: (أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا) فأفاد أن طباقاً في الآية الأولى مراد وإن لم يذكر، فيكون المثلثة في الأرض كذلك وكذا الحديث الآخر: "ما السموات السبع وما فيهن وما بينهن في الكرسي إلا كحلقة ملقاة =

جمع کا لفظ ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لفظ فصیح نہیں اور قرآن کریم میں اعلیٰ درجہ کے فصیح الفاظ آئے ہیں، غیر فصیح نہیں آئے (۱)۔ نیز لفظ ارض اسم جنس ہے، قلیل کثیر سب کے لئے مستعمل ہوتا ہے (۲) اور بعض کا قول ہے کہ لفظ ارض خود جمع ہے جس کا واحد نہیں آتا ہے، کذا فی منتهی الأرب (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

= بأرض فلاة..... و فی تفسیر محمد بن علی الشوکانی المسمى "فتح القدير" (الله الذى خلق سبع سموات و من الأرض مثلهن): أى و خلق من الأرض مثلهن يعنى سبعاً، و قد اختلف فى كيفية طبقات الأرض، قال القرطبي فى تفسيره: اختلف فيهن على قولين: أحدهما وهو الجمهور على سبع أرضين طباقاً، بعضهم فوق بعض، بين كل أرض مسافة كما بين السماء والأرض، و فى كل أرض سكان خلق الله اهـ". (مجموعة رسائل اللكنوى، زجر الناس على إنكار أثر ابن عباس، الباب الأول فيمن تكلم على الأثر: ۱/ ۳۹۷، ۴۰۰)

(أحكام القرآن للقرطبي: ۱۸/ ۱۱۵، سورة الطلاق: ۱۲، دار الكتب العلمية بيروت)
(۱) "وقال الإمام فخر الدين: وجه الإعجاز الفصاحة و عزابة الأسلوب والسلامة من جميع العيوب..... و مثال ابن عطية: الصحيح والذي عليه الجمهور والحدائق فى وجه إعجازه أنه بنظمه و صحة معانيه و توالى فصاحة ألفاظه، و ذلك أن الله أحاط بكل شىء علماً..... و قال حازم فى منهاج البلغاء: وجه الإعجاز فى القرآن من حيث استمرت الفصاحة والبلاغة فيه من جميع أنحائها فى جميعه استمراراً لا يوجد له فترة اهـ". (الإتقان فى علوم القرآن، النوع الرابع والستون فى إعجاز القرآن: ۲/ ۲۳۲، دار ذوى القربى)

(و كذا فى مناهل العرفان فى علوم القرآن، الخامس: إعجاز القرآن و بلاغة النبى ﷺ: ۱/ ۲۸۹، ۲۹۰، دار إحياء التراث العربى)

(۲) "أرض" اسم جنس، قاله الجوهرى. (تاج العروس، مادة: "أرض": ۱۸/ ۲۲۳، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(ولسان العرب: ۷/ ۱۱۰، نشر أدب الحوزة)

(۳) "أرض" بالفتح زمين و مؤنث است، واسم جنس یا جمع بدون واحد. (منتهى الأرب: ۱/ ۲۲، مادة: "أرض" مطبع اسلامى لاهور)

﴿یوم ندعو کل أناس بإمامهم﴾ کی تفسیر

سوال [۱۰۹۵]: ﴿یوم ندعو کل أناس بإمامهم﴾ امام ”ام“ کی جمع بتلاکرا ایک عالم صاحب ترجمہ یوں فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی ماؤں کے نام سے پکارے جائیں۔ کیا ”ام“ کی جمع بھی کہنا درست ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً :

”ام“ کی جمع امہات آتی ہے جیسے کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿حرمت علیکم أمہاتکم﴾ (الایۃ (۱)) بعض لوگ اس کی جمع ”امات“ بغیر ہاء کے بھی بولتے ہیں۔ ”فأما الجمع، فأكثر العرب علی أمہات، و منهم من یقول: أمات“. لسان العرب (۲)۔ امام راغب اصفہانی نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ جانوروں کے حق میں ”امات“ اور انسانوں کے حق میں ”امہات“:

”والأم قیل: أصله أمیة لقولهم: أمہات وأمیہة، وقیل: أصله من المضاعف لقولهم: أمات وأمیة. قال بعضهم: أكثر ما یقال: أمات فی البہائم ونحوها، وأمہات فی الإنسان“۔ (المفردات فی غریب القرآن) (۳)۔

تفسیر و شروح حدیث، لغت و محاورات ادب میں ام کی جمع امام آئی ہو تو اس کا حوالہ دیا جائے: ﴿یوم ندعو کل أناس بإمامهم﴾ (۴) میں لفظ امام سے مراد نبی ہیں، یا وہ کتاب ہے جو ان پر نازل ہوئی، یا نامہ اعمال کی کتاب ہے، یا ہر جماعت کا مقتدی ہے۔

یہ سب اقوال محدث کبیر حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھے ہیں (۵)۔

(۱) (النساء: ۲۳)

(۲) (لسان العرب: ۳۰/۱۲، مادة ”امم“، نشر أدب الحوزة)

(۳) (مفردات القرآن: ۴۲، أهل حدیث اکیڈمی لاہور)

(۴) (سورة بنی اسرائیل: ۷۱)

(۵) (یوم ندعو کل أناس بإمامهم) الخ. یخبر تبارک و تعالیٰ عن یوم القیامة أنه یحاسب کل أمة بإمامهم، و قد اختلفوا فی ذلك: فقال مجاهد وقتادة: بینهم و هذا کقوله تعالیٰ: (و لكل أمة رسول فإذا جاء رسولهم قضا بینهم بالقسط). الایۃ، و قال بعض السلف: هذا أكبر شرف لأصحاب الحدیث؛ لأن إمامهم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم. و قال ابن زید: لکتابهم الذی أنزل علی نبیهم من التشریع =

امام سے والدہ مراد لینا اور ماں کی طرف منسوب کر کے بلایا جانا کس تفسیر میں ہے اور اس کا ماخذ کیا ہے؟ وہ دریافت کر کے آپ ہمیں بھی مطلع کریں، بلا دلیل ایسی بات کہنا قرآن کریم کا ترجمہ یا تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے جس پر سخت وعید ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۹۲ھ۔

اللہ کو وکیل کیسے بنایا جائے؟

سوال [۱۰۹۶]: ﴿رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا﴾ یہ بتائیے کہ اس

کو وکیل کیسے بنایا جائے؟ اس کی کچھ تشریح فرمائیں، غالباً صرف زبان سے تو کہنا کافی نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور دل سے پورا بھروسہ رکھے کہ میرا حقیقی کارساز وہی ہے جس طرح چاہے وہ کام بنادے (۲)، ظاہری اسباب مؤثر حقیقی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
حررہ العبد محمود گنگوہی۔

= واختاره ابن جرير عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما في قوله: (يوم ندعو كل أناس بإمامهم): أي بكتاب أعمالهم ويحتمل أن المراد بإمامهم: أي كل قوم بمن يأتون به الخ. (تفسير ابن كثير: ۳/۷۳، دار الفحاء دمشق)

وقال العلامة الألوسي: "وأخرج ابن مردويه عن علي كرم الله وجهه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في الآية: "يدعى كل قوم بإمام زمانهم، وكتاب ربهم، وسنة نبیهم". وأخرج ابن أبي شيبة وابن المنذر وغيرهما عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه أنه قال: إمام هدى وإمام ضلالة. (روح المعاني: ۱۵/۱۲۰، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من قال في القرآن بغير علم، فليتبوأ مقعده من النار". (مسند الإمام أحمد: ۱/۳۸۵، رقم الحديث: ۲۷۰، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(۲) قال العلامة الألوسي: "(فاتخذہ وکیلًا) لترتيب الأمور وموجبه على اختصاص الألوهية والربوبية =

کیا مغفرت فتح سے مربوط ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تشبیہ کس چیز میں ہے؟

سوال [۱۰۹۷]: سورہ فتحنا میں ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ﴾ کو ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ﴾ الآية (۱) کے ساتھ کیا ربط ہے؟ کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مغفرت اس فتح کی وجہ سے ہوئی؟ اور سورہ منزل میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہے: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا﴾ (۲) میں کس امر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اس ربط کو امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مفاتیح الغیب: ۳۸۲/۷ میں چار طرح بیان کیا ہے: ”إن الفتح لم يجعله سبباً لمغفرة و حدها، بل هو سبب لاجتماع الأمور المذكورة، وهي المغفرة و إتمام النعمة والهداية والنصرة كأنه تعالى قال: ليغفر لك الله و يتم نعمته و يهديك و ينصرك، و لا شك أن الاجتماع لم يثبت إلا بالفتح، فإن النعمة به تمت، والنصرة بعده قد عمت الخ“ (۳)۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور فرعون کی تکذیب پھر اس کے ہلاک کا قصہ اہل علم کے نزدیک مشہور و مسلم تھا، اسی بنا پر فرمایا کہ اسی طرح رسول برحق کو تمہاری طرف بھیجا جا رہا ہے، اگر تم تکذیب کرو گے تو عذاب کے منتظر رہو۔ مکذا فی حاشیۃ الجلالین (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= عزوجل، وکیل فعل بمعنی مفعول: ای موکول الیہ، والمراد من إتخاذہ سبحانہ وکیلاً أن يعتمد علیہ سبحانہ، ویفوض کل أمر إلیہ عزوجل۔“ (روح المعانی: ۱۰۶/۲۹، ۱۰۷، ۱۰۸، دار احیاء التراث العربی)
(و کذا فی تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ: ۵۲۳/۴، دار السلام ریاض)

(۱) (پارہ: ۲۶، آیت: ۲، ۱)

(۲) (پارہ: ۲۹، آیت: ۱۵)

(۳) (مفاتیح الغیب: الموسوم بالتفسیر الکبیر، (سورۃ الفتح: ۲): ۷۸/۲۸)

(۴) ”قولہ: (کما أرسلنا إلی فرعون) خص موسیٰ و فرعون بالذكر؛ لأن قصتهما مشہورة عند أهل مکة“
(حاشیۃ الجلالین، ص: ۷۸، مطبوعہ قدیمی)

(و کذا فی تفسیر ابن کثیر: ۵۲۳/۴، دار السلام، ریاض)

حیاتِ طیبہ کون سی زندگی ہے؟

سوال [۱۰۹۸]: دنیاوی زندگی سے پہلے کی حالت موت سے تعبیر کی گئی ہے جس کے بعد یہ زندگی ملی ہے، پھر موت آئے گی پھر اس کے بعد دوسری زندگی ملے گی جس کے لئے موت نہیں، یہ زندگی حشر کے دن ملے گی۔ اب رہی یہ بات کہ جو زندگی عالم برزخی میں مل رہی ہے، یہ تیسری زندگی کہلائے گی، یہ تیسری زندگی ہم لوگ تسلیم کریں گے تو کیا قرآن کے خلاف ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم کی ایک آیت: ﴿مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً﴾ الایۃ میں حیاتِ طیبہ کا مصداق حیاتِ برزخی بھی ہے، جیسا کہ تفسیر مفتح الغیب میں مذکور ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۱ھ۔

وقتِ شام سے کیا مراد ہے؟

سوال [۱۰۹۹]: قرآن شریف میں متعدد جگہ اللہ تعالیٰ نے صبح، شام اپنی تسبیح و تحمید کا حکم دیا ہے تو شام سے کونسا وقت مراد ہے؟ عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت یا غروب کے بعد کا وقت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عصر کے بعد غروب سے پہلے کا وقت مراد ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۹۳ھ۔

(۱) ”(والقول الثانی) وهو قول السدی: إن هذه الحياة الطيبة إنما تحصل في القبر“۔ (التفسير الكبير،

الجزء: ۲۰، ص: ۱۱۳، دارالكتب العلمية، طهرات)

(۲) ”المساء وهو إقبال الليل بظلامه، وعند الصباح وهو إسفار النهار عن ضيائه“۔ (ابن كثير: ۵۶۸/۳،

الجزء الحادي والعشرون، مكتبة دار السلام)

(وكذا في روح المعاني: ۱۵۲/۳، دار احياء التراث)

قرآن پاک میں نبیوں کے لئے جو الفاظ آئے ہیں ان کا مفہوم

سوال [۱۱۰۰]: کیا ان آیات مقدسہ میں اللہ عزوجل نے جو الفاظ فرمائے ہیں وہ واقعی عظمت رسالت کی سبکداری، عصمت نبوت کی در ماندگی، یا انبیاء علیہم السلام کی کفار و مشرکین کے ساتھ اہانت، پامالی اور بے وزنی ظاہر کرنے کے لئے فرمائے گئے ہیں، یا پھر ان ہی لفظوں کو بطور اظہار کے عظمت رسالت و نبوت فرما کر مرسلین کے صادق المصدق و مقام محمود میں ہونے کی شہادت کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے۔ ﴿ولو أشر كوا لحبط عنهم ما كانوا يعملون﴾ (۱)۔ ﴿ولو تقول علينا بعض الأقاويل، لأخذنا منه باليمين، ثم لقطعنا منه الوتين﴾ الخ (۲)۔ (اسی طرح دیگر آیات مقدسہ)

دعا کے الفاظ والی صفات کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تھیں؟ (نعوذ باللہ)

سوال [۱۱۰۱]: کیا ان دعاؤں میں ذات اقدس ﷺ نے جو الفاظ ادا فرمائے ہیں اور جن جن باتوں سے بچانے اور جس جس نیکی کی زیادتی کے لئے فرمایا ہے، کیا نعوذ باللہ ذات رسالت ﷺ میں حقیقیٰ ان باتوں کی کمی بیشی تھی؟ پھر جیسے ”انی ذلیل“ وغیرہ فرمایا ہے تو کیا حقیقی طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہی ذات مقدسہ کو کما حقہ ان الفاظ سے متصف تصور فرما کر بطور شہادت ان کا اظہار فرمایا ہے؟ یا ہم گنہگاروں کو دعا کرنے کے طور پر طریقے اور سلیقے سکھلائے؟ ”اللہم انی أعوذ بك من عذاب الكفر والفقر، ومن عذاب القبر“ (۳)۔ ”اللہم انی ضعيف فقوْنی، وانی ذلیل فأعزنی، وانی فقیر فأرزقنی“ (۴)۔ ”إلیك ربی فحینی، وفی نفسی لك فذللتنی، وفی أعین الناس فعظمتنی، ومن سئی الأخلاق فجنبنی“ (۵)۔

(۱) (الأنعام: ۸۸)

(۲) (الحاقة: ۴۴ - ۴۶)

(۳) (عمل اليوم واللیلة، باب ما یقول فی دبر صلاة الصبح، رقم: ۱۱۱، ص: ۱۰۰، مکتبہ الشیخ)

(۴) ”رواه الطبرانی فی الأوسط، وفیه أبو داؤد الأعمی وهو ضعيف جداً“۔ (مجمع الزوائد، باب

الاجتهاد فی الدعاء: ۱۰/۱۷۹، ۱۸۲، دار الفکر)

(۵) ”عن ابن لال فی مکارم الأخلاق، وسنده ضعيف“۔ (کنز العمال: ۲/۶۸۸، رقم: ۵۰۸۷، مکتبہ

التراث الاسلامی)

”اللهم اجعلني صبوراً، واجعلني شكوراً، واجعلني في عيني صغيراً وفي أعين الناس كبيراً“ (۱)۔ اسی قبیل کی دیگر دعائیں۔

ہم نے بامعنی قرآن مجید سے اس آیت مقدسہ کا مطلب و مفہوم یہی سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے اعتراض اور شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے لئے اور اپنے مرسلین کی عظمت و رفعت کی شہادت کے طور پر فرماتے ہیں کہ ہمارے یہ نبی من وعن تمہارے رب کی باتیں تمہیں سناتے ہیں، اس میں ذرہ برابر ہیر پھیر نہیں کرتے، نہ وہ غبی ہیں نہ خائن کہ کمی بیشی کرتے، اس لئے تم ان کی ہر بات کو وحی سمجھو، یقین رکھو کہ یہ تمہارے رب ہی کی طرف سے ہے وہ اس لئے کہ ہمارا خیال ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اس میں لفظ ”اگر“ شرط ہے اگر ایسا کرتے تو ہم ایسا کرتے، مگر نہ نبی نے ایسا کیا، نہ کر سکتے ہیں، اس لئے کہ ہمارے قریب ان کا وہ مقام ہے جس کو ہم ہی جانتے ہیں اور اس لفظ شرط ”اگر“ نے ہمارے نفس خیال کے تحت اس آیت کی بڑی وضاحت کے ہمراہ تشریح و تفصیل ظاہر کر دی ہے کیونکہ شرط کے ٹوٹنے پر مشروط کا مقام بھی بدل جاتا ہے، جیسے جرم ثابت ہو تو سزا واجب ہے ورنہ باعزت بری ہے یا پھر جیسے ﴿إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ میں ظلوم و جہول ہی تحسین و تعریف کے مظہر و ضامن بن کر رہ گئے ہیں یعنی بارِ امانت اٹھانے پر بطور سرزنش، تادیب و اظہار ناراضگی کے ظلوم و جہول نہیں فرمایا گیا بلکہ بڑائی اور حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ اس کی نادانی و نا سمجھی نے بھی اتنا بڑا کام کیا کہ جس بارِ امانت کو زمین و آسمان نہ اٹھا سکے اس نادان و کمزور نے اٹھا لیا۔

مزید دعائیں ان دعاؤں کے سلسلہ میں ہم آج بھی اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ شرک، کفر، فسق، فجور، گناہ، کبر، نخوت، غرور، خود رائی، بے صبری، ناشکری وغیرہم قسم کی مقہورانہ خصلتیں، معتوبانہ عادتیں ایسی ہیں جن کے ملعونانہ و مردودانہ جراثیم ہم ہی میں پیدا ہو سکتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ ان معذوبانہ و مغضوبانہ خباثت سے ہمیشہ منزہ و مبرہ رہی ہے اور ایسی کہ سہواً بھی اس کا سایہ اسوہ مرسلین پر نہ پڑ سکا، نہ پڑ سکتا تھا، اس لئے ہی ہمیں اس بات پر یقین ہے، نہ صرف یہ کہ نبی معصوم ہوتا ہے بلکہ معصوم صرف نبی ہی ہوتا ہے، پھر یہ کہ حالات

(۱) (مجمع الزوائد بلفظ: ”اللهم اجعلني شكوراً واجعلني صبوراً“۔ الحديث . رواه البزار، وفيه عقبه

بن عبد الله الأصم وهو ضعيف، وحسن البزار حديثه“۔ باب الاجتهاد في الدعاء: ۱۸۱/۱)

ہمارے ہی مویہ نظر آرہے ہیں یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ اس قدر اور بے اندازہ عطا فرمایا تھا کہ پوری دنیا بھی اس کا اندازہ نہیں لگا سکتی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی بعض امتیوں کو جنت کی بشارت دیدی گئی، فتوحات کے دروازے کھول دیئے گئے، تخت و تاج قدموں پر آکر گرے۔

پھر اس صورت حال کے پیش نظر عذابِ قبر، کفر، فقر، ذلت وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا ان دعاؤں کے الفاظ کا صحیح رخ پر براہِ راست رسالت و نبوت کے منصب و مقام کی طرف کس طرح ہو سکتا ہے، اس لئے بالیقین رب ارحم الراحمین نے ہمیں اپنے نبی کے ذریعہ دعائیں مانگنے کے طریقے سکھلائے تاکہ ہماری تمام تر ذلتوں اور روسیاهیوں کے بعد بھی ہم پر فضل و کرم، عطاء و بخشش، عفو و درگزر کے باب کھل سکیں، لیکن ہمارے بعض بزرگ ہمارے خیال کی قطعی نفی کر رہے ہیں اور اس امر پر مصر و بضد ہیں کہ ان آیات کا رخ براہِ راست مقامِ رسالت کی طرف اس انداز و احوال سے ہے جس سے اہانت سبکی کا اظہار واضح اور ظاہر ہے۔ بیوقوف تو جروا۔

الجواب حامداً ومصلحاً:

خدائے جل و علا نے جس مادے سے انسان کے اعضاء کو پیدا کیا اس کے قلب کو اس سے لطیف مادے سے پیدا کیا، اس وجہ سے قلب میں لطافت زیادہ ہوتی ہے اور جس مادے سے عامہ مومنین کے قلوب بنائے جاتے ہیں خواص و اولیاء کے اجسام اس مادے سے بنتے ہیں تو ان کے قلوب اور زیادہ لطیف مادے سے بنتے ہیں جن میں الہامات و معارف کے برداشت کی قابلیت ہوتی ہے۔ اور جس مادے سے خواص و اولیاء کے قلوب بنتے ہیں اس مادے سے انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ بنتے ہیں تو ان کے قلوب اور زیادہ لطیف ہوتے ہیں جن میں وحی الہی اور نزولِ ملائکہ کی برداشت ہوتی ہے اور جس مادے سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قلوب بنے اس مادے سے سید الانبیاء مرکز نبوت امام المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر تیار ہوا تو آپ کا جسد اطہر اور زیادہ لطیف مادے سے بنا جس میں معراج، اودنی، وقاب قوسین اور رویت کے برداشت کی طاقت تھی، وہاں حیاتِ طیبہ نور ہی نور ہے، شک و وہم معصیت کی ظلمت کی مجال نہیں کہ وہاں تک پہنچ سکے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دعا پڑھی: یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک (۱) وغیرہ

(۱) "أم سلمة تحدث: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يكثّر في عداثه أن يقول: "اللهم مقلب القلوب اثبت قلبي على دينك" قالت: قلت: يا رسول الله! أو أن القلوب لتتقلب؟ قال: "نعم، ما من =

تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ کو ہم پر کچھ ڈر ہے بدل جانے کا؟ جس کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود بھی ان دعاؤں کا محمل یہی قرار دیا کہ تعلیمات امت کے لئے ہیں۔ جہاں جہاں ”لئن اشرکت“ وغیرہ ہے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے دوسرے آدمیوں کو خطاب ہے، نیز نہ ماننے والوں کو تہدید ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ آیات قرآنیہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم از خود بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتے ہیں، یہ بات نہیں کیوں کہ جو شخص ایسا کرے گا ﴿لَا خِذْنَا مِنْهُ بِالْمِیْنِ﴾ نیز منطقی قاعدہ سے مقدم اور تالی کے درمیان تالی کا تحقق لازم نہیں صرف علامت بتانا مقصود ہوتا ہے کہ اگر فلاں چیز ہو تو اس پر فلاں چیز مرتب ہوگی جیسے: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ (۱) تاکہ اگر تعدد الہ ہوگا تو اس پر فساد مرتب ہوگا حالانکہ نفس الامر میں تعدد الہ محال ہے، نیز تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمال صالحہ پر مغرور نہ ہو بلکہ ہر شخص اپنے آپ کو اللہ جل جلالہ کے سامنے حقیر اور ذلیل سمجھے، حدیث قدسی میں ہے: ”الکبریاء ردائی“ (۲)۔ نیز دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ ”جس کے دل میں ذرا برابر تکبر ہوگا اس کو جہنم کی آگ میں جلا کر جب تک سارا تکبر ختم نہیں کر دیا جائے گا وہ جنت میں جانے کا اہل نہیں ہوگا“ (۳)۔ امید ہے کہ آپ کے اشکالات کی تشفی کے لئے یہ مضمون کافی ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۱۳۹۹ھ۔

= خلق الله من نبي آدم من بشر إلا أن قلبه بين أصبعين من أصابع الله“۔ الحديث۔ (مسند الإمام أحمد:

رقم الحديث: ۴۲۸۷، دار احیاء التراث العربی)

”وعن أنس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكثر أن يقول: ”يا مقلب القلوب! ثبت قلبي على دينك“، فقلت: يا نبي الله! فهل تخاف علينا؟ قال: ”نعم، إن القلوب بين إصبعين من أصابع الله يقلبها كيف شاء“۔ رواه الترمذی وابن ماجه“۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر، الفصل الثانی، ص: ۲۲، قدیمی)

(۱) (الأنبياء: ۲۲)

(۲) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب الغضب والكبر، الفصل الاول، ص: ۴۳۳، قدیمی)

(۳) ”ولا يدخل الجنة أحد في قلبه مثقال حبة من خردل من كبر“۔ رواه مسلم“۔ (مشکوٰۃ المصابیح،

المصدر السابق)

کیا ﴿تبت يدا أبي لهب﴾ کو سنا ہے؟

سوال [۱۱۰۲]: سورہ لہب کے اندر اللہ تعالیٰ نے ابو لہب کو کوسا ہے اور کوستا وہ ہے جس کو سزا دینے پر قدرت نہ ہو جیسے کہ ”تیرا بیڑا غرق ہو، تیرا ناس ہو“ وغیرہ۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ سزا دینے پر قادر ہے تو اس کو کوسنے کی کیوں ضرورت پیش آئی، سزا دیدیتا۔ جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب آیت ﴿وأنذر عشیرتک﴾ (۱) نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر سب کو بلایا، اہل خاندان جمع ہو گئے، اول اپنے صدق کا اقرار ان سے لیا پھر عذاب خداوندی سے ان کو ڈرایا، اس پر ابو لہب نے کہا تھا: ”تباً لك سائر اليوم، ألهذا جمعتنا“، اس کے اس مقولہ کا جواب اللہ پاک نے دیا ﴿تبت يدا أبي لهب﴾ یہ کونسا نہیں بلکہ اس کی سخت بات کا جواب ہے (۲) اور اس کو اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ سے کر دکھایا کہ اس کو اور اس کی بیوی کو کس طرح ہلاک کیا اور: ﴿نارا ذات لهب﴾ آخرت کے لئے ہے، اس کا وہاں عین الیقین اور حق الیقین حاصل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۴/۹۱ھ۔

(۱) (الشعراء: ۲۱۵)

(۲) قال الإمام أحمد: ”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: ”لما أنزل الله عز وجل: ﴿وأنذر عشیرتک الأقربین﴾ قال: أتى النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الصفا، فصعد علیہ، ثم نادى ”یا صباحا“! فاجتمع الناس إلیہ بین رجل یجىء إلیہ، و بین رجل یبعث رسولہ، فقال رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”یا بنی عبد المطلب! یا بنی فہر! یا بنی لویء! أرايتم لو أخبرتکم أن خیلاً بسفح هذا الجبل تريد أن تغیر علیکم، صدقتمونی؟“ قالوا: نعم. قال: ”فإني نذیر لکم بین یدی عذاب شدید.“ فقال أبو لهب: تباً لك سائر اليوم، أما دعوتنا إلا لهذا؟ فأنزل الله عز وجل: (تبت يدا أبي لهب و تبت).

(مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۰۷/۱، دار إحياء التراث العربی)

(و کذا فی تفسیر روح المعانی: ۲۶۰/۳۰، دار إحياء التراث العربی)

(و تفسیر ابن کثیر: ۷۳۱/۲، دار الفیحاء دمشق)

قرآن کریم میں تحریف کی علامات اور دلائل

سوال [۱۱۰۳]: عام طور سے مسلمان کا یہی عقیدہ ہے کہ قرآن میں کوئی تحریف واقع نہیں ہے، مگر ہم ذیل میں وہ اسباب درج کرتے ہیں جس سے شروع زمانہ میں قرآن میں تحریف واقع ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے:

۱..... بسم اللہ الرحمن الرحیم جو سورہ نمل کی تیسویں آیت کا جز اور وحی ہے، قرآن کی ترتیب دینے میں ہر سورہ (سوائے سورہ توبہ کے) شروع میں اضافہ تحریر کیا گیا ہے تاکہ قرآن مجید خدا کا نام لے کر شروع کیا جائے، ورنہ وہ نہ وحی ہے، نہ کسی سورت کی آیت ہے اور نہ قراءۃ نماز میں اس کا پڑھنا واجب ہے۔

۲..... ”یصط“ (۲۴۵-۲)، ”بصطۃ“ (۶۹-۷)، ”ہم المصیطرون“ (۳۷-۵۲)، ”المصیطر“ (۲۲-۸۸) ان الفاظ کا صحیح املا ”س“ سے ہونا چاہئے۔ اور قرأت نماز میں ”س“ ہی کا تلفظ صحیح ہے، مگر کاتبان وحی نے ان کو ”ص“ سے لکھا۔

۳..... قرآن کے وہ ۲۵ مقامات جن میں الف کا نہ پڑھنا ضروری ہے، اگلے صفحہ میں نقشہ میں ملاحظہ

فرمادیں:

بسم اللہ	ملانہ	لشای	ثمودا	بسم الاسم
۳-۱۹۲	۷-۱۰۳	۱۸-۲۳	۲۹-۳۸	۲۹-۱۱
أفائن مات	لا او ضعوا	لکنا هو اللہ	لیر بوافی	ثمودا
۳-۱۴۴	۹-۴۷	۱۸-۳۸	۳-۳۹	۵۳-۵۱
لا إلی اللہ	ان ثمودا	افائن مات	لا إلی الجحیم	لا أنتم
۳-۱۵۸	۱۱-۶۸	۲۱-۳۴	۳۷-۶۸	۵۹-۱۳
ان تبؤا	أمم لتتلوا	ثمودا	لیبلوا	سلسلا
۵-۲۹	۱۳-۳	۲۵-۳۸	۴۷-۴	۷۶-۴
من نبأ	لن ندعوا	لا اذبحنه	نبلوا	قواریرا
۶-۳۴	۱۸-۱۴	۲۲-۲۱	۴۷-۳۱	۷۶-۱۵

ان مقامات میں کاتبان وحی نے الف کو بے ضرورت زیادہ لکھ کر وحی میں تحریف واقع ہونے کا

موقع دیا۔

۴..... ”نسخی المؤمنین“ کو قرآن میں اس طرح لکھا ہوا ہے: ”نسخ المؤمنین“ (۸۸-۱۲) یہاں اخیر کی یاء حذف کر دی گئی ہے۔

۵..... زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ﴾ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اس کے لکھنے کا حکم دیا۔ پھر اس کے درمیان میں ﴿غَيْرِ أُولَى الضَّرَرِ﴾ کا اضافہ فرمایا۔

۶..... علامہ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتے تھے ”وَاللَّاتُ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةِ الْأُخْرَىٰ، هَؤُلَاءِ الْغَرَانِيقُ الْعَلَىٰ، وَإِنْ شَفَاعَتُهُنَّ لَتُرْتَحَىٰ“ (۱) بعد میں اس عبارت کے اندر تحریف واقع ہوئی، آخر کے حصہ کو مطلق نکال دیا گیا اور بقیہ عبارت کے الفاظ کو بدل کر موجودہ قرآن کی آیات (۱۹-۵۳) اور (۲۰-۵۳) کی شکل میں بدل دیا گیا۔

۷..... حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کو ”غیر المغضوب علیہم و غیر الضالین“ پڑھا ہے۔

۸..... ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُون﴾ (۱۰۴-۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”لیعبدون“ کو ”یعرفون“ پڑھا ہے، کیا قرآن میں تحریف واقع ہوئی ہے؟

۹..... جو حضرات قرآنی آیتوں کی منسوخیت کے قائل ہیں وہ منسوخیت پر ذیل کی آیات سے استدلال کرتے ہیں مگر یہ صریحاً غلط ہے، یہاں صرف اس طرف اشارہ ہے کہ اگلی کتابوں کے احکام منسوخ ہوئے نہ کہ قرآن کی آیات یا ان کے احکام، نسخ کے معنی زائل، یا رفع کرنے کے ہیں یعنی ایک آیت کی غلط فہمی کو دوسری آیت نسخ (زائل) یا رفع کر دیتی ہے، یا اگر ایک آیت کے معنی پوشیدہ ہوں اور وضاحت کے ساتھ نہ ہوں تو دوسری آیت اس معنی کو ظاہر اور واضح کر دیتی ہے، یا اگر ایک آیت کے معنی عام ہوں تو دوسری آیت اس معنی کو خاص کر دیتی ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک نسخ کے یہی معنی ہیں۔ صراحۃً فرمائیں کیا نسخ کے یہ معنی صحیح ہیں؟

۱۰..... لفظ اللہ لغت کے اعتبار سے نہ کسی دوسرے لفظ کا مخرج و مشتق ہے، نہ دو کلموں کا مرکب ہے، نہ اس کی تذکیر و تانیث ہے، نہ اس کی جمع ہے۔ جیسی ذات ہے ویسا ہی اس کا نام ہے۔ یہ اسم ذات ہے صحیح فرمائیے۔

۱۱..... قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انتقال کر چکے، ان کی وفات کے بارے میں جو آیات صاف صاف دلالت کرتی ہیں وہ یہ ہیں:

(۳-۵۵) (۵-۱۴) (۵-۱۱۷) اور (۱۹-۳۳) اور جو آیات ان کی وفات کے بارے میں کنایہ دلالت کرتی ہیں وہ یہ ہیں (۳-۱۹۹) اور (۵-۷۵) اور (۱۵-۲۱)۔ ہاں صلیب پر ان کی وفات کی نفی قرآن میں موجود ہے (۹-۱۵۹)، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان پر سرے سے طبعی موت واقع نہیں ہوئی، اوپر کی آیات کے تحت ان پر طبعی موت لاحق ہوتی ہے، اسی طرح حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام انتقال کر چکے۔

آیت: (۱۶-۵۷) میں حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صرف مرتبہ نبوت پر فائز کرنا مراد ہے نہ کہ زندہ مع جسم آسمان پر اٹھالینا یا اٹھالینے سے مراد ان کی معراج ہو جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھائے گئے معراج میں، ہاں قرآن اور احادیث صحیحہ میں موجود ہے کہ عام طور پر کل انبیاء کرام اور شہداء کرام طبعی موت کے بعد بھی اس عالم میں زندہ اور حیات ہیں مگر اس حیات کا علم صرف خدا کو ہے (۲-۱۵۹)۔

ہر ذی حیات اپنی طبعی موت کے بعد اس عالم میں توفانی ہو جاتا ہے مگر دوسرے عالم میں زندہ رہتا ہے، مگر انبیاء کرام اور شہداء کرام اس عالم اور اس عالم دونوں میں زندہ رہتے ہیں تو ان دونوں عالم میں انبیاء کی اس حیات کا منکر ہوں کہ ان کی پیدائش سے لے کر اب تک بدون طبعی موت کے زندہ ہیں، میں اس حیات کا قائل ہوں کہ وہ پیدا ہوئے زندہ رہے، طبعی موت واقع ہوئی، اس کے بعد بھی دنیا و آخرت دونوں میں زندہ ہیں جیسے کل انبیاء کرام، شہداء کرام زندہ ہیں، صحیح عقیدہ سے مطلع فرماویں۔

۱۲..... فرعون غرق ہوتا ہوا ایمان لاتا ہے اور با ایمان غرق ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی لاش کو دریا میں ختم ہونے کے بجائے دریا سے نکال دیتا (۹۱-۹۲) (۱۰-۹۰)۔ چونکہ وہ آخری وقت پر ایمان لا کر شہید ہوا ہے، اس لئے اس کی لاش جوں کے توں ایک نشانی کے لئے اب تک محفوظ ہے اور وہی ایک (mummy) (مسالہ لگا کر محفوظ رکھی ہوئی لاش) ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

۱۳..... ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ﴾ (۱۸-۹۰) اور (۱۸-۱۹)۔ کیا ان آیات کے تحت قرآن

کریم بھی رسول کا کلام ہے؟

۱۴..... ﴿وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ﴾ (۱۰-۱۰۸)۔ کیا بحکم قرآن رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

شافع روز جزا شافع المذنبین ہیں؟

۱۵..... "إن الموجودات هو الله" یہ حدیث کس نے روایت فرمائی ہے؟ مطلع فرمادیں۔

(یاد داشت) تمام سوالات میں جو ہند سے مندرج ہیں ان میں پہلا ہندسہ (دائیں سے) قرآن

پاک کی سورہ اور اس کے بعد کے ہندسے سے اس سورہ کی آیات مراد ہیں۔

الجواب. حامداً ومصلیاً:

۱..... سورہ نمل میں "بسم الله الرحمن الرحيم" پوری آیت نہیں بلکہ آیت کا جز ہے اور ہر سورہ کے

شروع میں "بسم الله الرحمن الرحيم" پوری آیت ہے اور بعض ائمہ نے اس کو ہر سورت کا جز قرار دیا ہے،

اس کی تفصیل "احکام القرآن للجصاص" (۱) اور "أحكام القنطرة في أحكام البسملة" (مولانا عبدالحی

لکھنوی) میں ہے (۲)، یہ تحریف نہیں ہے۔

۲..... ان الفاظ کا رسم الخط دونوں طرح ہے اور تلفظ بھی دونوں طرح ہے، ایک کو رائج اور دوسرے کو

مرجوح تو کہا جاسکتا ہے، مگر غلط نہیں کہا جاسکتا (۳)، یہ تحریف نہیں۔

(۱) قال أبو بكر: "لا خلاف بين المسلمين أن (بسم الله الرحمن الرحيم) من القرآن في قوله تعالى:

(إنه من سليمان وإنه بسم الله الرحمن الرحيم) ثم اختلف في أنها من فاتحة الكتاب أم لا،

فعدّها قراء الكوفيين آية منها، ولم يعدّها قراء البصريين قال الشافعي: هي آية منها ثم

اختلف في أنها آية من أوائل السور أو ليست بآية منها من مذهب أصحابنا أنها ليست بآية من

أوائل السور وزعم الشافعي أنها آية من كل سورة". (أحكام القرآن للجصاص،:

۱/۱۲، قديمی)

(۲) (وتفصيله في أحكام القنطرة في أحكام البسملة للعلامة للكنوي، الباب الأول: هل البسملة من

القرآن: ۱/۱۹، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "والأصل في المكتوب أن يكون موافقاً تمام الموافقة للمنطوق من غير زيادة ولا نقص ولا تبديل

ولا تغيير، لكن المصاحف العثمانية قد أهمل فيها هذا الأصل، فوجدت بها حروف كثيرة جاء رسمها

مخالفاً لأداء النطق، وذلك لأغراض شريفة وقد عني العلماء و حصر الكلمات التي

جاء خطها على غير مقياس لفظها وللمصاحف العثمانية قواعد في خطه و رسمه، حصرها علماء =

۳..... ”الخطان لا يقاسان: خط العروض وخط القران“۔ خط قرآن کو دوسرے عام خط پر قیاس کرنا درست نہیں، یہ تو قیفی ہے (۱) اور اس کو تحریف کہنا غلط ہے۔

= الفن فی ست قواعد: وھی الحذف، والزیادة، والهمز، والبدل، والفصل والوصل، وما فیہ قراءتان فقریء علی إحداهما..... قاعدة الحذف: خلاصتها أن الألف تحذف من ياء النداء نحو: يا أيها الناس..... و تحذف الواو: إذا وقعت مع واو أخرى في نحو (لا يستون)..... قاعدة الزيادة..... قاعدة ما فیہ قراءتان: خلاصتها أن الكلمة إذا قرئت علی وجهین، تكتب برسم أحدهما، كما رسمت الكلمات الآتية بلا ألف في المصحف وفي: (مالك يوم الدين) الخ..... الفائدة الأولى: الدلالة في القراءات المتنوعة في الكلمة والواحدة بقدر الإمكان، وذلك أن قاعدة الرسم لو حظ فيها أن الكلمة إذا كان فيها قراءتان أو أكثر كتبت بصورة تحتمل هاتين القراءتين أو الأكثر، فإن كان الحرف الواحد لا يحتمل ذلك بأن كانت صورة الحرف تختلف باختلاف القراءات جاء الرسم علی الحرف الذي هو خلاف الأصل، وذلك ليعلم جواز القراءة به وبالحرف الذي هو الأصل، وإذا لم يكن في الكلمة إلا قراءة واحدة بحرف الأصل رسمت به الخ“۔ (مناهل العرفان في علوم القرآن: ۱/ ۳۶۲، ۳۶۶، دار إحياء التراث العربي)

(وقال البيهقي في شعب الإيمان من يكتب مصحفاً فينبغي أن يحافظ على الهجاء الذي كتبه به هذا المصحف ولا يخالفهم فيه، ولا يغير مما كتبه شيئاً فإنهم كانوا أكثر علماً وأدق قلباً ولساناً وأعظم أمانةً منا فلا ينبغي أن تطن بأنفسنا استدلالاً عليهم، الإتقان في علوم القرآن، النوع السادس والسبعون في مرسوم الحظ: ۲/ ۳۲۸، ۳۳۸، منشورات ذوى القربى)

(وكذا في مناهل العرفان: ۱/ ۳۷۱، دار إحياء التراث العربي)

(۱) ”هل رسم المصحف توقيفى؟..... الرأى الأول، أنه توقيفى لا تجوز مخالفته، وذلك مذهب الجمهور، واستدلوا بأن النبی ﷺ كان له كتاب يكتبون الوحي، وقد كتبوا القرآن فعلاً بهذا الرسم، وأقرهم الرسول علی كتابتهم الخ“۔ (مناهل العرفان في علوم القرآن: ۱/ ۳۷۰، دار إحياء التراث العربي)

”إن الخط توقيفى لقوله تعالى: (علم بالقلم، علم الإنسان ما لم يعلم) (سورة العلق: ۳، ۵) (ن والقلم وما يسطرون) (سورة القلم: ۱)، وإن هذه الحروف داخله في الأسماء التي علم الله آدم الخ“۔ (الإتقان في علوم القرآن، النوع السادس والسبعون: ۲/ ۳۲۸، ذوى القربى)

وفي مناهل العرفان: ”إنه توقيفى، لا تجوز مخالفته، وذلك مذهب الجمهور“۔ (مبحث هل

رسم المصحف توقيفى؟: ۱/ ۲۷۰، دار إحياء التراث العربي)

۴..... مثل: ۳ نمبر ہے۔

۵..... حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ”غیر أولى الضرر“ بذریعہ وحی فرمایا ہے، اپنی طرف سے بلا وحی کے نہیں فرمایا ہے (۱) پس اس کو تحریف کہنا غلطی ہے۔

۶..... علامہ آلوسی (۲)، علامہ بغوی، امام رازی (۳)، حافظ ابن کثیر (۴)، حافظ عینی (۵) رحمہم اللہ

(۱) ”الضرر“ المرض والعلل التي لا سبيل معها إلى الجهاد، وقد نزلت الآية وليس فيها (غير أولى الضرر) ثم نزل بعد، قال زيد بن ثابت: كنت أكتب بين يدي النبي ﷺ في كتف: (لا يستوي القاعدون من المؤمنين والمجاهدون) وابن أم مكتوم عند النبي ﷺ فقال: يا رسول الله! قد أنزل الله تعالى في فضل الجهاد ما أنزل وأنا رجل ضريب، فهل لي من رخصة؟ فقال النبي ﷺ: ”لا أدري“ قال زيد: وقلمي رطب ما جف حتى غشى النبي ﷺ الوحي، ووقع فخذه على فخذي حتى كادت تدق من ثقل الوحي، ثم جلى عنه، فقال لي: ”أكتب يا زيد: (غير أولى الضرر)“، (تفسير روح المعاني، سورة النساء: ۵/ ۱۲۱، دار الفكر)

(وكذا تفسير ابن كثير: ۱/ ۷۸، دار السلام رياض)

قال الإمام ابن كثير: ”عن البراء، قال لما نزلنا: (لا يستوي القاعدون من المؤمنين) دعار رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، زيدا فكتبها، فجاء ابن أم مكتوم فشكا ضرارته، فأنزل الله: (غير أولى الضرر)“، (تفسير ابن كثير: ۱/ ۷۸، دار السلام، رياض)

(۲) ”وقد أنكر كثير من المحققين هذه القصة..... و قال القاضي عياض في الشفاء: يكفيك في توهين هذا الحديث أنه لم يخرج أحد من أهل الصحة..... هذا من وضع الزنادقة“، (روح المعاني: ۱۷/ ۲۶۲، ۲۶۳، دار الفكر)

(۳) ”أما أهل التحقيق فقد قالوا: هذه الرواية باطلة موضوعة، واحتجوا عليه بالقرآن والسنة والمعقول الخ“، (التفسير الكبير للرازي: ۱۳/ ۵۰، دار الكتب العلمية)

(۴) ”قد ذكر كثير من المفسرين ههنا قصة الغرائق..... ولكنها من طرق كلها مرسلة، ولم أرها مسندة من وجه صحيح..... وقد ساقها البغوي في تفسيره..... ثم سأل ههنا سؤالا كيف وقع مثل هذا مع العصمة المضمونة من الله تعالى الخ“، (تفسير ابن كثير: ۳/ ۱۹۹، دار العلم)

(۵) ”و قال ابن العربي: ذكر الطبري في ذلك روايات كثيرة باطلة لا أصل لها، و قال عياض: هذا =

تعالیٰ نے اس کی تردید کی ہے۔

۸، ۷..... یہ تفسیر ہے، تحریف نہیں (۱)۔

۹..... نسخ کے معنی مذکور بیان کرنے سے اگر یہ مقصد ہے کہ کسی آیت کے الفاظ منسوخ نہیں ہوئے تو یہ

غلط ہے، کتب حدیث اور تفسیر میں منسوخ شدہ الفاظ بھی سند کے ساتھ منقول ہیں (۲)۔

= الحديث لم يخرج أحد من أهل الصحة، ولا رواه ثقة بسند سليم متصل مع ضعف نقلته واضطراب رواياته وانقطاع إسناده..... قلت: الذي ذكره هو اللائق بجلالة قدر النبي ﷺ، فإنه قد قامت الحجة واجتمعت الأمة على عصمته ﷺ ونزاهته عن مثل هذه الرذيلة الخ. (عمدة القاري للعيني، كتاب تفسير القرآن، سورة الحج: ۹۵/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح الباري لابن حجر، كتاب التفسير: ۵۶۱/۸، ۵۶۲، قديمي)

(۱) قال الحافظ ابن كثير: "عن الأسود عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أنه كان يقرأ: (غير المغضوب عليهم وغير الضالين)..... وكذلك حكى عن أبي بن كعب أنه قرأ كذلك، وهو محمول على أنه صدر منهما على وجه التفسير". (تفسير ابن كثير: ۵۳/۱، ۵۴، دار السلام)

﴿وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾..... وقال مجاهد: "إن معنى (ليعبدون) ليعرفون، وهو مجاز مرسل هي المعرفة الحاصلة بعبادته تعالى لا ما يحصل بغيرها كمعرفة الفلاسفة". (روح المعاني: ۲۰/۲، ۲۱، دار احياء التراث العربی)

(۲) "والنسخ في أحكام الشرع جائز صحيح عند المسلمين أجمع". (أصول فخر الإسلام على هامش كشف الأسرار: ۱۵۷/۳، صدف پبلشرز)

"وفي هذا النوع مسائل: الأولى: يرد النسخ بمعنى الإزالة، ومنه قوله: ﴿فينسخ الله ما يلقي الشيطان ثم يحكم الله آياته﴾..... وبمعنى التبديل، ومنه: ﴿وإذا بدلنا آية مكان آية﴾ وبمعنى التحويل..... وبمعنى النقل من موضع إلى موضع..... وقد أجمع المسلمون على جوازه..... السابعة: النسخ في القرآن على ثلاثة أضرب: أحدها: ما نسخ تلاوة وحكمه معاً..... الضرب الثاني: ما نسخ حكمه دون تلاوته..... الضرب الثالث: ما نسخ تلاوته دون حكمه اهـ". (الإتقان في علوم القرآن، النوع السابع والأربعون في ناسخه ومنسوخه: ۴۰/۲-۴۷، ذوی القربی)

(وكذا في فوز الكبير، ص: ۴۰-۴۶، قديمي)

۱۰..... قول رائج یہی ہے، دوسرے اقوال بھی ہیں جو کہ تفسیر بیضاوی میں مذکور ہیں (۱)۔

۱۱..... صحیح عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے، وہ پھر اس دنیا میں تشریف لاویں گے اور کافی مدت قیام کریں گے، اس کے بعد ان پر موت طاری ہوگی ”عقیدۃ الاسلام فی حیاة عیسیٰ علیہ السلام“ (۲) میں اس پر نہایت قوی دلائل قائم کئے گئے ہیں۔

۱۲..... موت کو دیکھ کر ایمان لانا معتبر نہیں، قرآن پاک اور حدیث شریف اور فقہ سے ایسا ہی ثابت ہے، فرعون کا ایمان بھی معتبر نہیں ہے۔ اس کی لاش کو باہر نکال کر پھینک دینا اس واسطے تھا کہ دنیا دیکھے کہ یہی ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا، اس کا جسم کیسا بے بس اور بے حس و حرکت پڑا ہوا ہے، اور آج بھی وہ عبرت کا ذریعہ ہے، تاکہ کوئی ذی عقل اس قسم کا دعویٰ نہ کرے (۲)۔

(۱) (تفسیر البيضاوی، ص: ۴، ۵، میر محمد کتب خانہ)

”(الله) عَلَّمَ عَلَى الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، يُقَالُ: إِنَّهُ الْإِسْمُ الْأَعْظَمُ؛ لِأَنَّهُ يُوصَفُ بِجَمِيعِ الصِّفَاتِ..... وَقَدْ اخْتَارَ الرَّازِيُّ أَنَّهُ إِسْمٌ غَيْرُ مُشْتَقٍّ أَلْتَّةَ، قَالَ: وَهُوَ قَوْلُ الْخَلِيلِ وَ سَيُويَه وَأَكْثَرُ الْأَصُولِيِّينَ وَالْفُقَهَاءِ“ (تفسیر ابن کثیر: ۱، ۱۹، ۲۰، سہیل اکیڈمی، لاہور)

(۲) (عقیدۃ الإسلام للشيخ أنور الكشميري، ص: ۴۵، ۴۶، من مجموعة رسائل الكشميري، المجلد الأول، إدارة القرآن)

(و كذا في التفسير المظهری: ۵۷/۲، حافظ کتب خانہ)

(والتلخيص الجبر للحافظ ابن حجر، ص: ۳۱۹، دار نشر الكتب الاسلاميه، لاہور)

”(إني متوفيك ورافك إلی) فقال قتادة وغيره: هذا من المقدم والمؤخر، تقدير: ”إني رافعك إلی ومتوفيك بعد ذلك“..... وقال الأكثرون المراد بالوفاة ههنا النوم“ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۶۶، سہیل اکیڈمی)

(۳) ”وتراکمت الأمواج فوق فرعون، وغشيته سكرات الموت، فقال وهو كذا لك: ﴿آمنت أنه لا إله إلا الذي آمنت به بنو إسرائيل، وأنا من المسلمين﴾ فآمن حيث لا ينفعه الإيمان..... ﴿لتكون لمن خلفك آية﴾: أي لتكون لبني إسرائيل دليلاً على موتك وهلاكك، وأن الله هو القادر الذي ناصية كل دابة بيده، وأنه لا يقوم بغضبه شيء“ (تفسیر ابن کثیر: ۲/۵۶۶، ۵۶۷، دار السلام ریاض)

۱۳.....قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کی کتاب ہے، اس نے نازل فرمائی ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو لوگوں کو سنایا، سمجھایا اور اس پر عمل کیا۔ قرآن پاک میں اس کی جگہ جگہ تصریح ہے، اپنی طرف سے بنا کر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا (۱)۔ ایسا کرتے تو سخت گرفت میں آجاتے، یہ بھی صراحت مذکور ہے (۲)۔

۱۴.....روزِ جزاء میں شفاعت قرآن پاک (۳) اور حدیثوں سے ثابت ہے (۴)۔

۱۵.....آپ نے اس کا حدیث ہونا کہاں سے معلوم کیا ہے؟ یہ حدیث نہیں ہے۔

تنبیہ: قرآن پاک کا بغیر استاذ عالم، ماہر کے از خود مطالعہ کرنے اور ترجمہ دیکھنے سے نیز بغیر دین

(۱) ”(وما ينطق عن الهوى): أى ما يقول قولاً عن هوى وغرض (إن هو إلا وحي يوحى ۱): أى إنما يقول ما أمر به يبلغه إلى الناس كاملاً موفوراً من غير زيادة ولا نقصان“ (تفسير ابن كثير: ۴/۵، دار السلام رياض)
(كذافي مسند أحمد: ۲/۶۲، ۱، دار إحياء التراث العربى.)

وقوله تعالى: ”انه لقول رسول كريم“ يعنى أن هذا القرآن لتبليغ رسول كريم: أى ملك شريف حسن الخلق بهى النظر، وهو جبريل عليه الصلاة والسلام، كذافي مسند الإمام أحمد“ (تفسير ابن كثير: ۴/۶۱، دار السلام رياض)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلَ﴾: أى محمد صلى الله عليه وسلم لو كان كما يزعمون مفترياً علينا، فزاد فى الرسالة أو نقص فيها، أو قال شيئاً من عنده فنسبه إلينا وليس كذلك لعاجلناه بالعقوبة، لهذا قال الله تعالى: ﴿لَا خِزْيَ لَنَا بِالْيَمِينِ﴾ قيل: معناه لا نتقمن منه باليمين؛ لأنها أشد فى البطش“ (تفسير ابن كثير: ۴/۵۳، دار السلام)

(۳) قال الله تعالى: ﴿يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾ (سورة طه: ۱۰۷)

وقال الله تعالى: ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ﴾ (المدثر: ۴۸)

(۴) ”عن أنس أن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”شفاعتى لأهل الكبائر من أمتى“: أى: شفاعتى التى تنجى الهالكين مختصة بأهل الكبائر،..... وقد جاء الآثار الذى بلغت مجموعها التواتر لصحة الشفاعة فى الآخرة، وأجمع السلف الصالحون ومن بعدهم من أهل السنة والجماعة“ (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۹/۵۶۴، رشيديه)

اسلام میں مہارت حاصل کئے اہل باطل کی کتابیں مطالعہ کرنے سے اس قسم کے شبہات پیدا ہوتے ہیں، اس لئے اس سے پوری احتیاط کی ضرورت ہے کہ اس کے نتائج نہایت خطرناک ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین! فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۴/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غنی عنہ۔

تفسیر قرآن ذاتی مطالعہ سے

سوال [۱۱۰۴]: کیا تعلیم یافتہ مسلمان مرد جس کو اردو انگریزی، ہندی تھوڑا بہت عربی سے تعلق ہو وہ آدمی تفسیر قرآن کو بیان کر سکتا ہے یا نہیں؟ جیسے بیان القرآن یا ابن کثیر، مظہری وغیرہ کا، یعنی دیکھ کر اپنے اہل وعیال کو یا مسجد میں چند آدمیوں کو پڑھ کر سنا سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح درس قرآن وغیرہ اس کے پڑھنے کے لئے کیا عالم ہونا شرط ہے، یا تعلیم یافتہ مرد بھی کر سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن پاک کا ترجمہ یا تفسیر وہ شخص بیان کرے جس نے ترجمہ یا تفسیر استاذ سے حاصل کیا ہو، محض اپنے ذاتی مطالعہ سے قرآن کریم کی تفسیر کو حاصل کرنا اور پھر بیان کرنا مناسب نہیں (۱)۔ قرآن کریم کو دیگر کتب کی طرح نہ سمجھیں اس کی شان بہت بلند ہے، اس کے لئے بہت علوم کی ضرورت ہے (۲)۔ جو حضرات ذاتی مطالعہ سے اس کو سمجھتے ہیں اور سمجھاتے ہیں وہ بہت غلطیوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور دوسروں کو مبتلا کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۱۴۰۶ھ۔

(۱) قال العلامة السيوطي رحمه الله تعالى: "اختلف الناس في تفسير القرآن هل يجوز لكل أحد الخوض فيه؟ فقال قوم: لا يجوز لأحد أن يتعاطى تفسير شيء من القرآن وإن كان عالماً أديباً متسعاً في معرفة الأدلة والفقه والنحو والأخبار والآثار، وليس له إلا أن ينتهي إلى ما روى عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في ذلك". (الإتقان في علوم القرآن: ۲/۳۵۹، ذوی القربی)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "شرائط التفسير")

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (روح المعانی: ۱۳/۱، فتح الباری: ۸/۱۵۵)

شرح جامی پڑھنے والے کا تفسیر بیان کرنا

سوال [۱۱۰۵]: کوئی طالب علم شرح جامی و کنز الدقائق وغیرہ پڑھتا ہے، کیا ان کے لئے یہ جائز ہے کہ قرآن مجید تلاوت کرتے وقت قرآن کا ترجمہ کرنا خود سمجھتا ہے اور دوسروں کو سمجھاتا ہے، اگر یہ امر جائز ہو تو اس تقدیر پر حرام ہے یا مکروہ؟

مولوی ولی اللہ احمدار کافی فرماتے ہیں یہ امر جائز ہے اور وہ فرماتے ہیں اگر قرآن مجید کے معنی سمجھتا ہو تو میرے خیال میں عدم جواز نہ ہوگا، کیونکہ تفسیر پڑھنے کی غرض قرآن کے معنی سمجھنا ہے، جب اس شخص کو تفصیل خود سمجھنے کی توفیق ہے، فلا حاجة إلى التفسير۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کون سی تفسیر پڑھے ہوئے تھے، وہ حضرات کیا قرآن کا ترجمہ کر کے تبلیغ دین نہیں فرماتے تھے۔

عبدالحفیظ اس امر کو ناجائز سمجھتا ہے اور کہتا ہے ہزار بلغ فصیح کیوں نہ ہو جب تک تفسیر نہیں پڑھی ہو، یہ امر کبھی جائز نہیں ہو سکتا، یہ طالب علم معنی سمجھتا ہے تسلیم کرتا ہوں، لیکن ظن غالب ہے کہ غلط سمجھا ہو، اس لئے قرآن شریف میں اکثر جگہ مجاز پر حمل کر لیا ہے، مجاز مراد ہے، ظاہری معنی مراد نہیں۔

بتائے اس طالب علم کو کیا خبر، کہاں معنی مجازی پر محمول ہے، کہاں معنی حقیقی پر، اور قرآن شریف ایسی شے ہے بلاغت، فصاحت سے پُر ہے، طاقت بشریہ سے خارج ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

لغوی معنی، صرفی صیغہ، نحوی ترکیب اپنی معلومات کے مطابق بیان کرنا جائز ہے، لیکن مراد خداوندی کو بیان کرنا حرام ہے، کیونکہ اس کا مدار بہت سے علوم پر ہے۔ شرح جامی اور کنز پڑھنے والے عامۃ ان علوم سے واقف نہیں ہوتے۔ تفسیر القان: ۸۰/۲ پر ان علوم کو شمار کیا ہے (۱)۔ اپنی رائے سے قرآن شریف کی تفسیر کرنے

(۱) (ومنہم من قال: یجوز تفسیرہ لمن کان جامعاً للعلوم التي یحتاج المفسر إلیہا، وہی خمسة عشر علماً: أحدهما: اللغة..... الثانی: النحو..... الثالث: التصريف..... الرابع: الاشتقاق..... الخامس والسادس والسابع: المعانی والبیان والبدیع..... الثامن: علم القراءات..... التاسع: أصول الدين..... العاشر أصول الفقه..... الحادی عشر: أسباب النزول والقصص..... الثانی عشر: الناسخ والمنسوخ..... الثالث عشر..... الفقه..... الرابع عشر: الأحادیث المبنیة لتفسير =

والے کے متعلق صحاح میں بہت سخت وعید آئی ہے (۱)۔ اس لئے اس سے اجتناب واجب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قلوب و اذہان کی مثالیں آج موجود نہیں وہ حضرات اہل لسان ہونے کی وجہ سے مستغنی تھے، نیز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحبت سے ان پر علوم کثیرہ فائز ہوتے تھے، بایں ہمہ وہ حضرات مراد خداوندی کو اپنی رائے سے نہیں بیان فرماتے تھے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کر کے اور سن کر بیان فرماتے تھے۔ ان کو آیات کا شان نزول، قصہ کا محمل، مطلب سب کچھ معلوم تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر مطلب بیان فرمایا ہے (۲)۔ نیز احادیث سے ثابت ہے وہی مراد خداوندی ہے، آج کل شرح جامی، کنز پڑھنے والوں کو قرآن شریف پڑھنا بھی صحیح نہیں آتا، اگر اعراب موجود نہ ہو تو خدا جانے نفس عبارت میں کس قدر غلطیاں کریں، پھر اپنے آپ کو

= المجمل والمبہم الخامس عشر: علم الموهبة الخ. (الإتقان فی علوم القرآن:

۳۵۹/۲-۳۶۱، مطبع ذوی القربی)

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من قال فی

القرآن بغير علم، فليتبوأ مقعده من النار". أخرجه الترمذی فی سننه، وقال: هذا حدیث حسن صحیح".

(جامع الترمذی: ۲/۲۳۱، أبواب تفسیر القرآن، باب ما جاء فی الذی یفسر القرآن برأیه، سعید)

(ومشکوۃ المصابیح: ۱/۳۵، کتاب العلم، الفصل الثانی، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد: ۲/۱۵۸، کتاب العلم، باب الکلام فی کتاب اللہ باعلم، امدادیہ)

(۲) فی الإتقان فی علوم القرآن: "وقال ابن تیمیۃ فی کتاب ألفہ فی هذا النوع: "يجب أن یعلم أن

النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بین لأصحابہ معانی القرآن، كما بین لهم ألفاظه، فقله تعالیٰ: ﴿لَتبیین

للناس ما نزل إليهم﴾ (النحل: ۴۴) يتناول هذا وهذا، وقد قال أبو عبد الرحمن السلمي: حدثنا الذين

كانوا يقرؤون القرآن كعثمان بن عفان وعبد الله بن مسعود وغيرهما رضي الله تعالى عنهم أنهم كانوا إذا

تعلموا من النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عشر آيات، لم يتجاوزها حتى يعلموا ما فيها من العلم

والعمل، قالوا: فتعلمنا القرآن والعلم والعمل جميعاً، ولهذا كانوا يبقون مدةً في حفظ السورة. وقال

أنس رضي الله تعالى عنه: كان الرجل إذا قرأ البقرة وآل عمران جده في أعيننا". رواه أحمد في

مسنده". (۲/۳۵۲، فی معرفة شروط المفسر و آدابه، ذوی القربی)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر قیاس کرنا انتہائی جسارت ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اس لئے محض عبارت کلام اللہ شریف پڑھ کر تفسیر کرنا ہرگز جائز نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۸/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۱/شعبان/۵۸ھ۔

ہجر جمیل کیا ہے؟

سوال [۱۱۰۶]: ﴿واھجرھم ہجراً جمیلاً﴾ کا کیا مطلب ہے، کیا رہبانیت ہے؟ اگر یہ

اختیار کرتے ہیں تو پھر تبلیغ دین و فرائض رسالت کیسے ادا ہو سکتے ہیں؟ کیا اس آیت کے دوسرے لوگ بھی مصداق ہو سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے حقوق کے مطالبہ نہ کرنے، درگزر کرنے، انتقام نہ لینے سے اس پر بخوبی عمل ہو جائے گا (۱)

۔ ایسے موقع پر اپنے معاملات کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے اور دل سے پورا بھروسہ رکھے کہ میرا حقیقی کارساز وہی (ذات وحدہ لا شریک لہ) ہی ہے جس طرح چاہے وہ کام بنادے، ظاہری اسباب مؤثر حقیقی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واکمل۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا مومنین کے ساتھ قرب معیت ایک آیت کی تفسیر بالرائے

سوال [۱۱۰۷]: ایک واعظ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب معیت نیک بندوں کے ساتھ جو مدلل

ثابت کیا کہ آنحضرت ﷺ رحمۃ اللہ ہیں اور کلام مجید میں: ﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ہے، لہذا حد اوسط گرا کر منطق کی شکل اول سے یہ ثابت ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم محسنین سے قریب ہیں۔ یہ استدلال کیسا ہے؟ فقط۔

(۱) قال العلامة الألوسی: ﴿واھجرھم ہجراً جمیلاً﴾ بأن تجانبھم وتداریھم، ولا تکافئھم، وتکل

أمرھم إلی ربھم۔ (روح المعانی: ۲۹/۱۰۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(و کذا فی تفسیر ابن کثیر: ۴/۵۶۳، دار السلام ریاض)

الجواب حامداً ومصلحاً:

بارش بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، کیا اس کو بھی قربِ معیت نیک بندوں کے ساتھ ثابت ہوگا، کیا اس آیت میں رحمت اللہ کا مصداق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ جب تک اس کا ثبوت پیش نہ کیا جائے، یہ تفسیر بالرائی ہوگی جس پر بہت بہت سخت وعید ہے (۱)۔ آیت شریفہ کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خوف (قبر) اور طمع (رحم) کے ساتھ پکارتے رہو، اس کی رحمت نیک بندوں کے قریب ہے، وہ دعا کو قبول کرے گا۔ فقط۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کفار پر غصہ زیادہ ہے یا مسلمان پر؟

سوال [۱۱۰۸]: اللہ تعالیٰ نے نافرمان مسلمان سے کتنے غصے کا اظہار فرمایا ہے اور کفار سے کتنا؟

الجواب حامداً ومصلحاً:

کفار پر اتنا غصہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے، ان کے عذاب میں تخفیف بھی نہیں ہوگی (۲)۔

(۱) ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”من قال فی القرآن برأیہ، فلیتوا مقعده من النار“۔ وفي رواية: ”من قال فی القرآن بغير علم، فلیتوا مقعده من النار“۔ (رواه الترمذی)

”وعن جندب رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”من قال فی القرآن برأیہ فأصاب، فقد أخطأ“۔ رواه الترمذی وأبو داود۔ (مشکوٰۃ المصابیح مع المرقاة، کتاب العلم، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۲۳۲، ۲۳۵، ۴۸۹/۱، ۴۹۱، رشیدیہ، کوئٹہ)

”إن التفسیر علم نفیس خطیر، لا یلیق بكل أحد أن یتکلم فیہ، ولا أن ینحوض فیہ الخ“۔ (الفتاویٰ الحدیثیہ، باب الأحکام المتعلقة بالقرآن، مطلب: هل يجوز لأحد أن یفسر شیاً من القرآن؟، ص: ۳۰۱، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ الدِّينَ كُفِّرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ، أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسُ أَجْمَعِينَ، خَالِدِينَ فِيهَا، لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ﴾ (سورة البقرة: ۱۶۱، ۱۶۲)۔

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ، فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ، هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (البقرة: ۸۱)

مسلم گنہگاروں پر اتنا غصہ نہیں وہ شفاعت کے ذریعہ بھی بخشے جائیں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

تفسیر مودودی و تفسیر حقانی اور قرآن فہمی کے لئے مفید تفسیر

[۱۱۰۹] استفتاء: مولانا مودودی صاحب کی تفسیر میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے قرآن کی

تفسیر سمجھائی گئی ہے، اسی طرح تفسیر حقانی میں بھی یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے حوالوں سے قرآن کی تفسیر سمجھائی گئی

ہے۔ ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ اور قرآن کو سمجھنے کے لئے کون سی تفسیر مفید ہے؟ یہود و نصاریٰ کے احوال و

اقوال اور ان کی کتابوں کے بغیر قرآن کی ہر آیت کی اچھی طرح شریعت کے مطابق کون سے اشخاص تفسیر لکھتے

ہیں؟ ان کی تفسیر کا نام پیش کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں جو چیزیں قرآن و حدیث کے خلاف ہیں، ان کو تفسیر قرآن کے لئے بطور

تائید پیش کرنا درست نہیں، بلکہ گمراہی ہے اور جو چیزیں خلاف نہیں ہیں ان کو پیش کرنے میں مضائقہ نہیں (۲)۔ اس

تفصیل کے بعد فرق کا سمجھ لینا آسان ہوگا۔ اگر کسی معتبر تفسیر میں بھی استدلال کے لئے کوئی غیر معتبر بات

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾ (سورة طہ: ۱۰۷)۔

”وعن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”شفاعتي لأهل

الكبائر من أمتي“۔ وقال العلامة على القاري في شرحه: ”وقد جاء الأثر الذي بلغت

مجموعها التواتر لصحة الشفاعة في الآخرة، وأجمع السلف الصالحون ومن بعدهم من أهل السنة

والجماعة“۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۹/۵۶۴، رشیدیہ)

(۲) ”عن عبد الله بن عمرو أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”بلغوا عني ولو آية“، وحدثوا عن بني

إسرائيل ولا حرج“۔ الحديث۔

قال الحافظ: ”وقال مالك: المراد جواز التحديث عنهم بما كان من أمر حسن، أما ما علم

كذبه فلا، وقيل: المعنى حدثوا عنهم بمثل ما ورد في القرآن والحديث الصحيح الخ“۔ (فتح الباری،

كتاب الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل: ۲/۶۱۷-۶۱۸، قدیمی)

آجائے تو وہ بات بہر حال غیر معتبر ہے۔ اگر کسی تفسیر میں غیر معتبر چیزیں کثرت سے ہوں تو اس کی ہر چیز کو پرکھنے کی ضرورت ہوگی، الا یہ کہ مصنف ان کو رد کر دے، مجموعی حیثیت سے اس پر معتبر ہونے کا حکم نہیں ہوگا۔ تفسیر بیان القرآن، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی معتبر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے گندی چیز منگنا اسرائیلیات میں سے ہے

سوال [۱۱۱۰]: دریافت طلب یہ امر ہے کہ میں نے چند مسلمانوں کی زبانی یہ سنا کہ موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر حکم ہوا تھا کہ تم دنیا میں جاؤ جو سب سے گندی چیز ہے اس کو لاؤ، وہ دنیا میں آئے اور ایک کتا مرا پڑا تھا جس میں سے زیادہ تیز تغفن آ رہا تھا، اس کو اٹھا کر لے گئے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند آئی۔ اب آپ مہربانی فرما کر اس کا جواب عنایت فرمائیں۔ اس کے علاوہ مع حوالہ تحریر ہو کہ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ واقعہ قرآن شریف یا اور کسی دینی معتبر کتاب میں موجود نہیں، حدیث شریف کی بھی کسی معتبر کتاب میں اس کا کوئی ذکر نہیں آیا اور عقل سے بھی یہ فیصلہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ گندی چیز سے خوش نہیں ہوتا بلکہ وہ تو پاک صاف اچھے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر کسی کتاب میں یہ واقعہ لکھا ہے تو شاید یہ اسرائیلیات یعنی یہود اور نصاریٰ کی کتابوں سے نقل کیا گیا ہوگا اور ان کی کتابیں جھوٹ اور بہتان سے بھری ہوئی ہیں، جب تک ہماری شریعت ان کی تصدیق نہ کرے وہ قابل اعتماد نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۸/۴/۵۸ھ



تجوید اور ترتیب قرآنی کا بیان

قرآءاتِ سبعہ بھی منقول ہیں محدث نہیں

سوال [۱۱۱۱]: ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن میں ایک شوشہ کا بھی فرق نہیں ہوا، جیسا اور جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا تھا وہی آج بھی بین الدفتین موجود ہے۔ قرآءِ سبعہ کی روایات میں زیر، زبر، پیش کا حتیٰ کہ الفاظ کا بھی فرق پایا جاتا ہے۔ کیا اس سے عقیدہ پر زدن نہیں پڑتی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآءِ سبعہ کی قرأتیں بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں، ان کی خود کی ایجاد نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حسنِ قرأت کی محفلوں کا حکم

سوال [۱۱۱۲]: یہاں دہلی میں ایک اجتماعِ قراء کا قرار پایا ہے جس میں نامور اور مشہور قاری حضرات تشریف لاویں گے، وزراء اور اُمراء بھی شرکت کریں گے، مختلف قاری جو سنانے کے لئے تجویز کئے جائیں گے ان کی قرأت سن کر ان کو انعام بھی قرأت کے موافق دیا جائے گا۔ ایسے اجتماع میں شرکت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

قرآن پاک کو خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کرنے کی حدیث شریف میں تاکید آئی ہے اور اس پر بڑی

(۱) قال السيوطي عن الزركشي: "فالقرآن: هو الوحي المنزل على محمد صلى الله تعالى عليه وسلم للبيان والإعجاز، والقراءات اختلاف ألفاظ الوحي المذكور في الحروف أو کیفیتها، من تخفيف و تشدید و غیرهما، والقراءات السبع متواترة عند الجمهور، وقيل: بل مشهورة، قال الزركشي: والتحقيق أنها متواترة عن الأئمة السبعة". (الإتقان: ۱/ ۱۶۰، النوع الثاني إلى السابع والعشرين معرفة المتواتر والمشهور: دار ذوی القربی)

(و کذا فی مناہل العرفان للزرقانی: ۱/ ۴۱۰، دار احیاء التراث العربی)

بشارت ہے، اس کی تشریح محدثین نے اس طرح فرمائی ہے کہ قرآن پاک کی عظمت سے قلب بھرا ہوا ہو، خوف و خشیت طاری ہو، ہیبت الہی سے کانپتے ہوئے، اس کی وعیدوں اور بشارتوں کا استحضار کر کے اس تصور سے تلاوت کرے کہ اللہ پاک کو سنا رہا ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں، ایسی تلاوت میں بڑی کشش ہوتی ہے، اللہ پاک اس سے بہت خوش ہوتے ہیں (۱)۔ صحابہ کرام میں بھی یہ طریقہ جاری تھا کہ ایک نے تلاوت کی، بقیہ سب سنتے اور ایمان کو تازہ کرتے رہتے (۲)۔

پیسہ کمانا یا اپنی تعریف و شہرت ہرگز مقصود نہ ہو (۳)، اگر قرآن پاک کی تلاوت کو خدا نخواستہ روپیہ کمانے کا ذریعہ بنایا جاوے خواہ وہ اہل قبور کو ثواب پہنچانے کی شکل میں ہو، یا منبر پر بیٹھ کر جلسوں کی زینت بڑھانے کی صورت میں ہو، یا دوسرے قاریوں سے مقابلہ کر کے انعام حاصل کرنے کی صورت میں ہو، یا اپنی تعریف و شہرت حاصل کرنے کے لئے پڑھا جاوے، یا موسیقی (راگ) کے قواعد کے طور پر نشیب و فراز اور

(۱) "عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : " زینوا القرآن بأصواتکم "۔ (مسند الإمام أحمد : ۲۸۳/۴، دار إحياء التراث العربی)

"وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعاً : " أحسن الناس قراءة من قرأ القرآن يتحزن به "۔ وقال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى في شرحه : قوله : " عن ابن عباس " الخ ، قلت : فيه استحباب التحزن بالقرآن ، و معناه أن يقرأ بحيث يظهر من تلاوته حزن قلبه دون أن يعتمد في تحزين الصوت فقط "۔ (إعلاء السنن : ۱۵۵/۴، أبواب القراءة، إدارة القرآن)

(و أيضاً سیأتی تحت عنوان : "کیا الجھیکھنا حرام ہے")

(و کذا فی کتاب الآثار ، للإمام محمد ، ص : ۵۵، إدارة القرآن)

(۲) "وكان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ يقول لأبي موسى الأشعري : يا أبا موسى ! ذكرنا ربنا ، فيقرأ وهم يسمعون ويكفون ، و كان أصحاب محمد ﷺ إذا اجتمعوا ، أمروا واحداً منهم أن يقرأ القرآن والباقي يستمعون ، و قد ثبت في الصحيح : أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم مرّ بأبي موسى الأشعري وهو يقرأ ، فجعل يستمع لقرآته اهـ "۔ (مجموعۃ الفتاویٰ لابن تیمیہ : ۵/۵۱، مکتبہ العبیکان، بیروت)

(۳) "قال النبی ﷺ : "من سمع سمع الله به ، و من یرانی یرانی الله به "۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، رقم الحديث : ۵۳۱۶، ۲/۲۶۷، دار الكتب العلمية)

زیروہم کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کی ہرگز اجازت نہیں، اس پر سخت وعید ہے (۱)۔ حدیث شریف میں تین آدمیوں کا ذکر ہے جن کو سب سے پہلے دوزخ میں ڈالا جائے گا اور دوزخ کو ان سے دھونکا یا جائے گا، ان میں سے ایک قاری کو بھی شمار کیا گیا ہے جو اس لئے تلاوت کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں کہ بہت اچھا قاری ہے (۲)۔ اب آپ خود ہی منطبق کر لیں کہ آپ کے یہاں کے اجتماع کی شان کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا لہجہ سیکھنا حرام ہے؟

س۔ زال [۱۱۱۳]: ایک صاحب یہ کہتے ہیں کہ یہ جو آج کل قاری لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں یہ بالکل غلط ہے، لہجہ سیکھنے اور اس کے مطابق پڑھنے کو حرام کہتے ہیں۔ سورہ کہف میں لفظ ”عوجا“ کو تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کیا لہجہ سیکھنا اور اس کے مطابق پڑھنا غلط ہے؟

(۱) ”إقرأوا القرآن ولا تأکلوا به، ولا تجفوا عنه، ولا تغلوا فیہ، ولا تستکثروا به“ عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال: علّمت ناساً من أهل الصفة القرآن فأهدى إلى فقال: ”إن أردت أن يطوّقک اللہ طوقاً من نار فاقبلها“ وقال ”من قرأ القرآن يأکل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظمة ليس عليه لحم“ ”اقرأوا القرآن وسلوا اللہ به، فإن من بعدکم قوم یقرأون القرآن یسألون الناس“ (رسالة شفاء العلیل و بل الغلیل فی حکم الوصیة بالختومات اهـ، فی ضمن رسائل ابن عابدین: ۱/۱۵۴، سهیل اکیڈمی لاہور)

”والتغنی بالقرآن لا یجوز علی الإطلاق بل هو مقید بقید عدم إخراج القرآن من العربیة إلى

غیرها“ (إعلاء السنن، أبواب القراءة: ۱/۵۵، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ”قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”إن أول الناس یقضی علیہ يوم القيامة رجلٌ تعلم العلم و علمہ، و قرأ القرآن، فأتی به، فعرفہ نعمہ، فعرفها، قال: فما عملت فیہا؟ قال: تعلّمتُ العلم و علّمتہ، و قرأتُ فیک القرآن، قال: کذبت و لكنک تعلّمت العلم لیقال: إنک عالم، و قرأت القرآن لیقال: هو قاریء، فقد قیل: ثم أمر به، فسحب علی وجهه حتی ألقى فی النار اهـ“ (الترغیب والترہیب، فی إخلاص النیة فی الجہاد: ۲/۲۹۶، دار إحياء التراث العربی)

الجواب حامداً ومصلیاً :

قرآن شریف جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا اسی طرح آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سکھایا، پھر اسی طرح بعد کے لوگوں کو سکھایا گیا۔ اصل لہجہ حدیث پاک سے ثابت ہے (۱)۔ ایک صحابی بالکل اسی لہجہ میں دوسروں کو پڑھ کر بتاتے ہیں، جس طرح سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا ہے، آپ کی اور صحابہ کرام کی تلاوت قواعد کے مطابق ہوتی تھی۔ اس وقت تک قواعد کتابی صورت میں نہیں تھے، بعد کے حضرات نے ان کو لکھا ہے اور یہ سب قواعد آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاوت سے ہی بنائے گئے ہیں۔

فن تجوید ایک مستقل فن ہے جو بغیر استاد کے سیکھے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کسی چیز کو حرام کہنا جب تک اس کے حرام ہونے کی دلیل نہ ہو جائز نہیں ہے، اور جو چیز حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت ہو اس کو حرام کہنا تو انتہائی جسارت ہے (۲)۔ بعض لوگ جو حقیقتاً قواعد تجوید سے واقف نہیں، قواعد

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً﴾: أى اقرأه على تمهّل، فإنه يكون عوناً على فهم القرآن و تدبره وقد قدمنا فى أول التفسير الأحاديث الدالة على استحباب الترتيل و تحسين الصوت بالقرأة ... الخ. (تفسير ابن كثير: ۵۵۹/۴، دار السلام)

”قالت عائشة رضى الله تعالى عنها: ”كان يقرأ السورة، فيرتلها حتى تكون أطول من أطول منها“..... ”عن أنس رضى الله تعالى عنه أنه سئل عن قراءة رسول الله ﷺ فقال: كانت مدّاً. ثم قرأ: (بسم الرحمن الرحيم) يمدّ بسم الله، ويمدّ الرحمن، ويمدّ الرحيم“..... جاء فى الحديث: ”زينوا القرآن بأصواتكم“. و ”ليس منا من لم يتغن بالقرآن“.

”و عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه أنه قال: لا تنشروه نشر الرمل، و لا تهذوه هذ الشعر، قفوا عند عجائبه، و حرّكوا به القلوب الخ.“. (تفسير ابن كثير: ۵۵۹/۴، دار السلام)

(۲) وقال السيوطى: ”عن الجزرى: القراءات السبع متواترة معلومة من الدين بالضرورة، و كل حرف انفرد به واحد من العشرة معلوم من الدين بالضرورة أنه منزل على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، لا يكابر فى شيء من ذلك إلا جاهل“. (الإتقان: ۱/۱۶۳، معرفة المتواتر والمشهور، دار ذوى القربى)

”عن البراء رضى الله تعالى عنه مرفوعاً: ”زينوا القرآن بأصواتكم، فإن الصوت الحسن يزيد =

موسیقی کے مطابق سُر ملا کر پڑھتے ہیں جس سے بعض حروف کو زیادہ دراز کرتے ہیں، حالانکہ وہ مد نہیں، بعض کو جلدی سے پڑھ جاتے ہیں حالانکہ وہ مد ہے۔ اور بھی اسی طرح متعدد قسم کے تغیرات پیدا ہو جاتے ہیں جیسا کہ راگ گانے میں ہوتا ہے، اس طرح پڑھنا یقیناً ناجائز ہے، اس سے معنی میں کافی تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور الفاظ بھی مسخ ہو جاتے ہیں (۱)۔

سورہ کہف میں ”عوجاً“ دونوں طرح پڑھنا درست ہے: سکتے سے بھی اور بغیر سکتے کے بھی، جب سکتے سے پڑھیں گے تو اس پر تنوین نہ ہوگی اور بغیر سکتے کے اگر پڑھیں گے تو اس پر تنوین پڑھیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وقفِ غفران کا مطلب

سوال [۱۱۱۲]: قرآن مجید کے حاشیہ پر جا بجا وقفِ غفران لکھا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مطلب ہے کہ اس مقام پر وقف کرنا بھی درست ہے اور نہ کرنا بھی درست ہے۔ دونوں میں کسی بات پر مواخذہ نہیں بلکہ دونوں فعل مغفور ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/۲/۱۳۶۱ھ۔

= القرآن حسناً۔ رواہ الحاکم فی مستدرکہ، وقال الحافظ فی الفتح: ”فإن لم یکن حسن الصوت، فلیحسنه ما استطاع“۔ (فتح الباری لابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، کتاب فضائل القرآن، باب من لم یتغن بالقرآن: ۹/۷۲، دارالمعرفة)

(وکذا فی إعلاء السنن: ۱۵۳/۴، أبواب القراءة، إدارة القرآن)

(۱) قال العلامة ظفر أحمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ: ”دلّ الحديث على أن التغنى بالقرآن لا يجوز على الإطلاق، بل هو مقيد بقيد عدم إخراج القرآن من العربية إلى غيرها بأن يفرط في المد، وفي إشباع الحركات حتى يتولد من الفتحة ألف..... ونحوها، والصحيح أن الإفراط على الوجه المذكور حرام، يفسق به القارى، ويأثم المستمع“۔ (إعلاء السنن: ۱۵۵/۴، أبواب القراءة، إدارة القرآن)

کیا ہر آیت پر وقف کیا جائے؟

سوال [۱۱۱۵]: قرآن شریف میں جو گول آیت (oo) جگہ بجگہ بنی ہوتی ہیں، اس گول آیت پر کسی جگہ ”الف“ کسی جگہ ”میم“ کسی پر ”جیم“ کسی پر وصل۔ تو اس صورت میں جس جگہ دل چاہے ٹھہر جائے اور جس جگہ دل نہ چاہے نہ ٹھہرے جیسے ”ج“۔ زید کا فرمانا ہے کہ ہر گول آیت پر ٹھہرنا ضروری ہے کیونکہ ان گول آیتوں میں ترمیم نہیں ہوتی، یہ بجنسہ وحی کے ساتھ نازل ہوئی ہیں اور جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجنسہ ترتیب دیا ہے اور بجنسہ ایسے ہی نازل ہوئیں۔ کیا ہر گول آیت پر ٹھہرے یا جہاں جیسی علامت حروف کی ہو ویسا عمل کرے جیسے: ”ط، ج، ص، ق، ل، و، م“ وغیرہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہاء کے نزدیک ان میں سے کسی مقام پر ٹھہرنا واجب نہیں، یہ قراء کی اصطلاحات ہیں، ان کی رعایت محض مستحب ہے، واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سورہ قدر میں ”امر“ یا ”سلام“ پر وقف

سوال [۱۱۱۶]: سورہ قدر میں امر پر ٹھہرے یا سلام پر یا دونوں جگہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں جگہ میں اختیار ہے، جہاں چاہے وقف کرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۲۵/۱۱/۹۵ھ

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً﴾: أي اقرأه على تمهل، فإنه يكون عوناً على فهم القرآن وتدبره..... وقد قد منا في أول التفسير الأحاديث الدالة على استحباب الترتيل وتحسين الصوت بالقرأة الخ. (تفسير ابن كثير: ۵/۵۵۹، دار اسلام)

(۲) قال في الهندية: ”إذا وقف في غير موضع الوقف أو ابتداء في غير موضع الإبتداء إن لم يتغير المعنى تغيراً فاحشاً نحو: أن يقرأ ”إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات“ ووقف ثم ابتداء بقوله: ”أولئك هم خير البرية“ لا تفسد بالإجماع بين علمائنا، هكذا في المحيط.“ (الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري: ۸۱/۱، رشيدية)

تحقیق ضاد

سوال [۱۱۱۷]: اکثر لوگ حرف ضاد کو ”دال“ پر ”یا“ ”طا“ پر کی آواز پڑھتے ہیں اور بعض حفاظ و جہلاء کہتے ہیں کہ اسی طرح سے پڑھنا چاہئے، عربی میں ”دواد“ ہی پڑھا جاتا ہے اور اردو میں ”ضاد“ پڑھا جاتا ہے، مگر جب دواد کا ثبوت کسی معتبر کتاب کا ان سے مانگا جاتا ہے تو چپ ہو جاتے ہیں اور کچھ جواب نہیں دیتے حالانکہ تجوید کی کتاب میں لکھا ہے کہ ضاد کو اس کے مخرج سے یعنی حافہ لسان اور متصل کی داڑھوں سے نکالنا چاہئے خواہ بائیں جانب سے یا دائیں جانب سے اور بندہ اسی طرح ادا کرتا ہے گو کہ بندہ عالم یا قاری نہیں ہے اور نہ حافظ ہے، مگر علمائے دین کے تصدیق میں تجوید سے کسی قدر واقف ہے۔ بندہ کے پاس رفع الضاد، فیض العزیز، ہدیۃ الوحید، جمال القرآن، تجوید القرآن، جزری، مقدمۃ الجزری، فتاویٰ ضاد، تبیین الضاد، فوائد مکیہ وغیرہ موجود ہیں، لہذا یہ کتابیں غلط ہیں یا غلط تھیں اور ضاد کو اس کے مخرج سے مع اس کی صفات کے پُر ادا کرنا چاہئے یا بصورت دال؟ مستند اور معتبر کتب مع نام کتب تحریر کیا جائے۔

اور مولانا قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی اپنے رسالہ تبیین الضاد (۱) میں فرماتے ہیں کہ ضاد کو دال پر یا طاء پر عداً پڑھنا غلط ہے، ایسا پڑھنے والا گمراہ لوہر گنہ گار ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی اپنے فتاویٰ میں مرقوم فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ دو قاری ہو اور مخارج و صفات سے واقف ہو اگر وہ عداً دال یا طاء پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہے، قاری اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ اور اگر صفات و مخارج سے واقف نہ ہو، اگر وہ بلا قصد دال یا طاء پڑھے تو اس کی نماز ہو جائیگی اور قاری اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے (۲)۔

= (و کذا فی التاتارخانیۃ، کتاب الصلاة، الفرائض، الفصل الثامن فی الوقف والوصل والابتداء:

۴۸۹/۱، إدارة القرآن)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان، فصل فی قرائۃ القرآن خطأً وفی الأحکام المتعلقة بالقراءۃ: ۱/۱۵۵،

رشیدیہ)

(۱) (تبیین الضاد، ص: ۳۸، میر محمد کتب خانہ)

(۲) (فتاویٰ رشیدیہ (از تالیفات رشیدیہ)، ص: ۱۸۸، ۲۸۹، کن امور سے نماز فاسد ہوتی ہے اور کن سے نہیں؟

ادارہ اسلامیات لاہور)

مولانا عبد الوحید صاحب ہدیۃ الوحید (۱)، میں مولانا اشرف علی صاحب جمال القرآن (۲) میں فرماتے ہیں کہ ضاد کو دال یا ظا پڑھنا غلط ہے اس سے معنی میں تغیر فاحش پیدا ہوتا ہے۔

سنا گیا ہے کہ قصبہ کتھور ضلع رہتک میں کوئی قاری صاحب مدینہ شریف کے آئے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں ضاد کا پڑھنا غلط ہے دوا پڑھنا چاہئے، عربی زبان میں ضاد نہیں پڑھا جاتا ہے، لہذا کیا قاری صاحب کا یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے اور فتویٰ ضاد (۳) میں جو حدیث مرقوم ہے کہ: ”من زاد حرفاً فی القرآن أو نقص منه، أو بدل حرفاً بحرف متعمداً، فقد کفر“ (۴)، یہ دونوں حدیث صحیح ہیں یا غلط؟ اول تو حدیث اور فقہ اکبر کی عبارت تو ملا علی قاری کی لکھی ہے مگر صحیح ہے یا غلط؟ رفع التضاد میں مرقوم ہے (۵) کہ ”جو شخص مخارج و صفات سے واقف نہیں ہے، اگر دال یا ظا پڑھتا ہے تو اس صحیح ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، جب تک وہ کوشش کرتا رہے گا

(۱) (ہدیۃ الوحید، ص: ۱۸، آٹھواں مخرج صا د معجمہ، رقم الحاشیہ: ۳۶، و ص: ۲۸، صفت استطاعت، رقم: ۷، قرأت اکیڈمی لاہور)

(۲) (جمال القرآن، ص: ۸، دوسرا المعہ، مکتبہ حمادیہ گورالمنڈی لاہور)

(۳) ”استفتاء من علماء الحرمین الشریفین الجواب من شیخ القراء بالمدينة المنورة أن نهاية القول في الضاد هو أنها أقرب إلى الظاء فقط كما في الرعاية وجهد المقل وغيرهما، فقرة الفرقة الثالثة المسئلة في الاستفتاء صحيح، و أما كون الضاد شبيهة بالدال أو الغين، فما سمعنا به قط، ولا وجد في كتاب، فمن صلى خلف الإمام يعتقد ذلك فصلاهما باطلة. والله على ما نقول وكيل الجواب من علماء مكة المكرمة فنقول: إن الذي استقر عليه رأى جميع أهل الأداء من كتبهم أن الضاد والظاء اتفقتا في الاستعلاء والإطباق والتفخيم والجهر والرخاوة، واختلفتا في المخرج، وانفردت الضاد بالاستطالة، فإذا أعطيت للضاد ههنا من مخرجها و صفاتها، فقد أتيت بالشواب الذي لا محيد عنه عند علماء القراءة المدقلين، وحينئذ يكون بها أثر شبهه الظاء في التلفظ كما في نهاية القول المفيد، و أما كون الضاد قريبة من الدال أو الغين في التلفظ فبيعد عن الحق، والله أعلم.“ (رسالہ إعلام العباد بحقیقۃ النطق بالضاد مع استفتاء علماء الحرمین الشریفین و نظم الضاد، ص: ۲۷، ۲۸، مذهبی کتب خانہ پشاور)

(۴) (لم أجد كتابه)

(۵) (رفع التضاد في أحكام الضاد للمفتی محمد شفیع، ص: ۱۱، دار الاشاعت دیوبند)

تب تک اس کی نماز جائز قرار دی جائیگی اور جب کوشش کرنا چھوڑ دیگا تب اس کی نماز فاسد ضرور قرار دی جائیگی۔ یہ مضمون صحیح ہے یا غلط؟ جہاں تک ہو سکے معتبر اور مستند کتب کے موافق اس کا جواب تحریر کیا جائے اور ان کتب کا نام بھی تحریر کیا جائے کہ جن کے مطابق جواب لکھا جائے یا علماء دین خود یہاں تشریف لا کر یہاں کے جابلوں کو سمجھائیں۔

بندہ تو دو سال سے سمجھا رہا ہے مگر میرا کہنا سب غلط سمجھتے ہیں، جو شخص باوجود لاعلم ہونے فقہ اور حدیث کے اور تجوید کے اگر تو جیہات رکیکہ بیان کرے اور حدیث و فقہ کا منکر ہو اور کہے تمام زمانہ میں ایسی بات ہوتی ہے تو ہم کیوں نہ کریں اور حدیث و فقہ کا کسی طرح قائل نہ ہو حالانکہ وہ جانتا ہے کہ فلاں چیز شرعاً حرام ہے اور ناجائز ہے، مگر اتباع نفس سے اس کو حلال اور جائز قرار دے تو اس کو مولانا عبدالعزیز صاحب اپنے فتاویٰ جلد اول میں کافر لکھتے ہیں تو جب وہ کافر ہوا تو شرعاً اس کی عورت بھی نکاح سے خارج ہوگی (۱)۔ فقط والسلام مقبول احمد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضاد، ظاء، دال تینوں علیحدہ علیحدہ مستقل حروف ہیں، ضاد اور ظاء اکثر صفات میں شریک ہونے کی وجہ سے مشابہ ہیں، تاہم دونوں کا مخرج علیحدہ ہے اور ضاد میں صفت استطالت زائد ہے جو ظاء میں نہیں: ”ومنہم من یجعلہا ظاء الخ۔ ہذا لیس بعجیب لثبوت التشابه وعسر التميز بینہما، فإنه یشارك ظاء فی صفاتہا کلہا، ویزید علیہا باستطالة، فلو لا اختلاف المخرجین والاستطالة فی الضاد لكانت ظاء اھ۔“ جہد المقل (۲)۔

ملا علی قاری شارح جزیریہ اس شعر کے تحت:

من والضاد باستطالة ومخرج منیر عن الظاء کلہا تجنی

(۱) (فتاویٰ عزیزۃ، ص: ۳۸۵، باب العقائد، استحلال الحرام و استحرام الحلال، احادیث کی رکیک تاویلات)

(۲) (الإتقان فی علوم القرآن للسیوطی، فصل من المهمات، تجوید القرآن: ۱/۱۰۱، سہیل اکیڈمی لاہور)

تحریر فرماتے ہیں: ”لما كان تميزه عن الظاء مشكلاً بالنسبة إلى غيره أمر الناظم بمميزه نطقاً“۔ جب کہ باوجود اس کثیر تشابہ کے دونوں میں تمیز کرنا اور ظاء کی جگہ ضا دیا اس کے عکس قصداً پڑھنا درست نہیں (۱) تو پھر ضا کی جگہ دال پڑھنا یا ضا کو مشابہ دال پڑھنا کیسے درست ہوگا (۲)، کیونکہ دونوں کی اکثر صفات علیحدہ علیحدہ اور ممتاز ہیں، لہذا ضا کو اس کے مخرج سے مع جمیع صفات کے حسب الطاقۃ ادا کرنا ضروری ہے، البتہ اگر ادائیگی پر قدرت نہ ہو تو معذوری ہے (۳)، تاہم اگر اس سے بہتر امامت کا اہل ادائیگی پر قادر موجود ہو تو اس کو امام بنانا چاہئے۔ کتب مذکورہ فی السؤال مجموعی حیثیت سے معتبر ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ درست ہے۔ شرح فقہ اکبر میں عبارت مندرجہ فی السؤال نظر سے نہیں گذری، البتہ یہ عبارت موجود ہے: ”سئل الإمام الفضلی عن یقر الظاء المعجمة مکان الضاد المعجمة، أو یقرأ: (أصحاب الجنة) مکان (أصحاب النار) أو علی العکس، فقال: لا یحوز إمامته، ولو تعمد یُکفر۔ قلت: أما کون تعمدہ کفراً فلا کلام فیہ إذا لم یکن فیہ لغتان، ففی (ضنین الخلاف) (سامی)۔ وأما تبديل الظاء مکان الضاد ففیہ تفصیل، وكذا تبديل: (أصحاب الجنة) فی موضع (أصحاب النار) وعکسہ، ففیہ خلاف وبحث طویل اھ“ (۴)۔

حدیث: ”من زاد حرفاً الخ کا مضمون درست ہے۔

اور نماز کی صحت و فساد کے متعلق رفع التضاد میں صحیح لکھا ہے: إنه ما دام فی التصحیح ولم یقدر

(۱) ”وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالطاء مع الضاد، قال أكثرهم: لا تفسد صلاته، ومن لا يعرف بعض الحروف ينبغي أن يجهد ولا يعذر في ذلك“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، الباب الخامس فی زلة القاری: ۷۹/۱، رشیدیہ)

(۲) فی ”الفتاویٰ الحدیثیہ“ للشیخ أحمد المکی: ”لو أبدل الضاد بغير طاء لم یصح قرأته قطعاً، فعلم من هذا أنه لم یقع خلاف فی إبدالها دالاً کما وقع فی الظاء، فالنطق بها دالاً، لم یقل أحد بصحته“۔ (ص: ۲۰۹، مصر)

(۳) ”مادام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر علیہ فصلاته جائزة، وإن ترکہ جهده فصلاته فاسدة، کذا فی المحيط“۔ (رد المحتار، مطلب فی الألف: ۵۸۲/۱، سعید)

(۴) (شرح الفقہ الأكبر، ص: ۱۶۷، قدیمی کتب خانہ)

علیه فصلاۃ جائزۃ، وإن ترک جهده فصلاۃ فاسدة“۔ رد المحتار (۱)۔

حدیث وفقہ کا انکار کرنا جہالت اور سخت خطرناک ہے، اندیشہ کفر ہے، توبہ کرنا ضروری ہے، حرام قطعی بعینہ کو حلال قطعی کہنا بھی کفر ہے، لہذا توبہ کرنا فرض ہے اور احتیاطاً تجدید نکاح و تجدید ایمان بھی کرنا واجب ہے (۲)۔ ایسے لوگوں کے درپے ہونا اس طرح پر کہ وہ حدیث کا انکار کر بیٹھیں مناسب نہیں، بلکہ ان کو نرمی اور احتیاط سے سمجھا دینا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ شوال/ ۱۳۵۳ھ۔

”نون قطنی“ کے ساتھ نماز

سوال [۱۱۱۸]: امام صاحب نے مغرب کی نماز میں سورہ اخلاص کی پہلی آیت کو نون قطنی کے ساتھ دوسری آیت سے ملا کر پڑھا یعنی وصل کیا، نماز کے بعد بعض لوگوں نے آپس میں کہا کہ آج امام صاحب نے ایسا کیوں پڑھا؟ بعض لوگوں نے کہا کہ امام صاحب نے صحیح پڑھا ہے کیونکہ امام صاحب قاری اور مولوی ہیں۔ غرض نائب متولی کے پاس یہ بات پہونچی، نائب متولی صاحب نے امام صاحب کو اپنے گھر بلا کر کہا کہ آپ اس طرح قرآن شریف کیوں پڑھتے ہیں جو مقتدی کی سمجھ میں نہیں آتا اور گڑبڑ ہوتی ہے؟ امام صاحب نے کہا کہ سورہ اخلاص کی پہلی آیت کو دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، کیونکہ یہ قاعدہ کے مطابق ہے۔ پھر بعض لوگوں نے متولی صاحب سے کہا کہ آپ اس پر فتویٰ منگائیے، متولی صاحب نے کہا کہ فتویٰ کی کوئی ضرورت نہیں اور امام صاحب سے کہا کہ اس طرح قرآن شریف پڑھیں جس طرح لکھا ہے اور جس طرح لوگ سمجھ سکیں۔

(۱) (رد المحتار، مطلب فی الألف: ۵۸۲/۱، سعید)

(۲) ”ماکان فی کونہ کفراً اختلافاً، فإن قالہ یؤمر بتجدید النکاح وبالتوبۃ والرجوع عن ذلک بطریق

الاحتیاط“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۲/۲۸۳، الباب السابع فی أحكام المرتدین، منها ما یتعلق بتلقین

الکفر والأمر بالارتداد، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب نے یہ قواعد تجوید کے موافق پڑھا ہے، کتب تجوید میں یہ مسئلہ صراحۃً موجود ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

معروف ومجهول کا تلفظ

سوال [۱۱۱۹]: ایک مدرسہ میں بچوں کو ”بہ“ کے بجائے ”بے“ پڑھاتے ہیں اور دوسرے مدرسہ میں ”بہ“ کے بجائے ”بی“ پڑھاتے ہیں۔ اب دونوں میں سے کون سے الفاظ صحیح ہیں کیوں کہ دونوں کے الفاظ الگ الگ ہیں، اصل میں کس طرح پڑھایا جائے، دونوں الفاظ میں کیا فرق ہے؟ اور معنی میں کچھ فرق پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں طرح پڑھانے سے معنی میں کوئی فرق نہیں آتا (۲)، البتہ عربی تلفظ ”ب“ معروف ہے مثلاً: ”ب“ اور ”بی“ کو ملا کر پڑھیں گے تو ”بی“ پڑھیں گے، ”بے“ نہیں پڑھیں گے، یہ چیز تحریر سے سمجھانی مشکل ہے، تلفظ سے زبانی سمجھ میں جلد آئے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۴ھ۔

(۱) لیکن فقہاء نے اس کو خلافِ اولیٰ لکھا ہے تاکہ عوام اور جہلا میں انتشار پیدا نہ ہو۔

قال الحصكفي رحمه الله تعالى: "لكن الأولى أن لا يقرأ عند العوام صيانة لدينهم". وقال ابن عابدين: "أى بالروايات الغربية والإمالات؛ لأن بعض السفهاء يقولون ما لا يعلمون، فيقعون في الإثم". (الدر المختار مع رد المحتار، مطلب السنة تكون سنة: ۵۴۱/۱، سعيد)

(و كذا في الحلبي الكبير، ص: ۴۹۵، سهيل اكيڤمي)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الرابع في القراءة: ۷۹/۱، رشيديه)

(۲) "ويجوز بالروايات السبع، بل يجوز بالعشرة أيضاً كما نص عليه أهل الأصول". (الدر المختار مع

رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب السنة: ۵۴۱/۱، سعيد كراچی)

بعض آیات میں وارد ہمزات پڑھنے کا طریقہ

سوال [۱۱۲۰]: سورہ بقرہ رکوع نمبر: ۱۴ میں ہے: ﴿ثُمَّ اضْطَرْه﴾ (۱) بعض ہمزہ کو حذف

کر کے میم کو ضاد سے ملا کر پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے اور بعض ہمزہ کو ثابت کر کے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کون سا صحیح ہے؟

۲..... سورہ مائدہ رکوع نمبر: ۱۴ میں ہے: ﴿ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا﴾ (۲) میں بعض ہمزہ کے حذف اور

بعض اثبات کر کے پڑھتے ہیں، کونسا صحیح ہے؟

۳..... سورہ مائدہ رکوع نمبر: ۲ میں: ﴿أَنْ لَا تَعْدِلُوا، إَعْدِلُوا﴾ (۳) میں بعض حالت وصل میں

”اعدلوا“ اور بعض وقف کر کے ”اعدلوا“ پڑھتے ہیں۔ کونسا صحیح ہے اور کونسا غلط ہے؟

۴..... سورہ توبہ رکوع نمبر: ۴ میں: ﴿يَوْمَ حَنِينٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ﴾ (۴) میں بعض ہمزہ کو حذف کر کے

نون کو ذال سے ملا کر پڑھتے ہیں اور بعض وقف کر کے ہمزہ کو ثابت رکھ کر پڑھتے ہیں۔ کونسا صحیح ہے، کونسا غلط ہے؟

۵..... سورہ طہ رکوع نمبر: ۱۰ میں: ﴿مَنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ﴾ (۵) میں بعض ہمزہ کو

حذف کر کے نون قطنی لگا کر پڑھتے ہیں اور بعض ہمزہ کو ثابت رکھ کر پڑھتے ہیں، آیا کونسا صحیح ہے؟

۶..... سورہ حج رکوع نمبر: ۹ میں: ﴿ذَالِكُمْ، النَّارُ﴾ (۶) میں بعض وقف کر کے پڑھتے ہیں اور بعض

﴿ذَالِكُمْ النَّارُ﴾ پڑھتے ہیں، کونسا جائز ہے؟

مزید عرض ہے کہ جس طرح قرآن کریم میں لکھا ہوا ہے اسی طرح پڑھنا چاہئے یا اپنی رائے کے

مطابق، محض اپنے کو قاری مشہور کرنے کی غرض سے بلا قانون کہیں حذف، کہیں اثبات، کہیں ادغام، کہیں وصل،

(۱) (آیت: ۱۲۶)

(۲) (آیت: ۱۰۲)

(۳) (آیت: ۸)

(۴) (آیت: ۲۵)

(۵) (آیت: ۲۳، ۲۴)

(۶) (آیت: ۷۲)

کہیں تغیر پڑھنا ہو تو جائز ہے؟ اور ایسے قاری کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ برائے مہربانی جوابات مع دلیل و حوالہ کتب مرحمت فرمائیں، بے حد ممنون ہوں گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

- ۱..... یہ ہمزہ وصل نہیں بلکہ واحد متکلم کا ہے، اس لئے یہ ساقط نہیں ہوگا بلکہ ثابت رہے گا۔
 - ۲..... یہ ہمزہ باب افعال کا ہے جو کہ قطعی ہے وصلی نہیں، اس لئے یہ بھی ثابت رہے گا۔
 - ۳..... وقف کر کے ”إعدلوا“ پڑھنا چاہئے، وقف نہ کرنا ہو تو ”اعدلوا“ کا ہمزہ ساقط ہو جائے گا۔
 - ۴..... یہ ہمزہ ساقط نہیں ہوگا، باقی رہے گا۔
 - ۵..... نون قطنی تو تنوین کی حالت میں آتا ہے وہ یہاں موجود نہیں ہے، اس لئے نون قطنی تو یہاں غلط ہے، اس کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اگر ”الکبریٰ“ پر وقف کیا جائے تو ”إذهب“ کا ہمزہ پڑھا جائے گا، وصل کی حالت میں ساقط ہو جائے گا۔
 - ۶..... یہاں وصل بھی صحیح ہے اس صورت میں ”النار“ کا ہمزہ ساقط ہو جائے گا اور ”ذلکم“ کے میم پر ضمہ آئے گا۔ وقف کرنا زیادہ اچھا ہے، اس صورت میں ”ذلکم“ میں میم پر سکون ہوگا اور ”النار“ کا ہمزہ پڑھا جائے گا۔
- قرآن کریم کو قواعد کے موافق پڑھنا چاہئے، اپنی طرف سے اس میں کچھ نہ کیا جائے، یہ خطرناک ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
- حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۹/۹۵ھ۔

زیر، زیر، پیش

سوال [۱۱۲۱]: زیر کے کیا معنی ہیں اور زیر اور پیش کے کیا معنی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زیر ایک حرکت ہے جس کے کھینچنے سے ”الف“ پیدا ہوتا ہے، زیر ایک حرکت ہے جس کے کھینچنے سے

(۱) ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”من قال فی القرآن بغیر علم، فلیتبرأ مقعده من النار“۔ (مسند الإمام أحمد: ۱/۳۸۵، رقم الحدیث: ۲۷۰، دار إحياء التراث العربی) (و کذا فی مرقاة المفاتیح، کتاب العلم: ۱/۴۸۹، رقم الحدیث: ۲۳۴، رشیدیہ)

”یا“ پیدا ہوتی ہے، پیش ایک حرکت ہے جس کے کھینچنے سے ”واو“ پیدا ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۲ھ۔

غیر قرآن کو قرأت کے ساتھ پڑھنا

سوال [۱۱۲۲]: غیر قرآن کو قرأت کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قواعد عربیت کی رعایت سے پڑھے تو ٹھیک ہے، مگر قرآن کے ساتھ غیر قرآن ملتبس نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۸/۲/۹۰ھ۔

قرآن پاک میں اعراب اور کتب حدیث وفقہ کی تدوین

سوال [۱۱۲۳]: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ کلام اللہ اس طرح من اولہ الی

آخرہ اوراق میں لکھا ہوا تھا، نہ اس زمانے میں زبر، زیر، جزم اور تشدید ایجاد ہوئے تھے، نہ کتب احادیث یوں

تصنیف ہوئیں، نہ تدوین کتب فقہ، اصول فقہ اور تفسیر کا دستور تھا۔ (یہ عبارت سوانح قاسمی: ۲/۲۵، کی ہے)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوانح قاسمی تو میرے پاس نہیں ہے لیکن واقعہ یہ صحیح ہے، اس پر آپ کو کیا دریافت کرنا مقصود ہے۔ فقط

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

حرکات و نقاط قرآن میں کب سے ہیں؟

سوال [۱۱۲۴]: قرآن کریم میں زبر، زیر، پیش اور نقطے عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے

زمانہ میں تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تھے تو اب اس میں یہ نقطے اور اعراب لگانا بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرون مشہود لہا بالخیر میں حفاظت قرآن پاک کے لئے یہ سب کچھ کر دیا گیا، تاکہ لوگ غلط نہ پڑھیں اور تحریف نہ ہو جائے، یہ بدعت نہیں، بدعت کہتے ہیں احداث فی الدین کو اور یہ تمام دین کی حفاظت کے لئے کیا گیا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تدبر اور بلا تدبر تلاوت میں فرق

سوال [۱۱۲۵]: دو آدمی ہیں ایک ناظرہ قرآن شریف پڑھنے والا، اور ایک عالم آدمی ہے جس نے عربی تعلیم صرف ونحو کے ساتھ پڑھا ہے، وہ تلاوت کرتا تو ناظرہ پڑھنے والے کو دس نیکیاں ایک حرف پر، یہ اگر ترجمہ ایک ساتھ پڑھے تو ایک حرف پر کتنی نیکیاں ملیں گی؟ دوسرے وہ شخص جو عالم ہے اب تلاوت کرنے پر کتنا ثواب ہے ہر حرف پر؟ اگر ترجمہ کو خیال و تصور میں لائے اور اگر نہ لائے اور حافظوں کی طرح تیز رفتاری کے ساتھ پڑھ رہا ہے اور خیال کہیں اور ہے تو کتنا ثواب ملے گا، کیا پہلی صرف ونحو والی کمائی اب کام دے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص جس قدر زیادہ تدبر کے ساتھ عظمت قرآن کریم کا لحاظ کرتے ہوئے تلاوت کرے گا اسی قدر زیادہ ثواب پائے گا۔ تدبر کے لئے صرفی صیغوں اور نحوی ترکیبوں کا ذہن میں آنا ضروری نہیں، بلکہ کلام اور متکلم کی جلالت شان اور آیات رحمت و آیات عذاب پر رجاء و خود اور اوامر و نواہی پر عزم عمل و اجتناب وغیرہ اثرات کا پیدا ہونا تدبر کا ثمرہ ہے۔ بڑا زبردست عالم بھی اگر بے دھیانی سے تلاوت کرتا ہے تو وہ ان ثمرات

(۱) قال العلماء: "ويستحب نقط المصحف وشكله، فإنه صيانة من اللحن فيه، وما كرهه الشعبي والنخعي النقط، فإنما كرهاه في ذلك الزمان خوفاً من التغيير فيه، وقد أمن ذلك اليوم فلا يمنع من ذلك لكونه محدثاً، فإنه من المحدثات الحسنة، فلا يمنع منه كظائره: مثل تصنيف العلم وبناء المدارس وغير ذلك".

(مناهل العرفان: ۱۰/۴۰۲، حکم نقط المصحف وشكله، دار إحياء التراث العربی)

(و كذا في التفسير القرطبي، مقدمة المؤلف: ۱/۴۵، دار الكتب العلمية، بيروت)

(والإتقان: ۱/۳۶۵، ۳۷۸ للسيوطي، دار ذوالقربی)

سے خالی رہتا ہے۔ صرف ونحو سے ناواقف آدمی اگر دھیان سے تلاوت کرتا ہے تو اس کے قلب میں بھی رقت پیدا ہوتی ہے اور ایمان قوی ہوتا ہے۔ عالم اگر دھیان سے کام لے تو اس کے لئے زیادہ موقع ہے اس کا درجہ ہی بلند ہے۔ پھر ایک اور دس کا حساب بھی عام حساب ہے، ورنہ خزانہ غیب سے بے شمار و بے حساب ملتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۲ھ۔

جواب امر بھی مجزوم ہوتا ہے

سوال [۱۱۲۶]: سورہ ملک میں لفظ ”یقلب“ کی ”ب“ پر جزم کیوں آیا ہے جبکہ عامل جازم نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جواب امر ہے جو کہ امر کی طرح مجزوم ہوتا ہے (۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۸۷ھ۔

قرآن کریم کی سند

سوال [۱۱۲۷]: قرآن کریم کے لئے صرف تواتر طبقاتی ہے یا تواتر اسنادی ہے؟ اگر تواتر اسنادی

ہے تو سند کیا ہے؟ بطریق ”عن عن“ یا کسی اور طریقے سے ہے؟ فقط

الجواب حامداً ومصلیاً:

تواتر طبقاتی تو ظاہر ہے، اسی کی وجہ سے ہر شخص نے اپنی سند کو ”عن عن“ سے پہنچانے کی کوشش نہیں کی،

(۱) ”یجزم الفعل المضارع إذا كان جواباً للطلب (يشمل الطلب الأمر، والنهي، ودعاء)..... نحو: ”صه“

عن القبيح تكرم“۔ (موسوعة النحو والصرف والإعراب، مبحث الفعل

المضارع، ص: ۵۰۲-۵۰۳، دارالعلم للملایین، بیروت)

(کذا فی أوضح المسالک إلى ألفیة ابن مالک، فصل جازم الفعل نوعان: ۳/۸۵، دار إحياء التراث

العربی بیروت)

نہ ضرورت سمجھی۔ حضرت مراد اس اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مستقلاً تدریس قرآن کریم فرمایا کرتے تھے، حضرت ابوورداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درس میں ایک وقت میں سولہ سوطلبہ تھے۔ اور بعض حضرات نے اپنی عمر تدریس قرآن کریم میں صرف کر دی، کیونکہ ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے: ”خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ“ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۹۵ھ۔

قرآن کریم کی ترتیب عثمانی

سوال [۱۱۲۸]: ایک عزیز نے ایک مولوی صاحب کے وعظ میں سنا کہ قرآن مجید میں سورتوں کی ترتیب بحوالہ اتقان حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں کس طرح سورتیں پڑھی جاتی تھیں؟ مجھے یہ معلوم تھا کہ ہر سال رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دور کیا کرتے تھے۔ کیا یہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ آخر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیشتر سورتوں کی کیا ترتیب تھی؟ کیا اتقان معتبر کتاب ہے اور واعظ صاحب کا بیان صحیح ہے؟

مکلف خدمت بابرکت شاہ حبیب اللہ، از خانقاہ نانکپور ضلع پرتاپ گڑھ، ۱۳/رجب/۵۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتقان، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے، معتبر ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ترتیب سے قرآن کریم کو جمع فرمایا ہے، ترتیب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی یہ تھی لیکن یکجا لکھا ہوا عام طور پر نہ تھا، بلکہ طرق مختلف لغات میں کہ ابتداءً سہولت کے لئے عرب کی کئی لغات میں پڑھنے کی اجازت تھی، کسی کے پاس کچھ لکھا ہوا تھا، کسی کے پاس کچھ، باقی ذہنوں میں ترتیب یہی تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو یکجا لغت قریش میں لکھا دیا اور اس ترتیب سے لکھایا جس ترتیب سے اب موجود ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقت نزول فرمایا کرتے

(۱) (مشکوۃ المصابیح: ۱/۱۸۳، کتاب فضائل القرآن، قدیمی)

(والمسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱/۹۴، رقم الحديث: ۴۱۴، دار إحياء التراث العربی)

تھے کہ ”اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ رکھو“۔ لکھنے کا رواج کم تھا، زیادہ تر حافظہ پر مدار تھا اور عام رواج لکھائی کا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۷/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۴/رجب/۵۷ھ۔

پارہ عم کی طباعت خلاف ترتیب

سوال [۱۱۲۹]: ہندوستان میں پارہ عم (تیسواں پارہ) جو قرآن سے الگ طبع کرایا جاتا ہے وہ قرآن پاک کی ترتیب کے خلاف طبع ہوتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اور یہ طریق عمل کب سے جاری ہوا اور کس نے جاری کیا؟ کیا قرآن پاک کی طباعت مصحف عثمانی کی ترتیب کے خلاف کی جاسکتی ہے؟ اگر ایسا کرنا جائز نہیں ہے تو پارہ عم کی ترتیب مصحف عثمانی کی ترتیب کے خلاف کیوں عملاً جائز قرار دی جاتی ہے؟ یہ فرما کر مطمئن نہ فرمائیں کہ بچوں کی آسانی کے لئے ایسا کیا گیا، یہ آسانی مصحف عثمانی کی ترتیب کو باقی رکھ کر بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صریح جزئیہ کتب فقہ میں نہیں ملا، اولاً یہ عاجز چند عبارات نقل کرتا ہے، اس کے بعد جو کچھ اس سے استفادہ ہے صراحۃً یا اشارۃً یا دلالتاً یا لزوماً وہ عرض کرے گا، ان کان صواباً فمن اللہ فالحمد للہ علی

(۱) وقال الحاکم فی المستدرک: جمع القرآن ثلاث مرأت: إحداهما بحضرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم..... الثانية: بحضرة أبی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ..... الجمع الثالث: هو ترتیب السور فی زمن عثمان رضی اللہ عنہ..... کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنزل علیہ السور دوات العدد، فكان إذا نزل علیہ الشئ دعا بعض من کان یکتب، فیقول: ”ضعوا هؤلاء الآیات فی السورة التي یذكر فیها کذا وکذا الخ“۔ (الإتقان فی علوم القرآن للسيوطی: ۱/۱۱۶، النوع الثامن عشر فی جمعه و ترتیبه، دار ذوی القربی)

(و کذا فی مناہل العرفان فی علوم القرآن للزرقانی: ۱/۲۳۸، جمع القرآن علی عهد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دار إحياء التراث العربی)

(و تفسیر القرطبی، مقدمة المؤلف: ۱/۴۵، دار الکتب العلمیة، بیروت)

ذلك، وإن كان خطأ فمضى ومن الشيطان، فاستغفر الله العلي العظيم، والفقهاء بُراء منه.
 ”ويكره قراءة سورة فوق التي قرأها. قال ابن مسعود رضى الله تعالى عنه: ”من قرأ القرآن منكوساً، فهو منكوس الرأس“. وما شرع لتعليم الأطفال إلا لتيسير الحفظ بقصر السوراه- (مراقى الفلاح) (١)-

”ويكره قراءة سورة، وكذا الآية فوق الآية مطلقاً، سواء كان فى ركعتين، أو ركعة، واستثنى فى الأشباه النافلة فلا يكره فيها ذلك، وأقر عليه الغزى والحموى، ونقله عن أبى اليسر، وجزم به فى البحر والدر وغيرهما. قال بعض الفضلاء: وفيه تأمل؛ لأن النكس إذا كره خارج الصلوة كما يرشد إليه قوله: ”ما شرع لتعليم الأطفال الخ، لكون الترتيب من واجبات التلاوة ففى النافلة أولى، وكون باب النفل واسعاً لا يستلزم العموم بل فى بعض الأحكام اه“. (طحطاوى ص ١٩٣) (٢)-

”يجب الترتيب فى سور القرآن، فلو قرأ منكوساً، أثم اه“. شامى: ٣٠٧/١ (٣)-
 ”وجاز كتب المصحف وتعشير ونقطه: أى إظهار إعرابه، وبه يحصل الفرق جداً خصوصاً للعجم فيستحسن، وعلى هذا لا بأس بكتابة أسامى سور وعدد الأى وعلامات الوقف ونحوها، فهى بدعة حسنة، در وقنية اه“. (٤)- قوله: وتعشير هو جعل العواشر فى المصحف، وهو كتابة العلامة عند منتهى عشر آيات“. عنايه: ١٣٠/٨ (٥)-

”قوله: أى إظهار إعرابه تفسير للنقط. قال فى القاموس: نقط الحروف أعجم، ومعلوم أن الإعجام لا يظهر به الإعراب، إنما يظهر بالشكل، فكأنهم أراد وما يعم إفادة. قوله: وبه

(١) (مراقى الفلاح حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة، فصل فى المكروهات، ص: ٣٥٢، قديمى)

(٢) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ٣٥٢، قديمى كتب خانة)

(٣) (رد المحتار، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية: ٥٢٦/١، سعيد)

(٤) لم أظفر بهذا الكتاب.

(٥) (العناية شرح الهداية للعلامة البابرى على هامش فتح القدير: ١٠/٢٢، كتاب الكراهية، مسائل

متفرقة، مصطفى البابى الحلبي مصر)

یحصل الرفق الخ إشار إلى أن ماروی عن ابن مسعود: ”جرّدوا القرآن“ والقرآن كان في زمنهم، وكم من شيء يختلف باختلاف الزمان والمكان كما بسطه الزيلعي وغيره. قوله: وعلى هذا: أي على اعتبار حصول الرفق. قوله: ونحوها كالسجدة ورموز التجويد اه. ويكره تصغير مصحف وكتابه بقلم رقيق: أي تصغير حجم، وينبغي أن يكتبه بأحسن خط وأبينه على أحسن ورق، وأبيضه بأفخم قلم وأبرق مداد. ويفرج السطور، ويفخم الحروف، ويفخم المصحف اه. قنيه، ص: ۱۵۶، در مختار وشامی: ۵/۲۴۷ (۱)۔

”وتعشير المصحف ونقطه)، لأن القراءة والآئ توقيفية، ليس للرأى فيها مدخل، فبالتعشير حفظ الآئ، وبالنقط حفظ الإعراب، فكانا أحسنين، ولأن العجمي الذي لا يحفظ القرآن لا يقدر على القراءة إلا بالنقط فكان حسناً، وماروی عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه أنه قال: ”جرّدوا القرآن“، فذاك في زمنهم؛ لأنهم كانوا ينقلونه عن النبي صلى الله عليه وسلم كما أنزل، وكانت القراءة سهلة عليهم، وكانوا يرون النقط مخلاً بحفظ الإعراب، والتعشير بحفظ الآئ، ولا كذلك العجمي في زماننا، فيستحسن لعجز العجمي عن التعليم إلا به. وعلى هذا لا بأس بكتابة أسامي السور وعد الآئ فهو وإن كان محدثاً فمستحسن، وكم من شيء يختلف باختلاف الزمان والمكان اه. زيلعي شرح كنز: ۶/۶۰ (۲)۔

”قال في شرح الطحاوی لأبي بكر الرازي في كتاب الكراهية: وكان الشيخ أبو الحسن يقول: لا يكره ما يكتب في تراجم السور حسب ما جرت به العادة؛ لأن في ذلك إبانة عن معنى السورة، وهو بمنزلة كتابة التسمية في أجزائها للفصل اه. حاشية الشبلي على تبیین للزيلعي اه: ۶/۳۰ (۳)۔

عبارات منقولہ سے چند امور مستفاد ہوئے: ۱۔ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب واجب ہے، اس کے

(۱) (رد المحتار، فصل فی البیع: ۲/۳۸۶، سعید)

(۲) (تبیین الحقائق: ۷/۶۶، کتاب الکراهیة، دار الکتب العلمیة)

(۳) (حاشیة الشبلی عن التبیین: ۷/۶۶، کتاب الکراهیة، دار الکتب)

خلاف پڑھنا گناہ ہے، سورتوں اور آیتوں کی موجودہ ترتیب کے خلاف نماز میں پڑھنا مکروہ ہے، فقہاء کی بڑی جماعت نے نوافل میں خلاف ترتیب قراءت کو کراہت سے مستثنیٰ کیا ہے۔

۲۔ نہج کتابت میں چند تغیرات ہوئے: اعراب، نقطے، سورتوں کے نام، سورتوں کے مکی و مدنی ہونے کی تعیین، تعداد آیات، ہر دس آیت پر علامت، علامت وقف، سجدہ تلاوت، رموز تجوید۔

۳۔ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ فقہاء نے ان کو مکروہ لکھا ہے، مثلاً: باریک قلم سے قرآن پاک کو لکھنا، حجم کو چھوٹا کرنا، بلکہ فقہاء کی تاکید ہے کہ موٹے قلم سے بڑے بڑے حرفوں میں کشادہ کشادہ سطور لکھ کر حجم بڑا کیا جائے، مگر یہ چیزیں بلا تکثیر شائع ہیں، ہند میں بھی اور بیرون ہند میں بھی، چنانچہ نہایت خوشنما باریک حرفوں میں لکھے ہوئے جیسی بلکہ اس سے بھی چھوٹے چھوٹے قرآن شریف مطالع سے چھپ کر آرہے ہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ پہلے چھوٹے حرفوں میں لکھنا خلاف احترام تھا، اس سے تحفظ کے لئے فقہاء نے تاکید کی تھی اور اب یہ چیز نہیں، پس علت کراہت باقی نہیں رہی۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد ہے کہ ”جرؤ القرآن“ لیکن نہج کتابت کے جو تغیرات منقول ہوئے، ان سب کی فقہاء نے اجازت دی ہے بلکہ مستحسن لکھا ہے، اس لئے کہ پہلے ان کی ضرورت نہیں تھی بلکہ یہ مخل حفظ تھے، پھر ان کی حاجت پیش آئی اور یہ معین حفظ قرار پائے (۱)۔

۵۔ ترتیب واجب ہونے کے باوجود بچوں کی سہولت کی خاطر خلاف ترتیب تعلیم دینا درست ہے، یہ امر ظاہر ہے کہ یہ نقوش منزل من اللہ نہیں البتہ منزل من اللہ پر دال ہیں۔ یہ بھی مسلم ہے کہ موجودہ ترتیب اور ہے اور نزولی ترتیب اور، نزول کے وقت جس طرز پر کتابت کرائی گئی تھی اب کلی طور پر وہ طرز باقی نہیں، لیکن

(۱) ”وتعشیر المصحف ونقطه یعنی يجوز: لأن القراءة والآية توقيفية، ليس للرأى فيها مدخل، فالتعشیر حفظ الآيات، والنقط حفظ الإعراب، فكانا حسنین، ولأن العجمی الذی لا یحفظ القرآن لا یقدر علی القراءة إلا بالنقط فكان حسناً، وما روى عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه من قوله: ”جرءوا القرآن“ فذلك فى زمانهم؛ لأنهم كانوا ينقلونه عن النبى صلى الله عليه وسلم كما أنزل، وعلى هذا لا بأس بكتابة أسامى السور وعد الآى، وإن كان محزباً فهو حسن، وكم من شئ یختلف باختلاف الزمان والمكان“۔ (البحر الرائق: ۸/۳۷۳، کتاب الکراہیة، مکتبة رشیدیہ)

الفاظ وہی ہیں، ان میں سرمنہ فرق نہیں اور: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (۱) کا وعدہ بالکل صادق ہے۔

۶۔ جب الفاظ کو خلاف ترتیب سہولت کی خاطر تعلیم دینا حسب تصریح فقہاء درست ہے حالانکہ الفاظ منزل من اللہ ہیں اور موجودہ دور میں تعلیم اطفال گویا کہ موقوف ہے نقوش کی شناخت پر، تو جو نقوش خود منزل من اللہ نہیں بلکہ منزل من اللہ پر دال ہیں تو ان کا اس سہولت اور توقف کی خاطر پارہ عم کو مروجہ طریقہ پر طبع کرنا بھی بظاہر درست ہوگا، البتہ اس کا اہتمام ضروری ہے کہ بچے یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ اصلی ترتیب یہی ہے، بلکہ ذہن نشین کرادیا جائے کہ تم کو خلاف ترتیب پڑھایا جا رہا ہے، اصلی ترتیب وہ ہے جو قرآن پاک میں ہے، پارہ عم کے بعد حاجت باقی نہیں رہتی، بلکہ عامۃ اتنی شناخت ہو جاتی ہے کہ سہولت شروع سے پڑھتے چلے جاتے ہیں۔
بایں ہمہ ترتیب کے ساتھ پڑھانا اور طبع کرانا اصل کے مطابق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

سورتوں کی ترتیب تو قینی ہے

سوال [۱۱۳۰]: قرآن حکیم کی ترتیب آیات اور سورتوں کی ترتیب قطعی ہے یا ظنی؟ اس ترتیب موجودہ کا منکر کافر ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔
عاشق علی دہلوی

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ترتیب تو قینی ہے، بعض جگہ اختلاف بھی ہے، اس کا منکر کافر نہیں، گنہگار ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۹/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱) (سورة الحجر: ۹)

(۲) ”ان عقد إجماع الأمة على أن ترتيب آيات القرآن الكريم على هذا النمط الذي نراه اليوم

بالمصحف، كان بتوقيف من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن الله تعالى إنه لا مجال للرأى والاجتهاد

فيه“۔ (مناهل العرفان فى علوم القرآن: ۱/۳۳۹، ترتيب آيات القرآن، دار إحياء التراث العربی) =

کیا قرآن کے چالیس پارے ہیں؟

سوال [۱۱۳۱]: اگر زید کہے کہ قرآن پاک تو مولوی لوگوں کے لئے ۳۰/ پارے ہیں، حالانکہ اصل قرآن پاک ۴۰/ پارہ کا ہے، پوچھنے پر پیر نے جواب دیا کہ ۱۰/ پارے پیر کے قلب میں ہیں۔ تو ایسا اعتقاد رکھنے والا شخص کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ عقیدہ رکھنا سخت گمراہی اور بد دینی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۲/۸۹ھ۔

قرآن کریم کے چالیس پارے ماننے والے کا حکم

سوال [۱۱۳۲]: یہ قرآن کریم فرقان حمید کے مکمل تیس پارے ہیں، مگر ایک فرقہ کہتا ہے کہ قرآن کریم کل چالیس پاروں میں اتر ا ہے، ظاہر تیس پارے اور مشائخ کے سینہ میں پوشیدہ دس پارے سینہ بسینہ چلے آ رہے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے، یہ غلط ہے تو اس جماعت کو کیا کہنا چاہئے؟

= ”وقال السيوطي ما نصه : الذي ينشرح له الصدر ما ذهب إليه البيهقي ، و هو أن جميع السور ترتبها توقيفي إلا براءة والأنفال“ . (مناهل العرفان : ۱/ ۳۵۰ ، ترتيب السور ، دار إحياء التراث العربي)

(و كذا في الإتقان : ۱/ ۱۱۶ ، النوع الثامن عشر ، دار ذوى القربى)

(ومرقاة المفاتيح : ۴/ ۶۲۷ ، ۶۳۰ ، كتاب فضائل القرآن ، رشيدية)

(۱) ”اعلم أن من استخف بالقرآن أو المصحف أو بشيء منه أو سبهما، أو جحدته أو حرفاً منه أو آية، أو كذب به أو بشيء منه، أو كذب بشيء مما صرح به من حكم أو خبر، أو أثبت ما نفاه أو نفى ما أثبتته على علم منه بذلك، أو شك في شيء من ذلك، فهو كافر عند أهل العلم بإجماع، قال الله تعالى: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ، تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ . (الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ، الفصل التاسع، الحكم بالنسبة للقرآن : ۲/ ۲۹۲ ، دار الأرقم)

الجواب حامداً ومصلیاً :

یہ فرقہ قرآن کریم کو مخرف مانتا ہے، اس کا ایمان قرآن پر نہیں (۱)، جب پورا قرآن بھی اس کے پاس نہیں تو یہ اہل کتاب بھی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۴/۹/۹۰ھ۔

سورہ فاتحہ کس پارہ کا جز ہے؟

سوال [۱۱۳۳]: سورہ فاتحہ قرآن مجید کی سورہ ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو کون سے پارہ کی سورہ ہے؟ نیز یہ کہ صرف سورہ فاتحہ پڑھنے سے نماز میں تو کوئی قصور واقع نہیں ہوتا؟ نیز شان نزول وغیرہ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

سورہ فاتحہ (الحمد شریف) بالیقین کتاب اللہ قرآن شریف کی سورت ہے، مصحف عثمانی میں سب سے پہلے سورہ فاتحہ ہے، اس کے بعد سورہ بقرہ ہے، بچوں کی تعلیم میں سہولت کی خاطر پارہ عم میں خلاف ترتیب سورتیں لکھی گئی ہیں۔ سورہ فاتحہ نماز میں (امام، منفرد کے لئے) پڑھنا واجب ہے، اور اس کے ساتھ سورت یا تین آیات کی مقدار پڑھنا بھی واجب ہے (۲) اور نفس قرأت فرض ہے، اگر صرف فاتحہ پر کفایت کی تو نفس قرأت کا فریضہ اور سورہ فاتحہ کا وجوب تو ادا ہو گیا (۳) مگر ضم سورہ کا وجوب ادا نہیں ہوا۔ اگر بھولے سے واجب ترک ہو جائے تو سجدہ سہولاً لازم ہوتا ہے، عمداً واجب ترک کرنے سے اعادہ نماز واجب ہوتا ہے (۴)۔ شان نزول اور مزید معلومات

(۱) ”و جواب این مطعن راجع تعالیٰ خود متکفل شد، جائے کہ فرمودہ: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ ہرچہ در حمایت و کفایت الہی باشد بشر اچہ امکان کہ در ان نقص و کمی را راہ دہد..... اھ۔“ (تحفۃ اثنا عشریۃ، باب دوم در مکائد شیعہ و طریق اضلال و تلبیس، کید سیزدہم، ص: ۳۸، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) ”تجب قراءة الفاتحة و ضم السورة أو ما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة في الأوليين بعد الفاتحة، كذا في النهر الفائق“۔ (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الصلاة، الفصل الثانی فی واجبات الصلاة: ۱/۷۱، رشیدیہ)

(۳) ”الفصل الأول فی فرائض الصلاة..... و منها القراءة، و فرضها عند أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ یتأدی بآية واحدة الخ“۔ (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الصلاة: ۱/۶۹، رشیدیہ)

(۴) ”الأصل فی هذا المترك ثلاثة أنواع: فرض وستة و واجب..... وفي الثالث إن ترك =

”لباب المنقول“، ”الدر المنثور“ (۱)، ”مفتاح الغیب“ (۲) وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۰ھ۔

کتب سماویہ کی زبان

سوال [۱۱۳۲]: تورات، زبور، انجیل، صحف ابراہیم و موسیٰ کس زبان میں تھیں، عربی یا سریانی؟
سوائے تاریخ کے قرآن و حدیث سے ان کتابوں کی زبان کی تحقیق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتی ہے تو تحریر فرمائیے اور اگر صرف تاریخ ہی سے پتہ چلتا ہے تو بحوالہ کتب تحریر فرمائیے، جو حضرت عیسیٰ و موسیٰ و حضرت داؤد علیہم السلام پر نازل ہوئی تھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نزول ہر کتاب کا عربی زبان میں ہوا پھر ہر رسول نے اس کتاب کا اپنی قوم کی زبان میں ترجمہ کیا اور اس کو سمجھایا، قیامت کو سب کی زبان سریانی ہوگی پھر لوگ جنت میں داخل ہوں گے، ان کی زبان عربی ہو جائے گی، سفیان ثوری سے ابن ابی حاتم نے اس کو روایت کیا ہے، کذا فی تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۴۷ (۳)۔ شیخ

= ساهياً يجبر بسجدة السهو، وإن ترک عامداً، لا لا يجب السهو في العمدة، وإنما تجب الإعادة جبراً لنقصانه، كذا في البحر الرائق وإذا ترک الفاتحة في الأوليين أو أحدهما يلزمه السهو“، (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۲۶، رشیدیہ)

(۱) (الدر المنثور فی التفسیر الماثور، سورة الفاتحة: ۱/۳، ۵، مؤسسة الرسالة، بیروت)

(و کذا راجع للتفصیل الإتيان للسيوطی، المسئلة الخامسة لنزول الآية أسباباً متعددة الخ الإتيان، النوع التاسع معرفة سبب النزول: ۱/۶۴، ذوی القربی)

(۲) (التفسیر الکبیر: ۱/۲۱۶-۲۱۸، اشتراط الفاتحة فی الصلاة، دارالکتب العلمیة، طهران)

(و کذا فی الحلبي الکبیر، ص: ۴۹۵، تتمات فیما یکره من القرآن، سهیل اکیڈمی)

(و الفتاویٰ العالمکیریة: الباب الخامس فی آداب المسجد والمصحف: ۵/۳۲۳، رشیدیہ)

(۳) ”وقال سفیان الثوری: لم ينزل وحی إلا بالعربیة، ثم ترجم کل نبی لقومه، واللسان يوم القيامة

بالسریانیة، فمن دخل الجنة تكلم بالعربیة. رواه ابن أبی حاتم“، (تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۶۳، الشعراء،

تحت قوله تعالى: ﴿بلسان عربی مبین﴾ رقم الآية: ۱۹۵، دار السلام ریاض)

عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواهر ۱: ۹۴، میں لکھا ہے: کہ قرآن، تورات، انجیل، سب کلام اللہ ہیں، اول عربی میں، ثانی عبرانی میں، ثالث سریانی میں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ۔

غیر عربی میں قرآن لکھنا

استفتاء سوال [۱۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور شرع متین اس بارے میں کہ مقامی ایک نیم عالم صاحب نے قرآن حکیم کو بنگلہ خط میں اور ترجمہ میں لکھا ہے، جس کے شروع میں کہتے ہیں ”کہ یہ حروف بنگالیوں کے لئے ہیں“۔ لفظ بنگالی کی تشریح نہیں کی، آیا بنگالی مسلمانوں کے لئے ہے یا اور کسی کے لئے ہے۔ یہ تو سرخی ہوئی، دوسرے صفحہ پر انھوں نے **لا اله الا الله** کو (لفظ ۴) اس شکل میں لکھا ہے، لوگوں نے دریافت کیا تو جواب دیا گیا کہ یہ ہماری چیز تھی جو ہندوؤں نے لے لی، نیز ”مذہب اسلام کیا ہے“ اور ”مسلمان کسے کہتے ہیں“ عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ ”مسلمان اسے کہتے ہیں جو موسیٰ، عیسیٰ، محمد، کرشن جی پر ایمان رکھتے ہیں، ان کو نبی مانتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”ہا کر“ یعنی ڈاکیہ، ہرکارے بتلایا ہے، حضور اکرم۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کے تکریم کے مناسب الفاظ بھی لانا اپنی دانست میں مناسب نہ سمجھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:
بنگلہ خط میں قرآن حکیم لکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

”قال اشہب رحمہ اللہ تعالیٰ: سئل مالک هل یکتب المصحف علی ما أحدثہ الناس من الہجاء؟ فقال: لا إلا علی الکتابۃ الأولى. رواہ الدارانی فی المقنع. ثم قال: ولا مخالف لہ من علماء الأئمۃ. وقال الإمام أحمد: یحرم مخالفۃ خط مصحف عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی واو أو یا، أو ألف أو غیر ذلک۔ وقال البیہقی فی شعب الإیمان: من یکتب مصحفاً ینبغی أن یحافظ علی الہجاء التي کتبوا بہ تلك المصاحف، ولا یخالفہم، ولا یغیر مما کتبہ شیئاً فإنہم کانوا أكثر علماً وأصدق قلباً ولساناً وأعظم أمانة مناء، فلا ینبغی أن نظن بأعیننا استدراکاً علیہم اھ“۔

(۱) ”فإن عبر عن کلام اللہ تعالیٰ بالعربیۃ کان قرآناً، وبالسریانیۃ کان إنجیلاً، وبالعبرانیۃ کان توراۃ“۔

(الیواقیت، الجواهر للشعرانی، ص: ۹۴، مکتبہ عباس بن عبد السلام، مصر)

اتقان، النوع السادس والسبعون: ۱۹۶/۲ (۱)۔

”وصرح بتحريم كتابته بالعجمية في الفتاوى الكبرى: ۱/۳۸ (۲): قال بعض أئمة القراءۃ: ونسبته إلى مالك؛ لأنه المسئول عن المسئلة، وإن لا فهو مذهب الأئمة الأربعة، وقال أبو عمرو: ولا مخالف له في ذلك من علماء الأمة، وقال بعضهم: والذي ذهب إليه مالك هو الحق؛ إذ فيه بقاء الحالة الأولى إلى أن يتعلم الآخرون، وفي خلافها تجهيل آخر الأمة أولهم وإذا وقع الإجماع كما ترى على منع ما أحدث الناس اليوم من مثل كتابة الربو بالألف مع أنه موافق للفظ الهجاء، فمنع ما ليس من جنس الهجاء أولى، وزعم أنه كتابته بالعجمية فيها سهولة للتعلم كذب مخالف للواقع والمشاهدة، فلا يلتفت لذلك على أنه لو سلم صدقه، لم يكن مبيحاً لإخراج ألفاظ القرآن عما كتبت عليه وأجمع عليه السلف والخلف اهـ“۔ والمسئلة مذكورة في إكام النفائس ايضاً، ص: ۲۴ (۳)۔

عبارات منقولہ بالا سے معلوم ہوا کہ مصحف عثمانی کے رسم خط کی رعایت و متابعت لازم و ضروری ہے اور اس کے خلاف لکھنا اگرچہ وہ عربی رسم خط میں ہی کیوں نہ ہو، ناجائز اور حرام ہے اور اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے بلکہ علمائے امت میں سے کسی کا اختلاف نہیں تو یہ اجماعی مسئلہ ہوا، پھر غیر عربی بنگلہ وغیرہ رسم خط میں لکھنا کیسے جائز ہو سکتا ہے، اس میں تو جواز کا کوئی احتمال ہی نہیں۔ لہذا صورتِ مسئلہ بالا جماع ناجائز ہے، بعض حروف عربی کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے: طاء، حاء، ض، ظ، وغیرہ، یہ حروف دوسری زبان میں استعمال ہی نہیں ہوتے، ان کے لئے ان زبانوں میں نہ صوت ہے، نہ شکل و صورت ہے تو لامحالہ ان کی جگہ دوسرے حروف لکھے جائیں گے جو کہ بنگلہ میں مستعمل ہیں اور یہ عمدتاً تحریف و تغیر ہے جو کہ حرام ہے۔ البتہ اگر متن قرآن کریم تو

(۱) (الاتقان فی علوم القرآن: ۲/۳۲۸، النوع السادس والسبعون، فی مرسوم الخط وآداب كتابته، دار ذوی القربی)

(۲) (الفتاویٰ الكبرى الفقهية: ۱/۳۸، باب النجاسة، المكتبة الإسلامية، ترکی)

(۳) (آكام النفائس، ص: ۵۳، فی ضمن رسائل الكنوی: ۳/۳۸۵، إدارة القرآن)

(و کذا فی الاتقان فی علوم القرآن، للسيوطی: ۱/۱۱۶ - ۱۲۹، النوع الثامن عشر فی جمعه وترتبه، دار ذوی القربی)

عربی اصل رسم خط میں ہو، اور اس کا ترجمہ و تفسیر بنگلہ زبان میں تو شرعاً مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۰۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۱۴۰۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ منظور احمد عفی عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

سلف صالح کا اتباع اور پیروی ضروری ہے اور اسی میں ہماری فلاح اور سعادت ہے۔ فقط۔ زکریا قدوسی

الجواب صحیح: بندہ ظہور الحق عفی عنہ مدرسہ ہذا۔ ہذا الجواب ہوا الحق وبالاتباع الحق، امیر احمد کاندھلوی کان اللہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن غفرلہ۔ احقر علیم اللہ مظاہری عفا اللہ عنہ۔

اردو میں قرآن پاک پڑھنا

سوال [۱۱۳۶]: آج کل لوگ اردو کا قرآن پاک پڑھ رہے ہیں، ایسے قرآن شریف پڑھنا یا

خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض اردو میں قرآن پاک لکھنا اور چھاپنا اور فروخت کرنا اور خریدنا درست نہیں، اصل عربی کے ساتھ ترجمہ بھی ہو تو درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۱۱/ ۱۴۰۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام ا۔ ین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۱۱/ ۱۴۰۵ھ۔

(۱) قال المحقق ابن همام: "و فی الکافی: إن اعتاد القرآن بالفارسیة أو أراد أن یکتب مصحفاً بها

یمنع، فإن فعل آية أو آيتين لا، فإن كتب القرآن و تفسیر کل حرف و ترجمته جاز الخ". (فتح القدیر،

باب صفة الصلاة: ۲۸۶/۱، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(و کذا فی رد المحتار: ۲۸۶/۱، مطلب فی بیان المتواتر والشاذ، سعید)

(و کذا فی مناهل العرفان: ۳۸/۲، دار احیاء التراث العربی)

ترجمہ قرآن بغیر عربی عبارت کے

سوال [۱۱۳۷]: قرآن شریف کو بغیر عربی کے صرف اردو ترجمہ کے ساتھ چھاپنا کیسا ہے اور اس کو خریدنا اور پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر عربی کے محض اردو یا کسی بھی زبان میں قرآن شریف کو لکھنا چھاپنا منع ہے، اتقان میں اس پرائمہ اربعہ کا اجماع نقل ہے (۱)۔

قال العلامة الشامي: "في الفتح عن الكافي: إن اعتاد القراءة بالفارسية أو أراد أن يكتب مصحفاً بها يمنع اهـ". شامي: ۱/۳۲۶ (۲)۔

اس سے خریدنے اور بیچنے کی بھی ممانعت معلوم ہوگئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

قرآن کریم ہندی میں لکھنا

سوال [۱۱۳۸]: ہندی میں جو قرآن کریم جماعت اسلامی ہند نے شائع کیا ہے اس کو پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور عربی رسم الخط عربی قرآن جو ہے، اس کو تلاوت کرتے ہیں تو ان میں افضل کون ہے، عربی رسم الخط یا ہندی، کس کی تلاوت کا ثواب زیادہ ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الفاظ قرآن کو عربی رسم الخط میں لکھنا ضروری ہے، ہندی یا کسی اور رسم الخط میں لکھنے کی اجازت نہیں (۳)۔ اتقان

(۱) (الإنقان فی علوم القرآن، النوع السادس والسبعون فی مرسوم الخط الخ: ۳۲۸/۲، ذوی القربی)

(۲) (رد المحتار: ۱/۳۸۶، مطلب فی بیان المتواتر والشاذ، سعید)

(کذا فی فتح القدیر، باب صفة الصلاة: ۱/۲۸۶، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

(ومناهل العرفان: ۳۸/۲، دار إحياء التراث العربی)

(۳) "و فی الکافی: إن اعتاد القرآن بالفارسية، أو أراد أن يكتب مصحفاً بها يمنع، فإن فعل آية أو آيتين لا، فإن

كتب القرآن و تفسیر کل حرف و ترجمته جاز الخ". (فتح القدیر، باب صفة الصلاة: ۱/۲۸۶، مصر) =

میں اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق نقل کیا ہے (۱)۔ ہندی رسم الخط میں لکھنے سے عبارت مسخ ہو جائیگی، ح، ذ، ز، ض، ظ میں نمایاں فرق نہیں رہے گا، سب کی صورت یکساں ہوگی، اصل مخارج و صفات سے ان کو ادا نہیں کیا جائے گا۔ استعلاء، اطباق، استطالت، سب کچھ ضائع کر دیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عثیٰ عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

اُڑیہ زبان میں قرآن وحدیث کا لکھنا

سوال [۱۱۳۹]: ہمارے علاقے میں اپنی صوبائی زبان اُڑیہ زبان کے علاوہ کسی اور زبان کو عام طور پر صحیح نہیں جانتے، اکثر لوگ دوسری زبان سے بالکل ہی ناواقف ہیں، خاص طور پر عربی اور اردو زبان سے بالکل نابلد ہیں، لہذا احکام اسلام سیکھنے کے مشتاق ہونے کے باوجود سیکھ نہیں سکتے۔ اس لئے ان لوگوں کی خواہش ہے کہ احکام اور ارکان اسلام اور تمام ضروری مسائل اُڑیہ زبان میں شائع کرائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں، لہذا کیا اس مجبوری کی صورت میں مندرجہ ذیل مسائل واحکامات اُڑیہ زبان میں سیکھ سکتے ہیں؟

۱..... کیا کلام اللہ کی چھوٹی چھوٹی سورتیں جو نماز کے لئے ضروری ہیں اس کو اُڑیہ زبان میں لکھ سکتے ہیں؟

۲..... کیا کلام اللہ کی اسلام اور ارکان اسلام کی فضیلت والی آیتیں اور دعائیں بھی لکھ سکتے ہیں؟

۳..... کیا احادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو فضائل واحکام سے متعلق ہیں، نیز دوسری دعائیں ان کو بھی لکھ سکتے ہیں؟

۴..... کیا اس مجبوری کے تحت کلام اللہ کی تفسیر و ترجمہ اس متعلقہ زبان میں کر سکتے ہیں؟ براہ کرم مندرجہ

بالا سوالات کے جوابات مع دلائل وحوالہ کتب وضاحت کے ساتھ بیان فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

= (و کذا فی رد المحتار: ۴۸۶/۱، مطلب فی بیان المتواتر والشاذ، سعید)

(۱) "وقال أشهب: سئل مالک هل يكتب المصحف على ما أحدثه الناس من الهجاء؟ فقال: لا، إلا

على الكتابة الأولى..... وقال الإمام أحمد: يحرم مخالفة خط مصحف عثمان رضي الله عنه في واو،

أویاء أو ألف أو غير ذلك". (الإتقان فی علوم القرآن النوع السادس والسبعون، فی مرسوم الخط و

آداب کتابتہ: ۳۲۸/۲، دار ذوی القربی)

(و کذا فی مناهل العرفان فی علوم القرآن: ۳۸/۲، دار احیاء التراث العربی)

فقط

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم اور احادیث کی دعائیں اصل عربی رسم الخط میں لکھ کر ان کا ترجمہ اور تفسیر اور تشریح اپنی اُڑیہ زبان میں کر سکتے ہیں۔ فتح القدیر اور دیگر کتب فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے (۱)۔ محض اُڑیہ یا کسی اور زبان میں (عربی کے علاوہ) قرآن پاک کو لکھنا بالاجماع ناجائز ہے، کذا فی الإیتقان (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۸۹ھ۔



(۱) قال المحقق ابن همام رحمه الله تعالى: "و في الكافي: إن اعتاد القرآن بالفارسية، أو أراد أن يكتب مصحفاً بها يمنع، فإن فعل آية أو آيتين، لا، فإن كتب القرآن و تفسیر كل حرف و ترجمته جاز الخ". (فتح القدیر، باب صفة الصلاة: ۲۸۶/۱، مصطفى البابی الحلبي مصر)
(و كذا فی رد المحتار: ۴۸۶/۱، مطلب فی بیان المتواتر والشاذ، سعید)

(۲) "وقال أشهب: سئل مالك هل يكتب المصحف على ما أحدثه الناس من الهجاء؟ فقال: لا، إلا على الكتابة الأولى..... وقال الإمام أحمد: يحرم مخالفة خط مصحف عثمان رضي الله عنه الخ". (الإیتقان: ۳۲۸/۲ النوع السادس والسبعون، في مرسوم الخط و آداب كتابته، دار ذوی القربی).
(و كذا فی مناهل العرفان فی علوم القرآن: ۳۸/۲، دار إحياء التراث العربی)

حفظ قرآن کا بیان

حفظ قرآن اور ختم فرض ہے یا سنت؟

سوال [۱۱۴۰]: ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ فی الدنيا والآخرة: ہر شخص پر عمر بھر میں ایک ختم قرآن شریف پڑھنا یا سننا فرض عین ہے یا سنت موکدہ؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

حفظ قرآن کرنا فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے (۱)، تراویح میں ہر سال پڑھنا یا سننا سنت موکدہ ہے اور ہر چالیس روز میں ایک مرتبہ ختم کرنا مستحب ہے، کذا فی الدر المختار: ۱/۷۲۹ (۲)، والہندیہ: ۱/۳۱۷ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۸/ذیقعدہ/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم ۲۹/ذیقعدہ/۶۰ھ۔

کیا قرآن کریم حفظ کرنا مفید نہیں مضر ہے؟

سوال [۱۱۴۱]: بکر کہتا ہے کہ کل کلام پاک کا حفظ کرنا - نعوذ باللہ - ایسا ہے کہ جیسے گندی نالی میں

(۱) "قوله: وحفظ جميع القرآن الخ. أقول: لا مانع من أن يقال: جميع القرآن من حيث هو يسمى فرض كفاية وإن كان بعضه فرض عين وبعضه واجباً." (رد المحتار: ۱/۵۳۸، مطلب فی الفرق بین فرض العین و فرض الكفاية، سعید)

(و کذا فی الحلبي الكبير: ص: ۴۹۵، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) "ينبغي لحافظ القرآن في كل أربعين يوماً أن يختم مرة." (الدر المختار: ۲/۷۵۷، مسائل شتی

عقیب کتاب الفرائض، سعید)

(۳) (الفتاویٰ العالمکیریۃ، فصل فی التراویح: ۱/۱۱۷، رشیدیہ)

عطر کا چھڑکنا کہ بعد حفظ نہ کلام پاک کا احترام کیا جاتا ہے نہ یاد رکھا جاتا ہے جس کی ذمہ داری استاذ پر ہے، ممکن ہے کہ قیامت میں استاذ کی پکڑ ہو۔

عمر، بکر کو کہتا ہے کہ ایسے پر فتن زمانے میں مسلمانوں کو کلام پاک کا حفظ کرنا انتہائی ضروری ہے تاکہ بچے دین سے واقف رہیں، اور کلام پاک کو بھلا دینا یہ ان کا اپنا فعل ہے، استاذ پر کوئی ذمہ داری نہیں، استاذ کو حفظ کلام پر آمادگی و رشاء و ذمہ داروں کی ہے اور وہ اساتذہ دوہرے اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔ کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمرہ قول درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غنی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

جس کو کلام پاک کچا یاد ہو، کیا وہ بھی بخشش کرائے گا؟

سوال [۱۱۲۲]: ایک آدمی نے حفظ کرنا شروع کیا اور پورا کر لیا، ایسا کیا کہ جو پارہ استاذ کو سنانا ہوا اور سنایا مگر سناتے وقت دسیوں غلطیاں ہوئیں اور کبھی غلطیوں کی وجہ سے بھگا دیا کہ جاؤ یاد کرو، ابھی یاد نہیں ہے، ایسے ہی قرآن شریف ختم ہو گیا اور رمضان میں کبھی قرآن شریف (تراویح) پورا نہیں کیا، بس دو چار پارے سنایا اور حفظ وغیرہ کی پکڑی وغیرہ کچھ نہیں بندھی۔ ایسے شخص کو حافظ مانا جائے گا یا نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ حافظ دس آدمیوں کو بخشوانے کا حقدار ہے یا نہیں؟ یہ حافظ بہت بیمار رہتا ہے یعنی زکام اور خواب ہو جانے کا بہت بڑا مرض ہے، لگاتار اس مرض میں مبتلا ہے، اس لئے دماغ کی کمزوری بہت رہتی ہے، صحیح یاد نہیں ہوتا، چھوٹی چھوٹی سورتیں تک بھول جاتا ہے۔ قیامت کو یہ حافظ اللہ تعالیٰ کے ہاں اندھا تو نہیں اٹھایا جائے گا؟ قرآن شریف دیکھ کر روزانہ پڑھتا ہے ایک دو پارہ، ناغہ نہیں کرتا، پنج وقتہ نماز پڑھتا ہے، امام بھی ہے۔

(۱) حضرات فقہائے کرام نے قرآن مجید کے حفظ کرنے کو فرض کفایہ لکھا ہے: قال العلامة التمرتاشی: "حفظ جميع

القرآن فرض کفایہ" (الدر المختار: ۵۳۸/۱، مطلب فی الفرق بین فرض العین و فرض الکفایہ، سعید)

(و کذا فی الحلبي الكبير: ۴۹۵، سہیل اکیڈمی)

(و فتاویٰ قاضی خان علی ہاشم العالمگیریہ: ۲۳۸/۱، فصل فی مقدار القراءة فی التراویح، مکتبہ

رشیدیہ، کوئٹہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ روزانہ دیکھ کر تلاوت کرتا رہتا ہے اور دماغ کی کمزوری کی وجہ سے محنت کے باوجود یاد نہیں ہوا تو وہ اندھا نہیں اٹھایا جائے گا (۱) اور اس کو محنت کا پورا اجر ملے گا (۲) اور امید ہے کہ وہ بخشش بھی کرا دے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کیا حافظ کو غیر حافظ پر فوقیت ہے؟

سوال [۱۱۴۳]: زید کہتا ہے کہ حاجی مقتدی پر حافظ قرآن کا مرتبہ زیادہ ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر حافظ پر حافظ کو فوقیت حاصل ہے، امام کو مقتدیوں پر فوقیت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۵ھ۔

(۱) اندھا اٹھائے جانے کی وعید ایسے شخص کے حق میں ہے کہ جو قرآن کریم دیکھ کر پڑھنے پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو، ورنہ تو یہ وعید نہیں: ”والنسیان عندنا أن لا يقدر أن يقرأ بالنظر، كذا في شرح شرعة الإسلام“۔ (بذل المجہود فی حل
ابی داؤد: ۲۶۶/۱، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۲) ”عن عائشة رضي الله تعالى عنها، قالت عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: قال: ”الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، والذي يقرأ القرآن، ويتتعتع فيه، وهو عليه شاق، له أجران“۔
(الصحيح للبخاری، کتاب فضائل القرآن، رقم الحديث: ۴۹۳۷، دار السلام، ریاض)

(۳) ”الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة..... فإن تساوا فأقرؤهم: أى أعلمهم بعلم
القرأة“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، الباب الخامس فی الإمامة: ۸۳/۱، رشیدیہ)

(و كذا فی رد المختار، باب الإمامة: ۵۴۷/۱، سعید)

وقال عليه الصلاة والسلام: ”يَوْمَ الْقَوْمِ أَقْرؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ، فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً الْخ“۔

(الحلبی الكبير، فصل فی الإمامة، ص: ۵۱۲، سهیل اکیڈمی لاہور)

بستی میں کوئی حافظ نہیں

سوال [۱۱۴۲]: ہماری بستی میں کوئی حافظ نہیں ہے، زید کہتا ہے کہ حفظ کرنا فرض کفایہ ہے، اس بستی کے سب لوگ گنہگار ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بڑی محرومی کی بات ہے کہ وہاں پر کوئی حافظ نہیں، کوشش کر کے حفظ کی طرف توجہ دلانی چاہیے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۵ھ۔

قرآن شریف بھول جانے پر وعید

سوال [۱۱۴۵]: ایک شخص نے قرآن شریف کو حفظ کیا تھا لیکن غفلت سے بھول گیا، اب ضعیفی میں اس کو خیال ہوا، لیکن یاد نہیں ہوتا، اگر اس کے بجائے نفل نمازوں کی کثرت کرے تو کیا اس وعید سے بچ سکتا ہے جو یاد کر کے بھلا دینے پر ہے یا یاد کرنے میں لگا رہنا بہتر ہے، خواہ یاد ہو یا نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ وعید اس وقت ہے کہ دیکھ کر پڑھنے پر بھی قادر نہ ہو، بذل المجہود: ۱/۲۶۶ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

(۱) قال العلامة التمرتاشی: "و حفظ جميع القرآن فرض كفاية". وقال ابن عابدين: "فرض الكفاية" معناه فرض ذو كفاية: أي يكتفى بحصوله من أي فاعل كان". (رد المحتار، مطلب في الفرق بين فرض العين و فرض الكفاية: ۱/۵۳۸، سعيد)

(و كذا في الحلبي الكبير: ۴۹۵، سهيل اكيڊمي)

(۲) "والنسيان عندنا أن لا يقدر أن يقرأ بالنظر، كذا في شرعة الإسلام". (بذل المجہود في حل أبي داؤد: ۱/۲۶۶، باب فضل كنس المسجد، مكتبہ امدادیہ ملتان)

وفي الحلبي الكبير: "والنسيان أن لا يمكنه القراءة من المصحف". (ص: ۴۹۸، تتمات فيما يكره من القرآن، سهيل اكيڊمي)

قرآن پاک حفظ کر کے بھول جانا

سوال [۱۱۲۶]: جو شخص حافظ ہے قرآن مجید بھول گیا، کیا حافظ کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ بھول جانیوالا گنہگار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن مجید کو یاد کر کے بھلا دینا بہت بڑی ناقدری ہے اور ایک نعمت عظمیٰ کی ناشکری ہے اور ناشکری پر وعید آئی ہے: ﴿لئن شکرتم لأزیدنکم ولن کفرتم إن عذابی لشدید﴾ (الآیۃ) (۱)۔
ایسے شخص کو خود حافظ ہونے کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے، اگر لوگ اس اعتبار سے حافظ کہیں کہ اس نے حفظ کیا تھا تو گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شوال/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/۶۷ھ۔

درجہ حفظ سے انگریزی تعلیم میں جانا

سوال [۱۱۲۷]: معبود مدرسہ عرصہ دراز سے بغرض ترویج امور دینیہ قائم ہے، حفظ قرآن کی تعلیم تھی، اس کے ساتھ ساتھ بغیر درجہ بندی اردو کی بھی تعلیم ہوتی تھی مگر حفظ قرآن کو غلبہ رہا۔ اسی درجہ میں طلبہ کی کثرت رہی اور بحمد اللہ حفظ کا اچھا خاصا کام ہو رہا تھا، سرکاری ہندی وغیرہ کے پرائمری اسکول تھے جو خالص دنیوی اور عقائد شکن تھے، ایسی صورت میں مسلم لڑکوں کا کتنا عقیدہ خراب ہوتا تھا نا گفتہ بہ ہے۔ حالات کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے سرپرستان مدرسہ نے معبود مدرسہ کے اندر باقاعدہ درجہ بندی کرا کے پرائمری کا

(۱) (سورۃ ابراہیم: ۷)

قال الحافظ ابن کثیر: ” (ولئن کفرتم): ای کفرتم النعم و سترتموها و جحدتموها (إن عذابی لشدید) و ذلک بسلبها عنهم و عقابہ إياهم علی کفرها“۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲/۹۰، دار السلام ریاض)
لیکن قرآن کریم بھلا دینے کا معیار یہ ہے کہ قرآن کریم دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے: ”إذا حفظ الإنسان القرآن، ثم نسيه، فإنه يأثم، و تفسیر النسیان أن لا یمكنه القراءة من المصحف الخ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۵/۳۱۷، الباب الرابع فی الصلاة والتسبیح و قراءة القرآن، رشیدیہ)

نصاب قائم کرایا اور انجمن سے الحاق کرایا تاکہ لڑکے پرائمری تک اس میں تعلیم حاصل کریں عقائد کی درستگی کے ساتھ، پھر آگے انگریزی میں داخل ہونا چاہیں تو الحاق ہونے کے ناطے اسی سرٹیفکیٹ سے بلا رکاوٹ داخلہ لے لیں تاکہ کم از کم ابتدائی تعلیم تو ایسی رہے کہ ان کے اندر اسلامی داغ نیل پڑی رہے۔ ظاہر ہے اس نظریہ کے فوائد سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، مگر یہ سارے اخراجات کی تکمیل انہیں رقوم سے کی گئی جو خالص قرآن کی تعلیم و دینیات کے لئے آتی رہیں۔ اور پرائمری تعلیم کے لئے یہ تنصیف انہیں طلباء کے اندر کی گئی جو غالب طور پر حفظ قرآن کے لئے رہتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ درجہ پرائمری کو عروج و فروغ ہوا اور عوام بھی کسی حد تک زمانے کے ساتھ ہو جانے کے باعث مطمئن ہو گئے اور پرائمری کے وجود سے طلبہ کی تعداد میں بھی غیر متوقع اضافہ ہوا، گو کہ یہاں سے نکل کر انگریزی مدرسہ میں داخل ہو جانے کے بعد نہ تو اس کی زہریلی فضا سے وہ بچ سکے اور نہ خود اپنی بنیادی ساکھ جس پر انہیں چند سال تک باقی رکھا گیا تھا محفوظ رہ سکے، اس طرح درجہ پرائمری کے وجود کا اولین مقصد تقریباً فوت ہو گیا۔

اس کے برعکس درجہ حفظ و دینیات پر یہ اثر پڑا کہ اس درجہ میں طلبہ انتہائی قلیل و محدود رہ گئے، جہاں سال میں کئی جدید طلباء داخل ہوتے رہے وہ درجہ بندی کی زد میں آ گئے اور جو پرائمری سے نکلے وہ انگریزی کے پیچھے دوڑ پڑے، اس کے لئے گویا کہ مدرسہ نے ہی راستہ ہموار کیا۔ مزید غضب یہ ہوا کہ طلباء قدیم ماحول نہ پا کر نیز درجہ کا شیرازہ بکھر جانے کے باعث خود درجہ حفظ والے بھی چھٹنے لگے اور مدرسہ کے غیر تجربہ کار اراکین کا موہوم ارتقائی فلسفہ قیام مدرسہ کے اولین مقصد عظیم کے لئے ناسور بن گیا۔ طرفہ تماشہ یہ کہ نہ تو انہیں اس کا احساس ہے نہ اس پہلو سے وہ سوچنے کے عادی ہیں۔ ایسی صورت میں مدرسہ کا موجودہ طریقہ تعلیم باقی رکھ کر حفظ قرآن کی زیاں کاری برداشت کی جائے، یا سابق طریقہ تعلیم کو مکرر معرض وجود میں لایا جائے؟ حضرات مفتیان کرام آراء عالیہ سے بہرہ ور فرمائیں۔ تفصیل پر مجموعی حیثیت سے روشنی ڈالیں اور مفہوم کا اجمال درج ذیل ہے:

۱..... قرآن پاک اور عربی تعلیم کے طلبہ کے لئے آنے والی زکوٰۃ و صدقات کی رقموں سے پرائمری درجوں کو چلانا اگر مآل کے اعتبار سے وہ انگریزی کا زینہ بنیں تو کیا حکم ہے؟

۲..... درجہ پرائمری کے قیام سے گو وہ مصلحت ہی ہو اور عامۃ المسلمین کے اصرار و خواہش کے مطابق ہی ہو مگر درجہ حفظ کی تعلیم پر غیر معمولی اثر نہ پڑے تو کیا حکم ہے؟

۳..... مدرسہ کا ایسا عملہ جس میں فساق و فجار غالب ہوں اور مدرسہ کے تعلیمی و تربیتی نشوونما کے طریقوں سے یکسر ناواقف ہوں، ان کی عہدہ داری کیا حیثیت رکھتی ہے؟

نسیم اللہ مظاہری، مدرسہ باب العلوم، قصبہ باپوگنج، پرتاب گڑھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

انداز سوال سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی اس کے متعلق سوال کر کے کوئی جواب حاصل کیا گیا ہے، اگر ایسا ہے تو بہتر ہوتا کہ وہ سوال و جواب بھی ہمرشتہ ارسال کر دیا جاتا، نوعیت سوال کے پیش نظر جواب کا بدل جانا کچھ مستبعد نہیں۔ موجودہ سوال کا جواب نمبر وار تحریر ہے:

۱..... جائز نہیں (۱)۔

۲..... اجازت ہے (۲)۔

۳..... مضر و ممنوع ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۴ھ۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورة المائدة: ۲)

قال الحافظ ابن كثير في تفسير هذه الآية: "يأمر تعالى عباده المؤمنين بالمعونة على فعل الخيرات..... وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم الخ". (تفسير ابن كثير: ۲/۱۰، سورة المائدة، مكتبه دار السلام، رياض)

(و كذا في أحكام القرآن: ۲/۴۲۹، قديمي)

(۲) "وإن غرس للمسجد لا يجوز صرفها إلا إلى مصالح المسجد..... الأهم فالأهم كسائر الوقوف". (البحر الرائق: ۵/۳۴۲، كتاب الوقف، رشيديه)

(۳) "إذا وُسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة". (مرقاة المفاتيح: ۹/۳۳۴، كتاب الفتن، رشيديه)

"في الإسعاف: لا يؤلى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه أو يستوى فيه الذكر والأنثى الخ".

(الفتاوى العالمكيريّة: ۲/۴۰۸، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق: ۵/۳۷۸، كتاب الوقف، رشيديه)

آدابِ قرآن کا بیان

قرآن پاک کو بے وضو چھونا کیسا ہے؟

سوال [۱۱۲۸]: قرآن کو بے وضو چھونا کیسا ہے ایک صاحب کا کہنا ہے کہ ﴿لَا يَمْسُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ ہے با وضو چھونے کا حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ”المطہرون“ سے فرشتے مراد ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ بحوالہ تفسیر و حدیث تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

﴿لَا يَمْسُهُ﴾ کو اگر خبر مانا جائے تو ﴿مطہرون﴾ سے مراد ملائکہ ہیں اور ضمیر مفعول راجع ہوگی ﴿کتاب مکنون﴾ کی طرف جس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اگر اس کو نبی مانا جائے تو اس سے مقصد یہ ہوگا کہ قرآن پاک کو بلا طہارت کے مس نہ کیا جائے (۱)۔ حافظ ابو بکر جصاص رحمہ اللہ نے اس کو اولیٰ قرار دیا ہے اور حدیث عمرو بن حزم کو استدلال میں پیش کیا ہے :

”إنه كتب في كتابه لعمر بن حزم: ولا يمس القرآن إلا طاهر“. فوجب أن يكون نهيه ذلك بالآية اهـ۔ أحكام القرآن (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

معلم معذور کا قرآن کریم کو بلا وضو ہاتھ لگانا

سوال [۱۱۲۹]: اگر کوئی معلم قرآن شریف پیٹ کا مریض ہو، اس کا وضو زیادہ دیر تک نہ رہتا ہو،

(۱) ”وقال العوفي: عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: (لا يمسها إلا المطهرون) يعني الملائكة. وعن قتادة (لا يمسها إلا المطهرون) قال: لا يمسها عند الله إلا المطهرون الخ. وقال ابن زيد: زعمت كفار قريش أن هذا القرآن تنزلت به الشياطين، فأخبر الله تعالى أنه لا يمسها إلا المطهرون. وقال الآخرون: (لا يمسها إلا المطهرون): أي من الجنابة والحدث“. (تفسير ابن كثير: ۲/۲۹۸، سهيل اكيذمي لاهور)

(۲) (أحكام القرآن: ۳/۲۲۱، قديمي)

(كذا في رد المحتار: ۱/۸۹، مطلب في اعتبارات المركب التام، سعيد)

اس کے لئے بغیر وضو کے یا تیمم سے قرآن شریف چھونے میں کچھ گنجائش ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا شخص رومال ہاتھ میں لے کر اس سے چھولیا کرے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

طلبہ کا بے وضو قرآن پڑھنا

سوال [۱۱۵۰]: طلباء کو قرآن شریف وضو سے پڑھنا چاہئے یا بلا وضو، اگر پانی کا طلباء کے لئے

انتظام نہ ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو طلبہ بالغ ہوں ان کو قرآن شریف ہاتھ میں لیکر با وضو پڑھنا چاہئے (۲) اور جو نابالغ ہوں ان کو بلا

وضو بھی ہاتھ میں لیکر پڑھنا درست ہے (۳)، بالغ طلبہ کو اگر پانی کا انتظام دشوار ہو تو بلا وضو قرآن شریف کو ہاتھ

نہیں لگانا چاہئے، بلکہ کپڑے یا قلم وغیرہ سے ورق الٹنا چاہئے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۷/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/رجب المرجب/۵۲ھ۔

(۱) فی مجمع الأنهر: "لا يجوز لمحدث مس مصحف إلا بغلافه المنفصل لا المتصل في الصحيح".

(۱/۴۲، کتاب الطہارۃ، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی رد المحتار: ۱/۴۳، کتاب الطہارۃ، سعید)

(و کذا فی النہر انقائ: ۱/۱۳۴، کتاب الطہارۃ، امدادیہ ملتان)

(۲) "و یحرم بہ تلاوة القرآن بقصدہ و مسہ بالأکبر وبالأصغر مس المصحف، إلا بغلاف

متجاف غیر مشرز أو بصرۃ، بہ یفتی". (الدر المختار: ۱/۴۲، ۱/۴۳، کتاب الطہارۃ، سعید)

(و کذا فی الطحطاوی، ص: ۱۴۳، قدیمی)

(و کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ: ۱/۳۸، رشیدیہ)

(۳) "و لا یکرہ مس صبی لمصحف و لوح، و لا بأس بدفعہ إلیہ و طلبہ منه للضرورة؛ إذ الحفظ فی

الصغر كالنقش فی الحجر". (الدر المختار: ۱/۴۲، کتاب الطہارۃ، سعید)

(۴) "و لا يجوز لمحدث مس مصحف إلا بغلافه المنفصل لا المتصل في الصحيح، كالخريطة ونحوها". =

بے وضو بچوں کو قرآن کریم دینا

سوال [۱۱۵۱]: وہ نابالغ بچے جو پیشاب کرنے کے بعد پانی استعمال نہیں کرتے انہیں قرآن شریف پڑھنے کے لئے دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گنجائش ہے (۱) مگر ان کو طہارت کی ہدایت کی جائے اور عادی بنایا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

ریاحی مریض کے لئے قرآن کا چھونا

سوال [۱۱۵۲]: زید نے قرآن پاک حفظ کر لیا ہے، اب وہ پکا کرنا چاہتا ہے، چونکہ اسے تجارت کی غرض سے اکثر سفر کرنا پڑتا ہے اور وہ ریاچی مریض بھی ہے کہ اکثر ریاچ خارج ہوتی رہتی ہے تو اس صورت میں کیا وہ دو ایک مرتبہ وضو بنا کر بار بار قرآن چھو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئلہ میں وہ شرعی معذور نہیں، اس کو چاہئے کہ رومال یا تولیہ ساتھ رکھے اس سے قرآن کریم کو پکڑے، بلا وضو ہاتھ نہ لگائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

= (مجمع الأنهر مع ملتی الأبحر، کتاب الطہارۃ: ۴۲/۲، مکتبہ غفریہ کوئٹہ)

(و کذا فی رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الطہارۃ: ۱/۲۷۲، ۱/۲۷۳، سعید)

(۱) فی الدر: "(ولا) یکرہ (مس صبی لمصحف و لوح) ولا بأس بدفعه إلیه و طلبه منه للضرورة، إذ

الحفظ فی الصغر كالنقش فی الحجر". (الدر المختار: ۱/۲۷۳، کتاب الطہارۃ، سعید)

(و کذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱۴۴، قدیمی)

(و کذا فی الحلبي الكبير، ص: ۵۹، مطلب فی أصح القولین، سہیل اکیڈمی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۳۹، الفصل الرابع فی أحكام الحيض والنفاس، رشیدیہ)

(۲) "لا يجوز لمحدث مس مصحف إلا بغلافه المنفصل لا المتصل فی الصحيح". (مجمع الأنهر،

کتاب الطہارۃ، ۴۲/۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

= (کذا فی رد المحتار: ۱/۲۷۳، کتاب الطہارۃ، سعید)

بلا وضو قرآن کریم لکھنا

سوال [۱۱۵۳]: بلا وضو قرآن مجید کو لکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

اگر کاغذ ہاتھ میں لے کر لکھتا ہے تو ناجائز ہے، اگر کاغذ کو ہاتھ نہیں لگاتا بلکہ کاغذ کسی چیز پر رکھا ہوا اور اس پر صرف قلم چلتا ہو تو مکروہ ہے۔ طحاوی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بلا وضو کتب تفسیر کو ہاتھ لگانا

سوال [۱۱۵۴]: قرآن پاک کی تفسیر جس میں اکثر اردو ہے اور کہیں کہیں قرآن کریم کی آیتیں مکتوب ہیں، ایسی کتاب کو بغیر وضو ہاتھ لگانا جائز ہوگا یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً :

ایسی کتاب کو بغیر وضو ہاتھ لگانا درست ہے لیکن جہاں قرآن پاک لکھا ہوا ہو اس کو ہاتھ نہ لگائے، خالی جگہ اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

= (و کذا فی النہر الفائق : ۱/۱۳۴، کتاب الطہارۃ، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۱) ”وأما كتابة القرآن فلا بأس بها إذا كانت الصحيفة على الأرض عند أبي يوسف؛ لأنه ليس بحامل للصحيفة، وكره ذلك محمد، وبه أخذ مشايخ بخاری الخ“۔ (حاشیۃ الطحطاوی، ص: ۱۲۴، قدیمی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱/۳۹، الفصل الرابع فی أحكام الحيض، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار : ۱/۱۷۵، مطلب يطلق الدعاء كتاب الطہارۃ، سعید)

(۲) ”وقد جوز بعض أصحابنا مس كتب التفسير للمحدث لا يجوز مس مواضع القرآن منها، وله أن يمس غيرها بخلاف المصحف الخ“۔ (حاشیۃ الطحطاوی، ص: ۱۲۴، قدیمی)

(و کذا فی رد المحتار : ۱/۱۷۷، کتاب الطہارۃ، سعید)

(و کذا فی الحلبي الكبير، ص: ۵۹، سهيل اكيڏمي لاہور)

کتب تفسیر کو بلا وضومس کرنا

سوال [۱۱۵۵]: قاضی، مفتی، طلبہ خصوصاً کتب تفسیر و حدیث پڑھنے والے اگر صاحب اعذار ہوں تو ان کو ان کتابوں کا مس کرنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں، اگر مکروہ ہے تو کس درجہ کا، مکروہ، نہیں تو کیوں، جو بھی متعین ہو اس کے مرتکب پر شرعاً کیا حکم ہے؟ تصریح اعذار موصوفہ کے رات و دن اکثر اوقات میں ممارست و مزاولت کتب مذکورہ ہوتی رہتی ہیں مثلاً بوقت مطالعہ و تکرار سبق علاوہ اس کے مثلاً مطالعہ کر رہا ہے اتفاق سے نیند آگئی دوبارہ وضو کیا، پھر ثانیاً و ثالثاً اس قسم کا واقعہ پیش آتا رہا۔

فرض کیجئے اگر مقام وضو نیز دور ہو اور موسم سردی بھی ہو اور ان اوقات میں اگر وضو کے پابند ہوں گے تو مذکورہ امور میں سخت نقصان واقع ہوتا ہے اور ان پر مخفی نہ رہے کہ اعذار مسطورہ ہوتے ہوئے تیمم کر لینا کافی ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمادیں گے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صورت مسئلہ میں مس کرنا مکروہ نہیں:

”ویکرہ أيضاً للمحدث و نحوه مس تفسیر القرآن و کتب الفقہ و کذا کتب السنن؛ لأنها لا تخلو عن آیات، و هذا التعلیل يمنع مس شروح النحو أيضاً، و فی الخلاصة: و کذا کتب الأحادیث و الفقہ عندهما، و الأصح أنه لا یکره عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى انتهى. و وجه قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه لا یسمى ما سأل للقرآن؛ لأنه ما فيه منه بمنزلة التابع، فكان كما لو توسد خرجاً فيه مصحف أو ركب فوقه في السفر وإن أخذه: أي التفسير و کتب الفقہ بکمه لا بأس به؛ لأن فيه ضرورة لتكرار الحاجة إلى أخذه زيادة على الحاجة إلى أخذ المصحف؛ لأن القرآن یقرأ حفظاً فی الغالب بخلاف التفسیر و الفقہ، و هذا الفرق إنما یحتاج إليه علی قول من کره مس القرآن بالکم اهـ“۔ غنیة المستملی للحلبی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

(۱) (الحلبی الكبير، ص: ۵۹ مطلب فی أصح القولین، سہیل اکیڈمی لاہور) =

بے وضو و غسل کتابیں پڑھنا

سوال [۱۱۵۶]: وہ کتاب جس میں قرآن و حدیث لکھی ہوئی ہو علاوہ فقہ و اصول کے مثلاً: نحو کی کتاب ہو تو ایسی کتاب کو بے وضو پڑھنا کیسا ہے؟ اور وہ کتاب جس میں بجز بسملہ کے اور قرآن و حدیث لکھی ہوئی نہ ہو مثلاً: منطق کی کتاب ہے تو ایسی کتاب کو جنبی پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ نیز مفسرین کو بے وضو چھونا کیسا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی نحو کی کتاب کو بغیر وضو پڑھنا درست ہے، ایسی کتاب جب پڑھ سکتا ہے، بروقت ضرورت جائز ہے مگر بہتر نہیں (۱) اور جب چھوئے تو جس جگہ قرآن شریف لکھا ہے اس جگہ پر ہاتھ نہ لگائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم، ۲/ ذی الحجہ/ ۱۴۵۷ھ۔

بے وضو قرآن پاک چھونے اور بے غسل مسجد میں جانے کی توبہ سے معافی

سوال [۱۱۵۷]: ایک آدمی نے بے وضو قرآن پاک اکثر چھوا ہے اور بغیر غسل مسجد میں داخل ہوا ہے اور اکثر ایام حیض میں اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا ہے، لہذا اب وہ نادام ہے، ڈرتا ہے اور توبہ کرتا ہے۔ تو اس کا گناہ توبہ سے معاف ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر معاف ہونے کی کوئی اور صورت ہو تو جواب عنایت ہو، جو صورت اس کے لئے مفید ہو حکم فرمایا جاوے تاکہ عذاب سے چھوٹے۔

= (و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۱۴۳، قدیمی)

(و کذا فی رد المحتار: ۱/ ۱۷۷، کتاب الطہارۃ، سعید)

(۱) ”و مندوب فی نیف وثلاثین موضعاً“۔ وفی الرد: فمنہا عند دراسة علم ومس کتب شرعیۃ

تعظیماً لہا“۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۸۹، کتاب الطہارۃ، سعید)

(و کذا فی مداد الفتح، ص: ۸۹، کتاب الطہارۃ، فصل فی صفۃ الوضوء، احیاء التراث العربی)

(۲) ”وفی السراج عن الإیضاح: إن کتب التفسیر لا یجوز مس موضع القرآن منہا، ولہ أن یمس غیرہ

و کذا کتب الفقہ إذا کان فیہا شی من القرآن“۔ (رد المحتار، کتاب الطہارۃ: ۱/ ۱۷۶، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خدا کے سامنے روئے، عاجزی کرے اور سچی توبہ کرے، اللہ تعالیٰ تو اب رؤف رحیم ہیں، معاف فرمادیں گے (۱)۔ حسب وسعت کچھ صدقہ بھی دیدے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۶/ ذی الحجہ/ ۱۴۰۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۱۴۰۷ھ

حمائل شریف لئے ہوئے بیت الخلاء جانا

سوال [۱۱۵۸]: کسی شخص کے پاس حمائل شریف ہے اور بڑے استنجے کی حاجت درپیش ہے، اب وہ کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حمائل شریف کو اپنے سے الگ کر کے ادب و احترام کے ساتھ کہیں رکھ دے، پھر فراغت حاصل کر لے۔ کہیں جگہ نہ ہو اور حمائل شریف جیب میں ہو اور جنگل میں صاف جگہ بیٹھ کر ضرورت پوری کر لے تب بھی گناہ نہ ہوگا۔

”إذا كان عليه خاتم، وعليه شئ من القرآن مكتوب، أو كتب عليه اسم الله، فدخل المخرج معه يكره، وإن اتخذ لنفسه مبالاً طاهراً في مكان طاهر لا يكره، كذا في

(۱) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (التحریم: ۸)

وقال الله تعالى: ﴿وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ توبوا إليه، إن ربي رحيم ودود﴾ (هود: ۹۰)

(۲) ”(ويستحب أن يتصدق بدینار إن كان) الجماع (فی أول الحيض وبنصفه إن كان فی آخره) أو وسطه كذا قال بعضهم، وقيل: إن كان الدم أحمر فدينار، أو أصفر فبنصفه سراج“. (مجموعۃ رسائل ابن عابدین: ۱/ ۱۱۳، الرسالة الرابعة، منهل الواردين من بحار الفيض علی ذخیر المتأصلین فی مسائل الحيض، مکتبہ قاسمیہ)

”ثم هو كبيرة لو عامداً مختاراً عالماً بالحرمة، لا جاهلاً أو مكرهاً أو ناسياً، فتلزمه التوبة، ويندب تصدقه بدینار ونصفه“. (الدر المختار، کتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/ ۲۹۸، سعید)

المحیط“۔ (عالمگیری: ۹۴/۴) (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۲/۹۲ھ۔

قرآن شریف کی طرف پشت کرنا

سوال [۱۱۵۹]: کمرہ کے دروازے کے سامنے اندر الماری میں قرآن پاک رکھا ہوا ہے، نکلتے وقت اس کی جانب پشت ہو جاتی ہے تو کیا یہ خلاف ادب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ ادب واحترام کے ساتھ رکھا ہوا ہے تو اس طرح نکلتے وقت اس کی جانب پشت ہو جانا خلاف ادب نہیں (۲) فقط۔

قرآن شریف کی طرف پاؤں پھیلانا

سوال [۱۱۶۰]: قرآن کریم اونچی الماری یا دیوار کے طاق پر رکھا ہے تو چارپائی پر اسی کمرہ میں اس کی طرف پیر کر کے لیٹنا کیسا ہے؟

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریہ، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمصحف وما یتعلق فیہ شئی من القرآن نحو الدراہم والقرطاس: ۳۲۳/۱، رشیدیہ)

”رقية فی غلاف متجاف لم یکرہ دخول الخلاء به، والإحتراز أفضل“۔ (الدر المختار)

وفی رد المحتار: ”(قوله: رقية) والظاهر أن المراد بها ما يسمونه الآن بالهیکل والحمائلی المشتمل علی الآيات القرآنية..... الخ“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، قبیل باب المیاء: ۱/۷۸، سعید)

(۱) قال العلامة الحصکفی: ”کره مدّ رجله فی نوم أو غیره إليها أو إلى مصحف أو شیء من الكتب الشرعیة، إلا أن یكون علی موضع مرتفع عن المحاذاة، فلا یکره“۔ (الدر المختار: ۱/۶۵۶، مطلب فی أحكام المسجد، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳۲۲/۵، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمصحف، رشیدیہ) وقال ابن حجر المکی: ”والأولی أن لا یستدبره ولا یتخطاه ولا یرمیه بالأرض“۔ (الفتاویٰ

الحديثیہ: ۳۰۷، مطلب: حکم مد الرجل للمصحف، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قرآن شریف پیروں کی سیدھ میں نہیں بلکہ بلند ہے تو اس میں گنجائش ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔
جس کمرہ میں قرآن پاک ہو اس میں بیوی سے ہمبستری کرنا
سوال [۱۱۶۱]: جس کمرہ میں قرآن پاک رکھا ہوا ہے، ایک صاحب کہتے ہیں کہ اس کمرہ میں
بیوی سے ہم بستر نہ ہونا چاہئے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قرآن شریف طاق یا الماری میں اونچی جگہ حفاظت سے رکھا ہوا ہے تو اس کمرے میں بیوی سے
ہمبستری میں کوئی مضائقہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

ایک شخص چار پائی پر بیٹھے اور دوسرا شخص نیچے قرآن پاک کی تلاوت کرے
سوال [۱۱۶۲]: ایک شخص چار پائی پر بیٹھا ہے اور نیچے اسی کمرہ میں ایک شخص قرآن پاک کی
تلاوت کر رہا ہے تو کیا یہ درست ہے یا اس شخص کو چار پائی سے نیچے بیٹھنا چاہیئے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

چار پائی پر ایک شخص بیٹھے اس طرح کہ قریب ہی نیچے ایک آدمی قرآن پاک لے کر تلاوت کر رہا ہے تو

(۱) ”مد الرجلین إلى جانب المصحف إن لم یکن بحذاءه لا یکره، وکذا لو کان المصحف، معلقاً فی
الوتد و هو قد مد الرجل إلى ذلک الجانب، لا یکره، کذا فی الغرائب“۔ (الفتاویٰ العالمکیریة:
۳۲۲/۵، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمصحف، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۱/۶۵۵، مطلب فی أحكام المسجد، سعید)

(والفتاویٰ الحدیثیہ، ص: ۳۰۷، مطلب حکم مد الرجل للمصحف، قدیمی کراچی)

(۲) ”يجوز قربان المرأة فی بیت فیہ مصحف مستور، کذا فی القنیة“۔ (الفتاویٰ العالمکیریة:
۳۲۲/۵، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمصحف، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۱/۱۷۸، کتاب الطهارة، سعید)

(والفقه الإسلامی و أدلته: ۱/۳۵۱، رشیدیہ)

ہمارے عرف میں یہ چیز خلافِ ادب سمجھی جاتی ہے (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۹۴ھ۔

زینہ کے قریب بیٹھ کر قرآن کریم پڑھنا

سوال [۱۱۶۳]: زید مسجد کے فرش پر قرآن شریف کی تلاوت کرتا رہتا ہے اس کے قریب چار پانچ

گزر کے فاصلہ پر ایک بڑا اور زینہ ہے اور زینہ مسجد کی حدود میں ہے، آیا اس صورت میں جب کہ اس زینہ سے

اترتے چڑھتے رہتے ہیں اور زید نے قرآن شریف پر کپڑا ڈال دیا ہے قرآن شریف کی بے ادبی ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں زینے پر اترنا چڑھنا درست ہے مگر بہتر یہ ہے کہ قرآن شریف دور بیٹھ کر

پڑھے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۷/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح عبد اللطیف۔

کرسی پر بیٹھنا جب کہ قرآن نیچے رکھا ہو

سوال [۱۱۶۴]: اگر نیچے قرآن مجید کی تلاوت ہو رہی ہو اور کوئی شخص کرسی پر یا چارپائی پر بیٹھنا

چاہے تو کتنی دور ہو کر بیٹھنا ضروری ہے؟

(۱) ”و لا تقعدوا علی مکان أرفع مما علیہ القرآن“۔ (حیوة المسلمین لحکیم الأمة، ص: ۵۴، ادارہ

اسلامیات لاہور)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ”اگر ایک ہی مکان اور ایک ہی جگہ ایسی صورت ہو تو عرف

عام میں اس کو بے ادبی قرار دیا جاتا ہے.....“ ”کتب فقہ“ میں تلاش کرنے پر اس صورت کی تصریح تو نہیں ملی مگر عرفی بے ادبی

کا مدار عرف عام پر ہے۔ (کفایت المفتی: ۱/۱۲۶، کتاب العقائد، دارالاشاعت کراچی)

(۲) (راجع رقم الحاشیة: ۱)

وفی الفتاویٰ العالمکیریة: ”لا یلقى فی موضع یخل بالتعظیم“۔ (۵/۳۲۴، الباب الخامس فی

أدب المسجد والقرآن، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً :

جتنی دور سے دوسرا مکان شروع ہو اور قرآن شریف کی بے ادبی نہ ہو (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۶/رجب/۵۶ھ۔

کرسی پر بیٹھ کر تعلیم قرآن کریم

سوال [۱۱۶۵]: امام صاحب ایک دینی مدرسہ میں کرسی پر بیٹھ کر تعلیم دیتے ہیں جہاں پر قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

اس طرح کرسی پر بیٹھ کر تعلیم دینا کہ قرآن پاک نیچے رہے، احترام کے خلاف ہے (۲) اس طریق کو ترک کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۲/۸۹ھ۔

استاذ کرسی پر بیٹھے اور بچے ٹاٹ پر، اس کا کیا حکم ہے؟

سوال [۱۱۶۶]: ہمارے یہاں ایک دینی مدرسہ ہے اس میں مولوی صاحب تو کرسی پر بیٹھتے ہیں اور ان کے سامنے بچے قاعدہ بغدادی اور قرآن شریف وغیرہ لے کر نیچے ٹاٹ پر بیٹھتے ہیں، یہ طریقہ تعلیم خلاف شرع ہے یا نہیں؟ بچے آتے ہیں اور کھڑے ہو کر میز پر قرآن شریف رکھ کر سبق لے کر چلے جاتے ہیں۔ قرآن

(۱) (راجع رقم: ۲)

(۲) ”و لا تقعدوا علی مکان ارفع مما علیہ القرآن“۔ (حیوۃ المسلمین لحکیم الأئمۃ: ۵۴، ادارہ اسلامیات لاہور)

وفی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ”لا یلقی فی موضع یخل بالتعظیم“۔ (۵/۳۲۲، الباب الخامس فی أدب المسجد والقرآن، رشیدیہ)

(و کذا فی کفایت المفتی: ۱/۱۲۶، کتاب العقائد، دار الاشاعت کراچی)

عظیم کی بے حرمتی کرنے والے کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

تعلیم کا یہ طریقہ کہ قرآن کریم لے کر بچے ٹاٹ پر یا فرش پر بیٹھیں اور استاذ وہیں کرسی پر تشریف رکھیں خلاف سنت ہے اور احترام قرآن عظیم کے بھی خلاف ہے اس کی اجازت نہیں (۱) ایسی حالت میں استاذ محترم کو چاہئے کہ کرسی وہاں سے ہٹا دیں اور نیچے ہی بیٹھ کر تعلیم دیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۹۰ھ۔

ٹیچران کا کرسی پر بیٹھنا جب کہ کتب دینیہ نیچے ہوں

سوال [۱۱۶۷]: کچھ مدارس دینیہ جن میں دینیات کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور دنیاوی بھی اور ٹیچران کرسیوں پر بیٹھ کر پڑھاتے ہیں اور دینیات کی کتابیں نیچے رکھی ہوتی ہیں، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ ادب واحترام کے خلاف ہے، اس کی اصلاح کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۹۵ھ۔

(۱) "ولا تقعدوا علی مکان ارفع مما علیہ القرآن"۔ (حیوة المسلمین لحکیم الأمة : ۵۴، ادارہ اسلامیات لاہور)

وفی الفتاوی العالمگیریہ : "لا یلقى فی موضع یخل بالتعظیم"۔ (۵/۳۲۴، الباب الخامس فی أدب المسجد والقبلة و القرآن، رشیدیہ)

(و کذا فی کفایت المفتی : ۱/۱۲۶، کتاب العقائد، دار الاشاعت کراچی)

(۲) مذکورہ طریقہ ادب واحترام کے خلاف اس لئے ہے کہ اس میں دینی کتابوں کی تعظیم مفقود ہے، جب کہ دینی کتابوں کی تعظیم واجب ہے۔

"رجل أراد أن یقرأ القرآن، فینبغی أن یکون علی أحسن أحواله : یلبس صالح ثیابه، یتعمم ویستقبل القبلة؛ لأن تعظیم القرآن والفقہ واجب، کذا فی فتاوی قاضی خان"۔ (الفتاوی العالمگیریہ:

۳۱۶/۵، رشیدیہ)

قرآن پاک کو چومنا

سوال [۱۱۶۸]: قرآن شریف پڑھتے وقت رطل پر جھک کر قرآن شریف کو چومنا یعنی بوسہ دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن شریف کو چومنا برکت اور تعظیم کی غرض سے درست ہے لیکن اٹھا کر چومنا چاہئے، رطل پر رکھے ہوئے جھک کر نہیں چومنا چاہئے۔

”روى عن عمر رضى الله تعالى عنه أنه كان يأخذ المصحف كل غداة و يقبله، ويقول: عهد ربى، و منشور ربى عز وجل. و كان عثمان رضى الله تعالى عنه يقبل المصحف و يمسحه على وجهه اهـ.“ در مختار هامش رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/شوال/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۶/۱۲/۵۶ھ۔

تقبیل قرآن کریم

سوال [۱۱۶۹]: قرآن مجید کو بوسہ دینا اور بوسہ لے کر ماتھے یا آنکھوں پر رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن مجید کو بوسہ دینا اور آنکھوں سے لگانا اور ماتھے سے لگانا درست ہے، جیسا کہ در مختار میں ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۸۷ھ۔

(۱) (الدر المختار: ۳۸۴/۶، کتاب الحظر والاباحہ، سعید)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی صفۃ الأذکار، ص: ۳۲۰، قدیمی)

(و کذا فی نفع المفتی والسائل للکنوی، ص: ۱۷۶، فی ضمن مجموعۃ رسائل الکنوی: ۴، إدارة القرآن)

(۲) ”تقبیل المصحف قبل: بدعة، لکن روى عن عمر رضى الله تعالى عنه أنه كان يأخذ المصحف كل

غداة و يقبله، ويقول: ”عهد ربى و منشور ربى عز وجل۔“ و كان عثمان رضى الله تعالى عنه يقبل =

تقبیل مصحف

سوال [۱۱۷۰]: اکثر تلاوت شروع کرنے سے قبل عوام قرآن کو چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہیں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبرکاً ایسا کرتے ہیں اور بعض صحابہ سے بھی منقول ہے۔ کذا فی الدر المختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قرآن کریم کو بغیر تلاوت کے چومنا

سوال [۱۱۷۱]: ایک شخص پڑھنا لکھنا نہیں جانتا، بعد میں آکر قرآن شریف کو چوم کر اور سر پر رکھ کر اور آنکھوں سے لگا کر چلا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ پڑھنے والے پڑھ کر ثواب حاصل کرتے ہیں، میں ان پڑھ ہونے کی وجہ سے اس طرح ثواب حاصل کرتا ہوں۔ زید کہتا ہے کہ یہ فعل بدعت ہے، کیوں کہ یہ فعل رواج پکڑ جائے گا اور لوگ قرآن شریف پڑھنا چھوڑ دیں گے۔ لہذا قابل تحقیق بات یہ ہے کہ اگر قرآن پڑھنے والا بھی اس فعل کو کرے تو صحیح ہے یا نہیں؟ یا دونوں قسم کے لوگوں کے لئے صحیح ہے؟ اگر ان پڑھ کے لئے بھی ناجائز ہے تو ان پڑھ لوگ کس طرح قرآن شریف سے ثواب حاصل کریں؟

= المصحف و یمسحه علی وجهہ“۔ (الدر المختار : ۶/۳۸۴، کتاب الحظر والإباحة، سعید)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۲۰، فصل فی صفة الأذکار، قدیمی)

(و کذا فی ”نفع المفتی والسائل للکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ، ص: ۱۷۶، فی ضمن مجموعة رسائل

الکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ ج: ۴، ادارة القرآن کراچی)

(۱) ”تقبیل المصحف قیل: بدعة، لکن روی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه کان يأخذ المصحف کل

غداة و یقبلہ و یقول: عهد ربی و منشور ربی - عز وجل - و کان عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقبل

المصحف و یمسحه علی وجهہ“۔ (الدر المختار : ۶/۳۸۴، کتاب الحظر والإباحة، سعید)

(و کذا فی ”نفع المفتی والسائل للکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ، ص: ۱۷۶، فی ضمن مجموعة رسائل

الکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ ج: ۴، ادارة القرآن کراچی)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۲۰، فصل فی صفة الأذکار، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض حضرات صحابہ علیہم الرضوان سے ثابت ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت فرماتے اور اس کو چومتے تھے یہ احترام ہے (۱)، مگر محض چومنے پر کفایت کرنا اور تلاوت سے اعراض کرنا غلط ہے، بڑی ناقدری ہے، زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنے اور اس کے سمجھنے کی کوشش کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۹۵ھ۔

قبرستان میں قرآن پاک لے جانا

سوال [۱۱۷۲]: قبرستان میں قرآن شریف پڑھنے کے لئے لے جانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں چاہئے، وہاں جا کے جو حفظ ہو وہ پڑھ دے، جو حفظ نہ ہو وہ مکان یا مسجد میں پڑھ دے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۰/ربیع الثانی/۵۹ھ۔

(۱) ”تقبیل المصحف قیل: بدعة، لکن روى عن عمر رضى الله تعالى عنه أنه كان يأخذ المصحف كل غداة ويقبله ويقول: عهد ربى ومنشور ربى - عز وجل - و كان عثمان رضى الله تعالى عنه يقبل المصحف ويمسحه على وجهه“۔ (الدر المختار: ۳۸۴/۶، کتاب الحظر والإباحة، سعید)
(و کذا فی حاشیة الطحطاوى على مراقی الفلاح، ص: ۳۲۰، فصل فی صفة الأذکار، قدیمی)
(و کذا فی ”نفع المفتی والسائل للکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ، ص: ۱۷۶، فی ضمن مجموعة رسائل الکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ، ج: ۳، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ”و كان الصدر أبو إسحاق الحافظ يحكى عن أستاذه لا بأس أن يقرأ على المقابر سورة الملك سواء أخفى أو جهر“۔ (الفتاوى العالمکیریة: ۳۵۰/۵، الباب السادس عشر فی زیارة القبور، رشیدیہ)

(و کذا فی ردالمحتار: ۲۴۳/۲، مطلب فی زیارة القبور، سعید)

(و کذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۱۵۸۰/۲، المكتبة الرشیدیہ)

ریشم کا جزدان قرآن پاک کے لئے

سوال [۱۱۷۳]: ریشمی کپڑے کا جزدان بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ریشم کے کپڑے کا جزدان قرآن پاک میں لگایا جاسکتا ہے اس میں کوئی منع نہیں (۱)، ریشم کا پہننا مردوں کے لئے حرام ہے (۲)، مطلقاً ریشم حرام نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

اخبارات میں قرآن پاک کی آیات اور ترجمہ شائع کرنا

سوال [۱۱۷۴]: بعض اخبارات و رسائل میں قرآن پاک کی آیات شائع ہوتی رہتی ہیں جن کو لوگ عام طور سے ردی میں فروخت کر دیتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ردی میں فروخت کرنا اور اخبارات و رسائل میں آیات کا شائع کرنا کیسا ہے؟ نیز اگر صرف اردو یا ہندی ترجمہ شائع کریں تو صورت مذکورہ میں اس کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

دین کی اشاعت کے لئے آیات کا لکھنا اور ان کا ترجمہ کرنا اور ان کا چھاپ کرنا درست ہے (۳) لیکن

(۱) قال العلامة الحصفکی: "جاز تحلیۃ المصحف لمافیہ من تعظیمہ کما فی نقش المسجد". (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة: ۳۸۶/۶، سعید)

(کذا فی نفع المفتی والسائل، ص: ۱۷۲، فی ضمن رسائل اللکنوی، المجلد الرابع، ادارة القرآن کراچی)
(وامداد الفتاوی: ۵۶/۴، دارالعلوم کراچی)

(والإتقان فی علوم القرآن: ۳۴۲/۲، ذوی القربی)

(۲) "عن أبی موسی الأشعری. رضی اللہ تعالیٰ عنہ. أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "أحل الذهب والحریر للأنث من أمتی، وحرّم علی ذکورها". (مشکوۃ المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی: ۲۷۵/۲، قدیمی)

"حرّم للرجل لا للمرأة لبس الحریر إلا قدر أربع أصابع". (البحر الرائق، فصل فی اللبس،

کتاب الکراهیة: ۳۵۱/۶، رشیدیہ)

(۳) "تجوز كتابة آية أو آيتين بالفارسية، لا أكثر". (الدر المختار، کتاب الصلوۃ: ۳۸۶/۱، سعید) =

ان کا ردی میں استعمال کرنا درست نہیں، احترام کے خلاف ہے، محض ترجمہ کا بھی احترام لازم ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

خط میں بسم اللہ لکھنا

سوال [۱۱۷۵]: خط کے اوپر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

برکت کے لئے جائز ہے، اگر کسی جگہ یہ احتمال ہو کہ پورا پورا ادب نہیں ہو سکے گا تو پھر احتیاط کرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

= (و کذا فی نفع المفتی والسائل للکنوی، ص: ۱۷۶، إدارة القرآن کراچی)

(۱) ”و لا يجوز لف شيء في كاغذ فيه مكتوب من الفقه، و في الكلام الأولى أن لا يفعل“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳۲۳/۵، الباب الخامس فی آداب المسجد والمصحف، رشیدیہ)

(۲) ”عن أبی مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکتب: ”باسمک اللہم فلما نزلت ﴿إنه من سلیمن وإنه بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾ کتبها“۔ (مراسیل أبی داؤد، ص: ۶، سعید)
”قال العلامة الآلوسی: ”و كتابة البسملة فی أوائل الكتب مما جرت به سنة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بعد نزول هذه الآية بلا خلاف..... کان أهل الجاهلیة یکتبون: باسمک اللہم، فکتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم أول ما کتب: باسمک اللہم حتی نزلت: (بسم اللہ معجراها ومرساها) فکتب: بسم اللہ، ثم نزلت: (ادعوا اللہ أو ادعوا الرحمن)، فکتب: بسم اللہ الرحمن الرحیم الخ“۔ (روح المعانی: ۱۹۵/۱ ط: دار احیاء التراث بیروت)

”وعن عمر بن عبد العزیز أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرّ علی کتاب فی الأرض: فقال لفتی معہ ”ما هذا؟“ قال بسم اللہ: قال: ”لعنه اللہ من فعل هذا؟ لا تضعوا اسم اللہ إلا فی موضعه“۔ قال: فرأیت عمر بن عبد العزیز رأی ابنا له کتب ذکر اللہ فی الحائط فضربه“

(مراسیل أبی داؤد، ص: ۲۰، سعید)

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن میں لکھتے ہیں: ”حضرت سلیمان علیہ السلام کے مذکورہ خط سے نیز =

قرآن کریم کلینڈر اور اخبار میں چھپوانا

سوال [۱۱۷۶]: قرآن کریم کلینڈر پر چھپوا کر دوکانوں اور مکانوں پر لگاتے ہیں بہ نیت زیبائش جو کچھ دنوں میں دیواروں سے گر کر نالوں، کوڑھ خانوں کی نذر ہو جاتا ہے جس سے قرآن کریم کی بے حرمتی ہوتی ہے، اخبارات میں بکثرت کلام اللہ چھپتا ہے جو دوکانوں پر پنساری استعمال کرتے ہیں ان کی پڑیہ بناتے ہیں، پھر ان کونالیوں میں ڈال دیتے ہیں یا چولہوں میں جلا دیتے ہیں یا کوڑے کرکٹ پر ڈال دیتے ہیں، اس سے کتاب اللہ کی بے حرمتی ہو رہی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا یہ حکم شرع ہے کہ اشاعت قرآن اخباروں و کلینڈروں کی بند کی جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ صورت حال یقیناً احترام قرآن کریم کے خلاف اور موجب وبال ہے، اس کی اصلاح اور روک تھام ضروری ہے۔ اگر آیات قرآنیہ کو محض ذریعہ زیبائش بنایا جائے اور ان سے کمرہ سجایا جائے تو اس کی بھی اجازت نہیں (۱) چہ جائیکہ انجام کار غلاظت بھر کر پھینکی جائے یا ان آیات کو غلاظت میں پھینکا جائے (۲)۔ العیاذ باللہ، عداً ایسا کرنے سے ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۵/۹۲ھ۔

= رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مکاتیب سے ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ خط کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا سنت انبیاء ہے..... لیکن..... آج کل جو عموماً ایک دوسرے کو خطوط لکھے جاتے ہیں ان کا حال سب جانتے ہیں، یہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ ادائے سنت کے لئے زبان سے بسم اللہ کہے، تحریر میں نہ لکھے۔ (معارف القرآن: ۶/۵۷۹، ادارۃ المعارف کراچی)

(۱) "ولو كتب القرآن على الحيطان والجداران، بعضهم قالوا: يرجی أن يجوز، وبعضهم كرهوا ذلك مخافة السقوط تحت أقدام الناس، كذا في فتاوى قاضی خان". (الفتاوى العالمکیریة: ۵/۳۲۳، رشیدیہ)

(و كذا في فتاوى قاضی خان: ۳/۲۲۴ فصل في التسبیح والتسليم، رشیدیہ)

(۲) قال العلامة الحصكفی: "و نهینا عن إخراج ما يجب تعظیمه و يحرم الاستخفاف به كمصحف و كتب فقه و حدیث". (الدر المختار: ۳/۱۳۰، سعید)

(۳) "كما لو سجد لصنم أو وضع مصحفاً في قاهرة، فإنه يكفر". (رد المحتار: ۲/۲۲۲، كتاب الجهاد، باب المرتد، سعید)

خط میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک ہو اس کا ادب

سوال [۱۱۷۷]: آپ نے میرے ۹۱/۳/۲۴ء کے چند سوالات کے جوابات اس طرح دیئے تھے کہ ایسے اخبارات و رسائل و خطوط جن پر اردو یا کسی زبان میں اللہ اور اس کے حبیب محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ کے نام لکھے ہوں، ان کے زمین پر گرنے یا ردی والے کو دینے سے بے حرمتی ہوتی ہے اور قرآنی آیات کے اردو ترجمہ کی بھی حرمت مثل آیات کرنی چاہیے اور ایسی چیزوں کو پانی میں وزن دار چیز کے ساتھ چھوڑنا چاہیے۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ڈھیر سے اخبارات بار بار جمع ہوتے ہیں اور کسی کو پھر تبلیغ کا خط بھی نہیں لکھ سکتے اور تاریخ گواہ ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو بھی خط جو بھیجے ہیں، ان میں اللہ اور رسول ﷺ کا نام لکھا تھا، غیر مسلم نے حرمت کیسے کی ہوگی؟ ہاں البتہ کلام الہی اور اس کی آیات کی بات علیحدہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں شک نہیں کہ پریس اور مشین کے رواج عام سے آج کل اسمائے الہیہ و آیات قرآنیہ وغیرہ کا احترام باقی نہیں رہا، اخبارات و رسائل میں آیات و احادیث ہوتی ہیں اور وہ ردی اور نالی میں، غرض بے ادبی کی جگہ پڑے ہوئے ملتے ہیں۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے جو تبلیغی خطوط کفار و مشرکین کے پاس ارسال فرمائے ان میں اللہ پاک کا نام اور نبی ﷺ کا نام بھی اور کبھی آیات قرآنی کا ہونا بھی ثابت ہے (۱) اور جن کے خط بھیجے ہیں بعض نے اتنا ادب کیا کہ سر پر رکھ کر اور بعض نے بے ادبی کر کے چاک کر دیا، اس کی حکومت بھی چاک ہو گئی (۲)۔ ترجمہ کا حال اصل عربی آیت کے برابر نہ ہو تو اس کے قریب ہوگا۔ تبلیغی خطوط جو بذریعہ ڈاک نیچے جائیں ان میں بھی احتیاط کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۱۷ھ

(۱) ”ثم كتب إلى مسيلمة: بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله إلى مسيلمة الكذاب: السلام على من اتبع الهدى، أما بعد! فإن الأرض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين“ (السيرة النبوية لابن هشام، كتاب مسيلمة إلى رسول الله والجواب عنه: ۲۴۷/۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) ”ومنهم: “عبد الله بن حذافة السهمي“ بعثه بكتابه إلى كسرى، فمزقه فدعا عليهم أن يمزقوا =

جن خطوط پر قرآنی آیات کے مطالب لکھے ہوں ان کو کیا کیا جائے؟

سوال [۱۱۷۸]: خطوط جن پر احادیث نبوی یا قرآنی آیت کے مطالب لکھے ہوں ان کو کیا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو دفن کر دیا جائے یا پانی میں بہا دیں، جلانے کی بھی گنجائش ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دینی تحریکی بے ادبی کے خیال سے یہ خدمت چھوڑنا

سوال [۱۱۷۹]: ایک صاحب کہتے ہیں کہ تحریری دینی خدمت جو کی جا رہی ہیں وہ غلط ہے، مثلاً

= کل ممزق“۔ ومنہم : دحیة بن خلیفة الکلبی رضی اللہ عنہ۔ بعثہ بکتابہ إلی قیصر، فوجد عنده أبا سفیان، فاستدعاه قیصر فسأله عن صفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وشرائع دینہ، فأخبرہ أبو سفیان بها فاعترف قیصر بنبوته..... الخ“۔ (صدائق الأنوار ومطالع الأسرار، کتب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ إلی ملوک الأقالیم: ۱/ ۵۷، ۵۸، صاحب السمو الشیخ خلیفة بن حمد آل ثانی، مطابع قطر الوطنية قطر)

”عن عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہا، أخبرہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث بکتابہ إلی کسری مع عبد اللہ بن حذافة السهمی، فأمر أن یدفعہ إلی عظیم البحرین، فدفعہ عظیم البحرین إلی کسری فلما قرأہ، فرقه..... فدعا علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن یمزقوا کل ممزق“۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلی کسری و قیصر: ۲/ ۲۳۲، قدیمی)

”عن ابن مسعود أن عبد اللہ بن عباس أخبرہ أن أبا سفیان بن حرب أخبرہ أن هرقل أرسل إلیہ ركب..... ثم دعا بکتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی بعث به مع رحیة الکلبی إلی عظیم البصری، فدفعہ عظیم بصری إلی هرقل، فقرأہ، فإذا فیہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد بن عبد اللہ ورسولہ إلی هرقل عظیم بصری، سلام علی من اتبع الهدی..... الخ“۔ (صحیح البخاری، قبیل کتاب الإیمان: ۵، ۴/ ۱، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قدیمی)

(۱) فی الدر المختار: ”الکتب التي لا ینتفع بها یمحی عنها اسم اللہ و ملائکتہ و رسلہ، و یحرق الباقی، و لا بأس بأن تلقی فی ماء جار کما هی، أو تدفن، و هو أحسن اه“۔ (الدر المختار، کتاب الحظر، الإباحة، فصل فی البیع: ۲/ ۲۳۲، سعید)

کوئی ماہنامہ یا اخبار اور ان میں قرآن پاک کی آیتیں اور احادیث لکھی ہوئی ہوتی ہیں، بہت سے ناواقف اور ان پڑھ لوگ ان کو پھاڑ کر کوڑا کرکٹ پر ڈال دیتے ہیں تو اس کا گناہ اس کے لکھنے والے پر پڑتا ہے، بے ادبی کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں۔ ایک اہل علم جن کو اپنے علم پر ناز ہے وہ بھی یہی فرماتے ہیں، صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم، سیپارے، حدیث شریف، فقہ سب ہی کی طباعت و اشاعت ہوتی ہے، اگر ناواقف یا بے دین ادب و احترام کا معاملہ نہیں کرتے تو وہ خود ذمہ دار ہیں (۱)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی دعوت نامہ شاہ فارس کے پاس بھیجا، اس بد نصیب نے اس کو چاک کر دیا کوئی احترام نہیں کیا تو اس کا وبال خود اس پر پڑا، نہ کہ بھیجنے والی ذات مقدسہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (۲)۔ معاذ اللہ۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۹۵ھ۔

خط لکھنے کے بعد اس کو مٹی سے خشک کرنا

سوال [۱۱۸۰]: مولانا مفتی قدرت اللہ صاحب کی ایک تصوف کی کتاب میں لکھا ہے کہ خط لکھنے کے بعد مٹی سے خشک کرنے میں ایک راز ہے، لیکن راز کا انکشاف نہیں فرمایا۔ براہ کرم اس راز سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اس سے خط میں لکھی ہوئی حاجت پوری ہوتی ہے، اتنی بات تو ظاہر ہے کہ

(۱) "ولا يجوز لف شيء في كاغذ فيه مكتوب من الفقه..... الخ". (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳۲۳/۵،

الباب الخامس فی آداب المسجد والمصحف، رشیدیہ)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أخبره: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث بكتابه إلى كسرى، مع عبد الله بن حذافة السهمي رضي الله تعالى عنه، فأمره أن يدفعه إلى عظيم البحرين، فدفعه عظيم البحرين إلى كسرى، فلما قرأه مزقه. فحسبت أن ابن المسيب قال: فدعا عليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: أن يمزقوا كل ممزق: (صحيح البخاري: ۶۳۷/۲، كتاب المغازی، كتاب النبي صلى الله عليه وسلم، قديمی)

تفصیل کے لئے دیکھیے: (فتح الباری: ۱۲۷/۸، كتاب المغازی، دار الفکر)

(وعمدة القاری: ۵۸/۱۸، ادارة المطبع المنبرية، بيروت)

اگر روشنائی خشک نہ کی جائے تو ہاتھ وغیرہ لگ کر اس کے پھیل جانے اور تحریر کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ پھر ایسی حالت میں مکتوب الیہ اس کو پڑھ نہیں سکے گا، کاتب کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، لہذا روشنائی خشک کر دی جائے تاکہ حروف اصلی صورت پر باقی رہیں اور مکتوب الیہ بسہولت صحیح پڑھ لے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۶/۹۴ھ۔

دسترخوان یا مصلیٰ پر آیات یا اسمائے الہیہ لکھنا

سوال [۱۱۸۱]: حامد ایک دسترخوان پر کچھ آیات قرآنی تحریر کر کے اس پر خورد و نوش کرنا چاہتا ہے، مثلاً: یہ آیات: ﴿کلوا حلالاً طیباً﴾، ﴿کلوا واشربوا ولا تسرفوا﴾، ﴿لن تموت نفس حتی تستکمل رزقها﴾۔ حامد کی نیت میں یہ خلوص ہے کہ جو بندہ خدا بھی اس دسترخوان سے کھانا تناول کرے اس کی اصلاح ہو جائے، حلال و حرام کی تمیز کرے۔ آیا اس قسم کی حرکت از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز؟ اور ایسا کرنے والا آثم ہوگا یا نہیں؟ نیز جلالین شریف بغیر وضو چھونا جائز ہے یا نہیں، کیونکہ اس میں آیات قرآنی سے زیادہ شرح ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو کام شرعاً ناجائز ہے، ضروری نہیں کہ نیکہ نیت سے جائز بھی ہو جائے، قرآن کریم کی آیات و اسمائے الہیہ واجب الاحترام ہیں، دسترخوان پر لکھ کر ایسے دسترخوان کو استعمال کرنے سے ان کا احترام باقی نہیں رہے گا:

”کتابہ القرآن علی ما یفترش و یسط مکروهة، کذا فی الغرائب، بساط او مصلی کتب علیہ الملک یکرہ بسطہ والقعود علیہ واستعمالہ الخ“ (فتاویٰ عالمگیری) (۲)۔ اس لئے اس کی

(۱) ”عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”تربوا صحفکم أنجح لہا، إن التراب مبارک“۔ (ابن ماجہ، کتاب الآداب، باب تتریب الکتاب، ص: ۲۶۷، قدیمی)

”قال المحشی: قوله: تربوا صحفکم: أي اسقطوها علی التراب اعتماداً علی الحق تعالیٰ فی إيصالہ إلی المقصد، أو أراد ذر التراب علی المکتوب لیجف من الحروف کان رطباً“۔ (إنجاح الحاجة علی هامش ابن ماجہ، ص: ۲۶۷، قدیمی)

(۲) (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳۲۳/۵، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمصحف، رشیدیہ)

اجازت نہیں، تذکیر کے دیگر طرق مآثرہ کو اختیار کرنا چاہئے۔ تفسیر کی کتاب کے متعلق خواہ جلالین ہو یا کوئی اور ہوفقہاء نے لکھا ہے کہ لکھی ہوئی آیات کو بغیر وضو مس کرنا جائز نہیں (۱)، ہاں ضمون تفسیر یا خالی جگہ کے مس کرنے میں دو قول ہیں: اول اباحت، دوم کراہت، والاول أوسع والثانی أوع (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۹۰ھ۔

اگر غلطی سے قرآن کریم گر جائے تو کیا کرے؟

سوال [۱۱۸۲]: اگر کسی شخص کے ہاتھوں سے غلطی سے قرآن کریم گر جائے تو اسے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

استغفار و توبہ کہ غلطی ہوگئی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بوسیدہ قرآن کریم کو کیا کیا جائے؟

سوال [۱۱۸۳]: اگر قرآن شریف بوسیدہ ہو جائے تو کیا کیا جائے، ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ

آگ میں جلا کر راکھ کو زمین میں دفن کر دیا جائے۔ کیا ایسا کرنا بہتر اور جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو قرآن شریف بوسیدہ ہو کر تلاوت کے قابل نہ رہے تو اس کو پاک کپڑے میں لپیٹ کر قبر کھود کر اس

میں دفن کر دینا چاہئے یہی بہتر ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) "و لا يجوز لهم مس المصحف بالثياب التي هم لا بسوها، ويكره لهم مس كتب التفسير والفقہ والسنن". (الفتاوى العالمكيريّة: ۳۹/۱، الفصل الرابع في أحكام الحيض، رشيدية)

(۲) "وأما كتابة القرآن، فلا بأس بها إذا كانت الصحيفة على الأرض عند أبي يوسف، لأنه ليس بحامل للصحيفة، وكره ذلك محمد، وبه أخذ مشايخ بخاري". (حاشية الطحطاوى، ص: ۱۳۴، قديمي)

(۳) (كذا في امداد الفتاوى: ۶۰/۴، مكتبة دارالعلوم كراچی)

(۴) قال في الدر: "المصحف إذا صار بحال لا يقرأ فيه، يُدفن كالمسلم".

وفى رد المحتار: "(قوله: يدفن): أي يجعل في خرقه طاهرة، و يدفن في محل غير ممتهن لا =

بوسیدہ قرآن کریم کو جلانا

سوال [۱۱۸۴]: ایک شخص نے قرآن شریف کو جلادیا، کیا وہ ایمان سے خارج ہو گیا؟ اگر ایمان سے خارج ہو گیا تو کیا اس شخص کا نکاح بھی فاسد ہو گیا؟ ایسی حالت میں کیا اس کی زوجہ کو عدت کے دن گزارنا لازم ہے؟ اگر ایسا شخص اپنی بیوی کو رجوع کرنا چاہتا ہے تو شرعاً اسے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم کو جلانا اگر اس وجہ سے پیش آیا کہ وہ بوسیدہ ہو گیا تھا اور تلاوت کے قابل نہیں رہا تھا، اس کو بے ادبی سے بچانے کے لئے جلادیا تب تو ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا (۱)، البتہ اس نے غلطی کی، ایسی حالت میں پاک کپڑے میں لپیٹ کر قبر بنا کر دفن کر دینا چاہئے تھا (۲)۔ اب استغفار کرے، اس کا نکاح قائم ہے ختم

= یوطأ، وفي الذخيرة: وينبغي أن يلحد له، ولا يشق له؛ لأنه يحتاج إلى إهالة التراب عليه الخ. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب يطلق الدعاء على ما يشمل الشاء: ۱/۷۷۷، سعيد)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۱/۴۲۲، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف: ۵/۳۲۳، رشيدية)

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر اس عمل کے جواز کی دلیل ہے:

”وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف أن يحرق“.

قال المحشى رحمه الله تعالى: ”و إنما جاز حرقه؛ لأن المحروق هو القرآن المنسوخ، أو المختلط بغيره من التفسير، أو بلغة غير قریش اهـ“. (صحيح البخارى، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن: ۲/۷۴۶، قديمى كراچى)

اس لئے کہ یہ جلانا استخفاف بالقرآن کی نیت سے نہیں ہے اگر استخفاف اور توہین کی نیت سے ہوتا تو کفر ہوتا: ”من استخف بالقرآن أو بنحوه مما يعظم فى الشرع يكفر“. (شرح الفقه الأكبر، فصل فى القراءة والصلاة، ص: ۱۶۷، قديمى)

(۲) فى الدر: ”المصحف إذا صار بحال لا يقرأ فيه، يدفن كالمسلم“. وفى الرد: ”قوله: يدفن: أى =

نہیں ہوا۔ اگر کسی اور وجہ سے جلایا ہے تو تفصیل لکھ کر دریافت کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۲/۹۲ھ۔

قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانا

سوال [۱۱۸۵]: قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو اگر کوئی آگ میں جلادے تاکہ بے حرمتی سے بچ

جائے تو اس میں کوئی گناہ تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں کوئی گناہ نہیں (۱) لیکن پاک کپڑے میں لپیٹ کر محفوظ جگہ دفن کرنا اس سے بھی بہتر

ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ربیع الثانی/۵۷ھ۔

= يجعل في خرقه طاهرة، و يدفن في محل غير ممتهن لا يوطأ“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب

الطهارة: ۱/۱۷۷، مطلب يطلق الدعاء، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۲۳، الباب الخامس في آداب المساجد والقبلة والمصحف،

رشيدية)

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر اس عمل کے جواز کی دلیل ہے:

”وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف أن يحرق“۔ (صحيح البخاري:

۷۴۶/۲، قديمي)

(و كذا مرتخرجه تحت عنوان: ”بوسيدہ قرآن کریم کو جلانا“)

(۲) ”المصحف إذا صار بحال لا يقرأ فيه، يدفن كالمسلم“۔ وفي الرد: ”(قوله: يدفن): أي يجعل في

خرقه طاهرة، و يدفن في محل غير ممتهن لا يوطأ“۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۱۷۷، مطلب:

يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۲۳، الباب الرابع، رشيدية)

دفن کے لئے بوسیدہ قرآن کریم کو لپیٹ کر رکھ دینا بے ادبی نہیں

سوال [۱۱۸۶]: زید نے پرانے قرآن پاک کو جو کہ بہت ہی خستہ ہو گیا تھا اکٹھا کر کے ایک کپڑے میں اس نیت سے باندھ کر رکھ دیا کہ اس کو کسی کنویں یا تالاب میں ٹھنڈا کر دیا جائے گا، اس پر زید کی بیوی نے بہت فریاد شور و غل کیا اور زید کو برادری میں بدنام کیا کہ زید نے قرآن پاک کی توہین کی ہے۔ زید کا اور اس کی بیوی کا کسی اور معاملہ میں اختلاف ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں زید نے کسی قسم کا گناہ کیا یا نہیں؟ یا اس کی بیوی نے گناہ کیا یا نہیں؟ بیوی کے اس الزام سے برادری والوں نے زید کو برادری سے نکال دیا اور یہ کہا کہ جب تک فتویٰ نہ آئے گا اس وقت تک ہم تمہیں گاؤں میں نہ رہنے دیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

جو قرآن پاک بہت بوسیدہ ہو جائے اور استعمال میں نہ آ سکے تو اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس کو کپڑے میں لپیٹ کر قبر بنا کر اس میں محفوظ جگہ دفن کر دیا جائے، کسی کنویں یا تالاب وغیرہ میں بھی اس طرح ٹھنڈا کر دینا درست ہے کہ اس کے اوراق نیچے بیٹھ جائیں اور بے ادبی نہ ہو (۱)۔ اگر زید کا مقصود یہی تھا تو اس نے یہ کوئی جرم کا کام نہیں کیا۔ ذاتی اختلاف کی وجہ سے بیوی کو اس کا بدنام کرنا بڑا جرم ہے اور برادری کا اس کی وجہ سے بطور سزا کے برادری یا گاؤں سے نکالنا غلط اور بلا وجہ ہے، برادری کو لازم ہے کہ زید کو گاؤں میں آنے اور رہنے سے ہرگز نہ روکے اور اپنا فیصلہ واپس لے، بیوی کو بھی تو بہ لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۹۰ھ۔

(۱) ”المصحف إذا صار بحال لا يقرأ فيه، يدفن كالمسلم“، وفي الرد: ”(قوله: يدفن): أي يجعل في خرقه طاهره، ويدفن في محل غير ممتهن لا يوطأ“، (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۷۷، مطلب: يطلق الدعاء على ما يشمل الشاء، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۲۳/۵، الباب الخامس، رشيدية)

وقال العلامة وهبة الزحيلي: ”ويدفن المصحف كالمسلم إذا صار بحال لا يقرأ فيه.....“

أو تلقى في ماء جار، والأول أحسن“، (الفقه الإسلامي وأدلته: ۴۵۱/۱، المطلب التاسع، رشيدية)

قرآن کریم کو گراموفون میں بھرنا اور سننا کیسا ہے؟

سوال [۱۱۸۷]: ایک شخص صاحب حشمت کے مکان میں فونو گراف رکھا ہوا ہے اس کے اندر غایت درجہ خوش الحانی کے ساتھ میں کلام پاک کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تقریر اور اظہار کافی طرز سے بیان کیا جاتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے احوال، جائز قصے، صوفیائے کرام کی تعریف، خواجہ معین الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بابے کو پسند کیا ہے۔ لہذا اس کا سننا اور مکان کے اندر رکھنا جائز ہے کہ نہیں، اگر جائز نہ ہو تو پورا پتہ مع حوالہ حدیث نوشتہ فرمادیں تاکہ اس بابے سے لوگ بازر ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

فونو گراف لہو و لعب کا ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ سے عیش پرست، دنیا دار، دین سے غافل، بیکار لوگ اپنا دل بہلاتے اور وقت گزارتے ہیں، اس میں گانا بجانا بھی ہوتا ہے، فحش اور مذاقیہ غزلیں بھی پڑھی جاتی ہیں، قرآن کریم خدائی کلام سب سے زیادہ معزز اور واجب الاحترام ہے اس کا گراموفون میں بھرنا اور سننا جائز ہے (۱)، اس سے احتراز لازم ہے، اگر قرآن شریف کو آلہ لہو و لعب بنایا جائے تو یہ کلام اللہ کا استہزاء اور استخفاف ہوگا جو کفر ہے:

”وفی الخلاصة: من قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب، يكفر، قلت: و يقرب منه ضرب الدف والقضيب مع ذكر الله تعالى ونعت المصطفى صلى الله تعالى عليه وسلم، وكذا التصفيق على الذكر“. اھ شرح فقہ اکبر (۲)۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ جو اشیاء قابل احترام ہیں ان کا اس میں بھرنا اور سننا جائز ہے خواہ وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف مبارکہ ہوں یا دوسرے بزرگان دین کے احوال حسنہ۔ خواجہ معین الدین

(۱) ”وفی السراج: ودلت المسئلة أن الملاهي كلها حرام الخ“۔ (الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ: ۳۴۸/۶، سعید)

(۲) (شرح الفقہ اکبر، ص: ۱۶۷، فصل فی القراءة والصلاة، قدیمی)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ: ۳۴۹/۶، سعید)

چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس باب کو پسند فرمانا کس کتاب میں لکھا ہے اور وہ کتاب کس درجہ کی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۶/محرم/۵۹ھ۔

قرآن کریم کو گراموفون میں بھرنا اور اس کی تجارت کرنا

سوال [۱۱۸۸]: گراموفون کے ریکارڈوں میں آیات قرآنی و نعتیہ غزلیں کہ جن میں حضور

سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اور آپ کے محامد و معجزات ہوں، بھرنا یا بھروانا اور پھر ان کو حسن فروش طوائفوں کے کوٹھوں اور شراب خانوں میں اور بازاروں میں یا عیش و نشاط کے وقت کوٹھی بنگلوں میں بجائے جاتے ہیں کیسا ہے؟

۲..... جو لوگ قراء یا حفاظ سے آیات قرآنی کو اجرت دے کر بھرواتے ہیں، ان کا فعل کیسا ہے اور یہ اجرت لینا دینا جائز ہے یا حرام ہے؟

۳..... جو لوگ اجرت دے کر ایسے ریکارڈ بھرواتے ہیں اور پھر اس کی تجارت کرتے ہیں، یہ تجارت جائز ہے یا حرام ہے؟

۴..... جو لوگ ایسا ریکارڈ سنتے ہیں، وہ لوگ ان ریکارڈوں کا بھرنا یا بھروانا، اس کی تجارت کرنا جائز سمجھ کر کرتے ہیں، وہ مرتکب کبیرہ ہیں یا صغیرہ؟ کل سوالوں کا جواب مہربانی فرما کر مدلل تحریر فرمادیں۔

قاضی محمد بشیر الدین صدیقی قاضی شہر میرٹھ

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... گراموفون، آلات لہو و لعب میں سے ہے اس لئے قابل احترام مضامین اس میں بھرنا اور محض تفریح طبع کے طور پر سننا اور بجانا، ناجائز ہے، خصوصاً مذکورہ مقامات پر بجانا نہایت ہتک حرمت کا باعث ہے، اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

۲..... یہ فعل اور اجرت بھی ناجائز ہے کیونکہ اس سے قرآن کریم کی ہتک اور بے حرمتی ہوتی ہے۔

۳..... اسی طرح یہ تجارت بھی ناجائز ہے۔

۵،۴..... جس فعل سے قرآن کریم کے احترام میں فرق آتا ہو، بلکہ قرآن شریف کو آلہ تفریح اور لہو و لعب بنایا جاتا ہو وہ فعل کبیرہ گناہ ہے، اگر اس میں استہزاء و استخفاف بھی شامل ہو تو نہایت خطرناک امر ہے، ایمان کا باقی رہنا دشوار ہو جائے گا۔ جو شخص قرآن کریم کے ساتھ استہزاء کرے، فقہاء اس کی تکفیر کرتے ہیں:

”إذا أنكر آية من القرآن، أو تسخر بأية من القرآن، وفي الخزانة: أوعاب، كفر، كذا في التاتار خانية“ (۱). ”إذا قرأ القرآن على ضرب الدف والقصب، فقد كفر“۔ فتاویٰ عالمگیری: ۸۸۷/۲ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۱۱/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/محرم/۵۴ھ۔

قرآن کریم کو آلات لہو اور ریڈیو میں تلاوت کرنا

سوال [۱۱۸۹]: قرآن کریم کا عربی الفاظ میں جن الفاظ میں قرآن کریم نازل ہوا ہے یعنی ”الحمد لله رب العالمين“ کو گانے کے آلات میں جن آلات میں راگ دیا جاتا ہو سننا و سنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو کس حد پر ناجائز ہے، حرمت کیسی ہے اور سننے و سنانے والوں کو شرع شریف کیسا سمجھتی ہے؟ ریڈیو پر قرآن کریم کا عربی الفاظ میں سننا و سنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قرآن کریم کے مبارک عربی الفاظ کو راگ اور گانے کے آلات میں پڑھنا اور سننا جیسے سارنگی، ہارمونیم وغیرہ میں انتہائی بے حرمتی اور توہین ہے، شرعاً ہرگز جائز نہیں، فقہاء نے بہت سخت حکم لگایا ہے (۳)۔

(۱) (الفتاویٰ العالمیہ، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحكام المرتدین، مکتب موجبات الکفر أنواع، ومنها ما يتعلق بالقرآن اهـ: ۲/۲۶۶، ۲۶۷، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتار خانیہ، کتاب أحكام المرتدین، فصل فیما يتعلق بالقرآن: ۵/۴۹۰، إدارة القرآن)

(۲) (الفتاویٰ العالمیہ، المصدر السابق: ۲/۲۶۷، رشیدیہ)

(۳) ”قراءة القرآن على ضرب الدف والقضيب، يكفر لاستخفافه، و أدب القرآن أن لا يقرأ في مثل هذه المجالس والمجلس الذي اجتمعوا فيه للغناء والرقص لا يقرأ فيه القرآن كما لا يقرأ في البيع =

ریڈیو گانے اور راگ کا اصالۃً آلہ نہیں ہے بلکہ خبر کو بہت دور تک پہنچانے کے لئے ایجاد کیا گیا ہے، اس میں گانا بجانا بھی ہونے لگا جیسے انسان کی زبان ہے کہ اس سے گانے کا کام بھی لینا ہے اور اس کی وجہ سے زبان سے قرآن کریم کی تلاوت بھی ممنوع نہیں ہوگی، اسی طرح ریڈیو کا حال ہے تاہم جس محفل میں گانا بجانا ہو اس میں تلاوت نہ کی جائے: ”وفی الخلاصة: من قرأ القرآن علی ضرب الدف والقضیب یکفر“۔ (۱)
شرح فقہ اکبر (۲)۔ ”و یکفر بقراءة القرآن علی ضرب الدف والقضیب“۔ البحر الرائق (۳)۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند۔

ریڈیو میں قرآن پاک کا پڑھنا

سوال [۱۱۹۰]: ریڈیو پر قرآن شریف پڑھنے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریڈیو دراصل مخصوص خبروں کی اشاعت کا ایک ذریعہ ہے لیکن یہاں اس کا استعمال بھی اگر بالکل فوٹو گراف کی طرح سے نہیں تو اس کے قریب قریب ضرور ہے جس میں بہت سی لغویات بھری رہتی ہیں، مختلف قسم کی تقریریں مختلف قسم کے اشعار اور طرح طرح کا گانا بجانا ہوتا ہے، مسلم اور غیر مسلم کی تخصیص نہیں، ابھی ایک بازاری عورت گارہی ہے، ابھی ایک قاری صاحب نے قرآن شریف شروع کر دیا، یہ یقیناً احترام کلام اللہ کے خلاف ہے۔ فقہاء نے مواضع لغو اور بازار میں کلام اللہ شریف پڑھنے کو منع فرمایا ہے۔ اسی طرح سے ایسے لوگوں

= والکنائس؛ لأنه مجمع الشیطان“۔ (البرازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳۳۸/۶، رشیدیہ)

”وفی السراج: ودلت المسئلة أن الملاهی کلها حرام الخ“۔ (الدر المختار، کتاب الحظر

والاباحة: ۳۳۸/۶، سعید)

”قلت: ویظهر من هذا ما کان دلیل الإستخفاف، یکفر به“۔ (رد المحتار: ۲۲۲/۶)

”والاستهزاء بشیء من الشرائع کفر“۔ (رد المحتار: ۴۷۴/۵، سعید)

(۱) (خلاصة الفتاوی: ۳۸۸/۴، الجنس الثامن، امجد اکیدمی لاہور)

(۲) (شرح الفقہ اکبر، ص: ۱۶۷، فصل فی القراءة والصلوة، قدیمی)

(۳) (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحكام المرتدین: ۲۰۵/۵، رشیدیہ)

کے سامنے جو اپنے کاموں میں مشغول ہوں، زور سے پڑھنے کی ممانعت ہے:

”لا یقرأ جہراً عند المشتغلین بالأعمال و من حرمة القرآن أن لا یقرأ فی الأسواق و فی مواضع اللغو، کذا فی القنیۃ اه“۔ فتاویٰ عالمگیریہ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۶/محرم/۵۹ھ۔

کیسٹ کے ذریعہ قرآن پاک پڑھنا

سوال [۱۱۹۱]: قرآن پاک صحیح پڑھنے کے لئے اگر کیسٹ چلائیں اور خود بھی قرآن مجید کھول کر ساتھ ساتھ پڑھتا ہے تو کیا ثواب ملے گا؟ دوسرے سجدہ آئے تو کیا ایک ہی سجدہ کافی ہے یا کیسٹ سے سننے کا الگ کرے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر خود بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا اس مجبوری سے کیسٹ چلاتا ہے اور اس کے موافق پڑھتا ہے تو ضرور ثواب ملے گا (۲) اور سجدہ ایک ہی کافی ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۱۴۰۶ھ۔

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۵/۳۱۶، الباب الرابع من آداب المسجد و التسیب و القراءة، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۱/۵۴۶، مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایہ، سعید)

(ومجموعۃ الفتاویٰ علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۳۰، امجد اکیڈمی)

(۲) قرآن کریم کی تلاوت کے لئے جو بھی کوشش ہوگی اس پر اجر ملے گا ”عن عائشۃ - رضی اللہ تعالیٰ عنہا - : قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”الماہر بالقرآن مع السفرة الکرام البررة، والذي یقرأ القرآن و یتتبع فیہ، وهو علیہ شاق، له اجران“۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۳۷، ص: ۱۰۶۷، دار السلام، بیروت)

(۳) ”ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ جو آیت سجدہ سنی جائے اس پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا، کیونکہ سجدہ تلاوت کے وجوب کے لئے تلاوت صحیح شرط ہے اور آلہ بے جان بے شعور سے تلاوت مقصود نہیں“۔ (آلات جدید)، مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بخش، ص: ۲۰۷، ادارۃ المعارف کراچی)

آداب تلاوت کا بیان

منبر کے پہلے درجہ پر قرآن رکھ کر پڑھنا

سوال [۱۱۹۲]: منبر کے پہلے درجہ پر قرآن شریف رکھ کر تلاوت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جزو دان، غلاف، تکیہ وغیرہ پر رکھ کر پڑھنا تقاضائے ادب ہے۔ جس جگہ پیر رکھے جاتے ہوں اس جگہ

بغیر غلاف و تکیہ کے نہ رکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مجبوراً لیٹے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت کرنا

سوال [۱۱۹۳]: ضعف شدید کی وجہ سے بیٹھ کر تلاوت نہیں کر پاتے، کیا جائز ہے کہ چٹ لیٹ کر یا

کروٹ لیکر تلاوت کریں اور پیروں کو نہ سکڑیں کہ پیروں کو ذرا دیر سکڑنے میں گھٹنوں میں درد پیدا ہو جاتا ہے

اور ٹانگوں میں درد ہو جاتا ہے، کیا پیر کو سکڑنا لازم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں بغیر پیر سکڑے بھی تلاوت جاری رکھیں، جب سہولت ہو سکڑ لیں۔ (۱) فقط واللہ

سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۲ھ۔

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (سورة البقرة: ۲۸۶)

وقال الحافظ ابن كثير: "أى لا يكلف أحداً فوق طاقته، وهذا من لطفه تعالى بخلقه ورافته

بهم وإحسانه إليهم". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۵۷، دار السلام، رياض)

برہنہ سر تلاوت کرنا

سوال [۱۱۹۲]: برہنہ سر تلاوت قرآن کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل یہ ہے کہ حسب حیثیت عمدہ لباس پہن کر عمامہ باندھ کر تلاوت کرے۔ عالمگیری (۱) لہذا برہنہ سر خلاف افضل ہے۔

تلاوت قرآن کریم بازار میں جہراً اور مسجد میں سراً

سوال [۱۱۹۵]: قرآن شریف کو بازار میں بلند آواز سے پڑھنا کیسا ہے؟ بعض حافظ صاحبان

مسجد میں چلتے پھرتے آہستہ آواز سے قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے ہیں، ان کا یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں چلتے پھرتے آہستہ تلاوت کرنا درست اور موجب ثواب ہے، بازار (مواضع لغو) میں بلند آواز سے تلاوت کرنا کہ لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں اور کوئی تلاوت نہ سنتا ہو درست نہیں، منع ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”رجل أراد أن يقرأ القرآن، فينبغي أن يكون على أحسن أحواله، يلبس صالح ثيابه، ويتعمم، ويستقبل القبلة؛ لأن تعظيم القرآن والفقہ واجب“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳۱۶/۵، کتاب الکراہیۃ، الباب الرابع، رشیدیہ)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۳۱۶/۵، الباب الرابع فی الصلاة والتسبیح و قرأۃ القرآن، رشیدیہ) (وامداد الفتاویٰ: ۳۹/۴، دارالعلوم کراچی)

(۲) ”يجب على القاري احترامه بأن لا يقرأ في الأسواق و مواضع الاشتغال، فإذا قرأه فيها كان هو المضيع لحرمة، فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال، دفعاً للحرص“۔ (رد المحتار: ۵۴۶/۱، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية، سعيد)

متعدد لوگوں کا بیک وقت جہراً قرآن پاک پڑھنا

سوال [۱۱۹۶]: زید و عمرو و بکرو خالد جمع ہو کر با آواز بلند تلاوت قرآن مجید فرماتے ہیں آیا یہ جائز ہوگا یا نہیں، قرآن مجید کی آیت کریمہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ الخ۔

اس آیت سے سننا واجب معلوم ہوتا ہے اور دوسرے فقہ کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت مستحب ہے، اس لئے شبہ ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

”وفی الدرة المنیفة عن القنیة: یکره للقوم أن یقرؤا القرآن جملةً، لتضمنها ترك الإستماع والإنصات، وقیل: لا بأس به اهـ“۔ طحطاوی (۱)۔ ”ولا بأس باجتماعهم علی قراءة الإخلاص جهرأ عند ختم القرآن، ولو قرأ واحد واستمع الباقون فهو أولى اهـ“۔ ہندیہ (۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولی و احوط بلا اختلاف یہ ہے کہ ایسی حالت میں سب آہستہ پڑھیں جہر نہ کریں تاکہ استماع واجب میں خلل نہ ہو، اگر جہر کریں تو ایک جہر سے پڑھے باقی سنیں سب کا جہر کرنا مکروہ ہے اور بعض فقہاء اس حالت میں بھی عدم کراہت کے قائل ہیں۔

آیت: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ﴾ الخ (۳) کو ایک جماعت نے نماز کے ساتھ مخصوص مانا ہے، اس لئے خارج صلوٰۃ یہ آیت اس کا حکم نہیں دیتی، اور ایک جماعت نے عام مانا ہے اگرچہ سبب نزول خاص ہے۔

”عن طلحة-رضی اللہ تعالیٰ عنہ- قال: رأیت عبید بن عمر، وعطاء بن أبی

= (و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۵/۳۱۶، الباب الرابع من آداب المسجد والتسبیح والقراءة، رشیدیہ)

وفی المحيط: ”یکره رفع الصوت لقراءة القرآن عند المشتغلین بالأعمال“۔ (مجموعۃ

الفتاویٰ، علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۳۰، أمجد اکیڈمی لاہور)

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی صفة الاذکار، ص: ۳۱۸، قدیمی)

(۲) (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۵/۳۱۷، الباب الرابع فی الصلاة والتسبیح والقراءة، رشیدیہ)

(۳) (الأعراف: ۲۰۴)

رباح رحمہ اللہ تعالیٰ يتحدثان والقاص يقص، فقلت: ألا تستمعان إلى الذكر و تستوجبان الموعود؟ قال: فنظرا إلى ثم أقبلا على حديثهما، قال: فأعدت فنظرا إلى وأقبلا على حديثهما، قال: فأعدت الثالثة قال: فنظرا إلى فقال: إنما ذلك في الصلوة: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾. وكذا قال سفيان الثوري عن أبي هاشم إسماعيل بن كثير عن مجاهد في قوله: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ قال: في الصلوة، وكذا رواه غير واحد عن مجاهد. وقال عبد الرزاق: عن الثوري عن ليث عن مجاهد قال: لا بأس إذا قرأ الرجل في غير الصلوة أن يتكلم (إلى قوله) عن أبي هريرة - رضي الله تعالى عنه - أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من استمع إلى آية من كتاب الله، كتبت له حسنة مضاعفة، ومن تلاها كانت له نورا يوم القيمة" - ابن كثير (۱).

﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون﴾ ظاهره وجوب الاستماع والإنصات وقت قراءة القرآن في الصلوة وغيرها، وقيل: معناه: إذا تلا عليكم الرسول القرآن عند نزوله، فاستمعوا له. وجمهور الصحابة رضي الله تعالى عنهم أنه في استماع المؤتم، وقيل: في استماع الخطبة، وقيل: فيهما وهو الأصح اهـ. مدارك التنزيل (۲).

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ استماع اور سکوت کو فرض عین قرار دینا اور وقت تلاوت قرآن تکلم کو حرام قرار دینا اور اس حکم کی تعمیل کرنا کہ حالت صلوٰۃ وغیر صلوٰۃ ہر دو کو شامل ہو دشوار ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۴/ربیع الثانی/۵۹ھ۔

چند آدمیوں کا قرآن کریم کو جہراً پڑھنا

سوال [۱۱۹۷]: چند لوگ ایک جگہ بیٹھ کر تلاوت قرآن جہر کے ساتھ کریں اور دوسرا نہ سنے ایسا کرنا

(۱) (تفسیر ابن کثیر: ۳/۲، (سورة الأعراف: ۲۰۴)، دار الفیحاء دمشق)

(۲) (مدارک التنزیل: ۱/۵۸، (سورة الأعراف)، قدیمی)

(و کذا فی رد المحتار: ۱/۵۴۶، الاستماع للقرآن فرض کفایہ، سعید)

درست ہے یا نہیں؟ ایک مقامی عالم اس طریقہ کو درست فرماتے ہیں حالانکہ اس طریقے سے تلاوت قرآن کرنا درست نہیں ہے، جب کہ علماء حق نے منع کیا ہے، مسئلہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ سب آہستہ آہستہ تلاوت کریں تاکہ ایک کی آواز دوسرے سے نہ ٹکرائے اور قرأت قرآن کو سننے کا فریضہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہو، لیکن اگر جبراً پڑھیں تب بھی ایک قول پر اجازت ہے۔ جب ایک شخص خود ہی تلاوت میں مشغول ہے اور دوسرے کی تلاوت کو نہیں سن رہا ہے تو وہ قرآن پاک کی طرف سے اعراض کرنے والا شمار نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قرآن خوانی میں قرآن شریف زور سے پڑھنا چاہئے یا آہستہ سے؟

سوال [۱۱۹۸]: ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی میں قرآن شریف زور سے پڑھنا چاہئے یا خاموشی سے؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر خاموشی سے پڑھنے کو کہتے تھے۔ صحیح مسئلہ سے مطلع فرمائیں۔

(۱) ”وفی الدرة المنیفة عن القنیة: یکره للقوم أن یقرؤوا القرآن جملةً لتضمنها ترک الإستماع والإنصات، وقیل: لا بأس به“۔ (حاشیة الطحاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، قبیل باب ما یفسد الصلاة، ص: ۳۱۸، قدیمی)

”وحکی ابن المنذر الإجماع علی عدم وجوب الإستماع والإنصات فی غیر الصلاة والخطبة، وذلك أن یجا بها علی کل من یسمع أحداً یقرأ فیہ حرج عظیم؛ لأنه یقتضی أن یتروک له المشتغل بالعلم علمه، والمشتغل بالحکم حکمه، والمتاعان مسادمتهاؤ تعاقدهما، وکل ذی شغل شغله“۔ (تفسیر المنار: ۵۵۲/۹، ۵۵۳)

”(وإذا قرى القرآن فاستمعوا له وأنصتوا)..... المؤمن فی سعة من الإستماع إلیه إلا فی صلاة مفروضة“۔ (أحكام القرآن للحصباص: ۳/۳۹، باب القراءة خلف الإمام، دارالکتب العربی، بیروت) (وکذا فی روح المعانی: ۱۵۰/۹، ۱۵۳، دار إحياء التراث العربی بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً :

افضل تو یہی ہے کہ جب ایک جگہ مجمع قرآن شریف پڑھے تو سب آہستہ پڑھیں لیکن زور سے پڑھیں تب بھی گنجائش ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

لوگوں کی رعایت میں قرآن سنو اگر پڑھنا

سوال [۱۱۹۹]: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو تعریف فرمائی، جب ان کو پتہ چلا تو انھوں نے فرمایا کہ اگر ہم کو معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو اور اچھا پڑھتا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی فرمائش پر قرآن پڑھا جائے اور خوب سنوار کر پڑھا جائے تو جائز ہے، لہذا اگر نماز تراویح میں کسی کی رعایت سے خوب سنوار کر اس کا دل خوش کرنے کے لئے پڑھا جائے تو کیا حکم ہے کہ مؤمن کا دل خوش کرنا بھی ثواب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

اس میں شک نہیں کہ مؤمن کا دل خوش کرنے میں بھی ثواب ہے، لیکن جو عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے کی جاتی ہے اس میں نیت اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی ہی ہونی چاہئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنا اپنی اصل کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہی کو خوش کرنا ہے: ﴿وَمَنْ يَطْعِ الرِّسُولَ فَقَدْ اطَّاعَ اللَّهَ﴾ (۲) ورنہ اللہ تعالیٰ کی

(۱) "ولا بأس باجتماعهم على قراءة الإخلاص جهراً عند ختم القرآن، ولو قرأ واحد واستمع الباقيون

فهو أولى". (الفتاویٰ العالمگیری: ۵/۳۱۷، الباب الرابع فی الصلاة والتسبیح والقراءة، رشیدیہ)

(وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۱۸ فصل فی صفة الأذکار، قدیمی)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۸۱، سہیل اکیڈمی لاہور)

(وکذا فی مدارک التنزیل: ۱/۴۵۸، سورة الأعراف، قدیمی)

(۲) (سورة النساء: ۸۰)

وقال ابن کثیر: "یخبر تعالیٰ عن عبده ورسوله محمد صلی اللہ علیہ وسلم بأن من أطاعه فقد

أطاع الله، ومن عصاه فقد عصی الله، وما ذاك إلا لأنه ما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى".

(تفسیر ابن کثیر: ۱/۷۰۳، دار السلام ریاض)

عبادت اگر مخلوق کو خوش کرنے کے لئے کی جائے تو شرک کا خطرہ ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ، فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۴ھ۔

بوقتِ مطالعہ تلاوت کرنا

سوال [۱۲۰۰]: ایک ایسے کمرہ میں بالجہر تلاوت کرنا جس میں کئی آدمی اپنی کتب دینیہ زور سے پڑھ رہے ہیں یا سر مطالعہ کر رہے ہیں مگر تلاوت کی طرف توجہ بالکل نہیں ہے تو اس صورت میں تلاوت بالجہر کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً :

اگر دوسرا شخص پہلے سے دینی کتب کے مطالعہ میں مشغول ہے تو آہستہ تلاوت کی جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۲/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۲/۹۳ھ۔

کیا تلاوت کی وجہ سے کسی کے وظیفہ کو روکا جائے گا؟

سوال [۱۲۰۱]: اگر مسجد میں کوئی ورد یا وظیفہ پڑھ رہا ہو تو بآواز بلند تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

= ”و عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”من أطاعني فقد إطاع الله، ومن عصاني فقد عصى الله“۔ (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۲۷۰، دار إحياء التراث العربی) (۱) (سورة الكهف: ۱۱۰)

(۲) ”یکرر من الفقه وغيره یقرأ القرآن لا یلزمه الاستماع..... رجل یکتب الفقه و بجنبه رجل یقرأ القرآن و لا یمکنه استماع القرآن، کان الإثم علی القاری و لا شیء علی الكاتب“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۵/۳۱۸، الباب الرابع، رشیدیہ)

(کذا فی رد المحتار: ۱/۵۴۶، مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایہ، سعید)

(ومجموعۃ الفتاویٰ علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۳۰، امجد اکیڈمی لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً :

اگر تلاوت پہلے سے کوئی شخص بآواز بلند کر رہا ہے اور پھر کسی نے آکر اپنا وظیفہ شروع کر دیا تو تلاوت کرنے والے کو روکا نہیں جائے گا اور اگر وظیفہ پہلے سے کوئی شخص پڑھ رہا ہے تو بعد میں آنے والا آہستہ تلاوت کرے مگر مجبور پھر بھی نہیں کیا جائے گا، محض استحسانی چیز ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

جلسہ کی ابتدا کلام پاک سے

سوال [۱۲۰۲]: مسلم یونیورسٹی مسلمانوں کا ادارہ ہے، جس کی مجلس (مسلم یونیورسٹی کورٹ) خالصہ مسلمانوں کی جماعت ہے اور کوئی غیر مسلم قانوناً اس کا ممبر نہیں بن سکتا۔ مجلس مذکورہ کے جلسہ خصوصی منعقدہ ۱۷/ دسمبر ۱۹۳۹ء میں ایک ممبر نے یہ تجویز پیش کی کہ کورٹ کے جلسوں کی ابتداء تلاوت کلام سے ہوا کرے، اس پر ایک دوسرے ممبر نے مخالفت کی اور کہا کہ آج اس جلسہ میں تلاوت کلام ہوگی کل دوسرے جلسوں میں ہوا کرے گی اور جلسہ میں ناظم دینیات کو کلام پاک پڑھنے کے لئے بلانا ہوگا، اس لئے اس تجویز کو پیش کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ واضح رہے کہ اس مجلس میں کافی تعداد میں ممبران حافظ جی اور مذہبی پیشوا ہیں، مزید ممبران ہر ممبر مسلمان ہی ہے اور تلاوت کلام پاک کر سکتا ہے اور ناظم دینیات کا اس کام کے لئے مامور ہونا ضروری نہیں ہے۔

چونکہ یہ تجویز شامل ایجنڈا نہ تھی اور ہر ایسی تجویز کے پیش کرنے کے لئے جو خارج ایجنڈا ہو، دو تہائی

(۱) ”صبی یقرأ فی البیت وأہلہ مشغولون بالعمل، یعذرون فی ترک الاستماع إن افتتحوا العمل قبل القراءة وإلا فلا، وكذا قراءة الفقه عند قراءة القرآن، مدرس یدرس فی المسجد و فیہ مقررۃ یقرأ القرآن بحیث لو سکت عن درسه یسمع القرآن یعذر فی درسه“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۵/۳۱، الباب الرابع فی الصلاة والتسبیح و قراءة القرآن، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۱/۵۴۶، مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایہ، سعید)

(و کذا فی مجموعۃ الفتاویٰ علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۳۰، امجد اکیڈمی لاہور)

ممبران موجودہ کی رضامندی ضروری ہوتی ہے اس لئے اس مخالفت کی بنا پر اس تجویز کو دو تہائی ممبروں کی تائید حاصل نہ ہوئی اور تجویز نہ پیش کی جاسکی۔ محرک آئندہ اجلاس میں پھر اس تجویز کو باضابطہ نوٹس کے ساتھ پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ان حالات کے ماتحت اس تجویز کو پیش کرنا شریعتِ حقہ کی رو سے کیسا ہے اور کیا اس مخالفت کے بعد اس تجویز کو پیش کرنا اور جلسہ کو تلاوتِ کلام سے شروع کرنا لازمی ہو گیا؟ مفصل اور شرح جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

[۱۲۰۳]: ۲..... نیز کیا تلاوتِ کلام پاک کے لئے وضو کا ہونا ضروری ہے، بلا وضو کلام پاک ممنوع ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

۱..... اہل اسلام کے جلسہ کی ابتداء اگر تلاوتِ کلام اللہ شریف سے ہو تو نہایت مستحسن ہے اور باعث برکت ہے، لیکن یہ فرض واجب کے درجہ میں نہیں کہ اس کے ترک کرنے سے گناہ ہو بلکہ محض استحسان اور استحباب کا درجہ ہے کہ اس کے خلاف کرنے سے برکت اور ثواب سے محرومی رہے گی (۱) اور بفضلہ تعالیٰ مسلمان قرآن شریف سے اس قدر تعلق اور لگاؤ رکھتے ہیں کہ ہر جگہ کم و بیش اس کی تلاوت پر قدرت رکھنے والے ضرور ہی میسر آجاتے ہیں اور کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

اگر کوئی مجلس مسلمانوں کی قانوناً ممانعت کر دے کہ ہمارے جلسہ میں تلاوت کی اجازت نہیں تو یہ قانون یقیناً اسلام اور اسلامی احساسات کے مخالف ہوگا، ایسی صورت میں اس قانون ساز جماعت کو نرمی سے سمجھایا جائے کہ وہ خود ہی اس قانون کو منسوخ کر دے اور کلامِ الہی کی تلاوت پر ایسی پابندی عائد نہ کرے، اگر وہ نہ مانے تو ایسے قانون کی پابندی شرعاً ناجائز ہے (۲)، اس کے خلاف کرنا ضروری ہوگا۔ اسی طرح تلاوت کو ایسا لازم کرنا کہ بغیر اس کے کوئی اجلاس ہی نہ ہو سکے اس کو فرض کا درجہ دینا یہ بھی ناجائز ہے (۳)، اس لئے ایسا

(۱) ”کل امر ذی بال لا یبدأ فیہ بذكر فهو أقطع“ ”کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ بذكر الله ثم بالصلاة علیٰ فهو أقطع“۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، مقدمہ : ۱/ ۳۷، ۳۸، رشیدیہ)

(۲) ”لا طاعة لمخلوق فی معصية الله“۔ (مسند الإمام أحمد : ۱/ ۲۱۲، رقم الحدیث : ۱۰۹۸، دار

احیاء التراث العربی)

(۳) ”من أصر علی امر مندوب و جعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال =

کرنا چاہئے کہ اکثر تو افتتاح تلاوت سے ہو اور کبھی بغیر اس کے بھی۔

۲..... قرآن شریف کو ہاتھ لگانے کے لئے تو وضو کا ہونا ضروری ہے اور محض تلاوت کے لئے شرط نہیں بلکہ مستحب ہے اور بلا وضو بھی تلاوت جائز ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ ہذا، ۶/ ذی الحجہ/ ۱۳۵۸ھ۔

سیاسی غیر مسلم ہندوؤں کی آمد پر قرآن کریم کی تلاوت کے ذریعہ مجلس کا افتتاح

سوال [۱۲۰۲]: ایک سیاسی مجلس میں ہندو مسلم شریک ہوں اور یہ مجلس ہندو لیڈروں کی آمد پر منائی گئی ہو اور چند ہندو مجلس کا افتتاح قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ کرنے کے متمنی ہیں۔ دریں صورت تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نوٹ: تلاوت نہ کرے تو تعصب کا اندیشہ ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس مقصد سے تلاوت کی جائے کہ اللہ کے کلام سے ان کے قلوب متاثر ہو کر اسلام سے قریب ہو جائیں تو گنجائش ہے، اگر محض رسمی طور پر ہو یا اس کے اعزاز میں ہو تو اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

= و جاء فی حدیث ابن مسعود: "إن الله يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه".

(السعاية، باب صفة الصلوة، قبیل فصل فی القراءة: ۲/ ۲۶۳، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۱) "ولا تكرر قراءة القرآن للمحدث ظاهراً": أي على ظهر لسانه حفظاً بالاجماع (الحلبی الکبیر،

مطلب فی اصح القولین، ص: ۶۰، سہیل اکیڈمی)

(کذا فی مجمع الأنهر: ۱/ ۴۲، کتاب الطهارة، دار الکتب العلمیة بیروت)

(والنهر الفائق، کتاب الطهارة: ۱/ ۱۳۴، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۲) "قال الإمام محمد فی السیر الکبیر: وإذا قال الحربی أو الذمی للمسلم: علمنی القرآن، فلا بأس

بأن يعلمه و يفقهه فی الدین لعل الله یقلب قلبه إنما یمنع منه إذا خیف منهم إهانته، أما إذا لم یکن =

تلاوت کے وقت سر ہلانا

سوال [۱۲۰۵]: تلاوت کلام پاک یا کتب حدیث پڑھتے وقت سر ہلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرعی حکم نہیں طبعی چیز ہے، بعض ہلاتے ہیں بعض نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۵ھ۔

اٹک اٹک کر قرآن شریف پڑھنے والے کا اجر

سوال [۱۲۰۶]: نسائی اور ابن ماجہ کے باب فضائل قرآن شریف میں جو یہ حدیث آئی ہے کہ ”

اٹک اٹک کر پڑھنے والے کو دہرا ثواب اور جو تیز پڑھتا ہے اس کو اکبرا ثواب ملتا ہے“ (۱) یہ عقل کے خلاف اور انصاف کے خلاف ہے یا نہیں؟ محدثین نے اس کا کیا جواب دیا ہے؟ مہربانی فرما کر جواب صاف اردو میں مفصل و مدلل دینا چاہیے۔ فقط بینواتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چونکہ اٹک اٹک کر پڑھنے میں مشقت زیادہ ہوتی ہے اس لئے فرمایا ہے کہ ایسے شخص کو دو اجر ملیں گے: ایک پڑھنے کا اجر، دوسرا مشقت کا اجر۔ جو شخص روانی سے پڑھتا ہے اس کو مشقت نہیں ہوتی تو اس کو صرف پڑھنے کا اجر ملے گا اور اس سے مقصود قرآن شریف کی طرف توجہ اور رغبت دلانی ہے۔ جو شخص ماہر ہے اٹک کر نہیں پڑھتا

= مثل هذا الخوف فلا بأس بذلك“ (تکملہ فتح الملہم شرح صحیح المسلم، باب النہی ان سافر

بالمصحف الخ: ۳/۳۸۶، مکتبہ دارالعلوم)

(و کذا فی الحلبي الكبير، ص: ۶۰، مطلب فی أصح القولین، سہیل اکیڈمی)

(وفی رد المحتار: ۱/۱۷۷، مطلب یطلق الدعاء الخ، سعید)

(۱) ”عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”الماهر بالقرآن مع السفارة

الكرام البررة، والذي يقرؤه، يتعتع فيه، وهو عليه شاق، له أجران إثنان“ (سنن ابن ماجہ، باب ثواب

القرآن، ص: ۲۷۶، میر محمد کتب خانہ)

(وسنن أبي داود مع بذل المجهود، باب فی ثواب قراءة القرآن: ۲/۳۳۷، مکتبہ قاسمیہ، ملتان)

وہ افضل ہے اگرچہ اس کو مشقت کا اجر نہیں ملتا، لیکن اس کا اجر بھی اٹک کر پڑھنے والے سے کچھ کم نہیں بلکہ زیادہ ہی ہوگا اگرچہ اکہرا ملے: ”فلہ اجر ان: ای أجر لقرأته وأجر لتحمل مشقته، وهذا تحريض على تحصيل القراءة، وليس معناه أن الذي يتتبع فيه أجره أكثر من الماهر، بل الماهر أفضل وأكثر أجراً حيث اندرج في سلك الملائكة المقربين والأنبياء المرسلين والصحابة المقربين اه“۔ بذل المجہود: ۳۳۸/۲ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۵۷/۱۲/۲۷ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ذی الحجہ/۵۷ھ۔

تلاوت کا ثواب زیادہ ہے یا تحیۃ المسجد کا؟

سوال [۱۲۰۷]: تقریباً دس بیس نمازی مسجد میں تلاوت قرآن پاک کر رہے تھے، ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ مجھے تحیۃ المسجد پڑھنی ہے تلاوت بند کر دو۔ تو یہ فعل افضل ہے یا تلاوت کرنا افضل و بہتر ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں جبکہ لوگ تلاوت کر رہے ہیں تو اس کے بعد میں آنے والے کو مناسب یہ ہے کہ تلاوت سننے میں مشغول ہو جائے دوسروں کو تلاوت سے نہ روکے، اگر تحیۃ المسجد پڑھنی ہی چاہے تو الگ کسی جگہ پڑھ لے، تلاوت کرنا، سنت تحیۃ المسجد پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ﴾
الآیہ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۵ھ۔

(۱) (بذل المجہود فی حل ابی داؤد، الجزء التاسع، باب ثواب قراءة القرآن: ۳۳۸/۲، مکتبہ قاسمیہ، ملتان)

(۲) (سورة الاعراف، آیت: ۲۰۴)

”صبی یقرأ فی البیت وأهله مشغولون بالعمل، یعذرون فی ترک الإستماع إن افتتحوا العمل قبل القراءة، وإلا فلا، وكذا قراءة الفقه عند قراءة القرآن“۔ (رد المحتار، فروع فی القراءة خارج الصلوة: ۵۴۶/۱، سعید)

دس دفعہ ”قل هو اللہ“ پڑھنے سے جو مکان جنت میں ملے گا کیا اس میں بیوی بچے بھی ساتھ ہوں گے؟

سوال [۱۲۰۸]: بعض نو تعلیم یافتہ کہتے ہیں کہ جو شخص دس بار ”قل هو اللہ“ پڑھے گا ایک محل جنت میں تعمیر ہوتا ہے تو کیا وہ محل صرف اسی کے لئے ہے یا اس کے ساتھ حورو غلمان بھی رہیں گے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

دس مرتبہ ”قل هو اللہ“ پڑھنے پر جنت میں ایک محل کا تیار ہونا کس روایت میں ہے؟ ان سے دریافت کر کے لکھئے تاکہ اس پر غور کیا جائے، اتنا ثابت ہے کہ جنت میں جو کچھ آدمی چاہے گا اس کو ملے گا۔ ﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ﴾ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۴ھ۔

تمباکو والا پان منہ میں رکھ کر تلاوت کرنا

سوال [۱۲۰۹]: پان میں تمباکو کھا کر مسجد یا دوسری جگہ تلاوت قرآن کر سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ اس لئے پان کھایا گیا ہو کہ اس سے نیند نہ آئے۔

= (وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۵/۳۱، الباب الرابع فی الصلاة والتسبیح وقراءة القرآن، رشیدیہ)

(مجموعۃ الفتاویٰ علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ: ۲/۲۳۰، امجد اکیڈمی لاہور)

(۱) (الزخرف: آیت: ۷۱)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۷۱، دارالسلام، ریاض)

وقال الإمام أحمد رحمه الله تعالى: ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إن أدنى أهل الجنة منزلةً أن له سبع درجات، وهو على السادسة، وفوقه السابعة، وأن له ثلثمائة خادم، ويغدى عليه ويراح كل يوم بثلاث مائة صفحة إلخ“۔ (مسند الإمام أحمد:

۲/۴۵۰، دار إحياء التراث العربی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادب واحترام کا تقاضا یہ ہے کہ منہ صاف کر کے تلاوت کی جائے (۱) اور یہ تصور کیا جائے کہ میں قرآن کریم اللہ تعالیٰ کو سنارہا ہوں، پھر انشاء اللہ تعالیٰ نیند نہیں آئے گی۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۴ھ۔

دنیاوی غرض کے لئے بھی ذکر قرآن پراجر ہے

سوال [۱۲۱۰]: بعض اوراد جن کے فضائل احادیث سے ثابت ہیں مثلاً: قرآن شریف علی الاطلاق اور اس کی بعض سورت و آیات بالخصوص ”سبحان اللہ، والحمد للہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ الخ۔ لا الہ الا اللہ وحدہ“ وغیرہ وغیرہ جن کے فضائل منصوص ہیں، اس قسم کے اوراد اگر ایسی ترکیب سے پڑھے جائیں جو مشائخ نے بیان فرمائی ہیں یا عالموں نے بتلائی ہیں یا خاص اس کمیت اور کیفیت سے پڑھی جائیں جو کمیت اور کیفیت ان کی احادیث سے ثابت ہے، مگر ان کے پڑھنے سے کسی دنیوی غرض کا پورا کرنا ہے مثلاً: یہ کہ رزق میں فراخی ہو جائے یا بچہ پیدا ہو یا فلاں مرض دفع ہو جاوے، یا فلاں غائب واپس آجائے یا تجارت میں نفع ہو یا فلاں عورت سے نکاح ہو جائے یا فلاں فلاں میں محبت ہو جائے یا فلاں گمشدہ مال واپس مل جائے یا فلاں مصیبت اور تنگی دور ہو جاوے یا تسخیر عالم ہو جائے یا تسخیر جنات وغیرہ ہو جائے یا تسخیر کوکب مثلاً زہرہ، مشتری، عطارد، شمس وغیرہ ہو جائے یا فلاں فلاں مقدمہ ختم ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ ہر ایک حاجت کے لئے خاص خاص تراکیب کتب عملیات میں موجود ہیں اور مشائخ عظام سے منقول ہیں اور قرآن شریف کی مختلف آیات اور سور سے بتلائی گئی ہیں اور بعض مفسرین نے بعض بعض آیات کی خاصیات تحریر فرمائی ہیں کہ ان میں یہ فوائد ہیں جو کہ دنیوی اغراض سے تعلق رکھتے ہیں اور حالانکہ قرآن شریف کے نصوص میں وارد ہے کہ ایک ایک حرف کے بدلہ میں ۱۰، ۱۰ نیکیاں ملتی ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ قرآن شریف کی بعض آیات یا ذکر مذکورہ میں سے کسی کو اگر کوئی شخص اس قسم کی دنیوی حاجات کے لئے پڑھے تو پڑھنے والے کو اس پر کوئی ثواب مرتب ہوگا یا نہیں؟

(۱) کتب فقہ میں صریح جزئیہ نہیں ملا، البتہ عرف عام میں اس کو بے ادبی خیال کیا جاتا ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

اگر ہوگا تو کیا وہی منصوص یا اس سے کم اور اگر حاجت دنیوی کے لئے پڑھا جائے کہ آثار میں صراحت ذکر ہیں مثلاً: سورہ واقعہ کے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہر رات میں پڑھنا دافع فقر ہونا منقول ہے (۱)، اسی طرح پر ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ الخ ولا منجاء من اللہ الا الیہ“ (۲) کا حدیث مرفوع میں ننانوے بلا کا دافع ہونا جس کا ادنیٰ فقر ہے مروی ہے تو اگر کوئی اس وظیفہ کو دافع فقر اور فاقہ تنگدستی کے لئے دائمی پڑھتا ہے تو کیا اس کو اس دنیوی حاجت کے قضاء کے لئے پڑھنے سے ثواب جو مطلقاً تلاوت قرآن شریف کے متعلق یا ”لا حول“ الخ پڑھنے پر روایات میں وارد ہے موصول ہوگا یا نہیں؟

اور اگر کوئی شخص ایسا وظیفہ جن کے فضائل نصوص سے ثابت ہیں بالفاظہا تو نہیں پڑھا کرتا مگر ایسا ہی جن اوراد کے فضائل روایات سے ثابت ہیں، مثلاً: دعاء، ثنا و حمد باری عز اسمہ و درود بالفاظ ماثورہ، ان کے فضائل منصوص ہیں، اب کوئی شخص فارسی، ہندی وغیرہ زبان میں کوئی ورد، دعاء، ثناء کا کسی حاجت کے لئے پڑھتا ہے تو کیا اس کو وہ ثواب بھی مل سکتا ہے جو دعاء، ثنا وغیرہ کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ بالتفصیل بیان فرمادیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو خواص و فوائد آیات و سورا و اذکار کے منصوص ہیں ان کے لئے پڑھنے سے ثواب میں کمی نہیں آئے گی، کیونکہ جس نے ثواب بتایا ہے اسی نے خواص و فوائد بتائے ہیں اور ان خواص و فوائد کے لئے پڑھنے کی تعلیم دی ہے اور ثواب کو مشروط نہیں کیا خواص و فوائد کی نیت نہ ہونے کے ساتھ۔

نیز خواص و فوائد اور نیت ثواب میں تزامن بھی نہیں کہ اجتماع دشوار ہو، گوا علی اور افضل درجہ یہ ہے کہ محض رضائے حق تعالیٰ مقصود ہو کیونکہ خواص و فوائد کا ترتیب تو بہر حال ہوگا پھر ثواب کو تابع اور خواص و فوائد کو متبوع بنانے کی کیا ضرورت ہے، تاہم اس سے ثواب منصوص میں کمی نہ ہوگی اگرچہ یہ درجہ مفضول ہونے کی وجہ سے افضلیت کا ثواب نہ مل سکے گا، اپنی مشروع اغراض کے لئے دعا کرنا خود مامور بہ ہے جو کہ موجب ثواب ہے اور

(۱) ”عن عبد اللہ مسعود رضی اللہ عنہما قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”من قرأ سورة

الواقعة کل لیلۃ، لم تصبه فاقۃ أبداً“۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۶۰، سورة الواقعة، دار السلام، ریاض)

(۲) (مسند الإمام أحمد: ۲/۵۹۵، رقم الحدیث: ۸۰۲۴، دار احیاء التراث العربی)

(و حصن حصین: ۳۵۴، رقم: ۵۴، خزینۃ علم و ادب، لاہور)

غیر مشروع اغراض کے لئے پڑھنا ناجائز ہے:

”من قرأ حرفاً من کتاب اللہ، فله حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: آلم حرف، ولكن ألف حرف، ولام حرف، وميم حرف اه“۔ ترمذی شریف (۱)۔

”من شغله القرآن: أى لفظاً أو حفظاً أو معنى أو عملاً، وتخلف عن ذكرى: أى من سائر الأذكار ومسئلتى: أى من بقية الأدعية، أعطيه أفضل ما أعطى: على صيغة المضارع المعلوم المتكلم الواحد: أى أفضل ما أعطيه السائلين: أى والذاكرين فهو من باب الاكتفاء، أو المراد بالسائلين الطالبون فى ضمن الذكر والدعاء بلسان القول أو بيان الحال. وقال المظهر: يعنى إن اشتغل بقراءة القرآن ولم يفرغ إلى الذكر والدعاء، أعطاه الله مقصوده ومراده أحسن وأكثر ما يعطى الذين يطلبون من الله تعالى حوائجهم، والمعنى أنه لا يظن القارى أنه إذا لم يطلب من الله حوائجه لا يعطيه إياها، بل يعطيه أكمل الإعطاء، فإنه من كان لله كان الله له اه“۔
الحرز الثمين مختصراً، ص: ۲۵۲ (۲)۔

”فلو قصد بالذكر القربة إلى الله تعالى لكان أكثر ثواباً، ومن ثم قال الغزالي: حركة اللسان بالذكر مع الغفلة منه تحصل الثواب؛ لأنه خير من حركة اللسان بالغيبة، بل هو خير من السكوت مطلقاً: أى المجرد من التفكير، قال: وإنما هو ناقص بالنسبة إلى عمل القلب اه“۔ فتح الباری: ۱/ ۱۴ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۳/۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

(۱) (جامع الترمذی، باب ماجاء من قرأ حرفاً من القرآن فله من الأجر: ۱۱۹/۲، سعید)

(۲) لم أظفر عليه

(۳) (فتح الباری، کتاب بدء الوحی، باب: ۱، ۱۸/۱، قدیمی)

مصیبت کا علاج قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی رکھنا

سوال [۱۲۱۱]: ہمارے یہاں ایک صاحب نے یہ عمل بتلایا کہ مصیبت کے وقت یا کسی پریشانی کے وقت پریشانی دور کرنے کے لئے قرآن مجید کی سطروں پر انگلی رکھتے جائیں اور بسم اللہ پڑھتے جائیں چاہے قرآن پڑھا ہوا ہو وہ بھی قرآن پاک کی لائنوں پر انگلی رکھتا جائے اور بسم اللہ پڑھتا جائے تو کیا یہ عمل ٹھیک ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصیبت دور کرنے کا علاج توبہ و استغفار ہے، گناہوں سے نادم ہو کر معافی مانگنا اور آئندہ کو عہد کرنا ہے، حقوق اللہ: نماز، زکوٰۃ، صدقہ، روزہ جو بھی ذمہ میں باقی ہیں ان کو پورا کرنا ہے (۱)، بندوں کے حقوق کو ادا کرنا ہے اور ان سے معافی مانگنا ہے (۲)۔ قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی رکھ کر بسم اللہ پڑھنا قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علاج تجویز نہیں فرمایا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، یکم/محرم/۱۳۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/محرم/۱۳۹۳ھ۔

قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی پھیرنا اور بسم اللہ پڑھنا

سوال [۱۲۱۲]: قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی پھیرنا اور ہر سطر پر محض بسم اللہ پڑھنا کیسا ہے؟

(۱) ”عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”يا كعب بن عجرة! الصلاة قربان، والصوم جنة، والصدقة تطفي الخطيئة، كما يطفى الماء النار“۔ (المسند للإمام أحمد: ۳/۳۹۹، دار إحياء التراث العربی)

(وصحيح البخاری: ۹/۱۷۵، دار الفکر بیروت)

(والسنن للنسائی: ۴/۱۶۶، دار الکتب)

(۲) ”وأيضاً قد نصوا على أركان التوبة ثلاثة: الندامة على الماضي، والإقلاع في الحال، والعزم على

عدم العود في الاستقبال وإن كانت عما يتعلق بالعباد فتتوقف صحة التوبة منها مع ما

قدمناه في حقوق الله تعالى على الخروج عن عهدة الأموال وإرضاء الخصم في الحال والاستقبال بأن

يتحلل منهم أو يردّها إليهم“ الخ۔ (شرح الفقه الأكبر، بحث التوبة، ص: ۱۵۸، قديمی)

تبرکاً و تیمناً اور عدم علم قرآن کی وجہ سے ہر دو کا کیا حکم ہے؟

۲..... اس طریقہ کو ختم قرآن سے تعبیر کرنا کیسا ہے؟

۳..... اگر وظیفہ کے لئے ایسا عمل کیا جائے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

۴..... اگر جائز ہے تو محض امر دینی و مقصد شرعی کے لئے جائز ہے یا حصول غرض دنیاوی یعنی غیر شرعی

کے لئے بھی جائز ہوگا؟ نیز حصول دولت جبکہ ضرورت سے زائد ہو امر دینی ہوگا یا دنیاوی و غیر شرعی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی پھیر کر بسم اللہ پڑھنا اور یہ سمجھنا کہ یہ بسم اللہ ہے، یہ غلط ہے، محض بسم

اللہ پڑھنے کا ثواب مستقل ہے۔

۲..... اس طریقہ کو ختم قرآن کہنا اور سمجھنا غلط ہے۔

۳..... اگر کوئی وظیفہ ایسا ہو کہ قرآن کریم کی سطور کے عدد کے موافق بسم اللہ پڑھی جائے تو اس کی

گنجائش ہے۔

۴..... خلاف دین کسی مقصد کا حاصل کرنا اور اس کے لئے وظیفہ پڑھنا درست نہیں، غیر شرعی

امور سے تو بچنے کا حکم ہے، ضرورت سے زائد ناموری کے لئے دولت حاصل کرنا امر دنیوی اور غیر شرعی

ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک شب میں قرآن کریم ختم کرنا

سوال [۱۲۱۳]: زید نے کہا کہ تلاوت قرآن پاک ایک شخص ایک شب میں نہیں کر سکتا، اگر کسی

نے کیا تو سنت کے خلاف کیا، قرآن پاک کی تلاوت ترتیل کے ساتھ کرنے کا حکم ہے، ایک شب میں جس نے

تلاوت کر کے لوگوں کو سنایا وہ قرآن کا حق ادا نہ کیا خلاف سنت ہے، قرآن کی بعض آیات یا تمام آیات کو جلد جلد

(۱) "عن سلمة قال: سمعت جندباً رضى الله تعالى عنه يقول: قال النبي ﷺ: "من سمع سمع الله به و

من يراء يراء الله به". (صحيح البخارى، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۲/۹۶۲، قديمي)

پڑھنے کا حکم شرعاً نہیں ہے کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کم از کم وہ گنہگار ہے۔ اس پر بکرنے کہا کہ ایک شب میں تلاوتِ قرآن کرنا درست ہے، ہمارے علاقہ میں حافظ چند گھنٹے میں قرآن ختم کرتے ہیں۔ اس پر زید نے کہا کہ وہ شیطان ہیں جو چند گھنٹے میں جیسا ویسا پڑھ دیا۔ تمام آبادی زید پر ناراض ہے کہ حافظ کو شیطان کیوں کہا مگر زید نے حدیث نہ ماننے کی وجہ سے کہا۔

زید کی مندرجہ باتیں کس حد تک درست ہیں اور بکر کی بات کہاں تک درست ہے؟ جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو نہ مانے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ ہمارے یہاں اس بات پر شدید اختلاف ہے۔ بکر نے کہا کہ حافظ کو شیطان کیوں کہا، زید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو جو نہ مانے اس بناء پر کہا۔ دونوں میں سے کس کا قول درست ہے؟ شرعاً جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیثِ پاک میں تین شب سے کم میں ختم قرآن پاک کو ناپسند فرمایا گیا ہے (۱)، اس میں پورے تدبر کا عموماً موقع نہیں ملتا، اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بہت سے اولیائے عظام سے تین شب سے کم میں بلکہ ایک شب میں بلکہ ایک رکعت میں پڑھنا بھی منقول ہے بلکہ ایک رات میں کئی کئی مرتبہ قرآن ختم کرنا بھی منقول ہے (۲)۔ اب بھی جو شخص قرآن پاک سے شوق و دلچسپی رکھتا ہو اور اس کو پختہ یاد ہو، صحیح پڑھتا ہو، دل جمعی سے تین شب سے کم میں ختم کر لے تو وہ گنہگار نہیں اور ایسے آدمی کو شیطان کہنا زیادتی ہے، جس نے کہا وہ اپنی

(۱) ”وعن عبد الله بن عمرو رضي الله عنها، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ”لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث“ أي: ليالي لأنه إذا كان لم يتمكن من التدبر له والتفكير فيه بسبب العجلة والملافة“ (مراقبة المفاتيح، شرح مشكاة المصابيح، كتاب فضائل القرآن: ۲/ ۲۰۱، رقم الحديث: ۲۲۰۱، رشیدیہ)

(۲) قال العلامة اللكنوي: ”ان قيام الليل كله، وقراءة القرآن في يوم وليلة مرة ومرات، وأداء ألف ركعات أو أزيد من ذلك، ونحو ذلك من المجاهدات والرياضات ليس ببدعة، وليس بمنهي عنه في الشرع، بل هو أمر حسن مرغوب إليه، لكن بشروط إلخ“ (إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة، في ضمن مجموعة رسائل اللكنوي: ۲/ ۲۰۱، إدارة القرآن)

(و کذا فی الفتاویٰ الحدیثیہ، ص: ۸۲، ۸۳، قدیمی)

غلطی کا اعتراف کر کے رجوع کر لے، اس نے بھی حدیث شریف کی وجہ سے کہا ہوگا مگر کہنے میں حد کی رعایت نہیں کی، غلطی سے غلط لفظ کہہ دیا، اپنی غلطی کا اقرار کر کے اصلاح کرنا بہت عمدہ بات ہے۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۹۴ھ۔

ختم قرآن پر دعوت کرنا

سوال [۱۲۱۲]: میرے بچے نے قرآن کریم حفظ کر لیا ہے، میرا ارادہ ہے کہ ایک ترغیبی جلسہ کر کے شیرینی تقسیم کر دوں، کیا ایسا کرنے سے کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن پاک اللہ پاک کی بہت بڑی دولت ہے، اس کا حفظ کر لینا بہت بڑی دولت ہے، اگر شکرانہ کے طور پر احباب و متعارفین کو مدعو کیا جائے اور غرباء و احباب کو کھانا کھلایا جائے تو یہ اس نعمت کی قدر دانی ہے ممنوع نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک دوسروں کو بھی حفظ کا شوق عطا فرمائے اور یہ اجتماع ترغیب و تبلیغ میں معین ہو جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورۃ بقرہ یاد کی تھی تو ایک اونٹ ذبح کر کے احباب و غرباء کو کھلایا تھا (۱)، اس لئے سلف صالحین میں اس کی اصل اور نظیر موجود ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ اللہ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے، ریا اور فخر کے لئے جو کام کیا جائے وہ مقبول نہیں (۲) اور نیت کا حال خدا ہی کو معلوم ہے (۳)،

(۱) "قال السيوطي في الدر: أخرج الخطيب في رواة مالك والبيهقي في شعب الإيمان عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال: "تعلم عمر رضي الله تعالى عنه البقرة في اثنتي عشرة سنة، فلما ختمها نحر جزوراً". (أوجز المسالك: ۱۳۴/۴، إدارة تالیفات اشرفیہ)

(۲) "وعن جندب - رضي الله تعالى عنه - قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من سمع سمع الله به، ومن يراءى يراءى الله به". متفق عليه. (مشکوۃ المصابیح، باب الرياء والسمعة من الرقاق، الفصل الأول، ص: ۴۵۴، قدیمی)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إن الله عز وجل لا ينظر إلى صوركم و أموالكم، ولكن ينظر إلى قلوبكم و أعمالكم". رواه مسلم. (مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، الفصل الأول، ص: ۴۵۴، قدیمی)

مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی غور طلب ہے کہ اگر اس نے رسم کی صورت اختیار کر لی تو اور پریشانی ہوگی (۱)، اس لئے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخفی طور پر غرباء کو ان کی ضرورت کی اشیاء بھی دے دی جائیں (۲) اور بچہ نے جہاں ختم کیا ہے وہاں پڑھنے والے بچوں اور ان کے اساتذہ کو شیرینی وغیرہ دیدی جائے اور مدرسہ کی امداد کر دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۸۹ھ۔

مکان کی تعمیر پر قرآن کریم ختم کرنا

سوال [۱۲۱۵]: زید ایک نیا مکان تعمیر کر رہا ہے، اس کی خیر و برکت کے لئے ایک ختم قرآن کروانا

چاہتا ہے۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خود اور اہل خانہ و احباب اس میں قرآن پاک کی تلاوت کر لیں اور دعا کر لیں کہ اللہ تعالیٰ اس میں خیر و برکت عطا فرما، اس مکان میں رہنے والوں کو طاعات کی توفیق دے، اتباع سنت نصیب فرما، گناہوں سے محفوظ رکھ، شیاطین، جنات اور پڑوسیوں کے شرور سے حفاظت فرما (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

(۱) "من أصر على أمر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشدة من الإضلال

..... وجاء في حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه: إن الله يحب أن تؤتى رخصته كما يحب أن

تؤتى عزائمهم". (السعاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۳، سهيل اکبر می لاہور)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم﴾: أي فالإخفاء (خير) من الإبداء

..... والأحاديث في أفضلية الإخفاء أكثر من أن تحصى الخ". (روح المعاني: ۴۴، دار إحياء

التراث العربي بيروت)

(۳) "ولا بأس باجتماعهم على قراءة الإخلاص جهراً عند ختم القرآن ويستحب له أن يجمع أهله وولده

عند الختم، ويدعو لهم الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في التسبيح وقراءة القرآن: ۵/۳۱، رشيدية) =

نابالغ سے ختم کرانا

سوال [۱۲۱۶]: ہمارے یہاں گھروں میں ختم شریف کراتے ہیں، بہت سے بچے ناپاک کہ جن کو کچھ ناپاکی کی تمیز نہیں ہے وہ بھی پڑھتے ہیں، قرآن پاک میں کئی جگہ سجدہ آتا ہے وہ ایک مرتبہ بھی سجدہ نہیں کرتے، اس طرح پر ختم کرانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

جو بچے نابالغ اور ناسمجھ ہوں ان پر سجدہ تلاوت واجب نہیں (۱)، جب وہ قرآن کریم پڑھتے ہیں تو ان کو بھی ثواب ملتا ہے (۲)، بڑوں کے ذمہ ہے کہ پاکی، ناپاکی کی تمیز سکھائیں۔ میت کو ثواب پہنچانا بہت اچھا ہے ان سے ثواب پہنچانے والے کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور میت کو بھی (۳)، ممکن جب کہ یہ ثواب پہنچانا شریعت کے موافق ہو یعنی اخلاص کے ساتھ ہو، ریاکاری، رسم کی پابندی، سوم، دہم، چہلم وغیرہ نہ ہو اور پڑھنے والے بھی ثواب کے لئے پڑھیں، چنوں، لاپچی دانوں، دعوت پیسوں کے لالچ سے نہ پڑھیں ورنہ ثواب نہیں ہوگا بلکہ گناہ ہوگا (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

= (و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۱۸، فصل فی صفۃ الأذکار، قدیمی)

(وتفسیر ابن کثیر: ۲/۲۸۱، سہیل اکیڈمی)

(۱) "فلا تجب (سجدة التلاوة) علی کافر و صبی و مجنون و حائض و نفساء قرأوا أو سمعوا؛ لأنهم ليسوا أهلاً لها". (الدر المختار: ۲/۱۰۷، باب سجود التلاوة، سعید)

(۲) "عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من قرأ حرفاً من كتاب الله فله به حسنة، و الحسنة بعشرة أمثالها الخ". (جامع الترمذی: ۲/۱۱۹، باب ما جاء فی من قرأ حرفاً من القرآن ماله من الأجر، سعید)

(۳) "من صام أو صلى أو تصدق، و جعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء، جاز، و يصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة". (رد المحتار: ۲/۲۴۳، مطلب فی القراءة للمیت، سعید)

(۴) "ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث و بعد الأسبوع، و نقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن و جمع الصلحاء والقراء للختم". (رد المحتار: ۲/۲۴۰، مطلب فی =

تلاوت کا ثواب پڑھنے والے کو بھی ملتا ہے

سوال [۱۲۱۷]: زید روزانہ تلاوت کلام اللہ کے بعد اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کل مومنین و مومنات، مسلمین و مسلمات کو ثواب بخش دے تو کیا زید کو تلاوت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟
الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کو بھی ثواب ملے گا وہ ہرگز محروم نہیں رہے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمد عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

قبرستان میں قرآن شریف لے جانا اور پڑھ کر ثواب پہونچانا

سوال [۱۲۱۸]: قبرستان میں قرآن شریف لیجا کر خود پڑھنا خواہ دوسرے سے اجرت پر پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب حامداً و مصلیاً:

قرآن شریف خود پڑھ کر ایصال ثواب کرنا یا دوسرے سے پڑھوا کر ثواب پہونچانا درست اور میت

= کراهة الضیافة من أهل الميت، سعید)

(۱) "الأصل أن كل من أتى بعبادة ما، له جعل ثوابها لغيره". (الدر المختار) (قوله: بعبادة ما الخ): أي سواء كانت صلاة أو صوماً أو صدقة أو قراءة أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا تنقص من أجره شيء اهـ". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۵۹۵/۲، سعید)

"قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من قرأ حرفاً من كتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: "آلَمْ" حرف، ولكن "الف" حرفٌ "ولام" حرفٌ "وميم" حرفٌ". (جامع الترمذی، باب ماجاء فی من قرأ حرفاً من القرآن: ۱۱۹/۲، سعید).

(کذا فی المسند للإمام أحمد: ۴/۳۷۷، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

(ومصنف ابن أبي شيبة: ۱۰/۴۶۱، دار الفكر بیروت)

(والکامل فی الضعفاء لابن عدی: ۵/۸۰، دار الفكر بیروت)

کیلئے نافع ہے (۱) لیکن اجرت دیکر پڑھوانا جائز نہیں ہے گناہ ہے، اجرت کا لینا بھی ناجائز ہے اور اس سے ثواب نہیں پہنچتا، اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں۔

جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار، جلد خامس، کتاب الاجارہ میں عینی وغیرہ سے بصراحت نقل کیا ہے (۲)۔ قبر پر قرآن شریف پڑھنے میں اختلاف ہے، ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

”ثم قراءة القرآن وإهداء ما له تطوعاً بغير أجره، يصل، ولو أوصى بأن يعطى شيئاً من ماله لمن يقرأ القرآن على قبره فالوصية باطلة؛ لأنه في معنى الأجرة، كذا في الاختيار. وهذا بمعنى عدم جواز الاستجار على الطاعات (إلى قوله) ثم القراءة عند القبور مكروهة عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى ومالك رحمه الله تعالى وأحمد رحمه الله تعالى في رواية؛ لأنه محدث ترد به السنة. وقال محمد بن حسن وأحمد في رواية: لا يكره..... روى عن ابن عمر أنه أوصى أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها، والله سبحانه أعلم“ (۳)۔

طحطاوی نے امام محمد کے قول کو مختار لکھا ہے: ”وأخذ من ذلك جواز القراءة على القبر، والمسئلة ذات خلاف: قال الإمام، تكره؛ لأن أهلها جيفة، ولم يصح فيها شيء عنده عنه صلى الله تعالى عليه وسلم، وقال محمد: تستحب لورود الآثار، وهو المذهب المختار كما صرحوا به في كتاب الاستحسان الخ“۔ طحطاوی، ص: ۳۲۳ (۴)۔

قرآن شریف کو قبرستان میں لے جا کر تلاوت کرنا فی نفسہ مباح ہے لیکن اس کا التزام منع ہے جیسا کہ بعض دیار میں رواج ہے، ثواب گھر سے بھی پہنچ جاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

(۱) ”من صام أو صلى أو تصدق، وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء، جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة“۔ (رد المحتار: ۲/۲۲۳، مطلب في القراءة للميت، سعيد)

(۲) (رد المحتار: ۶/۵۶، كتاب الإجارة، مطلب: تحريرهم في عدم جواز الاستجار على التلاوة والتهليل ونحوه مما لا ضرورة إليه، سعيد)

(۳) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۳۱، قديمي)

(۴) (حاشية الطحطاوى، ص: ۶۲۳، باب زيارة القبور، قديمي)

غیر مسلم کو قرآن پاک کی تعلیم دینا

سوال [۱۲۶۹]: اگر کوئی مسلم غیر مسلم کو قرآن وغیرہ پڑھائے تو کیا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر با اثر مسلم کسی غیر مسلم کو اس نیت سے قرآن کریم پڑھائے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے تو درست ہے، مگر اس کو تاکید رکھے کہ وہ بے وضو قرآن شریف کو ہاتھ نہ لگائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۹۲ھ۔

انگریز کو قرآن شریف کی تعلیم دینا

سوال [۱۲۲۰]: ایک عیسائی اور اس کی میم بالغ ہیں اور قرآن شریف پڑھنا چاہتے ہیں، آیا ان کو

پڑھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

امام مسجد، جدید دہرہ دول۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہ نیت تبلیغ و ہدایت پڑھانا جائز ہے، کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق اسلام عطا فرمائے۔ قرآن شریف کا احترام ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ بلا وضو اس کو ہاتھ نہ لگایا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ذی قعدہ/۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ذی قعدہ/۵۸ھ۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَا يُمْسِكُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ (واقعة: ۷۹)

”ويمنع النصرانی من مسه، وجوزه محمد إذا اغتسل، ولا بأس بتعليمه القرآن والفقہ عسی أن يهتدی“۔ (الدر المختار، کتاب الطہارۃ، قبیل باب المیاء: ۱/۷۸، سعید)

”ولا بأس بتعليم الكافر القرآن أو الفقہ رجاء أن يهتدی، ولكن لا يمس المصحف مالم يغتسل“۔ (الحلبی الكبير، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة وما لا يكره وفي القراءة خارج الصلاة،

ص: ۲۹۲، سہیل اکیڈمی، لاہور)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”غیر مسلم کو قرآن کی تعلیم دینا“)

غیر مسلم کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دینا

سوال [۱۲۲۱]: سوائے مسلم کے دیگر مذہب کے لوگوں کو قرآن شریف پڑھانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

جائز ہے، کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کو اسلام کی توفیق دیدیں، مگر اس کو قرآن شریف کو ہاتھ لگانے سے بلا وضو منع کر دینا چاہئے:

”کافر من أهل الذمة أو من أهل الحرب طالب من مسلم أن يعلم القرآن والفقہ، قالوا: لا بأس بأن يعلم القرآن والفقہ فی الدین؛ لأنه عسی أن یهدی إلى الإسلام فیسلم، إلا أن الکفار لا یمس المصحف اهـ“. فتاویٰ قاضی خان: ۷۹۴/۴ (۱)۔

یعنی اہل ذمہ یا اہل حرب میں سے کسی کافر نے کسی مسلمان سے درخواست کی کہ وہ اس کو قرآن و فقہ کی تعلیم دے تو مشائخ نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اس کو قرآن اور فقہ فی الدین کی تعلیم دے، اس لئے کہ امید ہے کہ اس کو اسلام کی ہدایت ہو جائے اور وہ اسلام قبول کر لے، مگر یہ کافر قرآن پاک کو نہ چھوئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۲/۵۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۸/صفر/۵۶ھ۔



(۱) ”قال الإمام محمد فی السیر الکبیر: ”و إذا قال الحربی أو الذمی للمسلم: علمنی القرآن، فلا بأس بأن یعلمه و یفقہه فی الدین، لعل الله یقلب قلبه. والحاصل مما سبق أن وقوع المصحف بأیدی الکفار إنما یمنع منه إذا خیف منهم إهانته، أما إذا لم یکن مثل هذا الخوف، فلا بأس بذلك لا سیماً لتعلیم القرآن و تبلیغه. والله اعلم.“ (تکملہ فتح الملہم شرح صحیح الإمام مسلم، باب النهی أن یسافر بالمصحف الخ: ۳۸۶/۳، مکتبہ دار العلوم کراچی)

وفی الدر: ”و یمنع النصرانی من مسه، و جوزہ محمد إذا اغتسل، ولا بأس بتعلیمه القرآن والفقہ، عسی أن یهدی“. (الدر المختار، کتاب الطہارۃ: ۱/۷۸، سعید)

المتفرقات

قرآن افضل ہے یا سید؟

سوال [۱۲۲۲]: ایک مولوی صاحب سے کسی نے شانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شانِ قرآن پاک کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ مسئلہ نازک ہے عام لوگوں کی فہم سے اوپر ہے۔ لیکن سرائل ایک سید تھا جس کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم قرآن شریف سے بوجہ اولاد ہونے بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افضل ہیں لہذا ہم پر شریعت کی پابندی ضروری نہیں۔ مولوی صاحب نے عظمتِ قرآن شریف میں فرمایا کہ قرآن شریف کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾۔ اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ لگانا حالتِ جنابت اور وضو نہ ہونے میں احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کا آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا احترام تھا۔

ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ بلکہ بعض جہلاء نے یہ فتویٰ دیا کہ ایسا مولوی صاحب واجب القتل ہے، والد نے اپنے بیٹے کو تنبیہ کی کہ مولوی صاحب کے پیچھے نماز جائز ہے تم نماز پڑھا کرو، اس نے جواب دیا کہ دیوبندی کے پیچھے نماز ناجائز ہے اور آپ کی اس بارے میں میرے اوپر اطاعت کوئی ضروری نہیں اور قیامت میں میری اس نافرمانی کا اجر ملے گا نہ کہ گناہ آیا والد صاحب کی اطاعت ضروری ہے یا مرشد بریلوی کی؟ جواب مدلل ہو اور مسئلہ کی پوری تحقیق ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جابل سید کا یہ مقولہ انتہائی جہالت پر مبنی ہے، شریعتِ غرا کی پابندی خود بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے والد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ضروری تھی (۱)۔ آں حضرت صلی

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾. (سورة طه: ۱۳۳)

وقال الله تعالى: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (سورة الذاریات: ۵۶)

اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”اگر میری بیٹی فاطمہ چوری کرے۔ اعداؤں اللہ منہا۔ تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹوں گا“ (۱)۔ پھر حضور نبی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد پر شریعت کی پابندی کیسے ضروری نہیں ہوگی؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک میں تقابل کا مسئلہ واقعہً نازک ہے، ہر شخص کے سمجھنے کا نہیں، سعایہ شرح وقایہ میں اس پر کلام کیا ہے۔ جو امور موافق شرع ہوں ان میں باپ کی اطاعت کرنی چاہئے، خلاف شرع امور میں اطاعت جائز نہیں: ”لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق“۔ الحدیث (۲)۔

مسئلہ مذکورہ میں عظمت قرآن شریف کے متعلق مولوی صاحب کا جواب اور عقیدہ صحیح ہے اور ایسے شخص کو واجب القتل قرار دینا عناد اور عصبیت ہے۔ لڑکے کا اپنے والد کو جواب مذکور دینا غلط ہے، اس کو معاملہ میں والد کی اطاعت کرنی چاہئے کہ یہ شریعت کے مطابق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۸/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۲/شعبان/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

غلاف قرآن اور غلاف کعبہ میں کون افضل ہے؟

سوال [۱۲۲۳]: زید کہتا ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۳۰ھ میں پانی پت میں وعظ فرمایا

(۱) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا أن قریشاً أتهمهم شأن المرأة المخزومية التي سرقت، فقالوا: من يكلم فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا: ومن يجترئ عليه أسامة بن زيد حبيب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فكلمه أسامة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”أتشفع في حد من حدود الله؟“ ثم قام فاختطب، ثم قال: ”إنما أهلك الذين قبلكم، إنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه، وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد، وأيم الله! لو أن فاطمة بنت محمد (صلى الله عليه وسلم) سرقت لقطع يدكها“۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۳۱۴، باب الشفاعة فی الحدود، قدیمی)

(وسنن ابن ماجہ، ص: ۱۸۳، باب الشفاعة فی الحدود، قدیمی)

(۲) (فیض القدیر: ۶۴۸۶/۱۲، رقم الحدیث: ۹۹۰۳، بیروت)

(ومسند الإمام أحمد: ۵۹/۶، رقم الحدیث: ۲۰۱۳۰، دار إحياء التراث العربی)

تھا جس میں حضرت نے ایک اہم مسئلہ بیان فرمایا تھا کہ غلاف کلام اللہ غلاف بیت اللہ سے افضل ہے، چونکہ کلام اللہ، اللہ کی صفات ازلیہ ابدیہ میں سے ہے اور صفت موصوف میں علاقہ اتحاد ہوتا ہے، اس بناء پر وہ کپڑا غلاف کلام اللہ جس کا اتصال صفت حق تعالیٰ کے کلام سے ہے وہ افضل ہے بہ نسبت اس کپڑے کے جس کا اتصال صفت باری تعالیٰ سے نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے نہیں کہ اس پر ایمان کی صحت موقوف ہو یا اس پر ادائے فرائض موقوف ہو، محض علمی نکتہ کے درجہ میں ہے، ایسے مسائل میں نزاع نہیں کرنا چاہئے۔

قرآن کریم کا بیت اللہ سے افضل ہونا حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے (۱)، اسی واسطے جو غلاف (جزدان) قرآن کریم سے متصل ہے وہ غلاف بیت اللہ سے افضل ہوگا، یہ بات الگ ہے کہ غلاف بیت اللہ پر کلمہ شریف یا کوئی آیت لکھی ہو تو اس کی وجہ سے اس کو افضلیت ہو جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/۹۸ھ۔

شیطان قراءت قرآن پر قادر نہیں

سوال [۱۲۲۲]: مولانا لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا کہ شیطان قراءت قرآن پر قادر نہیں، لیکن بخاری شریف میں حدیث طویل ”عن أبي هريره رضى الله تعالى عنه“ میں ہے: شیطان نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آیت الکرسی کی تعلیم کی۔ لہذا اس میں پڑھنا بھی آگیا، اس تعارض کا کیا جواب ہے؟ زید اس کا جواب دیتا ہے کہ پڑھنا بطور نام کے ہے جیسے سورہ ”الحمد لله“ کہنا لہذا یہ پڑھنے میں شمار نہیں، یا شیطان نے صرف آیت الکرسی کہا ہوگا، یا اس وقت شیطان انسان کے روپ میں تھا، وغیرہ وغیرہ۔

(۱) ”وعنه عليه الصلاة والسلام: ”القرآن أحب إلى الله تعالى من السموات والأرض ومن فيهن.“ (قوله:

ومن فيهن) ظاهره يعم النبي صلى الله عليه وسلم، والمسألة ذات خلاف، والأحوط الوقف.“ (رد

المحتار: ۱/۷۸، قبيل باب المياہ، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جوابات بھی دیئے گئے ہیں اور محققین نے دیئے ہیں (۱)۔

حررہ العبد محمود غنی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غنی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

کیا ملائکہ کو تلاوت قرآن پاک پر قدرت ہے؟

سوال [۱۲۲۵]: علم الکلام مؤلفہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے قول حافظ ابن

صلاح رحمہ اللہ کا تحریر کیا ہے کہ فرشتے قرآن مجید پڑھ نہیں سکتے سن سکتے ہیں: ﴿فالتالیات ذکر﴾ (۲) ﴿فإذا قرأناه فاتبع قرآنہ﴾ (۳) سے کیا مراد ہے؟ اور وقت نزول جبریل علیہ السلام قرآن پاک کو کس طرح نازل فرماتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے صحیح لکھا ہے (۴)۔ حضرت جبریل علیہ السلام جب

(۱) ”وسئل ابن الصلاح عن من يقول: الشيطان يقدر أن يقرأ القرآن ويصلي هو وجنوده؟ فأجاب بقوله: ظاهر النقول ينفي قراءتهم القرآن وقوعاً، ويلزم من ذلك انتفاء الصلاة منهم؛ إذ منها قراءة القرآن الخ“۔ (الفتاوى الحديثية، ص: ۳۱۰، مطلب: يجوز تكرير سورة الإخلاص خلافاً للإمام أحمد، قديمي)

(۲) (الصفات: ۳)

(۳) (القيمة: ۱۸)

(۴) ”وقد ورد أن الملائكة لم يعطوا فضيلة حفظه، فهم حريصون على استماعه من الإنس، فإن قراءة القرآن كرامة أكرم الله بها الإنس، غير أن المؤمنين من الجن بلغنا أنهم يقرؤونه، وما ذكره في الملائكة“۔

قال الكمال الدميري: قد يتوقف فيه من جهة أن الجبريل هو النازل بالقرآن على النبي صلى الله عليه وسلم، وقال تعالى في وصف الملائكة: (فالتليت ذكراً) (الصفات: ۳): أي يتلوا القرآن، وقد يجاب أن ذلك خصوصية لجبريل، وتفسير الآية بخصوص كونها تتلوا القرآن هو محل النزاع، فلا دليل فيه“۔ (الفتاوى الحديثية، ص: ۳۱۰، مطلب: يجوز تكرير سورة الإخلاص الخ، قديمي)

قرآن پاک کی آیت لا کر سناتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ پڑھنا شروع فرماتے اس خیال سے کہ بھول نہ جائیں، اس پر ارشاد ہوا: ﴿لَا تَحْرُكْ بِهِ لِسَانَكَ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ، فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ، ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ (الآیة) (۱) یہ وحی پہنچنے کے وقت کا واقعہ ہے، ایسا نہیں ہے کہ جو فرشتہ جب دل چاہے تلاوت کر لیا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۸/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۸/۸۷ھ۔

کیا ملائکہ تلاوت کرتے ہیں؟

سوال [۱۲۲۶]: علم الکلام مؤلفہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے حافظ ابن صلاح کا قول تحریر کیا ہے کہ فرشتے قرآن مجید نہیں پڑھ سکتے، سن سکتے ہیں: ﴿فَالْتَالِيَاتِ ذِكْرًا﴾ (۲)، ﴿فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ (۳) سے کیا مراد ہے؟ اور وقت نزول حضرت جبریل علیہ السلام قرآن پاک کس طرح نازل فرماتے تھے؟

(۱) (سورة القيامة: ۱۸-۱۹)

(۲) (سورة الصافات: ۳)

سورہ صافات کی آیت سے متعلق حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا، لیکن اس کا جواب بظاہر یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں لفظ ”ذکرًا“ ہے اور ملائکہ کے لئے ذکر اللہ کا ثبوت احادیث میں ہے، دوسرا یہ کہ اس سے بھی آیات کتب سماویہ کا انبیاء علیہم السلام پر بطور وحی پڑھنا ہے، یا ”التالیات“ سے علماء کی نفوس مراد ہیں جو کہ نمازوں میں صف بند ہوتے ہیں اور شرک و کفر سے ڈراتے ہیں دلائل کے ذریعہ سے، یا اس سے مراد نفوس مجاہدین ہے جو کہ وقت قتال صف بند ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دشمن کی پکار ان کو غافل نہیں کر سکتی: قال القاضي ثناء الله الباني بتي رحمه الله تعالى: ”(فالتاليات ذكرًا) هم الملائكة الذين يتلون ذكر الله، أو آيات الله من الكتب السماوية على الأنبياء أو أقسم نفوس العلماء الصافين أقدمهم في الصلوة، الزاجرين عن الكفر والسيئات بالحجج والنصائح، التاليين آيات ربهم رفيع الدرجات. أو بنفوس الغزاة المقاتلين في سبيل الله صفًا كأنهم بنيان مرصوص، الزاجرين الخيل والعدو، التاليين لذكر الله، لا يشغلهم مبارزة العدو عن ذكر الله“.

(التفسير المظهری (الصافات: ۳): ۱۰۵/۸، المكتبة الحبيبية، کوئٹہ)

(۳) (سورة القيامة: ۱۸)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مولانا محمد ادریس صاحب نے صحیح لکھا ہے، حضرت جبریل علیہ السلام جب قرآن پاک کی آیت لا کر سناتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ پڑھنا شروع فرماتے، اس خیال سے کہ بھول نہ جائیں، اس پر ارشاد ہوا: ﴿فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قِرَاءَتَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ (۱) یہ وحی پہونچانے کے وقت کا واقعہ ہے (۲)۔ ایسا نہیں کہ جو فرشتہ جب دل چاہے تلاوت کر لیا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۸/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بند محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۸/۸۷ھ۔

مسلمان قرآن شریف کو نہیں سمجھتا

سوال [۱۲۲۷]: ایک بڑے دکھ کی بات یہ ہے کہ جب ہم قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم یہ نہیں سمجھ پاتے کہ آخر اس کا ترجمہ کیا ہے، جو آیات ہم اس وقت پڑھ رہے ہیں، آج ہم مسلمان اپنے اسلام کے بارے میں صحیح طرح نہیں جانتے اس لئے بڑا افسوس ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شخص قانون کی زبان یا رائج الوقت ملک کی زبان کو نہ سیکھے درآنحالیکہ اس کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام ہے اور ہر طرح کی سہولتیں ہیں اور وہ یہ کہے کہ دکھ کی بات ہے کہ ہم قانون کی کتاب کو نہیں سمجھ پاتے، یا اسٹیشنوں، بازاروں، دفاتروں، کچھریوں میں جو اعلانات، سائن بورڈ، نقشے، نام لگے ہوئے اور لکھے ہوئے ہیں

(۱) (القیامۃ: ۱۸)

(۲) ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: ”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا نزل علیہ الوحی یلقى منہ شدة، وکان إذا نزل علیہ عرف فی تحریکہ شفٹیہ ینلقى أولہ، ویحرک شفٹیہ خشیة أن ینسی أولہ قبل أن یفرغ من آخرہ، فأنزل اللہ تعالیٰ: (لا تحرک بہ لسانک النخ)“ (تفسیر ابن کثیر، الجزء التاسع والعشرون (القیامۃ: ۱۸): ۵۷۸/۴، دارالسلام، الرياض)

(و کذا فی صفوة التفاسیر، (القیامۃ: ۱۸): ۴۸۶/۳، دارالقرآن الکریم، بیروت)

(و کذا فی روح المعانی: ۱۴۲/۲۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

ان کو نہیں سمجھتے، تو اس کا صاف صاف جواب یہی ہے کہ یہ دکھ آپ نے خود ہی اپنے سر لے رکھا ہے کہ قانون کی زبان اور رائج الوقت زبان کو نہیں سیکھا اور جگہ جگہ جو تعلیم گاہیں، کالج، یونیورسٹیاں موجود ہیں جن میں تعلیم ہوتی ہے، امتحانات ہوتے ہیں، سندیں ملتی ہیں، پھر اچھی ملازمتوں پر بلایا جاتا ہے، ان سب سے آپ نے صرف نظر کر کے سب کو بیکار سمجھ لیا ہے، یہی جواب آپ کے اس سوال کا ہے۔ آپ انگریزی تعلیم پر یا ہندی تعلیم پر وقت صرف کرتے ہیں، دماغی محنت خرچ کرتے ہیں، روپیہ خرچ کرتے ہیں، راحت و آرام ترک کرتے ہیں، اس کا پھل آپ لیتے ہیں، وہاں کوئی دکھ نہیں ہوتا۔ اس طرح آپ عربی تعلیم پر محنت کرتے وقت خرچ کرتے تو آپ اس کو سمجھ لیتے اور دکھ رفع ہو جاتا، تفاسیر و تراجم، اردو، ہندی، انگریزی، عربی ہر زبان میں موجود ہیں۔ الحاصل اس دکھ کی دوا خود آپ کے پاس ہے، ذرا ہمت و توجہ کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۹ھ۔

قرآن میں سائنس کی بحث

سوال [۱۲۲۸]: ایک شخص کا یہ خیال ہے کہ قرآن پاک کا نزول اس لئے ہوا ہے کہ اخروی سعادت اور نجات حاصل ہو سکے اور خدا کی صحیح معرفت نصیب ہو، اسی مقصد کے لئے خدا نے جہاں مناسب سمجھا وہاں تمثیلات بیان کیں اور دلائل آفاقی و انفسی سے کام لیا، مگر قرآن سائنس اور مادیات کی تعلیم دینے والی کتاب نہیں، کائنات کے بارے میں قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ضمنی یا تو توحید کے بیان کے لئے یا رسالت و آخرت وغیرہ عقائد اسلامی کے استدلال کے لئے، مقصد نزول، کائنات کی ماہیت وغیرہ بیان کرنا نہیں، اسی لئے اس کا یہ گمان ہے کہ کائنات کے بارے میں قرآن نے جو کچھ انکشافات کئے ہیں ان میں سے بہت سی چیزیں حقیقت نفس الامر یہ ہیں اور بعض چیزیں مسلم قوم ہیں۔

چونکہ قرآن تو عرب قوم کو توحید و رسالت اور آخرت پر مضبوطی کے ساتھ جمانا چاہتا ہے اس لئے کائنات کے بارے میں ان کے جو خیالات تھے اسی کو دلیل کے طور پر بیان کیا گیا، اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ حقیقت نفس الامر بھی یہی ہے، اگر یہ خیال صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے بہت سے اعتراضات سے چھکارا مل جاتا ہے جو آئے دن سائنس کی جدید تحقیقات کے ذریعہ سے قرآن پر ہوتے رہتے ہیں۔ آپ سے دریافت

طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ خیال صحیح ہے، امید کہ اس کے پہلو پر بڑے غور و فکر سے جواب عنایت فرمائیں گے۔
الجواب حامداً ومصلیاً:

فیض الباری میں بھی اس کے قریب ہے مثلاً: اس میں ہے کہ آسمان حرکت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے، چاند، سورج، تاروں کی حرکت نظر آتی ہے، قرآن پاک نے اس ظاہری ہیئت کا تذکرہ فرمایا ہے ﴿والشمس تجری لمستقر لہا... کل فی فلك یسبحون﴾ (۱) وغیرہ (۲)۔ اس سے بحث کرنا کہ زمین متحرک ہے یا آسمان، زائد از ضرورت ہے، بلکہ ظاہری ہیئت سے جو عبرت و نصیحت حاصل کی جاسکتی ہے اور خالق کی طرف رہنمائی ہوتی ہے، اس پر اکتفا کیا گیا ہے، اگر سائنس نے یہ پتہ بھی لگالیا کہ زمین متحرک ہوتی ہے یا آسمان متحرک ہوتا ہے یا آسمان موجود ہی نہیں بلکہ منتہائے نظر ہے اور جو متحرک ہے اس کی حرکت طبعی ہے یا عائق کی وجہ سے تو اول تو اس پر بھی کوئی قطعی دلیل قائم نہیں اس لئے کہ آئے دن تحقیقات بدلتی رہتی ہیں، بعد والا طبقہ اپنے سے پہلوں کی تغلیط و تردید کرتا رہتا ہے اور یہ سب کچھ ظن و تخمین پر ہے نہ کہ علم و یقین پر، ورنہ تبدیل نہ ہوتا، کیونکہ حقائق واقعیہ میں تبدیل نہیں ہوتا۔ دوسرے جو مقصد ہے (معرفت خالق اور اس کی اطاعت) اس سے یہ سائنسدان طبقہ بہت دور اور محروم ہے، وہ عامۃً خالق ہی کا منکر ہے، پھر تو یہ سائنس و بال جان ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

فالنامہ قرآن پاک میں کیوں ہے؟

سوال [۱۲۲۹]: فال نکالنا کفر ہے تو فالنامہ قرآن میں کیوں لگائے گئے ہیں؟ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کئی کتابوں میں کفر اور شرک لکھا ہے۔

(۱) (سورۃ یس: ۳۸، ۴۰)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (تفسیر ابن کثیر: ۳/۵۴، دار السلام، ریاض)

(۲) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ویتفکرون فی خلق السموات والأرض ربنا ما خلقت هذا باطلا﴾. (آل عمران: ۱۹۱)

وقال جل شانہ: ﴿وَبَنینا فوقکم سبعاً شداداً، وجعلنا سراجاً وهاجاً﴾. (النبا: ۱۲، ۱۳)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فالنامہ قرآن شریف میں تاجروں نے لگا دیا ہے تاکہ لوگ زیادہ خریدیں، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ نے نہیں لگایا، نہ لگانے کی اجازت دی (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔
الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

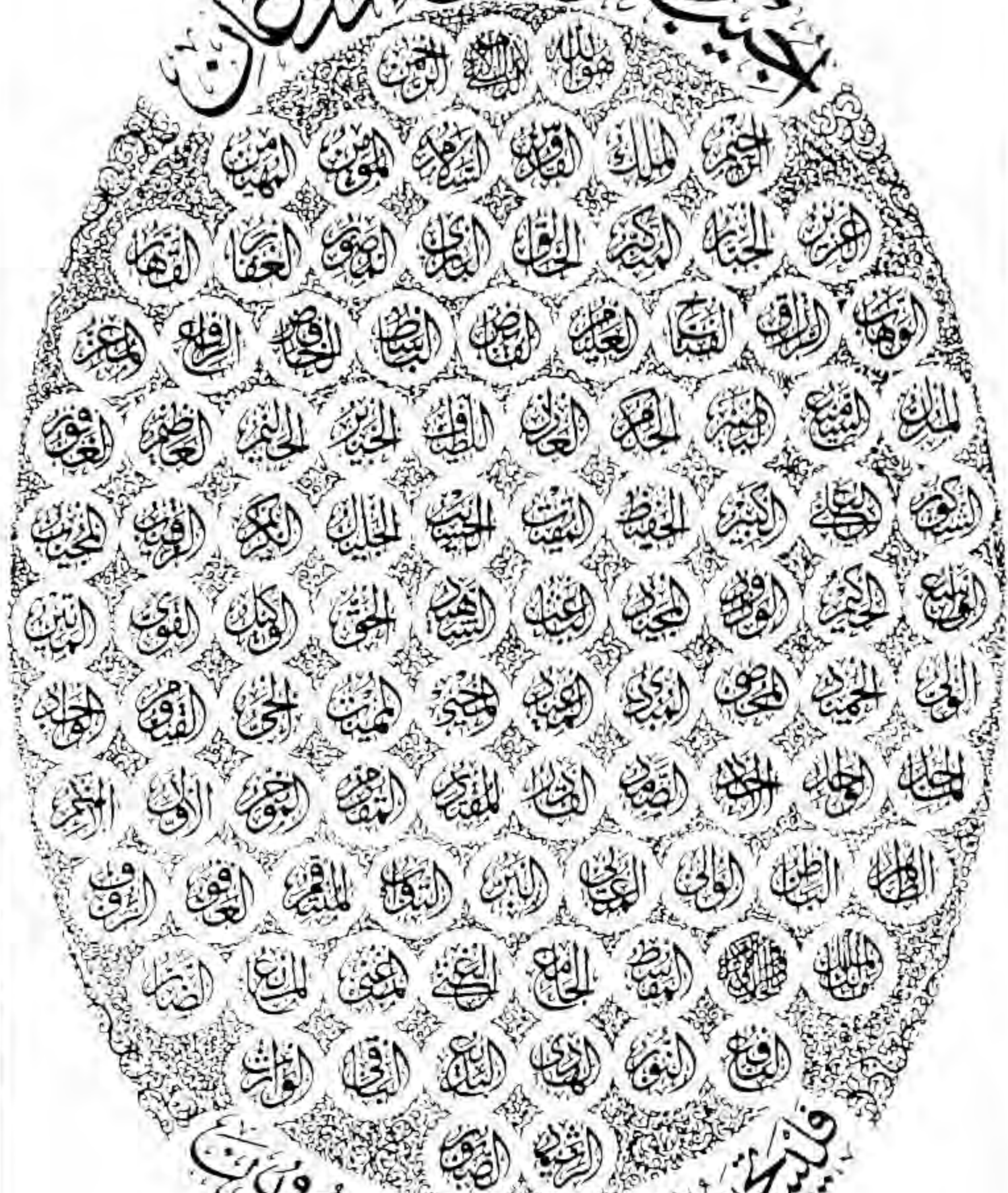


(۱) امداد الفتاویٰ میں ہے: ”محققین نے اس (قرآن مجید سے فال نکالنے) کو ناجائز لکھا ہے خصوصاً جب کہ اس کا یقین کیا جائے تو سب کے نزدیک ناجائز ہے۔“ (۴/۵۸، ۵۹، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(و کذا فی الفتاویٰ الحدیثیۃ، ص: ۳۰۷ قدیمی)

(و کذا فی شرح الفقہ الأکبر، ص: ۱۴۹، قدیمی)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



فَلْيَسْكَبُوا إِلَى يَوْمِ نَوَابِي الْعَامِ